چودہ ستارے

حضرت محمد مصطفیٰ ؐ

حضرت علی مرتضیٰ ؑ

حضرت فاطمہ ؑ

حضرت امام حسن ؑ

حضرت امام زین العابدین ؑ

حضرت امام حسین ؑ

حضرت امام محمد باقر ؑ

حضرت امام جعفر صادق ؑ

حضرت امام موسیٰ کاظم ؑ

حضرت امام علی رضا ؑ

حضرت امام محمد تقی ؑ

حضرت امام علی نقی ؑ

حضرت امام حسن عسکری ؑ

حضرت امام مہدی ؑ

تالیف

حضرت علامہ صادق حسن نجمی

تخریج و تحقیق

حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری

ریسرچ سکالر اسلامک یونیورسٹی ٥ قم ٥ ایران

چودہ ستارے

(سیرتِ چہاردہ معصومین علیہم السلام پر مشتمل شاہکار مجالس)

مجموعۂ تقاریر

علامہ صادق حسن نجفی صاحب قبلہ

مرتب

مولانا ندیم عباس حیدری علوی

نظر ثانی

حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری فاضل قم

ناشر

ادارہ منہاج الصالحین

جناح ٹاؤن، ٹھوکر نیاز بیگ، لاہور

فون: 5425372

کتاب : چودہ ستارے

تقاریر : علامہ صادق حسن نجفی صاحب قبلہ مقیم آسٹریلیا

مرتب : مولانا ندیم عباس حیدری علوی

تصحیح : علامہ ریاض حسین جعفری، فاضل قم

پروف ریڈنگ : معصومہ بتول جعفری ایم۔اے

فنی تعاون : زہرا بتول جعفری، محدثہ بتول جعفری

تزئین : محمد عمران حیدر جعفری

کمپوزنگ : ایم اعجاز احمد، احتشام اعجاز

اشاعت : جنوری 2013ء

ہدیہ : [redacted]وپے

ملنے کا پتہ

ادارہ مِنہاجُ الصّالحِین۔ لاہور

الحمد مارکیٹ فسٹ فلور دکان نمبر 20- غزنی سٹریٹ - اردو بازار - لاہور

فون: 042-37225252 ، 0301-4575120

ترتیب

چودہ ستاروں کی عالم تاب روشنی

(مظہر عباس چودھری)

اُردو شعر و ادب کی تاریخ چار پانچ سو سال سے قدیم نہیں' زیادہ سے زیادہ سات سو سال کا سفر طے کیا جا سکتا ہے لیکن اُردو نثر تو محض صدی ڈیڑھ صدی سے تحریری صورت میں ظہور پذیر ہوئی۔ یہ تحقیق ہمارا مستقل مؤقف ہرگز نہیں' بتانا صرف یہ مقصود ہے کہ مختلف علوم وفنون اُردو کے قالب میں ڈھالنے کے لیے ابھی بہت تگ و تاز کی ضرورت ہے اور اس کے متوازی:

ع گیسوئے اُردو ابھی منت پذیر شانہ ہے

علومِ محمدؐ و آلِ محمدؐ جو حقیقی اور اُلوہی ولدنی علوم ہیں کو اُردو میں منتقل کرنے کا کام شومئی قسمت سے بہت سست رہا ہے اور تخلیق و تالیف بھی اس حوالے سے کوئی قابلِ ذکر حیثیت نہیں رکھتی۔ قرآن پاک (جو کلامِ الٰہی ہے) کے اُردو ترجمے کی تاریخ شاہ عبدالعزیز سے آگے نہیں جاتی' جب کہ ہم لوگوں کے تراجم مولانا مقبول دہلوی اور مولانا فرمان علی اعلیٰ اللہ مقامہما تک جا کر رُک جاتے ہیں' گویا ایک صدی کا قصہ ہے۔

ہماری کتبِ فقہ یعنی کتبِ اربعہ بھی تشنہ تراجم ہیں۔ بحارالانوار جیسی (دائرۃ المعارف) کتاب کے ترجمے کا آغاز ابھی کل کی بات ہے جو چودہ پندرہ جلدوں سے آگے نہیں جا سکا۔ اس ضمن میں لائقِ تحسین ہیں وہ علمائے کرام جو تشیع کے مآخذ و منابع کا مطالعہ کر کے علومِ آلِ محمدؐ کی کرنیں عوام تک پہنچاتے رہتے ہیں۔ ان علمائے کرام کا تذکرہ کرنے سے پہلے جی میں آ رہا ہے کہ اُردو زبان کی ایک دو اور بدقسمتیوں کا ذکر بھی یہاں پر کر دیا جائے۔ ہو سکتا ہے کسی کے کان پر جوں رینگ جائے اور وہ قوم کی توجہ اپنی اس محرومی اور کمزوری کی طرف مبذول کرا دے۔

عرض یہ ہے کہ ہمارے دینی حلقوں میں خصوصاً حوزہ ہائے علمیہ اور مدارس شریف میں اُردو زبان کی تعلیم و تدریس کی طرف قطعاً توجہ نہیں دی جاتی۔ ہر کوئی عربی فارسی سے اپنی علاقائی زبان / لہجے (سرائیکی' بلتی' پنجابی' پوٹھوہاری' ہندکو' گجراتی' سندھی' بلوچی' پشتو' ہندی وغیرہم میں) زیادہ اور اُردو میں بہت کم' علومِ آلِ محمدؐ کو سیکھتا ہے اور اسی خام حالت میں یا ٹوٹی پھوٹی اُردو

میں آگے منتقل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یوں دین کی لنگڑی لولی ترویج و اشاعت کر کے ڈھیروں فخر محسوس کیا جاتا ہے۔

حیران کن بات تو یہ ہے کہ بڑے بڑے احبار اپنی کتابوں کے ترجمے اناڑی اُردو دانوں کی تصحیح کے بعد شائع کراتے ہیں (کیوں کہ فاضل زبان دانوں سے تو تعلق قائم ہی نہیں ہو پاتا) لیکن اس امر کی طرف قطعاً توجہ نہیں فرماتے کہ ہم اس کمی اور کم زوری کے ازالے کے لیے اپنے مدارس میں اُردو زبان کو بطور نصابی مضمون کے شامل کر لیں' تاکہ مستقبل قریب میں اس کمی کجی کا ازالہ کیا جا سکے۔ ہماری زبان اور رشحات قلم میں تاثیر پیدا ہو' حلقہ قارئین بڑھے اور پیشہ ور مقرروں اور قلم کاروں کی تقریروں اور تحریروں کے آگے بند باندھا جا سکے۔

کج فکری کی انتہا یہ ہے کہ اگر کوئی ایسی کاوش اور جدوجہد کرتا بھی ہے تو اس کی بھرپور مخالفت کی جاتی ہے۔ لاہور کے علمائے تشیع میں میری نظر میں صرف اور صرف حضرت علامہ ریاض حسین جعفری ہیں جو اس نازک مسئلے پر غور فرما چکے ہیں اور اس فقدان کے ازالے کے لیے زبانی اور تحریری ہر دو طریقوں سے تحریک چلا چکے ہیں (دعا ہے کہ اللہ کرے زورِ زباں اور زیادہ اور اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ)' حالاں کہ اُنھیں اس سلسلے میں بہت زیادہ مخالفت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے مثلاً کئی کج بحثیے اُن سے کہتے ہیں لفظوں کو توڑ کر کیوں لکھوا رہے ہیں مثلاً بدبو کی طرح خوشبو کو خوش بو' رہنما کو رہ نما' تندرستی کو تن درستی اور حتیٰ کہ کیلئے کو کے لیے وغیرہ کیوں لکھوا رہے ہیں۔ شاید اُنھیں بڑھاپے میں کیلئے فائدہ مند محسوس ہوتے ہیں اور "کے لیے" یعنی قوم کے لیے' علم و ادب کے لیے اور دین و مذہب کے لیے کچھ کرنے کی زحمت گوارا نہیں۔

جماعت اسلامی کے مولانا مودودی کی تفہیم قرآن ہندوستان سے نوک پلک سنورنے کے بعد شائع ہوتی ہے اور ہمارے ہاں بڑے بڑے ادارے اپنی کتب اور رسائل و جرائد اغلاط کے طومار کی صورت میں شائع کرا کے خود کو سراپائے فخر و ناز محسوس کرتے ہیں (اگر کوئی زیادہ چھلانگ مارتا ہے تو کتاب ہی کسی اور سے لکھوا کر اپنے نام سے شائع کر لیتا ہے۔ اللہ اللہ خیر سلا)۔

اللہ اللہ سے یاد آیا کہ بعض حضرات تو ہمارے "اللہ" کو اللہ لکھنے کے خصوصی اہتمام پر بھی نالاں ہیں۔ املا کے مسائل اور مقتدرہ قومی زبان کی سفارشات سے قطع نظر گناہ اور ثواب کا حصول بھی پیش نظر نہیں۔ ان لکیر کے فقیروں کا حال یہ ہے کہ ترقی معکوس کے سفر پر کچھ اس

طرح رواں ہیں۔

املا کا معاملہ دیکھئے دیات کو دیات' رہے جب کو رہیجب' کے ساتھ کو کیساتھ' امت وُخفتہ کو اُمت وخوفتہ' اُس جنگ کو اجنگ' بیضا کو بیضہ' کیمونسٹ کو کیمونسٹ' پس یزید کو پسیزید، پروا کو پرواہ' حجۃ الاسلام کو حجۃ لاسلام' السلام علیکم کو اسلام علیکم لکھ رہے ہیں۔

کچھ زبان دانی اور اُسلوبِ اظہار کی مثالیں بھی ملاحظہ ہوں:

✲ سب سے پہلے مسلمان حکم رانوں کی تذلیل وتحقیر کی گئی اور اُن کی گردن کے اندر ذلت کا طوق پہنایا گیا۔

✲ اس سلسلے میں آخری ناپاک حرکت جو انھوں نے اس سلسلے میں انجام دی۔

✲ پچیس سال بعد چند سیاست دانوں نے تشیع کو اپنے اندر ہضم کرنے کے لیے چند ایک ہم دردانہ بیان دیتے ہیں۔

✲ رہبر معظم انقلاب اسلامی نے فرمایا کہ یہ شیطانی قوتیں ایران کے ایٹم اور ایٹمی پاور سے نہیں ڈرتے۔

اب کیا کیا مثالیں دیں' یوں سمجھ لیجیے کہ ننانوے فی صد یہی کچھ فرما رہے ہیں اور اُلٹا اس پر اِترا رہے ہیں۔

اللہ اجر دے حجۃ الاسلام ریاض حسین جعفری صاحب کو کہ جنھیں زبان کے وسیلہ اظہار ہونے کی اہمیت کا احساس ہو چکا ہے اور اسی احساس کے تحت وہ اکثر کتابیں شائع کرتے وقت اُن کی نوک پلک سنوارتے ہیں اور ناقابل اشاعت مواد کو قابل اشاعت بنا کر بڑے بڑے مصنفین متعارف کروا رہے ہیں۔ اُن کا یہ احسان ملت کے لیے بھی ناقابل فراموش ہے اور مقرروں اور قلم کاروں کے لیے بھی' کیوں کہ

؂ سیف اندازِ بیاں بات بدل دیتا ہے

مجبوری یہ ہے کہ اس قحط الرجال کے دور میں کام کرنے والا کوئی نہیں ملتا۔ لوگ سہل پسندی اور تن آسانی کا شکار اور مذہب بیزار ہو چکے ہیں۔ منبر سے اُلٹی سیدھی تقریریں سن کر واہ واہ کرنے والے کتاب کو چھونا تک گناہ خیال کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض مترجمین اور مؤلفین اپنی کتاب کی حروف چینی تک کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ اِدھر حضرت علامہ جعفری ہیں کہ کسی

کے ٹیلنٹ اور استطاعت کو ضائع نہیں جانے دیتے۔ تراجم' مجالس' تالیفات بھی شائع کیے جا رہے ہیں اور زیرِ کثیر لگا کر مصححین سے اصلاح کروا کر بھی شائع کیے جا رہے ہیں۔ ماشاء اللہ خود بھی ہر کتاب کی نظرِ ثانی فرماتے ہیں۔

سرِدست ہمارے زیرِ مطالعہ حضرت علامہ صادق حسن قبلہ کی کتاب ''چودہ ستارے'' ہے۔ کتاب کیا' بکھرے ہوئے جذبات کا ایک تلاطم ہے' گہری تحقیقات کا ایک سمندر ہے' نایاب موتیوں کی ایک مالا ہے۔ تاریخ کی چھان پھٹک کا ایک مستند حوالہ ہے اور ہر ستارہ نور کے گرد ایک روشن ہالہ ہے___ علامہ جعفری' علامہ صادق حسن کے علمی مقام کے قدردان ہیں اور اُن کی کئی کتابیں پہلے بھی چھاپ چکے ہیں' جن میں سے دو تین میری نظر سے بھی گزر چکی ہیں (ولایتِ اہلِ بیتؑ اور اس کے تقاضے اور والدین اور تربیتِ اولاد وغیرہ)۔ ولایتِ اہلِ بیتؑ کا ایک جملہ سنیے:

''محبتِ اہلِ بیتؑ وہ ہے' جس سے اسلام شروع ہوا اور ولایتِ اہلِ بیتؑ وہ ہے' جس سے اسلام مکمل ہوا۔''

''تربیتِ اولاد'' سے ایک جملہ ملاحظہ کیجیے۔

''ہمارا آغاز اور ہمارا اختتام___ ہم علیؑ والے ہیں' ہم حسینؑ والے ہیں۔''

''ایک مرتبہ'' علامہ موصوف کا تکیہ کلام ہے اور وہ سینکڑوں مرتبہ بھی ''ایک مرتبہ'' کہنے سے نہیں گھبراتے۔ قبلہ اپنی ژرف نگاہی کے ذریعے اپنے حاصلِ مطالعہ کے سیپ سے سینکڑوں ہزاروں موتی نکالتے ہیں۔ ''چودہ ستارے'' اُن کے خطبات کا ایک ایسا ہی ذخیرۂ جواہر ہے۔ چہاردہ معصومین علیہم السلام کے اُسوہ ہائے حیات پر ایسا عمیق و دقیق کام شاید ہی کسی نے کیا ہو۔ یہاں اُن کے بحرِ تحقیق کی غواصی کے لیے چند جواہر پیشِ خدمت ہیں (اختصار کی خاطر ہم نے کہیں کہیں اُن کی عبارات کا نچوڑ اپنے الفاظ میں بھی بیان کیا)۔

* حضرت عبدالمطلبؑ کے قانون بنانے سے پہلے عرب محرمات' ماؤں' بہنوں اور بیٹیوں سے بھی شادیاں کرلیا کرتے تھے۔
* حضرت عبداللہ علیہ السلام سے نورِ رسالت کے حصول کے لیے بے قرار دوسری خواتین نے حضرت آمنہؑ سے آپؑ کی شادی خانہ آبادی کے روز اپنی جان دے دی۔

* شعب ابی طالب میں خاندانِ رسالت و وصایت (جن میں علیؑ و فاطمہؑ بھی شامل تھے) درختوں کے پتے اور جڑیں وغیرہ کھا کر گزارا کرتے رہے حتیٰ کہ بعض اوقات بے صحرا کی ریت پھانک لیتے تھے۔
* حضرت فاطمہ بنت اسدؑ عذابِ قبر سے خائف تھیں لہٰذا حضورؐ نے اپنے کُرتے کا کفن دلایا اور آپؑ کی قبر میں خود لیٹ کر دیکھا۔
* حضرت ابوطالبؑ اپنی تنگ دستی اور افلاس کے باوجود سردارِ قریش اور سید البطحا قرار پائے' یہ حقیقت اپنی مثال آپ ہے۔
* قادیانیوں کا اعتراض ہے شیعوں کے اماموںؑ نے کیا کیا؟ یا تمام عمر گھر میں بیٹھے رہے یا قید خانے کے اندر رہے' ذرا سی خدمت بھی وہ مسلمانوں کی نہ کر سکے۔ ایسے بے شعور ہمارے ائمہؑ کے حالات اور مقصدِ حیات (اشاعتِ علم) کو نہیں سمجھ پائے۔
* ہم پر یہ الزام لگانے والے کہ ہم صحابہ کو نہیں مانتے خود بمشکل دو سو صحابیوں کو مانتے ہیں جب کہ ہم ہزاروں صحابہ کو مانتے ہیں۔

حضرتِ علامہ صادق حسن صاحب نے چہاردہ معصومین علیہم السلام کی حیاتِ طیبہ اور سیرتِ مطہرہ پر جو وسیع اور عملی تعلیمات فراہم کی ہیں' وہ اُنھیں کا منصبِ علمی ہے۔ کتاب ہٰذا اسم با مسمّٰی ہے' واقعی چودہ ستارے نور افشاں اور ضوفشاں نظر آتے ہیں اور چودہ معصومین علیہم السلام کے ماننے والوں کے لیے بہت بڑا گنجینہ ہیں۔ میرے خیال میں کتابِ مستطاب ''چودہ ستارے'' پر ایک سیر حاصل مقالہ تحریر کرنے کی ضرورت ہے جو ان شاء اللہ آئندہ کسی فرصت میں پیش کیا جائے گا۔

المختصر یہ کتاب چہاردہ معصومین علیہم السلام کے سیَر اور دینِ حق کی خدمات پر مبنی ایک عملی چارٹر ہے۔ اللہ رب العزت دورِ حاضر کے مومنین کو اس کتاب سے کاملاً استفادہ کی توفیق عطا فرمائے' آمین بحق ربّ الصالحین۔

......❀......

پہلے معصومؑ

حضرت محمد رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مشخصات

اسم مبارک	:	محمدؐ، احمدؐ
لقب	:	مصطفیٰؐ ، بشیرؐ نذیرؐ وغیرھم
کنیت	:	ابوالقاسمؐ
والدِ ماجد	:	حضرت عبداللہؑ بن عبدالمطلبؑ
والدۂ ماجدہ	:	حضرت آمنہ بنت وہب سلام اللہ علیہا
ولادت باسعادت	:	۱۷ ربیع الاوّل سن اعام الفیل بروز جمعۃ المبارک
بادشاہِ وقت	:	نوشیرواں عادل
ازواج مطہرات	:	حضرت خدیجہؑ ، حضرت اُمِّ سلمیٰؑ وغیرھما
اولاد	:	حضرت سیدہ فاطمہ زہراؑ ' قاسمؑ ' طیب وطاہرؑ ابراہیمؑ
شہادت	:	۲۸ صفر ۱۱ ہجری بروز دوشنبہ مدینہ منورہ
عمر مبارک	:	۶۳ سال

.......✺.......

سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (سورۂ مبارکہ جمعہ آیت ۲)

''وہی تو ہے جس نے مکہ والوں میں ان ہی کا ایک رسولؐ (محمدؐ) بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے اور ان کو کتاب اور حکمت کی باتیں سکھاتے ہیں اگرچہ اس سے پہلے تو یہ صریحی گم راہی میں پڑے ہوئے تھے۔''

ہماری آج اس گفتگو سے ایک سلسلہ شروع ہو رہا ہے' جس میں ہمارا موضوع چہاردہ معصومین علیہم السلام کی سیرتِ طیبہ ہے۔ اس موضوع پر گفتگو کرنا بہر حال عام حالات میں انتہائی ضروری ہے' اس لیے کہ کوئی مومن کسی طرح یہ دعویٰ کر ہی نہیں سکتا کہ میں آلِ محمدؐ کا ماننے والا ہوں جب تک کہ اسے ان اُمور کی آگاہی نہ ہو جو آلِ محمدؐ نے ہماری ہدایت کی خاطر انجام دیے۔ آلِ محمدؐ نے اس دنیا میں ہمارے پُرامن رہنے کی خاطر قربانیاں پیش کیں اور مصیبتیں برداشت کیں اور تمام مشکلات کا سامنا کیا۔ جب کہ کم فہموں کے علم میں ہے کہ امامؑ آئے' زندگی گزاری اور چل دیے۔

کیا امامؑ کی زندگی اتنی ہی مختصر (اور بے مصرف) ہے؟!

کیا امامؑ اس دنیا میں صرف زندگی کے چند سال گزارنے کے لیے آئے تھے؟

ہر گز نہیں! ایسا نہیں ہے بل کہ تمام معصومینؑ کو اللہ تعالیٰ نے کسی نہ کسی مقصد کی خاطر اس دنیا میں بھیجا تھا اور ہر معصومؑ نے اس دنیا میں آ کر اپنا فریضہ سرانجام دیا اور جیسا زمانہ جس معصومؑ کو ملا اس معصومؑ نے اسی زمانے کے حالات کو دیکھتے ہوئے اسی کے مطابق طرزِ تبلیغ اختیار کیا۔ لیکن آج کل خاص طور پر جو حالات درپیش ہیں ان کو سامنے رکھ کر معلوم یہ ہوتا ہے

کہ اتنا جھوٹ بولا جا رہا ہے کہ کوئی تعجب نہیں کہ چند سالوں کے بعد یہ جھوٹ سچ سمجھا جانے لگے۔کوئی تعجب نہیں کہ کچھ عرصہ کے بعد تاریخ کی مسلمہ حقیقتوں کو چھپا دیا جائے اور اپنی طرف سے بنائے ہوئے افسانے گھڑ گھڑ کر اس طرح سے لوگوں کے سامنے پیش کیے جائیں کہ حقیقت کسی کی سمجھ میں نہ آ سکے اور بلا مبالغہ اس قدر کیا جاتا ہے کہ جس پروپیگنڈے کا یہ طوفان بلند ہو چکا ہے اس کو دیکھ کر خدشہ محسوس ہوتا ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ تاریخ اپنے آپ کو دُہرا رہی ہے۔

تاریخ کا وہی زمانہ واپس آ رہا ہے کہ جب آلِ محمدؑ کے فضائل کو بیان کرنا ایک جرم سمجھا جاتا تھا اور اس جرم کی سزا صرف اور صرف قتل قرار دی گئی تھی۔ ان حالات میں تو خاص طور پر ہر مومن کی ذمہ داری ہے کہ وہ انتہائی توجہ اور احتیاط کے ساتھ تاریخی حقائق کو سنتا ہوا چلے۔ انتہائی توجہ اور احتیاط کے ساتھ ان حقائق کا مشاہدہ کرے کہ جس طرح آج ہماری آنکھوں کے سامنے سچ کو جھوٹ بنایا جا رہا ہے اور جھوٹ کو سچ بنایا جا رہا ہے۔

آج جب اس تعلیم اور ترقی کے دور میں کہ ہر شخص پڑھ سکتا ہے' ہر شخص صحیح کتاب کو دیکھ سکتا ہے تو آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے کے معاشرہ کا کہ جب پڑھے لکھے افراد انتہائی کم تعداد میں تھے' کیا حال ہوگا۔ بنواُمیہ اور بنوعباس کے دور میں جس طرح جھوٹی احادیث گھڑی گئیں اور جس طریقے سے سچی احادیث کو چھپایا گیا۔

اگر آپ آج کے دور کو دیکھیں تو اس دور پر کوئی تعجب نہیں ہوتا۔ پھر ہمارے سامنے ایسی روایات ہیں' جن میں موجود ہے کہ جیسے جیسے زمانہ گزرے گا' ویسے ویسے حالات مزید خراب ہوتے چلے جائیں گے اور جیسے جیسے ظہورِ امامؑ کا وقت قریب آتا جائے گا' ویسے ویسے مومنین کے لیے اس دنیا میں زندگی گزارنا مشکل ہوتا چلا جائے گا۔ گھوم پھر کر اور چن چن کر محبانِ اہل بیتؑ کو تلاش کیا جائے گا اور قتل کیا جائے گا' گویا زمانہ نازک سے نازک ہوتا چلا جائے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم تاریخ کے ان حقائق کو دیکھیں کہ انتہائی نازک زمانے میں ہمارے ائمہؑ نے کس طریقے سے تبلیغ کا فریضہ انجام دیا اور کس طریقے سے حقائق کو ہم تک پہنچایا۔

اسی خیال کے پیش نظر اس سلسلے کا آغاز کیا گیا ہے۔ آج کی ہماری پہلی گفتگو حضرت سرورِ کائنات ﷺ کے متعلق ہے۔

اب ہماری گفتگو کا آغاز ہوتا ہے!

نام: پیغمبرؐ اسلام کے نام سے ہر ایک واقف ہے۔ پیغمبرؐ اسلام کے دو نام ہیں:

① محمد ﷺ ② احمد ﷺ

والدِ ماجد: آپؐ کے والدِ ماجد کا نام حضرت عبداللہؑ ہے۔

والدۂ ماجدہ: آپؐ کی والدہ ماجدہ کا نام حضرت آمنہؑ بنتِ وہب ہے۔

ولادت:

آپؐ کی ولادت کی تاریخ میں بہت اختلاف ہے لیکن دو تاریخوں پر زیادہ تر اتفاق ہے' علمائے عامہ یعنی ہمارے برادرانِ اہل سنت کے علما کا کہ: ربیع الاوّل یا بارہ ربیع الاوّل پیغمبرؐ اسلام کی ولادت کی تاریخ ہے۔ جب کہ تمام کے تمام علمائے شیعہ اس چیز پر متفق ہیں کہ ۱۷ ربیع الاوّل پیغمبرؐ اسلام کی ولادت کی تاریخ ہے۔ البتہ ہماری جو بنیادی کتاب ''اُصولِ کافی'' ہے اس کے مؤلف حضرت علامہ محدث کبیر ثقۃ الاسلام یعقوب کلینی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲ ربیع الاوّل ہی کو پیغمبرؐ اسلام کی تاریخ ولادت قرار دیتے ہیں اور کچھ اور علما نے بھی ان کا ساتھ دیا ہے۔ لیکن بہرحال باقی تمام علمائے شیعہ متفق ہیں اس تاریخ پر کہ ۱۷ ربیع الاوّل پیغمبرؐ اسلام کی ولادت باسعادت کی تاریخ ہے۔

اعلانِ نبوت:

پیغمبرؐ اسلام نے چالیس سال کی عمر میں اعلانِ نبوت فرمایا۔ ۲۷ رجب کی تاریخ تھی اور ۲۱ مارچ نوروز کا دن تھا' جب پیغمبرؐ اسلام نے اعلانِ نبوت کیا۔ ۱۳ سال مکہ مکرمہ میں مقیم رہے اور ۱۳ سال کے بعد جب عمر مبارک ۵۳ سال ہوئی تو مکہ سے ہجرت کر کے (ربیع الاوّل کے مہینے میں) مدینے میں تشریف لائے اور مدینے میں مزید دس سال تک زندگی گزاری۔

وفات: ۲۸ صفر کی تاریخ زیادہ مستند ہے لیکن ہمارے کچھ علما ۲ ربیع الاوّل کو پیغمبرؐ اسلام کی

وفات کی تاریخ قرار دیتے ہیں البتہ ۲۸ صفر زیادہ مشہور ہے۔ ۲۸ صفر ۱۱ ہجری میں پیغمبر اسلامؐ اس دُنیا سے رُخصت ہو گئے۔

مدفن: پیغمبر اسلامؐ کو مسجدِ نبویؐ کے اُسی حجرے میں دفن کیا گیا' جہاں آپؐ قیام فرماتے تھے۔

پیغمبر اسلامؐ کی ولادت مکہ میں ہوئی اور وصال مدینے میں ہوا۔

اَولاد: پیغمبر اسلامؐ کی اولاد کے بارے میں شدید اختلاف ہے لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ تین صاحب زادے تھے جن کے نام یہ ہیں:

① حضرت قاسم علیہ السلام ② حضرت طیب علیہ السلام ③ حضرت ابراہیم علیہ السلام

اور ایک صاحب زادی تھیں جن کا نام حضرت سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا تھا۔

یہ ہے پیغمبر اسلامؐ کی سرسری سی سوانح حیات۔ پیغمبر اسلامؐ کی سیرت پر گفتگو کرنے سے پہلے ہمیں تاریخ کے اندر جھانکنا پڑے گا اور یہ دیکھنا پڑے گا کہ عرب کا ماحول کیا تھا؟ عرب کس قسم کا ملک تھا؟ پھر ہم پیغمبر اسلامؐ کی سیرت کو آسانی سے سمجھ سکیں گے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ میں چھوڑا تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدم مبارک کی برکت سے آبِ زم زم کا چشمہ پھوٹ کر سامنے آیا' جس کے نتیجے میں مکہ کے صحرا میں آبادی کا سلسلہ شروع ہونے لگا۔ وہاں آباد ہونے والوں میں یمن کا ایک قبیلہ بنی جرہم بھی تھا' حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اسی قبیلے میں شادی کر لی۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ (۱۲) بیٹے ہوئے' اس کے بعد حضرتؑ کا انتقال ہو گیا۔ ان بارہ بیٹوں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل آگے بڑھی۔

روایت میں ہے کہ کچھ عرصے کے بعد بنی جرہم نے' جو مکہ میں باہر سے آئے تھے اور مکہ کے اصلی باشندے نہیں تھے' آہستہ آہستہ مکہ کی حکومت پر قبضہ کر لیا اور سارا مکہ ان کے ہاتھ میں آ گیا۔ وہ لوگ خانۂ کعبہ پر قابض ہو گئے۔ خانۂ کعبہ اس زمانے میں عرب کے تمام قبیلوں کا مرکز تھا' یہ بھی ان کے ہاتھ میں آ گیا۔ خانۂ کعبہ کی چابی کو انھوں نے اپنے قبضے میں لے لیا اور اس کے بعد اب جو بھی طواف کرنے آتا تھا یا خانۂ کعبہ پر "چڑھاوا چڑھانے" کے لیے آتا تھا'

ان کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتا تھا۔

بنو جرہم کے ہاتھ جوں ہی حکومت آئی توں ہی انھوں نے مکہ میں ظلم وستم شروع کر دیا۔ جب ان کا ظلم وستم بڑھا تو مکہ والوں نے ان کے خلاف جنگ کی اور اس جنگ کے نتیجے میں بنی جرہم کو مکہ چھوڑ کر جانا پڑا لیکن جاتے جاتے انھوں نے یہ کام کیا کہ سونے کے دو ہرن جو کسی نے خانہ کعبہ پر چڑھائے تھے، کچھ لوہے کی تلواریں، کچھ لوہے کی زرہیں اُٹھائیں اور زم زم کے کنویں میں پھینک کر اس کا منہ مٹی سے بند کر دیا تھا۔ اس کے بعد زمانہ آگے بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ عبد مناف (پیغمبرؐ اسلام کے پردادا) پیدا ہوئے۔ اب یہاں سے پیغمبرؐ اسلام کی سیرت کا آغاز ہوتا ہے۔

عبد مناف کے یہاں جڑواں بیٹوں کی پیدائش ہوئی اور تاریخ میں یہ لکھا ہے کہ یہ جڑواں بیٹے اس طریقے سے پیدا ہوئے کہ ایک کی پیشانی دوسرے کی پیشانی سے جڑی ہوئی تھی۔ دونوں کو علیحدہ کرنے کی بڑی کوشش کی گئی لیکن دونوں علیحدہ نہ ہو سکے، یہاں تک کہ تلوار کی مدد سے دونوں کی پیشانیوں کو جدا کیا گیا۔

ایک دوسری روایت کے مطابق ایک بھائی کی پیشانی پر دوسرے بھائی کے پاؤں کا پنجہ (انگلی) پیوستہ تھا۔ علیحدہ کرنے کی بڑی کوشش کی گئی یہاں تک کہ تلوار کے ذریعے سے دونوں کو جدا کیا گیا۔

دونوں کے نام کیا تھے؟

① ہاشم علیہ السلام اور ② اُمیہ (حضرت علامہ سے سہو ہوا ہے ہاشمؒ اور ان کے بھائی عبد شمس توام (جڑواں) تھے۔ اُمیہ عبد شمس کا بیٹا تھا)۔

ہاشم علیہ السلام سے بنو ہاشمؒ کا سلسلہ چلا اور اُمیہ سے بنو اُمیہ کا سلسلہ۔

جب یہ اطلاع عرب کے لوگوں کو ملی کہ اس طریقے سے دونوں بھائی جڑے ہوئے پیدا ہوئے ہیں اور تلوار کی مدد سے دونوں کو علیحدہ کیا گیا تو عرب کے تمام کاہنوں نے متفقہ طور پر کہا کہ اب ان دونوں کی اولاد میں قتل وغارت کا سلسلہ شروع ہوگا اور ایسی خون ریزی ہوگی کہ

جیسی عرب کے لوگوں نے کبھی نہ دیکھی ہو گی۔ پھر تاریخ نے اس بات کو صحیح ثابت کیا کہ بنو اُمیہ اور بنو ہاشمؑ میں ایک طویل عرصے تک قتل و غارت کا سلسلہ چلتا رہا۔

(یہ تاریخی واقعہ آنے والی گفتگو کے لیے بڑا اہم ہے' اس لیے کہ آج کل کے بہت سے مؤرخین اسی ایک تاریخی واقعہ سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے یہ کہنے لگتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور یزید کی جنگ بھی وہی پرانی جنگ تھی' جو بنو ہاشمؑ اور بنو اُمیہ کی ہو رہی تھی۔ ہم اس کا جواب حضرت امام حسین علیہ السلام کی سیرت کی گفتگو میں دیں گے)۔

عبد مناف کے گھر میں ہاشم علیہ السلام پیدا ہوئے اور ہاشم علیہ السلام کا نام عمر تھا (بعض نے عمرو العلا لکھا ہے، صحیح)۔ لیکن روایت میں ہے کہ مکہ کے اندر ایک مرتبہ قحط پڑا اور اتنا زبردست قحط پڑا کہ لوگ کھانے کے ایک ایک دانے کو ترس گئے۔ اس وقت ہاشم علیہ السلام نے اپنے تجارتی قافلے کو شام میں بھیجا اور کہا کہ وہاں سے غلہ لے کر آؤ۔ جب غلہ آیا تو پورے مکہ میں غلہ تقسیم کیا' چناں چہ ان کا نام ہاشمؑ ہو گیا (عمرو الذی ھشمَ الثرید لقومہ)۔

روایت ہے کہ ہاشمؑ انتہائی حسین اور انتہائی خوب صورت تھے اور ہر وقت ان کے چہرے پر ایک عجیب قسم کا نور چھلکتا رہتا تھا۔ لوگ ان کے حُسن اور خوب صورتی کو دیکھتے (تو فریفتہ ہو جاتے) اور کئی بڑے بڑے سرداروں نے ان کو پیش کش کی کہ تم ہماری لڑکی سے شادی کر لو۔ انھوں نے دو یا تین شادیاں کی تھیں' جن میں سے ایک بیوی سے ان کے بیٹے اُسدؑ پیدا ہوئے تھے۔ وہی اُسدؑ جو امیر المومنین علیہ السلام کے نانا ہیں۔ حضرت سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا (بنتِ اُسدؑ) کے والد۔

بہر حال!

روایت میں ہے کہ حضرت ہاشم علیہ السلام نے دو یا تین شادیاں کیں۔ خوب صورت تو تھے ہی لیکن خوب صورتی کے علاوہ ان کے چہرے پر ایک نور بھی جھلک رہا تھا۔

حضرت ہاشم علیہ السلام اس نور سے واقف تھے کہ یہ کس کا نور ہے۔ روایت میں ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے لے کر حضرت عبد المطلب علیہ السلام تک یہ جتنا سلسلہ ہے سب مومنین کا

سلسلہ ہے اور صرف مومن نہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی نبی کا وصی تھا۔ چناں چہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے تمام تبرکات حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حوالے کیے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو دیے تھے۔ پھر انھوں نے اپنے بیٹے کو دیے تھے۔ اسی طرح ہوتے ہوتے حضرت ہاشم علیہ السلام کے پاس آئے تھے۔ حضرت ہاشم علیہ السلام نے حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کو دیے تھے اور حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت حضرت ابوطالب علیہ السلام کو دیے تھے اور حضرت ابوطالب علیہ السلام نے یہ تمام چیزیں پیغمبرؐ اسلام کے حوالے کی تھیں۔

حضرت ہاشم علیہ السلام واقف تھے کہ یہ نور جو میری پیشانی سے چھلک رہا ہے یہ کس قسم کا نور ہے۔ چناں چہ روایت میں ہے کہ انھوں نے دو یا تین شادیاں کیں لیکن یہ نور مسلسل ان کی پیشانی سے چھلکتا رہا یہاں تک کہ ایک مرتبہ خانہ کعبہ کے پردے کو پکڑ لیا اور روتے ہوئے خدا سے دعا کی کہ خداوندا! اب یہ نور جہاں منتقل ہونا ہے جلد از جلد اس کا انتظام کر دے۔

اسی رات انھوں نے خواب میں دیکھا کہ کسی نے آ کر بشارت دی کہ تم مدینے چلے جاؤ۔ مدینے کے اندر بنی نجار ایک خاندان ہے اس خاندان کے سردار کی بیٹی سلمہؑ سے نکاح کر لو تو پھر یہ نور یقیناً وہاں تک پہنچ جائے گا جو اس کی صحیح امانت گاہ ہے۔

یہ خبر سنتے ہی حضرت ہاشم علیہ السلام مدینے گئے۔ مدینے جا کر آپؑ نے وہاں کے سردار کو سلمہؑ کے نکاح کا پیغام بھیجا۔

سردار نے پیغام قبول کیا لیکن ایک شرط لگائی اور شرط یہ لگائی کہ جب میری بیٹی کے بطن میں بچہ پیدا ہونے کے آثار نمایاں ہوں گے تو تم میری بیٹی کو مدینے لا کر چھوڑ جانا اور مکہ میں نہ رکھنا۔

حضرت ہاشم علیہ السلام نے یہ شرط قبول کر لی اور اس کے بعد شادی ہو گئی۔ شادی ہونے کے بعد آپؑ حضرت سلمہؑ کو مکہ لے کر آئے۔

روایت ہے کہ جب حضرت سلمہؑ سے شادی ہوئے کچھ عرصہ گزر گیا تو آپؑ نے یہ محسوس کیا کہ میری پیشانی سے چھلکنے والا نور غائب ہو چکا ہے اور وہ نور حضرت سلمہؑ کے بطن

مبارک کے اندر نظر آتا ہے۔ دو یا تین سال کا عرصہ گزر گیا اس کے بعد حضرت سلمہؓ کے ہاں حمل کے آثار نمودار ہوئے۔ آپؑ سلمہؓ کو لے کر مدینے چلے گئے۔

روایت میں ہے کہ مدینے میں ان کو چھوڑا۔ مدینے میں چھوڑنے کے بعد کسی کام کے سلسلے سے شام روانہ ہوئے مگر راستے میں آپؑ کا انتقال ہو گیا۔ اب یہاں حضرت سلمہؓ کے ہاں ایک بیٹا ہوا جو مدینے کے اندر رہ کر زندگی گزارنے لگا۔ اس کے آگے کے بال سفید تھے اور عربی زبان میں سفید بال والے کو شیبہ کہا جاتا ہے۔ چناں چہ اس بچے کا نام شیبہ رکھ دیا گیا۔ جب یہ بچہ چار یا پانچ سال کا ہوا تو اس کی عادات اتنی اچھی تھیں کہ سب نے اس کا نام شیبۃ الحمد رکھا یعنی وہ سفید بالوں والا جو تعریف کے قابل ہے۔ شیبۃ الحمد یہاں پر زندگی گزارنے لگے جو ہاشم علیہ السلام کے فرزند تھے۔ اُدھر مکہ میں ہاشم علیہ السلام کے بھائی مطلب تھے جو ہاشم علیہ السلام کی جگہ سردار بنے۔

ایک مکہ کا رہنے والا کسی کام سے مدینے میں آیا اس نے دیکھا کہ مدینے کے بچے کھڑے ہوئے تیر اندازی کا مقابلہ کر رہے ہیں اور ان بچوں میں ایک ایسا بچہ بھی ہے کہ وہ جب تیر چلاتا تھا تو پکار کر کہتا ہے:

أَنَا ابنُ سَيِّدُ البَطحَاء

"میں مکہ کے سردار کا بیٹا ہوں۔"

مکہ کے رہنے والے اس شخص نے تین یا چار مرتبہ یہ منظر دیکھا تو گھبرا گیا۔ وہ اس بچے کے قریب آیا، دیکھا تو اس بچے کے سر کے بال سفید تھے۔

اس نے سوال کیا: اے بچے! تو یہ کیا جملہ کہہ رہا ہے؟

اس بچے نے کہا: میں ٹھیک کہہ رہا ہوں اس لیے کہ مکہ میں میرے باپ ہاشمؑ کی سرداری تھی، میں ان کا بیٹا ہوں۔ اس نے تمام تفصیل معلوم کی اور واپس مکہ میں آیا۔ مکہ میں آنے کے بعد اس نے ہاشم علیہ السلام کے چھوٹے بھائی مطلبؒ سے کہا: مدینے میں ایک بچہ ہے جو آپؒ کے بھائی کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے۔

حضرت مطلبؑ اونٹ پر سوار ہو کر مدینے میں آئے۔ مدینے میں پہنچ کر حضرت سلمہؑ کے گھر والوں سے تحقیق کی تو ایک مرتبہ یقین ہو گیا کہ یہ میرے بھائی کا یتیم بچہ ہے۔ چناں چہ وہ اسے اپنے ساتھ لے کر مکہ پہنچے۔

روایت میں ہے کہ جب وہ مکہ میں داخل ہوئے تو چوں کہ اس وقت رواج یہ تھا کہ لوگ شام سے اکثر غلام خرید کر لے آتے تھے، جس وقت مطلبؑ اس بچے کو لے کر مکہ میں داخل ہوئے تو لوگوں نے دیکھا اور ایک مرتبہ پکار اُٹھے:

هَذَا عَبْدُ الْمُطَّلِبِ

''یہ مطلبؑ کا غلام ہے۔''

حضرت مطلبؑ نے لوگوں کو بتایا کہ یہ میرا غلام نہیں بل کہ در حقیقت یہ میرا بھتیجا ہے لیکن لوگوں نے اس بچے کو عبدالمطلبؑ ہی کہنا شروع کر دیا۔ چناں چہ ان کا نام ہی عبدالمطلبؑ مشہور ہو گیا اور وہ تمام زندگی عبدالمطلبؑ ہی کہلاتے تھے۔

اب عبدالمطلب علیہ السلام کے بارے میں روایت ہے کہ حضرت عبدالمطلب علیہ السلام مومن حقیقی تھے اور ایسے مومن حقیقی تھے کہ جنگ حنین جو پیغمبرؐ اسلام کی آخری جنگ تھی، میں ایک مرتبہ پیغمبرؐ اسلام کے تمام ساتھی فرار ہو گئے تھے اور وہ پہلا موقع تاریخ نے بتایا کہ پیغمبرؐ اسلام نے اپنی تلوار نیام سے نکالی اور بذات خود دشمنوں پر حملہ کیا۔ اس وقت پیغمبرؐ اسلام میدانِ جنگ میں یہ رجز پڑھ رہے تھے:

...... اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِب

''میں وہ نبی ہوں کہ جو بالکل جھوٹ نہیں بولتا اور میری ایک بڑی فضیلت یہ بھی ہے کہ میں عبدالمطلب علیہ السلام کا بیٹا ہوں۔''

حضرت عبدالمطلب علیہ السلام اپنے دور میں عرب کے سب سے زیادہ صاحب عزت اور صاحب شرافت بزرگ تھے اور اسی سے ان کی عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ فخر کر رہے ہیں کہ میں عبدالمطلب علیہ السلام کا بیٹا ہوں۔

حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کے بارے میں روایت ہے کہ اُنھوں نے چار یا پانچ ایسے کاموں کی بنیاد رکھی تھی جو خدا کو اتنے پسند آئے کہ خدا نے ان کو اِسلام کا جزو قرار دے دیا:

① سب سے پہلے حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے یہ رسم قائم کی کہ ایک مرتبہ مکہ کی سرزمین کے قریب زمین کو کھود رہے تھے اور خزانہ نکل آیا۔ خزانہ نکلتے ہی انھوں نے سب سے پہلے اس کا پانچواں حصّہ نکالا اور اللہ کی راہ میں وقف کر دیا تو ان کا یہ پانچواں حصّہ نکالنا خمس کی ابتدا ہے۔ گویا پہلا خمس حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے نکالا۔

چھٹے امامؑ سے روایت ہے: حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کا یہ فعل کہ انھوں نے خزانہ پاتے ہی اس کا پانچواں حصّہ نکالا اللہ کو اتنا پسند آیا کہ اللہ نے حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کے اس فعل کو جزوِ اِسلام قرار دے کر خمس کی ادائیگی کو شریعتِ مطہرہ کا حصّہ قرار دے دیا۔

② دوسری چیز حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے یہ قرار دی کہ حضرت عبدالمطلب علیہ السلام سے پہلے یہ عام رواج تھا کہ بیٹا اپنی ماں سے شادی کیا کرتا تھا' بھائی اپنی بہن سے شادی کیا کرتا تھا اور باپ اپنی بیٹی سے شادی کیا کرتا تھا لیکن حضرت عبدالمطلب علیہ السلام وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے عرب کے اندر یہ اُصول بنایا کہ کوئی شخص بھی اپنی محرم رشتہ دار سے شادی نہیں کرے گا اور یہی بعد میں اِسلام کا اُصول قرار پایا۔

③ حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کی تیسری رسم ایسی تھی جو خدا کو بے حد پسند آئی اور اس کو بھی خدا نے اِسلام کا اُصول بنا دیا اور وہ ہے چور کا ہاتھ کاٹنا۔ سب سے پہلے شخص حضرت عبدالمطلبؑ ہیں جنھوں نے پہلی مرتبہ یہ قانون بنایا کہ جو شخص چوری کرے گا' اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور اللہ نے بعد میں اسے اِسلام میں شامل کر کے شریعتِ مطہرہ کا حصّہ بنایا۔

④ چوتھی بات یہ تھی کہ حضرت عبدالمطلب علیہ السلام سے پہلے یہ عام رواج تھا کہ لوگ نذر کیا کرتے تھے لیکن دل چاہتا تو اسے پورا کر دیتے' دل نہ چاہتا تو اسے نظر انداز کر دیتے۔ حضرت عبدالمطلب علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنھوں نے یہ قانون بنایا کہ اگر کوئی نذر کرے گا

تو اسے اس نذر کو پورا کرنا پڑے گا۔

⑤ حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کی پانچویں چیز یہ کہ انھوں نے سو اُونٹ دیت قرار دی۔

خیرا

اب حضرت عبدالمطلب علیہ السلام جوان ہو گئے۔ جوان ہونے کے بعد عرب کی حکومت ان کے ہاتھ میں آ گئی' مکہ کی سلطنت ان کے ہاتھ میں آ گئی' مکہ کا اختیار ان کے ہاتھ میں آ گیا۔

ایک رات وہ سو رہے تھے۔ سوتے سوتے انھوں نے خواب میں یہ دیکھا کہ جیسے کسی نے ان کو یہ بشارت دی کہ آپ زم زم کا کنواں جو بند پڑا ہے اسے کھلواؤ۔ حضرت عبدالمطلب علیہ السلام بیدار ہوئے۔ بیدار ہونے کے بعد اپنے بیٹے حارث کو ساتھ لیا اور اس کنویں پر گئے جس کو بنی جرہم نے بند کر دیا تھا' اس کو جا کر کھدوایا۔

اب روایت میں ہے کہ جب کنواں کھدوایا گیا تو اس کے اندر سے سونے کے دو ہرن نکلے' وہ تلواریں نکلیں' وہ زرہیں نکلیں جو بنی جرہم ڈال کر گئے تھے۔ عبدالمطلب علیہ السلام نے یہ اشیا اُٹھائیں اور اپنے گھر آئے۔ قریش کے قبیلے نے دیکھا کہ عبدالمطلب علیہ السلام نے اتنی دولت جمع کر لی ہے تو وہ ان کے گھر پر پہنچ گئے اور کہا: اے عبدالمطلبؑ! اس مال میں ہمارا بھی حق ہے۔

حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے کہا: تمھارا حق کیسے ہے؟ کنواں میں نے کھودا ہے اور میرے بیٹے نے کھودا ہے۔ میں نے تو تم سے تذکرہ کیا تھا لیکن تم نے میرا مذاق اُڑایا تھا اس لیے اس میں تمھارا کوئی حصّہ نہیں ہے۔

انھوں نے کہا: نہیں! نہیں! اس میں ہمارا حصّہ ہے۔

بحث جاری رہی' یہاں تک کہ فیصلہ ہوا کہ قرعہ ڈالا جائے۔ جس کا نام نکلے یہ ساری چیزیں اس کی ہوں گی۔

چناں چہ تین چیزوں کے نام کا قرعہ ڈالا گیا:

① خانہ کعبہ ② حضرت عبدالمطلبؑ ③ قریش

روایت میں ہے کہ جب قرعہ ڈالا گیا تو دو سونے کے ہرن خانہ کعبہ کے نام پر نکلے'

لوہے کی زرہیں اور تلواریں حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کے نام پر نکلیں اور قریش کے نام پر خالی قرعہ نکل آیا۔ چناں چہ حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے وہ سونے کے ہرن خانہ کعبہ پر لگا دیے اور روایت ہے کہ ابولہب نے بعد میں یہ سونے کے ہرن وہاں سے چرا لیے' چرانے کے بعد بازار میں فروخت کیے۔ فروخت کر کے پیسے شراب نوشی اور جوئے میں اُڑا دیے۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے اللہ کے گھر سے چیزیں چرانے کی رسم ڈالی تھی۔

حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کے یہاں جب دس بیٹے ہو گئے تو اُنھوں نے ایک منت مانی تھی کہ اگر خدا نے میرے دس بیٹے کر دیے تو میں ان میں سے ایک بیٹا راہِ خدا میں قربان کر دوں گا۔

روایت میں ہے کہ خدا نے عبدالمطلب علیہ السلام کو دس بیٹے اور چھے بیٹیاں عطا کر دیں۔ اب جب دس بیٹوں کی تعداد پوری ہوئی۔

یہاں پر ایک اور بات بھی کر دی جائے کہ یہ دس بیٹے الگ الگ بیویوں سے ہوئے تھے لیکن حضرت ابوطالب علیہ السلام اور حضرت عبداللہ علیہ السلام یہ دونوں ایک ہی بیوی سے تھے۔ چناں چہ حضرت ابوطالب علیہ السلام اور حضرت عبداللہ علیہ السلام کی ماں بھی ایک تھی اور ان کے باپ بھی ایک تھے۔ حضرت عبداللہ علیہ السلام سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ جب یہ جوان ہوئے تو اب حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کو اپنی منت یاد آ گئی۔ چناں چہ عبدالمطلب علیہ السلام نے حضرت عبداللہ علیہ السلام کو بلایا اور بلانے کے بعد لے کر چلے۔ خانہ کعبہ کے قریب حضرت عبداللہ علیہ السلام کو لٹایا اور چھری بھی لی تاکہ اپنی منت کو پورا کیا جا سکے۔ یہ وہی منظر تھا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنا چاہا تھا' اسی طرح حضرت عبدالمطلب علیہ السلام بھی ذبح کر رہے تھے کہ سب نے دیکھا کہ حضرت عبداللہ علیہ السلام زمین پر لیٹے ہیں اور حضرت عبدالمطلب علیہ السلام اپنے جوان بیٹے کی گردن پر چھری چلانے والے ہیں۔ مکہ والوں نے دیکھا تو گھبرائے ہوئے دوڑے دوڑے آئے۔ نو(۹) بھائیوں نے دیکھا وہ بھی گھبرا کر دوڑے آئے۔ آنے کے بعد حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کے ہاتھ کو پکڑ لیا اور کہا: یہ آپؑ کیسا کام کر رہے ہیں؟ کیا آپؑ اپنے جوان

بیٹے کو قتل کر دیں گے؟

حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے کہا: میں نے اللہ کے حضور منت مانی تھی کہ میں اپنے ایک بیٹے کو راہِ خدا میں قربان کروں گا۔

کافی دیر تک یہ بحث و مباحثہ ہوتا رہا' آخرکار طے پایا کہ مدینے میں ایک عورت رہتی ہے' جو انتہائی مقدس اور عبادت گزار ہے چل کر اس سے دریافت کیا جائے۔ جو فیصلہ کرے گی' وہ سب کو ماننا پڑے گا۔

حضرت عبدالمطلب علیہ السلام راضی ہو گئے۔ مدینے میں پہنچے' اس عورت سے دریافت کیا۔

اس عورت نے کہا: اگر تمھارے یہاں کوئی شخص کسی کو قتل کر دے تو قاتل کو کتنا جرمانہ دینا پڑتا ہے؟

انھوں نے بتایا: دس اُونٹ دیے جاتے ہیں۔

جب یہ سنا تو اس نے کہا: ایسا کرو کہ قرعہ ڈالا جائے کہ دس اُونٹ ذبح کیے جائیں یا عبداللہ علیہ السلام کو ذبح کیا جائے۔

اب روایت میں ہے کہ قرعہ ڈالا گیا اور اتفاق سے پھر حضرت عبداللہ علیہ السلام کا نام نکل آیا۔ حضرت عبدالمطلب علیہ السلام تیار ہو گئے کہ اب تو ضرور میں عبداللہ علیہ السلام کو ذبح کروں گا لیکن اس عورت نے کہا: ایسا کرو کہ بیس (۲۰) اُونٹوں کا قرعہ ڈالو۔

بیس (۲۰) اُونٹوں کا قرعہ ڈالا گیا کہ بیس (۲۰) اُونٹ ذبح کیے جائیں یا عبداللہ علیہ السلام کو ذبح کیا جائے' پھر حضرت عبداللہ علیہ السلام کا نام آیا۔

بیس سے تیس اُونٹ کیے' تیس سے چالیس کیے' چالیس سے پچاس کیے' ساٹھ' ستر' اسی' نوے' یہاں تک کہ سو اُونٹوں تک نوبت پہنچ گئی اور جب آخری مرتبہ دو قرعے ڈالے گئے کہ سو اُونٹ ذبح کیے جائیں یا حضرت عبداللہ علیہ السلام کو ذبح کیا جائے تو اب سو اُونٹوں کا قرعہ نکل آیا۔

جب سو اُونٹوں کا قرعہ نکلا تو حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے ماننے سے انکار کر دیا کہ نہیں مجھے ابھی یقین نہیں آیا' دوبارہ قرعہ ڈالا جائے۔

دوبارہ قرعہ ڈالا گیا' یہاں تک کہ دس مرتبہ قرعہ ڈالا گیا اور ہر مرتبہ قرعہ اُونٹوں کے نام نکلا۔
چناں چہ حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے سو اُونٹ ذبح کیے۔ حضرت عبداللہ علیہ السلام کی جان بچ گئی۔
پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا:

آنَا ابنُ الذَّبِیحَینِ

"مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں' ایک حضرت اسماعیلؑ جو ذبح ہوتے ہوئے بچے تھے اور میرے باپ حضرت عبداللہؑ جو ذبح ہوتے ہوئے بچے تھے۔"

حضرت عبداللہ علیہ السلام کی جان بچانے کے لیے خدا نے سو اُونٹ طلب کیے تھے لہٰذا اِسلام میں اس کے بعد یہ قانون بن گیا کہ جب کوئی شخص کسی کو قتل کرے گا تو قاتل مقتول کے ورثا کو اس کے بدلے میں سو اُونٹ دے گا۔

یہ حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کی پانچویں سنت تھی' جو اِسلام کا ایک قانون بن چکا ہے۔

بہر حال!

حضرت عبداللہ علیہ السلام حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کے بیٹے تھے اور حضرت ابوطالب علیہ السلام کے سگے بھائی تھے۔

حضرت عبداللہ علیہ السلام کے بارے میں روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ علیہ السلام جس دن پیدا ہوئے تھے تو شام کے عیسائیوں کے پاس ایک کُرتا تھا' یہ کُرتا حضرت یحییٰ علیہ السلام کا کُرتا تھا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام اللہ کے پیغمبر ہیں جن کو ظالموں نے شہید کر دیا تھا۔ جس مقام پر حضرتؑ کو شہید کیا گیا تھا' اس مقام سے خون اُبلنا شروع ہو گیا تھا۔ لوگوں نے مٹی لا کر ڈالی لیکن خون اُبلتا رہا یہاں تک کہ مٹی ڈالتے چلے گئے اور ایک بڑا پہاڑ بن گیا مگر خون کا اُبلنا بند نہ ہوا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بدن پر جو کُرتا تھا وہ عیسائی اُتار کر لے گئے تھے اور عیسائیوں کی کتابوں میں یہ پیش گوئی لکھی تھی کہ جب آخری نبیؐ کا باپ پیدا ہو گا تو اس کُرتے سے خود بہ خود خون نکلنا شروع ہو جائے گا۔

روایت میں ہے کہ جس رات حضرت عبداللہ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی تو اس گرتے سے خود بہ خود خون نکلنا شروع ہو گیا تھا اور اس کے بعد تمام عیسائی راہب تلاش میں نکل کھڑے ہوئے کہ کہیں نہ کہیں آخری نبیؐ کا باپ پیدا ہو چکا ہے تو اب عیسائی راہب حضرت عبداللہ علیہ السلام کی تلاش میں نکلے اور جب حضرت عبداللہ علیہ السلام کی عمر اٹھارہ سال ہو گئی تو حضرت عبداللہ علیہ السلام اس نور کی وجہ سے جو خدا نے ان کی پیشانی میں رکھا تھا بہت حسین اور نہایت خوب صورت تھے۔

روایت میں ہے کہ جب ان کی شادی حضرت سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا سے ہوئی۔

علامہ محمد باقر مجلسی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کو خواب میں حکم ملا تھا کہ تم اپنے بیٹے کی شادی حضرت آمنہؑ سے کرو۔

حضرت عبداللہؑ نہایت خوب صورت تھے اور ان سے شادی کی تمنا بے شمار عورتوں کو تھی تاکہ وہ نور رسالتؐ ان کے پاس آ جائے۔ چناں چہ جس رات حضرت عبداللہ علیہ السلام کی شادی ہوئی تھی، اس رات مکہ کی دو سو لڑکیوں کا انتقال ہو گیا تھا، اسی صدمے اور اس غم میں کہ عبداللہ علیہ السلام کی شادی ہم سے کیوں نہ ہو سکی۔

حضرت عبداللہ علیہ السلام کی شادی حضرت آمنہؑ بنت وہب سے ہوئی۔ چند مہینے شوہر اور بیوی ساتھ رہے اس کے بعد ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ علیہ السلام کی عمر ۲۲ سال تھی اور ایک روایت میں یہ ہے کہ پچیس سال تھی کہ ان کو کسی کام سے مکہ سے مدینہ جانا پڑا۔ مدینہ میں پہنچے وہاں پر بیمار ہو گئے اور وہیں پر حضرت عبداللہ علیہ السلام کا انتقال ہو گیا اور مدینے ہی میں حضرت عبداللہ علیہ السلام کو دفن کر دیا گیا۔

یہ تھے حضرت عبداللہ علیہ السلام جن کا پیغمبرؐ اسلام کی مختصر سی سوانح حیات میں تذکرہ کیا گیا ہے۔

اب آیئے حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کے حالات کی طرف!

جب پیغمبرؐ اسلام کی عمر مبارک چھے سال کی تھی تو اس وقت حضرت آمنہؑ اپنے مرحوم شوہر کی قبر کی زیارت کے لیے مدینے میں گئی تھیں۔ قبر کی زیارت کر کے واپس آ رہی تھیں تو

مدینہ اور مکہ کے درمیان میں ایک مقام پر ان کا انتقال ہو گیا اور انھیں بھی اسی مقام پر دفن کر دیا گیا۔

اب روایت میں ہے کہ بہت عرصے کے بعد بیس یا پچیس سال کے بعد پیغمبرؐ اسلام جب مدینہ آ چکے تو مدینہ آنے کے بعد کا واقعہ ہے...... (ٹھہریے)

پہلے ایک روایت آپ کو کتاب شرح فقہ اکبر سے سنا دی جائے۔ یہ کتاب برادرانِ اہل سنت کی ہے۔

اس کتاب میں یہ روایت ہے: ایک شخص پیغمبرؐ اسلام کے پاس آیا۔

اس نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! میرے ماں باپ کافر مرے۔ اب میں اپنے ماں باپ کے بارے میں بڑا پریشان ہوں کہ ان کی بخشش کس طرح ہو گی کیوں کہ وہ تو حالتِ کفر میں مر گئے ہیں۔

یا رسولؐ اللہ! کیا آپؐ میرے ماں باپ کی بخشش کرا سکتے ہیں؟

روایت میں ہے کہ پیغمبرؐ اسلام نے اسے دیکھا۔

ارشاد فرمایا: جب شبِ معراج مجھے جنت کی سیر کرائی گئی اور پھر جنت کی سیر کرنے کے بعد میں جہنم کو دیکھنے کے لیے نکلا تو میں نے دیکھا تھا کہ جہنم کی آگ میں ایک مرد اور ایک عورت جل رہے ہیں اور اس طرح جل رہے ہیں کہ ان کو جلتا دیکھ کر میرے دل پر اثر ہونے لگا۔ میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے تھے۔ میں نے خدائے متعال سے عرض کیا: خدایا! یہ جلنے والے کون ہیں جن کو دیکھ کر میرے دل میں تکلیف ہو رہی ہے؟

جواب ملا تھا: میرے رسولؐ! کیا تم نے نہیں پہچانا یہ تمھارے والدین ہیں جو جہنم کی آگ میں جل رہے ہیں (معاذ اللہ)۔

شرح فقہ اکبر کے یہ الفاظ ہیں کہ میرے والدین دونوں کفر کی حالت میں مر گئے تھے اس لیے وہ جہنم کی آگ میں جل رہے ہیں۔

چناں چہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: اے شخص! جب میں اپنے ماں باپ کی بخشش نہیں کرا

سکتا تو میں تیرے ماں باپ کی بخشش کیسے کراؤں گا؟ (معاذ اللہ)

یہ روایت عامہ کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے۔

اب آپ ہماری روایت سنیے!

پیغمبرؐ اسلام کے مدینہ میں آ جانے کے پچیس یا تیس سال بعد کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ اپنے والد ماجدؑ کی قبر کی زیارت کے ارادے سے نکلے۔

روایت میں ہے کہ اپنے والدؑ کی قبر پر پہنچ کر پیغمبرؐ اکرم نے فاتحہ پڑھی۔ فاتحہ پڑھ کر قبر پر اپنا ہاتھ مارا تو قبر درمیان میں سے کھل گئی اور سب نے دیکھا کہ اس قبر میں سے پچیس سال کا ایک جوان باہر نکلا۔ پیغمبرؐ اسلام کی نگاہ ان کے چہرے پر پڑی اور ان کی نگاہ پیغمبرؐ اسلام کے چہرے پر پڑی۔ جیسے ہی ان کی نگاہ پیغمبرؐ اسلام کے چہرے پر پڑی تو انھوں نے بے اختیار کہا:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں۔"

روایت میں ہے کہ پیغمبرؐ اسلام نے یہ سنا تو ارشاد فرمایا: اے میرے پدر بزرگ وارؑ! میں آپؑ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ میں یہ معلوم کروں کہ آپؑ کا ولی کون ہے؟

یہ سن کر انھوں نے کہا: اے میرے بیٹے! ذرا مجھے یہ بتا کہ تُو نے کس کو ولی بنایا ہے؟

پیغمبرؐ اسلام نے ارشاد فرمایا: بابا جانؑ! میں نے اپنا ولی اپنے چچازاد علیؑ کو بنایا ہے آپؑ بھی ان کی ولایت کا اقرار کریں۔

اصحابِ رسولؐ کہتے ہیں: ہم نے دیکھا کہ حضرت عبداللہ علیہ السلام نے مولا علی علیہ السلام کی ولایت کا اقرار کیا اور ایک مرتبہ قبر میں جا کر لیٹ گئے اور قبر بند ہو گئی۔

اس کے بعد پیغمبرؐ اسلام مدینے سے نکلے اور مقام ابوا جہاں پر حضرت سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا مدفون تھیں وہاں پر آئے اور وہاں آنے کے بعد بھی بالکل یہی عمل کیا۔ پیغمبرؐ اسلام کی

والدہ ماجدہؑ نکلیں اور اپنے بیٹے کی رسالتؐ کا اقرار کیا۔

پیغمبر اکرم نے آپؑ سے بھی کہا: اے میری والدہ! آپؑ بھی علیؑ کی ولایت کا اقرار کیجیے۔

اُنھوں نے بھی علیؑ کی ولایت کا اقرار کیا۔

اب علی علیہ السلام کی ولایت کا اقرار کرانے کے بعد پیغمبرؐ اسلام واپس مدینے تشریف لائے۔

علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ غالباً پیغمبرؐ اسلام اُن کے پاس صرف اس لیے گئے تھے کہ انھوں نے اس زمانے میں انتقال کیا تھا جب ولایتِ علیؑ کا اعلان نہیں ہوا تھا لیکن اب چوں کہ علیؑ کی ولایت کا اعلان ہو چکا تھا اس لیے آپؐ نے اُن سے علیؑ کی ولایت کا اقرار لیا تاکہ مرنے کے بعد بہشت کے اعلیٰ درجات حاصل کرسکیں۔

یہ روایت ہمیں یہ بتاتی ہے کہ حضرت عبداللہ علیہ السلام اور حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا دونوں انتہائی باعمل مومن تھے اور اس حد تک ان کا ایمان بلند تھا کہ مرنے کے بعد بھی ان کے جسم بالکل صحیح سالم حالت میں تھے اور انھوں نے اپنے رب سے ملاقات کی تھی۔

اب یہاں سے ہماری گفتگو سیرت کے بنیادی نکتے پر اُستوار ہوتی ہے!

پیغمبرؐ اسلام اس دنیا کے اندر ۱۷ ربیع الاوّل کو تشریف لائے اور اسی سال وہ واقعہ ہوا جو عام الفیل کا واقعہ کہلاتا ہے کہ ابرہہ جس نے خانۂ کعبہ کے مقابلے میں اپنے شہر یمن میں ایک خانۂ کعبہ[1] تعمیر کرایا لیکن جب کوئی اس خانۂ کعبہ کی زیارت کو نہ آیا تو وہ اپنا لشکر لے کر آگے بڑھا تاکہ خانۂ کعبہ کو ڈھا دے اور وہ جس ہاتھی پر بیٹھا ہوا تھا اس کا نام محمود تھا۔

روایت میں ہے کہ جب وہ خانۂ کعبہ کے قریب پہنچا تو اس نے حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کے اُونٹ پکڑ لیے۔

حضرت عبدالمطلب علیہ السلام اپنے اُونٹ لینے کے لیے اُس کے پاس پہنچے تو اس نے کہا: اے عبدالمطلبؑ! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپؑ کو ان معمولی سے اُونٹوں کو حاصل کرنے کی اتنی بے چینی ہے لیکن اس خانۂ کعبہ کی کوئی فکر نہیں؟

۱۔ خانۂ کعبہ کی مرکزیت کو ختم کرنے کے لیے صنعا میں ایک گرجا تعمیر کرایا تھا۔

حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے جواب دیا:

اَنَا رَبُّ الْاِبِلِ

"میں تو ان اُونٹوں کا مالک ہوں۔"

وَ اَمَّا رَبُّ الْبَیْتِ......

"ایک اس گھر کا بھی مالک ہے (جو تمھیں روک دے گا)۔"

روایت میں ہے کہ جب اس نے اُونٹ واپس کر دیے اور حملہ کیا تو اس کا ہاتھی جس کا نام محمود تھا' وہ مکہ کی سرزمین میں داخل ہو کر بیٹھ گیا' اس کو مارا گیا' اتنا مارا گیا کہ مارتے مارتے اس کو ہلاک کر دیا گیا لیکن وہ اپنے مقام سے ایک انچ بھی آگے نہ بڑھا۔ اس کے بعد ابابیل آئے۔ انھوں نے کنکر گرائے اور ابرہہ کا لشکر تباہ و برباد ہو گیا اور اس کے نتیجے میں پہلی مرتبہ چیچک کی بیماری پھیلی۔ اس واقعہ کی وجہ سے اس سال کا نام عام الفیل پڑ گیا۔

اب اس مکے کے اندر پیغمبرؐ اِسلام کی ولادتِ باسعادت ہوئی اور اس دن ۱۷ ربیع الاوّل کی تاریخ تھی اور اسی تاریخ سے شیطان کا آسمانوں پر جانا بند کر دیا گیا۔ اب یہاں سے پیغمبرؐ اِسلام کی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔

پیغمبرؐ اِسلام کی زندگی کے تین ادوار ہیں:

① پہلا دور چالیس سال کا وہ ہے' جس میں آپؐ نے اعلانِ نبوت نہیں کیا تھا۔

② دوسرا دور وہ ہے' جب آپؐ نے چالیس سال کی عمر میں پہنچ کر اعلانِ نبوت کر دیا اور تیرہ سال تک مکہ میں زندگی گزاری۔

③ آخر میں دس سال کا وہ دور ہے' جس میں پیغمبرؐ اِسلام نے زندگی گزاری۔

پیغمبرؐ اِسلام نے چالیس سال تک مکہ کے عربوں کے درمیان زندگی گزاری اور ایسی زندگی گزاری کہ کوئی عرب پیغمبرؐ اِسلام کے کردار پر اُنگلی نہ اُٹھا سکا۔ اب چالیس سال تک پیغمبرؐ اِسلام نے عربوں کو یہ سبق پڑھاتا ہے:

قُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا

"اے لوگو! لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہو، تم نجات پاؤ گے۔"

یہ ایک کلمہ ہے لیکن اس ایک کلمے میں تین بنیادی عقیدے اسلام کے چھپے ہوئے ہیں۔

پہلی دعوت اسلامی ان تین عقیدوں سے شروع ہوئی:

① پہلا عقیدہ یہ کہ خدا موجود ہے۔

② دوسرا عقیدہ یہ کہ قیامت کا دن ضرور آئے گا اس لیے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہو تو تمھیں فلاح نصیب ہوگی یعنی ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ جب انسان کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے سے فلاح نصیب ہوگی۔

③ تیسرا عقیدہ عدلِ خداوندی کا ہے، وہ اس لیے کہ نیک کام کرو گے تو خدا تمھیں فلاح دے گا یعنی وہ عادل خدا ہے جو ہر اچھا کام کرنے والے کو اس کا اچھا صلہ دیتا ہے۔

یہ پہلا کلمہ پیغمبرؐ اسلام نے عربوں سے کہا۔

عربوں کے لیے ایک خدا پر ایمان اتنا لانا مشکل نہ تھا جتنا مشکل خدا کی صفات اور خدا کی عظمت کو اپنے دل میں بٹھانا تھا اور پیغمبرؐ اسلام کو یہی پیغام پہنچانا تھا کہ ایک خدا کو مانو اور خدا کو اس طرح مانو کہ جس طرح ماننے کا حق ہے۔

پیغمبرؐ اسلام نے کہا: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہو تو تم نجات حاصل کرو گے۔

اِدھر پیغمبرؐ اسلام نے یہ پیغام دیا اور اُدھر عربوں نے مخالفت کرنا شروع کر دی اور مخالفت کے جو سات، آٹھ طریقے ہوتے ہیں سب اختیار کیے۔

سب سے پہلے انھوں نے یہ کوشش کی کہ پیغمبرؐ اسلام کا پیغام سننے ہی نہ پائے اور اس کے لیے عربوں نے مشہور کر دیا کہ یہ پیغمبرؐ ہے، یہ پیغمبرؐ جادوگر ہے اور یہ پیغمبرؐ شاعر ہے (معاذ اللہ)۔

اب یہ بڑا اہم نکتہ اور یہ بڑا اہم مقام ہے!

عربوں کی عیاری اور سیاست کا اندازہ انھی تین جملوں سے لگایا جا سکتا ہے۔

پیغمبرؐ اسلام پر تین الزام لگائے گئے:

① پہلا الزام یہ کہ پاگل ہے۔

② دوسرا الزام یہ کہ شاعر ہے۔

③ تیسرا الزام یہ کہ جادوگر ہے۔ (معاذ اللہ)

عربوں کی سیاست کا اندازہ آپ انھی تین باتوں سے لگا سکتے ہیں کیوں کہ ان تین جملوں کے پیچھے ایک بہت بڑی سیاست چھپی ہوئی تھی۔

وہ کیا سیاست تھی؟

دیکھیے!

پہلا الزام یہ لگایا گیا آنے والا یہ شخص پاگل ہے' مجنوں ہے۔

یہ کیوں کہا گیا؟

اُن کا مقصد پیغمبرؐ اسلام کو محض بُرا نہیں کہنا تھا بل کہ معاشرے کے ایک طبقے سے جدا کرنا تھا۔ اس لیے کہ پاگل بچوں کی کم زوری ہے۔ کس کی کم زوری ہے؟

بچوں کی۔

جہاں بچوں نے سنا کہ کوئی پاگل ہے' بچوں نے سنا کہ کوئی دیوانہ آ گیا ہے تو بچوں کی عادت ہے کہ جہاں پر انھوں نے کسی پاگل کو دیکھا تو ہاتھ میں پتھر لیے اس پاگل کے پیچھے بھاگے اور پتھر مارنے شروع کر دیے۔ تو اب عربوں نے کہا: یہ رسولؐ مجنوں ہے' یہ رسولؐ پاگل ہے۔ یہ کہہ کر انھوں نے عرب کے جتنے بچے تھے ان تمام بچوں کو رسولؐ اکرم کے خلاف کر دیا تاکہ یہ رسولؐ اکرم کے پیچھے لگ جائیں۔

دوسری بات انھوں نے یہ کہی کہ رسولؐ شاعر ہے۔ ایک شاعر تو وہ ہوتا ہے' جو سلیقے سے بیٹھ کر شعر اور نظمیں کہتا ہے۔ لیکن عربوں کا مطلب ایسا شاعر تھا جو اُلٹی سیدھی (بہکی بہکی) باتیں کرتا ہے تو کہا کہ یہ شاعر ہے تو جب ایسے بے تکے شاعر کو کوئی سنے گا تو یاد رکھیے جتنے عقل مند' پڑھے لکھے' سمجھ دار لوگ ہیں' وہ دور ہٹ جائیں گے۔ تو اب کہا گیا: یہ آنے والا رسولؐ شاعر ہے تاکہ جتنے بھی عرب کے سنجیدہ' پڑھے لکھے' سمجھ دار ہیں' وہ ان سے دور ہٹ جائیں' کوئی ان

کی بات نہ سنے۔

تیسری بات یہ کہی گئی کہ یہ رسولؐ جادوگر ہے' ساحر ہے۔ اس الزام کے پیچھے بھی ایک بہت بڑا مقصد تھا اس لیے کہ جادوگری عورتوں کے لیے باعث نفرت ہے' جہاں عورتیں جادو کا نام سنیں وہاں سے دور بھاگنے لگتی ہیں۔ جہاں عورتوں نے سنا کہ اس مقام پر جادوگر ہے تو اس مقام سے کنارہ کرنے لگتی ہیں' اس کے لیے وہ واقعہ جو آپ نے بار بار سنا ہوگا کہ پیغمبرؐ اِسلام مکہ کی گلیوں میں جا رہے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ کی نگاہ ایک ضعیفہ پر پڑی کہ جو اپنی پشت پر لکڑیوں کا گٹھا اُٹھائے ہوئے' لکڑیوں کا بوجھ اُٹھائے ہوئے چلی آ رہی تھی' پیغمبرؐ اِسلام نے دیکھا کہ اتنی کم زور' اتنی ضعیفہ اتنا بھاری بوجھ اُٹھا کر جا رہی ہے ترس کھا کر آگے بڑھے۔

ارشاد فرمایا: اے ضعیفہ! یہ بوجھ مجھے دے دو' میں تمھارا بوجھ تمھارے گھر تک پہنچا دیتا ہوں۔

اس ضعیفہ نے دیکھا کہ ایک فرشتہ رحمت راستے میں آ گیا ہے' اس نے ایک مرتبہ وہ بوجھ پیغمبرؐ اِسلام کے حوالے کیا اور پیغمبرؐ اِسلام یہ بوجھ لے کر چلے یہاں تک کہ اس کے گھر تک پہنچایا۔ اب پیغمبرؐ اِسلام واپس آنا چاہتے تھے۔

ضعیفہ نے کہا: بیٹے! میں انتہائی ضعیف' غریب ہوں اس لیے تمھاری کوئی خدمت نہیں کر سکتی لیکن ایک نصیحت ضرور کرتی ہوں اور وہ نصیحت یہ ہے کہ آج کل ایک جادوگر آیا ہوا ہے جو باپ کو بیٹے سے جدا کراتا ہے' بیٹے کو باپ سے جدا کراتا ہے' بھائی کو بھائی سے جدا کراتا ہے' خاندانوں میں جدائی پیدا کرتا ہے۔

اے میرے بیٹے! بس میری ایک نصیحت کو سن لے وہ یہ کہ خبردار! تو کبھی اس جادوگر کے قریب نہ جانا۔ ہر مقام پر اس سے بچ کر رہنا ورنہ تو برباد ہو جائے گا۔

پیغمبرؐ اِسلام نے سنا' سر کو جھکا لیا۔

ارشاد فرمایا: اے ضعیفہ! یقیناً میں آپ کی نصیحت پر عمل کرتا لیکن کیا کروں میں اس جادوگر سے بچ نہیں سکتا ہوں۔

ضعیفہ نے گھبرا کر کہا: بیٹا! کیا بات ہے؟

ارشاد فرمایا: اے ضعیفہ! وہ شخص میں ہی ہوں کہ جس کو لوگ جادوگر کہہ کر پکارتے ہیں۔

اس ضعیفہ نے جب یہ سنا تو ایک مرتبہ کانپ اُٹھی اور کہا: اے بیٹے! یہ جو تُو نے سب کچھ کیا یہ تُو نے اپنی طرف سے کیا یا تیرا دین و مذہب بھی یہی کہتا ہے؟

ارشاد فرمایا: یہ تو میرے مذہب کا بنیادی اُصول ہے کہ ہر کم زور کی مدد کرو۔

یہ سنتے ہی وہ مسلمان ہو کر کہتی ہے:

اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

''میں گواہی دیتی ہوں کہ تُو ہی اللہ کا سچا رسولؐ ہے۔''

اب عربوں نے کہا: یہ رسولؐ جادوگر ہے تو عورتوں کو رسولؐ سے ہٹایا جا رہا ہے۔

ابتدا ہی میں پہلا مقام کہ رسولؐ اکرم کی تبلیغ کو آگے نہ بڑھنے دو' عورتوں کو رسولؐ اکرم سے کاٹو' بچوں کو رسولؐ اکرم سے جدا کرو اور نوجوانوں اور بوڑھوں کو رسولؐ اکرم سے دور رکھو۔

اب آپ اندازہ لگائیں کہ کتنی بڑی سیاست تھی!

جب عربوں نے تین الزام لگائے' تین گروہوں کو دُور کرنے کے لیے کہ بچے بھی رسولِ خداؐ سے دُور ہو جائیں' عورتیں بھی دُور ہو جائیں اور بوڑھے بھی دُور ہو جائیں تو اب پیغمبرؐ اسلام کو بھی ضرورت تھی کہ تین ہستیوں کو لے کر آئیں تاکہ ان تینوں الزامات کو غلط ثابت کریں کہ مجھے تم نے کہا کہ شاعر ہوں تاکہ بوڑھے میرے قریب سے ہٹ جائیں اور سمجھ دار لوگ میرے قریب سے ہٹ جائیں تو اب مجھے بھی ایک بوڑھے کی ضرورت ہے کہ جو ہر مقام پر ساتھ رہے اور وہ بتاتا رہے کہ دیکھو یہ شاعر نہیں ہے میں اس کا ساتھ دے رہا ہوں۔

تم نے کہا کہ جادوگر ہے تاکہ عورتیں میرے قریب نہ آنے پائیں تو اب مجھے بھی ایک عورت کی ضرورت ہے جو ہر مقام پر میرے ساتھ رہے اور وہ بتائے کہ دیکھو یہ جادوگر نہیں ہے ورنہ میں اس کے قریب نہ جاتی۔

تم نے کہا کہ یہ مجنوں ہے تاکہ بچے اس کے قریب نہ آنے پائیں تو اب مجھے بھی ایک بچے کی ضرورت ہے جو ہر مقام پر میرے ساتھ رہے اور بتائے کہ دیکھو یہ مجنوں نہیں ہے ورنہ

میں اس کے قریب نہ آتا۔ چناں چہ پیغمبرؐ اسلام نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کو لیا' تا کہ شاعر کے الزام کو غلط ثابت کریں۔ حضرت اُمّ المومنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کو لیا تا کہ جادوگر ہونے کے الزام کو غلط ثابت کریں اور حضرت علی علیہ السلام کو لیا تا کہ مجنوں ہونے کے الزام کو غلط ثابت کریں (نعرۂ حیدری)۔

اب پیغمبرؐ اسلام ان تین ہستیوں کو لے کر چلے اور تبلیغ رسالتؐ شروع ہوئی اور تبلیغ رسالتؐ جب شروع ہوئی تو ایک عجیب طریقے سے ابتدا ہوئی۔ حضرت علامہ محدث شیخ عباس قمی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''منتہی الامال'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ پچیس سال کی عمر میں پیغمبرؐ اسلام کا نکاح حضرت خدیجہ الکبریٰ سلام اللہ علیہا سے ہوا تھا۔"

اس مقام پر یہ دو ہستیاں جو محسن اسلام ہیں:

① حضرت ابوطالب علیہ السلام ② حضرت خدیجہ الکبریٰ سلام اللہ علیہا

ان دونوں ہستیوں کے ساتھ بہت زیادہ احسان فراموشی کی گئی کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کو تو دائرۂ اسلام سے ہی خارج کر دیا اور حضرت خدیجہ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کو خارج نہ کر سکے۔ لیکن حضرت خدیجہؑ کے کردار کو چھپا کر رکھا گیا اور یہ کہا گیا کہ حضرت خدیجہؑ کی عمر چالیس سال کی تھی۔ جب ان کا نکاح پیغمبرؐ اسلام سے ہوا تھا اور (معاذ اللہ) حضرت خدیجہؑ کے پیغمبرؐ اسلام سے پہلے دو نکاح ہو چکے تھے۔

حضرت علامہ سید مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل واضح لکھا ہے کہ یہ قطعاً غلط ہے۔ اس لیے کہ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی عمر مبارک اٹھائیس سال کی تھی اور پیغمبرؐ اسلام سے پہلے ان کی کوئی شادی نہیں ہوئی تھی۔

جب پیغمبرؐ اسلام کی عمر پچیس سال کی ہوئی تو حضرت خدیجہؑ نے پیغام بھجوایا کہ میں آپؐ سے شادی کرنا چاہتی ہوں اور پیغمبرؐ اسلام نے یہ پیش کش قبول کی اور حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا سے پیغمبرؐ اسلام کا نکاح ہوا اور نکاح بھی حضرت ابوطالب علیہ السلام نے پڑھا۔

پچیس سال کی عمر میں پیغمبرؐ اسلام کا نکاح ہوا اور جب چالیس سال کے ہوئے تو پیغمبرؐ

اسلام غارِ حرا میں تھے۔ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ آئے۔ پیغمبرؐ اسلام کو نور کی کرسی پر بٹھایا اور پیغمبرؐ اسلام کے سر پر تاج رکھا' تاج رکھ کر کہا:

اِقْرَاْ

''پڑھیے''

پیغمبرؐ اسلام نے سنا اور پڑھا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ (سورۂ مبارکہ علق' آیت ۱)

پیغمبرؐ اسلام نے قرآن کی تلاوت شروع کر دی۔ یہاں سے پیغمبرؐ اسلام حضرت خدیجہؓ کے گھر میں آئے۔ حضرت خدیجہؓ نے دیکھا۔

عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! آج تو آپؐ کے چہرے پر عجیب چمک اور عجب نور ہے؟

پیغمبرؐ اسلام نے ارشاد فرمایا: اے خدیجہؓ! آج سے مجھے اعلانِ نبوت کا حکم ملا ہے کیا تم میری نبوت کی تصدیق کرتی ہو؟

حضرت خدیجہؓ نے فرمایا: اے میرے سرتاج! مجھے تو پہلے ہی یقین تھا کہ آپؐ اللہ کے نبی اور اللہ کے رسول ہیں۔

حضرت خدیجہؓ سب سے پہلے رسالت کی تصدیق کرنے والی ہیں۔

پیغمبرؐ اسلام نے تین شخصیات کو اپنا مددگار بنا کر مکہ میں تبلیغ رسالت شروع کی۔

وہ تین ہستیاں کون تھیں؟

① حضرت ابوطالب علیہ السلام

② حضرت خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا

③ حضرت علی علیہ السلام

پیغمبرؐ اسلام سمیت یہ چار ہستیاں تھیں' جنھوں نے مکہ میں اسلام کو پھیلایا لیکن ان کے ساتھ ساتھ مکہ میں منافقین کی بھی ایک ٹولی بن گئی۔

پیغمبرؐ اسلام اعلانِ نبوت کر رہے تھے اور وہ منافقین اعلانِ نبوت کے اندر رکاوٹ ڈال رہے تھے۔ پہلا کام تو انھوں نے یہ کیا کہ پیغمبرؐ اسلام کے قریب کسی کو مت جانے دو۔ اس لیے انھوں نے کبھی مجنوں کہا' کبھی جادوگر کہا اور کبھی شاعر کہا۔ لیکن اس کے باوجود جب پیغمبرؐ اسلام کے ساتھیوں کی تعداد بڑھنے لگی تو ان منافقین نے دوسرا قدم اُٹھایا اور ان کا دوسرا قدم یہ تھا کہ پیغمبرؐ اسلام کے ساتھیوں کو توڑو اس لیے رسولِؐ اکرم پر ہاتھ ڈالنا مشکل تھا' جب تک کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام زندہ تھے۔ لہٰذا انھوں نے سوچا کہ پیغمبرؐ اسلام کے ساتھیوں کو توڑو۔

پیغمبرؐ اسلام کے ابتدائی دور میں آپؐ کے کون کون ساتھی تھے؟

① حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ

② حضرت عمار یاسر رضی اللہ عنہ

③ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا

روایت میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ' حضرت عمار یاسر رضی اللہ عنہ' حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے والد اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ اور حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ' ان پانچ آدمیوں کو قریش پکڑ کر لے جاتے تھے۔ سر سے پاؤں تک لوہے کا لباس ان کے جسموں پر چڑھا دیا کرتے تھے اور عرب کی جلتی ریت پر دوپہر کی سخت گرمی میں انھیں کھڑا کر دیا کرتے تھے اور صبح سے شام تک اسی حالت میں کھڑا رہنا پڑتا تھا۔ ایک مرتبہ لوہے کا بنا ہوا لباس تپتا اور اس کی وجہ سے ان کی کھال جل کر گر جاتی۔ جب شام کو یہ لباس اُتارا جاتا تو اس وقت ان میں سے کوئی اس قابل بھی نہیں ہوتا تھا کہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔ اس کے بعد انھیں اسی جلتی ہوئی زمین پر لٹایا جاتا' ان کے سینوں پر پتھر رکھے جاتے اور انھیں ہتھوڑوں سے توڑا جاتا۔

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا جو حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں جب ان سے ابوجہل نے کہا کہ محمدؐ کی نبوت کا انکار کرو۔ مگر انھوں نے انکارِ نبوت نہ کیا تو ایک مرتبہ ابوجہل کے ہاتھ میں برچھی تھی' اس نے اس برچھی سے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کے سینے پر وار کیا' جس کے نتیجے میں حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا۔ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اسلام کی پہلی شہید عورت ہیں جو مکہ کی جلتی ہوئی

ریت پر تڑپ تڑپ کر شہید ہوئیں۔

پیغمبرؐ اسلام کے یہی ساتھی ہیں جن کو پیغمبرؐ اسلام نے سلام کیا ہے: اگر میرے یہ ساتھی اس ابتدائی دور میں میرا ساتھ نہ دیتے تو میں اپنے مقصدِ رسالت میں کامیاب نہ ہوتا۔

ایک طرف یہ پیغمبرؐ اسلام کے ماننے والے اور دوسری طرف وہ پیغمبرؐ اسلام کے ماننے والے جو بعد میں پیغمبرؐ اسلام کی رسالت کا ظاہری اقرار کر کے اپنے آپ کو مسلمان کہنے لگے ان کا کیا کردار تھا؟

دونوں کو ساتھ ساتھ لے کر چلیں!

اب قریش والوں نے پیغمبرؐ اسلام کی مخالفت شروع کر دی، جب انھوں نے دیکھا کہ دین پیغمبرؐ بڑھتا چلا جا رہا ہے تو انھوں نے اسلام کا اظہار کر کے اپنے آپ کو مسلمان بنا لیا تو یہ بھی منافقین کی سیاست تھی کہ اسی سال عرب کے تمام قبیلے مل بیٹھے اور انھوں نے کہا کہ ہم نے رسولِؐ اکرم کے قریب جانے سے لوگوں کو روکا لیکن رسولِؐ اکرم کا اعلانِ رسالت نہ رُک سکا۔ ہم نے رسولِؐ اکرم کے ساتھیوں کو تکلیفیں پہنچائیں۔ لیکن آپؐ اپنے فرض سے دست بردار نہ ہوئے۔ اب ایسا کرو کہ تمام قبیلے مل کر یہ عہد کر لیں کہ ہم میں سے کوئی رسولِ اکرم سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھے گا۔ چناں چہ ایک معاہدہ طے پایا اور معاہدہ تیار ہوا جس پر ہر قبیلے کے سرداروں نے دستخط کیے اور کہا کہ کوئی بھی رسولِؐ اکرم اور رسولِؐ اکرم کے خاندان سے تعلق نہیں رکھے گا۔

حضرت ابو طالب علیہ السلام نے یہ ماحول دیکھا تو اپنے تمام خاندان کو لے کر مکہ سے باہر ایک چھوٹی سی گھاٹی میں پہنچے جس کا نام شعب ابی طالبؑ تھا۔

تین سال تک وہاں زندگی گزاری۔

کیسی زندگی گزاری؟

ایسی زندگی گزاری کہ بھوک کی شدت کی وجہ سے لوگوں نے پتے کھائے، بھوک کی شدت کی وجہ سے درختوں کی جڑیں کھائیں، بھوک کی شدت کی وجہ سے بعض اوقات بچوں نے ریت تک کھالی تھی۔ یہ تمام کا تمام خاندانِ رسالتؐ وہاں پر موجود تھا جن میں ایک روایت کے

مطابق حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا بھی تھیں' امیر المومنین علیہ السلام بھی تھے' حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا بھی تھیں' حضرت ابوطالب علیہ السلام بھی تھے اور پیغمبرؐ اسلام بھی تھے۔ یہ تین سال تک وہاں مشکلات برداشت کرتے رہے لیکن کسی نے آ کر رسولؐ اکرم اور رسولؐ اکرم کے خاندان والوں کی مدد نہ کی۔

تین سال کا عرصہ گزرا' اس کے بعد خود بہ خود ایک مرتبہ مصلحت الٰہی ہوئی۔ وہ معاہدہ جو خانہ کعبہ کے دروازے پر لٹکا دیا گیا تھا اس معاہدے کو دیمک لگ گئی جس کی وجہ سے معاہدہ گل سڑ کر گر پڑا اور وہ کچھ قبیلے جو پیغمبرؐ اسلام کا ساتھ دینا چاہ رہے تھے انھوں نے اس موقع سے فائدہ اُٹھایا اور اعلان کیا کہ ہم اس معاہدے کو اب ختم سمجھتے ہیں کیوں کہ وہ گل سڑ کر ختم ہو چکا ہے۔

پیغمبرؐ اسلام باہر نکلے اور باہر نکلتے ہی یکے بعد دیگرے دو صدمے پیغمبرؐ اسلام کو برداشت کرنا پڑے:

پہلا صدمہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی وفات کا تھا۔

روایت میں ہے کہ پیغمبرؐ اسلام نے غم منایا اور پینتیس (۳۵) دن کے بعد حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی بھی وفات ہو گئی اور پیغمبرؐ اسلام نے اس سال اتنا غم منایا کہ اس سال کو عام الحزن قرار دیا۔

اب اس کے بعد پیغمبرؐ اسلام مدینہ طیبہ کی طرف تشریف لائے۔

مدینے میں پہنچ کر پیغمبرؐ اسلام نے سب سے پہلے داخلی اُمور کا انتظام کیا۔ کیوں کہ سب سے پہلے انصار اور مہاجرین کا جھگڑا کھڑا ہو گیا تھا لیکن پیغمبرؐ اسلام نے پہلا کام یہ کیا کہ تمام انصار اور مہاجرین کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا۔ اس طرح بھائیوں کا سلسلہ شروع کر دیا سوائے ایک کے' ایک جوڑا ایسا تھا کہ جس میں دونوں بھائی مہاجر تھے۔ وہ پیغمبرؐ اسلام کا اور مولا علی علیہ السلام کا ساتھ رشتہ اُخوت تھا۔ اس کے علاوہ ہر انصاری اور مہاجر کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا گیا۔

دوسری طرف یہودی تھے لیکن پیغمبرؐ اسلام نے مصلحتِ پروردگار کے مطابق یہودیوں کو اپنے ساتھ ملایا اور ان سے ایک معاہدہ کروایا۔

اِدھر پیغمبرؐ اسلام مدینے میں پہنچے اُدھر منافقین کی سازشیں شروع ہو گئیں۔ جنگِ بدر ہوئی لیکن منافقین کو موقع نہ ملا۔ اس کے بعد جنگِ اُحد ہوئی اور اس جنگ میں منافقین کو پہلی مرتبہ ذاتِ رسالتؐ کو نقصان پہنچانے کا موقع ملا۔ چناں چہ روایت میں ہے کہ جنگ کے دوران میں کسی نے یہ خبر اُڑا دی کہ پیغمبرؐ اسلام قتل کر دیے گئے ہیں۔ یہ خبر سنتے ہی لوگ گھبرا گئے۔

اب ذرا دو آدمیوں کے تاثرات دیکھیے!

ایک امیر المومنین علیہ السلام ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ میں میدانِ جنگ میں لڑ رہا تھا' میرے کان میں آواز آئی کہ رسولؐ اکرم شہید کر دیے گئے ہیں' یہ سن کر میں نے سوچا کہ اگر رسولؐ اکرم شہید کر دیے گئے ہیں تو اب اس دنیا میں رہ کر کیا کروں گا اور اگر رسولؐ اکرم شہید نہیں کیے گئے تو ذرا تلاش کروں۔ تھوڑی دیر تلاش کیا لیکن رسولؐ اکرم کہیں نظر نہ آئے۔ اب میرے ذہن میں خیال آنے لگا کہ رسولؐ اکرم یا شہید ہو گئے ہیں یا اللہ نے آپؐ کو آسمان کی طرف اُٹھا لیا ہے۔ اس لیے اب علیؑ زندہ رہ کر کیا کرے گا۔ یہ خیال کرتے ہی میں نے تلوار نکالی اور جہاد شروع کر دیا۔

یہ امیر المومنین علیہ السلام کا رسولؐ اکرم پر اعتماد ہے کہ رسولؐ اکرم شہید ہو سکتے ہیں یا آسمان کی طرف جا سکتے ہیں' لیکن میدان سے فرار نہیں ہو سکتے۔

اب اس کے مقابلے میں ایک دوسرے شخص کا بیان ہے کہ جیسے ہی میرے کان میں یہ آواز پہنچی کہ رسولؐ اکرم شہید کر دیے گئے تو میں نے سوچا کہ اب ان کافروں سے لڑنے کا کیا فائدہ ہے؟ اب ہم اور یہ بھائی بھائی بن گئے ہیں اس لیے کہ وجہ اختلاف پیغمبرؐ اسلام کی ذات تھی اور وہ ختم ہو گئی ہے (معاذ اللہ) یہ خیال کر کے میں میدان سے فرار ہو کر پہاڑ کی چوٹی پر جا کر بیٹھ گیا۔

اس وقت میدانِ اُحد نے بتایا کہ دو قسم کے لوگ پیغمبرؐ اسلام کے لشکر میں ہیں۔

ایک وہ جو پیغمبرِ اسلام کی شہادت کو اپنی آرزوئیں پوری ہونے کا ذریعہ سمجھ رہے ہیں اور ان کا خیال یہ ہے کہ پیغمبرِ اسلام ختم ہوں تو ہم مکہ کے کافروں سے مل جائیں۔

دوسرا حضرت علی علیہ السلام کا مکتبِ فکر ہے، جس کا یہ خیال ہے کہ پیغمبرِ اسلام شہید ہو جائیں تو ہمیں بھی زندہ رہ کر کیا کرنا ہے۔

یہ دونوں مکتبِ فکر ساتھ ساتھ چلے۔

اب روایت میں ہے کہ ان منافقین کے گروہ نے جب یہ دیکھا کہ ہماری بائیس سال کی محنت کے باوجود پیغمبرِ اسلام کو نقصان نہیں پہنچا ہے تو انھوں نے پیغمبرِ اسلام کو شہید کرنے کے لیے ایک سازش کی اور وہ سازش یہ تھی کہ ۹ ہجری میں جنگِ تبوک ہوئی۔ یہ جنگ پیغمبرِ اسلام کو رومیوں سے لڑنا تھی۔ اطلاع دی تھی کچھ لوگوں نے مدینے میں آ کر کہ روم کی فوج بڑھ رہی ہے۔ پیغمبرِ اسلام روم والوں سے مقابلہ کرنے کے لیے اپنی فوج لے کر چلے۔ کچھ آگے بڑھے تھے کہ پیغمبرِ اسلام کی فوج میں جو منافقین تھے انھوں نے کہا: یارسولؐ اللہ! ہمارا جانے کو دل نہیں چاہ رہا ہے۔

پیغمبرِ اسلام نے روکنا چاہا تو وہ نہ مانے اور آخر پیغمبرِ اسلام نے جانے کی اجازت دے دی۔ وہ مدینے میں واپس آئے۔ واپس آ کر یہ طے کیا کہ ابھی لشکر ذرا آگے بڑھے تو ہم مدینے کی تمام عورتوں کو قتل کر کے مدینے کے اندر اپنی طاقت کو مضبوط کریں گے۔ مکہ والوں کو خط لکھ کر وہاں سے فوج بلا لیں گے تاکہ پورا مدینہ ہمارے ہاتھ میں آ جائے۔

پیغمبرِ اسلام کو جبرئیل امین علیہ السلام نے آ کر اس سازش کی اطلاع دی تو پہلی مرتبہ پیغمبرِ اسلامؐ نے امیرالمومنین علیہ السلام کو اپنے لشکر سے جدا کیا۔

کہا: اے علیؑ! اس وقت تم میرے ساتھ نہ جاؤ، تم مدینے کے اندر ہی ٹھہرو کیوں کہ منافقین ہماری غیر موجودگی میں مدینہ کو مکہ والوں کے حوالے کرنے کی سوچ رہے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام کو مدینے میں بھیجا گیا۔ حضرت علی علیہ السلام مدینے میں مقیم تھے، جب منافقین نے دیکھا کہ ہماری سازش کامیاب نہیں ہوئی تو انھوں نے مدینے میں یہ خبر اُڑا دی کہ

پیغمبرؐ اسلام حضرت علی علیہ السلام سے ناراض ہو گئے ہیں' اس لیے ان کو لشکر سے نکال دیا ہے۔

اب روایت میں ہے کہ یہ افواہ اتنی پھیلنے لگی کہ مدینے کے اندر رہنے والی عورتیں' بچے اور بوڑھے بھی اس افواہ کی زد میں آ گئے۔ یہاں تک کہ انھوں نے حضرت علی علیہ السلام کے احکامات کو ماننے سے انکار کر دیا۔ حضرت علی علیہ السلام اتمامِ حجت کی خاطر مدینے والوں کو لے کر پیغمبر اسلامؐ کے پاس پہنچے اور عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! منافقین یوں یوں کہہ رہے ہیں۔

اس وقت پیغمبرؐ اسلام نے ارشاد فرمایا:

اَلَا تَرضٰی اَن تَکُونَ مِنِّی بِمَنزِلَۃِ ھَارُونَ مِن مُوسٰی غَیرَ اَنَّہٗ لَا نَبِیَ بَعدِی

''اے علیؑ! کیا تمھارے لیے یہ چیز پسندیدہ نہیں ہے کہ تمھارا مقام میرے نزدیک وہی ہے جو حضرت ہارون علیہ السلام کا مقام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک تھا سوائے یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔''

حضرت علی علیہ السلام یہ سب کو سنا کر واپس آئے۔

اب منافقین نے یہ دیکھا کہ مدینے پر تو ہم قبضہ نہیں کر سکتے لیکن رسولؐ اکرم علی علیہ السلام سے محروم ہو گئے ہیں۔ چناں چہ انھوں نے اس موقع کو بھی غنیمت سمجھا۔

روایت میں ہے کہ جنگ تبوک سے واپسی پر لشکر آ رہا تھا۔ چلتے چلتے یہ لشکر ایک ایسے مقام سے گزرا جس کے دونوں طرف پہاڑیاں تھیں اور پہاڑیوں کے بیچ میں ایک چھوٹا سا تنگ راستا تھا' پیغمبرؐ اسلام گزرے اس راستے سے اس حالت میں کہ اُونٹ پر سوار تھے۔ آگے آگے حضرت عمار یاسر رضی اللہ عنہ اُونٹ کی مہار کو پکڑے ہوئے چل رہے تھے اور پیچھے پیچھے حضرت حذیفہ یمانی رضی اللہ عنہ چل رہے تھے۔

اب روایت میں ہے کہ جب پیغمبرؐ اسلام اس گھاٹی کے قریب پہنچے تو رات ہو چکی تھی۔

پیغمبرؐ اسلام نے حذیفہ یمانی رضی اللہ عنہ سے کہا: اے حذیفہؓ! میں دیکھ رہا ہوں کہ اس پہاڑ کی چوٹی پر کچھ لوگ بیٹھے ہیں جو اس موقع کے منتظر ہیں کہ میں اس گھاٹی کے اندر جاؤں تو وہ اوپر

سے پتھر پھینک کر ہمیں ہلاک کر دیں۔

جب وہ موقع آیا اور انھوں نے اپنی سازش شروع کی تو اچانک آسمان پر بجلی چمکی اور ان سب کو پیغمبرؐ اسلام نے دیکھ لیا اور وہ بھاگ گئے۔ پیغمبرؐ اسلام نے حذیفہ یمانی رضی اللہ عنہ کو ایک ایک کا نام بتایا۔

ایک شخص حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کرتا تھا: اے حذیفہؓ کیا ان منافقین میں میرا نام تو شامل نہیں؟

جب حضرت حذیفہؓ کوئی جواب نہ دیتے تو آخر میں خود ہی کہہ دیتا تھا:

اَنَا مِنَ الْمُنَافِقِیْنَ

"میں بھی انھی منافقین میں شامل ہوں۔"

بہرحال!

منافقین کی یہ سازش بھی ناکام ہوگئی۔

اب بس آخری بات!

ایک جملہ بہت مشہور ہو چکا ہے ہمارے درمیان وہ یہ کہ پیغمبرؐ اسلام کو ایک یہودی عورت نے زہر دیا تھا۔

یاد رکھیے!

یہ جملہ کسی اور کے جرم پر پردہ ڈالنے کے لیے مشہور کر دیا گیا ہے۔

روایات یہ بتاتی ہیں کہ جب ۹ ہجری میں یہ لوگ ناکام ہو گئے تو انھوں نے اپنی سازش کو مکمل کرنے کے لیے بعد کا کوئی وقت چنا لیکن انھوں نے دیکھا کہ ۱۰ ہجری میں حج سے واپسی پر پیغمبرؐ اسلام "مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ" کا اعلان کر چکے ہیں۔ اب جب انھوں نے یہ سنا تو اب گھبرائے کہ اگر ہم نے زیادہ انتظار کیا اور اسی طرح موقع کی تلاش میں بیٹھے رہے تو وہ موقع کبھی نہیں ملے گا اس لیے آگے بڑھ کر خود موقع پیدا کرتے ہیں۔ چناں چہ یہ لوگ اس کوشش میں مصروف ہو گئے اور اتفاق سے انھیں موقع مل گیا۔

صفر کے آخر میں پیغمبرؐ اسلام بیمار پڑ گئے اور اتنے بیمار ہوئے کہ بستر سے اُٹھنے کے قابل نہ رہے۔ اب انھوں نے مدینے میں سازشوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔

پیغمبرؐ اسلام کو اطلاع ملی تو پیغمبرؐ اسلام نے بڑا عجیب کام کیا' وہ یہ کہ ۸ ہجری کو پیغمبرؐ اسلام نے ایک لشکر روم کی طرف بھیجا تھا اور لشکر میں جعفر طیار علیہ السلام تھے' عبداللہ تھے' حارث تھے اور وہ تمام کے تمام شہید کر دیے گئے' تین سال گزر گئے اور پیغمبرؐ اسلام نے پلٹ کر خبر نہ لی کہ اس لشکرؑ پر کیا گزری لیکن آخری وقت میں پیغمبرؐ اسلام نے مدینے کے لوگوں کو جمع کیا۔ جمع کر کے ان کا لشکر بنایا اور اٹھارہ سال کے ایک نوجوان اسامہؓ بن زید کو ان سب کا سردار قرار دیا۔ اس کے بعد فرمایا: اب تم سب جلد از جلد مدینے سے نکل جاؤ۔

کچھ لوگ واپس آ گئے۔

پیغمبرؐ اسلام نے پوچھا: تم کیوں نہیں گئے؟

انھوں نے عرض کیا: سرکار! ہمیں آپؐ کو اس بیماری کی حالت میں چھوڑ کر جانا اچھا نہیں لگ رہا۔

پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا: میں نے تم سے جو کہا ہے اس کام کو پورا کرو۔

وہ گئے دو چار میل چلے پھر آ گئے۔

یہاں تک کہ پیغمبرؐ اسلام کو جلال آ گیا' اتنی طاقت تو تھی نہیں کہ آپؐ کھڑے ہو سکیں اس لیے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بلایا اور حضرت علی علیہ السلام کو بلایا اور فرمایا کہ مجھے سہارا دے کر مسجد میں لے چلو۔

پیغمبرؐ اسلام مسجد میں آئے' منبر پر کھڑے ہوئے۔ ارشاد فرمایا: میں حکم دیتا ہوں کہ ہر ایک اسامہؓ کے لشکر میں جائے اور جو اس لشکر میں نہیں جائے گا' اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

شہادت:

بہرحال!

اٹھائیس صفر کا دن آ گیا۔

کتاب "صحیح بخاری" میں پانچ مقامات پر یہ روایت موجود ہے کہ پیغمبرؐ اسلام نے آخری وقت میں فرمایا: میرے لیے کاغذ اور قلم لے کر آؤ تاکہ میں تمھیں ایک ایسی چیز لکھ کر دوں کہ میرے بعد ہرگز گم راہ نہ ہو۔

کچھ لوگوں نے کہا: یہ شخص ہذیان بک رہا ہے (معاذ اللہ)۔

اس کی بات کو نہ مانو۔

یہاں تک کہ اٹھائیس صفر کی رات آئی۔

روایت میں ہے کہ پیغمبرؐ اسلام کے بہت قریبی لوگ تھے جنھوں نے دوا میں زہر ملا کر پیغمبرؐ اسلام کو کھلا دیا اور اس زہر کی وجہ سے پیغمبرؐ اسلام اس دنیا سے رُخصت ہو گئے۔

.... ★ ....

دوسری معصومؑ

مخدومہ و معصومہ

حضرت سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا

مشخصات

اسم مبارک	:	فاطمہؑ
لقب	:	زہراؑ، بتولؑ، صدیقہؑ وغیرہم
کنیت	:	اُمّ الائمہؑ، اُمّ اَبیھا
والدِ ماجد	:	حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
والدۂ ماجدہ	:	حضرت خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا
ولادت	:	۲۰ جمادی الثانی ۵ بعثت مکہ معظمہ
شوہر نامدار	:	حضرت علی علیہ السلام
اولاد	:	حضرت امام حسن علیہ السلام، حضرت امام حسین علیہ السلام، حضرت محسن علیہ السلام، حضرت زینبؑ، حضرت اُمّ کلثومؑ
شہادت	:	۳ جمادی الثانی ۱۱ ہجری
عمر مبارک	:	۱۸ سال
قبر مطہر	:	قبر رسولؐ اور منبر رسولؐ کے درمیان یا جنت البقیع

سیرتِ حضرت سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى (سورۂ مبارکہ شوریٰ آیت ۲۳)

سورۂ شوریٰ کی اس آیت میں ارشاد ہو رہا ہے:

''اے میرے حبیبؐ! یہ پیغام تمام مومنین تک پہنچا دیجیے کہ میں تم سے کسی قسم کا اجر رسالت طلب نہیں کرتا سوائے اس کے کہ تم میرے قربیٰ سے مودت رکھو۔''

سورۂ شوریٰ کی یہ آیت ہے اور اس آیت کے اندر لفظ ''قُرْبیٰ'' استعمال کیا گیا ہے۔ ''قُرْبیٰ'' کا ایک معنی تو وہ ہے جو اکثر و بیشتر کیا جاتا ہے کہ رشتہ دار یعنی اس آیت کا ترجمہ اس معنی کے اعتبار سے یہ ہوا کہ میں تم سے اپنی رسالت کا کوئی اجر نہیں مانگتا سوائے اس کے کہ میرے رشتہ داروں سے محبت کرو۔ لیکن اس لفظ ''قُرْبیٰ'' کا ایک اور معنی ہے جسے اکثر علمائے کرام نے صحیح تسلیم کیا ہے' وہ یہ ہے کہ ''قُرْبیٰ'' کے معنی وہ ایک عورت جو سب سے زیادہ رسولؐ اکرم کے قریب ہو۔ اس آیت میں ''قُرْبیٰ'' کا معنی رشتہ دار نہیں ہوگا بل کہ ''قُرْبیٰ'' کا ترجمہ یہ ہوگا:

''اے رسولؐ! یہ پیغام پہنچا دیجیے کہ میں تم سے صرف یہ اجر رسالت چاہتا ہوں کہ تم ایک خاتون سے (سب سے زیادہ) مودت اختیار کرو جو میرے (سب سے زیادہ) قریب ہے۔''

اس فرض کو انجام دینے کے لیے ہم اس مقام پر اکٹھے ہوئے ہیں تا کہ اس کا تذکرہ ہو کہ جو عورتوں میں پیغمبرؐ اسلام کے سب سے زیادہ قریب تھی' اس ہستی کا نام حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا ہے (صلواۃ)۔

ہماری آج کی یہ گفتگو حضرت فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کے بارے میں ہوگی۔

حضرت سیدۂ کائنات، خاتونِ جنتؑ کی زندگی پر گفتگو کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سرسری سا سوانحی خاکہ پیش کر دیا جائے۔

ولادت:

خاتونِ جنتؑ کے بارے میں بہت سی روایات مشہور ہیں کہ آپؑ کی ولادت کب ہوئی تھی۔ لیکن ہمارے علمانے کلامِ امامؑ کی روشنی میں بیان کیا ہے اور معصومین علیہم السلام نے بھی متواتر اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ رسولؐ اکرم کے اعلانِ رسالت کے پانچ سال کے بعد حضرت خاتونِ جنتؑ کی ولادت ہوئی، یہ جمادی الاوّل کی بیس تاریخ تھی اور جمعہ کا دن تھا۔

شہادت:

خاتونِ جنتؑ کی شہادت تین جمادی الثانی کو ہوئی۔ ۱۱ ہجری تھی۔ وہی سال جس سال پیغمبرؐ اسلام کا وصال ہوا۔ اگرچہ بعض علمانے تیرہ (۱۳) یا چودہ (۱۴) جمادی الاوّل کی تاریخ کو زیادہ اہمیت دی ہے لیکن علامہ محسن الامین اپنی کتاب میں یہ تحقیق کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ درحقیقت خاتونِ جنتؑ کی شہادت کی صحیح تاریخ ہمیں معلوم نہیں ہے بل کہ جو روایت ہم تک پہنچی ہے وہ یہ ہے کہ خاتونِ جنتؑ اپنے باپ کی شہادت کے بعد پچانوے دن یا پچھتر دن اس دنیا میں زندہ رہیں۔

اب جن روایات کے ذریعے یہ بات ہم تک پہنچی ہے وہ خطِ کوفی کی روایات ہیں اور خطِ کوفی کے اندر نقطے نہیں لگائے جاتے ہیں۔ چناں چہ آپ اگر پچانوے لکھیں یا پچھتر لکھیں جیسے عربی میں ہے ایسے لکھیں گے:

خَمسٌ وَ تِسعِینَ یعنی پچانوے دن

خَمسٌ وَ سبعِینَ یعنی پچھتر دن

اب دیکھیں نقطوں کے بغیر!

حمس و یسعین

حمس و سبعین

اب دونوں حالتوں میں پچانوے بھی پڑھا جا سکتا ہے اور پچھتر بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

چناں چہ کچھ علما نے اسے پچانوے دن پڑھا ہے۔

اٹھائیس صفر کو پیغمبرؐ اسلام کی شہادت ہے اس کے بعد پچانویں دن گنیں تو تاریخ تین جمادی الثانی کی بنتی ہے۔

کچھ علما نے اسے پچھتر دن پڑھا ہے۔

اس صورت میں اگر حساب لگائیں کہ اٹھائیس صفر سے پچھتر دن تو تیرہ (۱۳) یا چودہ (۱۴) جمادی الاوّل کی تاریخ بنتی ہے۔

محققین علمائے کرام نے نتیجہ نکال کر تحریر کیا ہے کہ تین جمادی الثانی کی تاریخ صحیح تاریخ ہے۔ البتہ شیخ عباس قمی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "منتہی الآمال" میں اس بحث کا ایک جملے میں فیصلہ کیے دیتے ہیں کہ مومنین کے لیے بہتر یہی ہے کہ تیرہ یا چودہ جمادی الاوّل کو بھی شہادت منائیں اور تین جمادی الثانی کو بھی شہادت منائیں۔ اس لیے کہ دونوں تاریخوں میں احتمالِ شہادت ہے۔

عمر مبارک:

حضرت خاتونِ جنتؑ کی کل عمر علما نے اٹھارہ سال اور پانچ ماہ بتائی ہے۔

اٹھارہ سال اور کچھ ماہ کی عمر تھی کہ جب اُمت کے مظالم کو برداشت کرتے کرتے خاتونِ جنتؑ اس دنیا سے رُخصت ہو گئیں۔

قبر مبارک:

خاتونِ جنتؑ کی قبر کے بارے میں علما میں اختلاف ہے کہ بی بیؑ کو کہاں پر دفن کیا گیا۔

ایک روایت جس کو کچھ علما نے زیادہ صحیح مانا ہے وہ یہ ہے کہ خاتونِ جنتؑ کی قبر مبارک مسجد نبویؐ کے اندر اس مقام میں ہے جو منبر رسولؐ اور قبر رسولؐ کے درمیان ہے۔

کچھ علما اس چیز کو مانتے ہیں کہ جنت البقیع میں خاتونِ جنتؑ کی قبر موجود ہے۔

یہ علما کے درمیان اختلاف ہے۔

اب وجہ اختلاف کیا ہے؟

یہ ہماری آئندہ تقریر کے اختتام پر بیان ہوگا۔

نام: آپؑ کا نام فاطمہؑ ہے۔

لقب: حضرت خاتونِ جنتؑ کے مشہور القاب بہت سے ہیں لیکن نو(۹) القاب علما نے مشہور قرار دیے ہیں۔

خاتونِ جنتؑ کی زیارت کے متعلق ہماری کتابوں میں ایک روایت موجود ہے جو خود سیدہ نساء العالمین سلام اللہ علیہا سے مروی ہے کہ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا یہ بیان فرماتی ہیں: مجھ سے میرے باباؐ نے نقل کیا ہے کہ اے میری بیٹی! جو تین دن تک متواتر تم پر زیارت کی صورت میں سلام بھیجے۔ اگر وہ صحیح معرفت کے ساتھ سلام بھیج رہا ہے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس پر جنت واجب ہو جائے گی۔

کسی نے خاتونِ جنتؑ سے سوال کیا: اے بی بیؑ! کیا یہ سلام بھیجنا محض آپؑ کی زندگی تک ہے؟

خاتونِ جنتؑ نے ارشاد فرمایا: نہیں! میری زندگی میں بھی مجھ پر تین دن تک سلام بھیجنے والا جنت کا مستحق قرار پاتا ہے اور میری وفات کے بعد بھی' اگر کوئی تین دن تک اپنے مقام پر کھڑے ہو کر مجھ پر سلام بھیجے تو وہ بھی جنت کا مستحق ہے۔

خاتونِ جنتؑ کی وہ زیارت یا سلام جس کا خاص طور پر تذکرہ کیا گیا ہے آپ کو زیارات کی کتابوں میں مل جائے گا۔

خاتونِ جنتؑ کی وہ زیارت جو کتابوں میں ہے اس کے بارے میں علما کا یہ کہنا ہے کہ جب انسان بہت زیادہ گناہ کرے اور بہت زیادہ گناہ کرنے کے بعد اگر وہ اپنے گناہوں کی مغفرت کرانا چاہے تو خاتونِ جنتؑ کی زیارت پڑھے۔

بقول شیخ:

پڑھ رہا ہوں زیارت زہراؑ
مغفرت کا یقین ہے مجھ کو

اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے غسل کرے۔ غسل کر کے صاف لباس پہنے پھر خاتون جنتؑ کی زیارت پڑھے۔ اس کے بعد جب وہ اپنے گناہوں کی توبہ کرے گا یا بخشش طلب کرے گا تو یقیناً خدا اس کے گناہوں کو معاف کر دے گا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر تم پر اتنی بڑی مصیبت نازل ہو جائے' کوئی اتنی بڑی پریشانی نازل ہو جائے' کوئی اتنی بڑی آفت آ جائے اور کوئی اس آفت و پریشانی کو دور کرنے والا نہ ہو یعنی تمھیں کوئی سہارا نظر نہ آ رہا ہو اور تمھیں کوئی جائے پناہ نظر نہ آ رہی ہو تو تم حضرت سیدہؑ سے توسل کرو۔

یہ مجرب ترین عمل ہے اور ہمارے مشاہدے میں بھی آ چکا ہے کہ جب ہر طرف سے مصیبتیں ہی مصیبتیں ہوں اور نکلنے کا کوئی راستا نہ ہو تو وہ عمل خاص کیا جائے جو سیدہؑ عالمین سلام اللہ علیہا نے اپنے شیعوں کو بتایا تھا۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے دو رکعت نماز حضرت سیدہؑ قربۃً الی اللہ کی نیت سے پڑھی جائے۔ اس کے بعد ایک مرتبہ تین سلام بھیجے جائیں۔ پھر تسبیح حضرت سیدہؑ پڑھی جائے۔ اس کے بعد انسان سجدے میں جائے اور یہ دعا پڑھے:

يَا مَوْلَاتِي يَا فَاطِمَةُ اَغِيثِينِي

یہ دُعا پانچ سو دس مرتبہ پڑھی جائے۔ اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ پہلے انسان سجدہ گاہ پر اپنی پیشانی رکھے اور سو مرتبہ یہ دعا پڑھے۔ اس کے بعد اپنا داہنا رُخسار سجدہ گاہ پر رکھے اور سو مرتبہ یہی دعا پڑھے۔ اس کے بعد پھر اپنی پیشانی سجدے گاہ پر رکھے اور سو مرتبہ یہ دعا پڑھے۔ اس کے بعد اپنا بایاں رُخسار سجدے گاہ پر رکھے اور سو مرتبہ یہ دعا پڑھے اور آخر میں پھر اپنی پیشانی سجدے گاہ پر رکھے اور ایک سو دس مرتبہ یہ دعا پڑھے:

"اے میری آقازادیؑ! میری مدد فرمائیں۔"

روایت میں ہے کہ اگر کوئی بڑی پریشانی ہو جائے' اتنی بڑی مصیبت ہو جائے' جب نہ دوسری دعائیں کام آ رہی ہوں' نہ دوسرے عمل کام آ رہے ہوں' کوئی مصیبت سے نکالنے والا نہیں تو اس وقت حضرت سیدہؑ کے توسل سے یہ دعا پڑھو تو یقیناً خدا تمھاری حاجت کو پورا کرے گا۔

حضرت سیدہؑ کے بارے میں گفتگو کا سننا' گفتگو کا یاد کرنا اور حضرت سیدہؑ کی معرفت حاصل کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اس لیے کہ روایت پیغمبرؐ ہے کہ یاد رکھو! جس نے حضرت سیدہؑ کی معرفت حاصل کر لی:

فَقَدْ اَدْرَكَ اللَّيْلَةَ الْقَدْرِ

"اس کو ایسا ثواب حاصل ہو گا جیسے اس نے شب قدر کو پالیا۔"

یہ بھی یاد رکھو! خدا نے فاطمہؑ کا نام فاطمہؑ اس لیے رکھا کہ فاطمہؑ کے معنی عربی میں ہیں عاجز ہونا کیوں کہ تمام مخلوقات کائنات فاطمہؑ کی صحیح معرفت سے عاجز ہیں۔ اپنے اپنے ایمان' اپنے اپنے تقویٰ کے اعتبار سے حضرت فاطمہؑ کی معرفت حاصل کی جا سکتی ہے۔ لیکن حضرت سیدہؑ کی صحیح معرفت حاصل کرنا' اس سے تمام مخلوقات کائنات بالکل عاجز ہیں۔ اس لیے حضرت سیدہؑ کا نام فاطمہ رکھا گیا یعنی وہ عورت جس کی معرفت سے ہر ایک عاجز اور لاچار ہو۔

حضرت فاطمہؑ کا نام فاطمہؑ رکھنے کی دو اور وجوہات بھی بتائی گئی ہیں۔

ایک وجہ یہ کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: خدا نے آپؑ کو ہر قسم کی برائی سے عاجز کر دیا' ہر قسم کی برائی سے دور کر دیا' ہر قسم کے گناہ اور رجس سے بتولؑ کو پاک کر دیا' اس لیے فاطمہؑ کا نام فاطمہ رکھا گیا۔

ایک وجہ یہ بھی بتائی گئی ہے کہ کیوں کہ حضرت فاطمہؑ کی وجہ سے آپؑ کے شیعہ جہنم میں جانے سے عاجز ہو جائیں گے کیوں کہ حضرت فاطمہؑ کی سفارش و بخشش کی وجہ سے آپؑ کے شیعہ جہنم میں نہیں جا سکتے۔ اس اعتبار سے خدا نے فاطمہؑ کا نام فاطمہ رکھا یعنی وہ عورت کہ جس کی وجہ سے اس کے شیعوں پر جنت واجب ہو جائے گی۔

حضرت سیدہؑ کا نام فاطمہؑ ہے اور نامِ فاطمہ کی تین وجوہات روایات میں بتائی گئی ہیں:

① پہلی وجہ یہ کہ فاطمہؑ کے معنی عاجز کے ہیں کیوں کہ تمام مخلوق فاطمہؑ کی معرفت سے عاجز ہے کیوں کہ وہ معرفتِ حضرت سیدہؑ حاصل کر ہی نہیں سکتی اس لیے حضرت سیدہؑ کا نام فاطمہؑ ہو گیا۔

② دوسری وجہ یہ ہے کہ فاطمہؑ چوں کہ ہر برائی اور ہر شر سے دور ہیں یعنی حضرت سیدہؑ کوئی برائی، کوئی گناہ کر ہی نہیں سکتیں۔ اس لیے ان کا نام فاطمہ رکھا گیا۔

③ تیسری وجہ یہ بتائی گئی کہ ان کی وجہ سے ان کے شیعہ جہنم کی آگ سے بچیں گے، اس لیے فاطمہؑ کا نام فاطمہؑ قرار پایا۔

یہاں پر ایک بات اور بتا دی جائے کہ ابھی آپ نے سنا کہ حضرت فاطمہؑ کے شیعہ کبھی جہنم کی آگ میں نہیں جل سکتے۔ یہ روایت صحیح ہے اور کوئی عالم اس روایت کو ٹھکرا نہیں سکتا کہ حضرت فاطمہؑ کے شیعہ جہنم کی آگ سے بچیں گے اور جہنم کی آگ کبھی حضرت سیدہؑ کے شیعوں کے قریب نہیں آ سکتی۔

لیکن ذرا یہ دیکھیں کہ حضرت فاطمہؑ کا شیعہ کسے کہتے ہیں؟

خود حضرت سیدہؑ کی گفتگو ہو رہی ہے اس لیے حضرت سیدہؑ ہی سے دریافت کریں کہ ان کی نگاہ میں حقیقی شیعہ کون ہے؟

روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک عورت حضرت سیدہؑ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔

اس عورت نے کہا: اے سیدۂ نساء العالمینؑ! مجھے میرے شوہر نے بھیجا ہے تاکہ میں آپؑ سے ایک مسئلہ دریافت کروں؟

سیدۂ نساء العالمینؑ نے ارشاد فرمایا: پوچھ کیا پوچھتی ہے؟

اس عورت نے کہا: شہزادیؑ! میرے شوہر نے یہ مسئلہ دے کر مجھے آپؑ کے پاس بھیجا ہے کہ کیا ہم آپؑ کے شیعہ ہیں؟

شہزادیؑ نے جواب دیا: اے عورت! جا کر اپنے شوہر سے کہہ دے کہ اگر تم ہم اہل

بیتؑ سے محبت کرتے ہو اور ہم اہل بیتؑ کے دشمنوں سے دشمنی رکھتے ہو اور ہماری بتائی ہوئی ایک ایک بات پر عمل کرتے ہو اور جس چیز سے ہم نے روکا ہے ان تمام چیزوں سے اپنے آپ کو دور رکھتے ہو تو پھر تم یقیناً ہمارے شیعہ ہو اور اگر ان چار باتوں کی تم پابندی نہیں کرتے تو پھر تم ہمارے شیعہ ہرگز نہیں ہو۔

اب عورت گئی اور تھوڑی دیر کے بعد پھر پلٹ کر آئی۔ آنے کے بعد کہا: شہزادیؑ! میں نے اپنے شوہر کو آپؑ کا پیغام دے دیا لیکن میرا شوہر یہ پیغام سن کر رونے لگا اور روتے روتے اس نے دوبارہ مجھے ایک مسئلہ دے کر آپؑ کے پاس بھیجا ہے اور اب جو مسئلہ اس نے بھیجا ہے وہ یہ ہے کہ اگر ایسا ہی ہے کہ جیسا آپؑ فرمارہی ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پھر کائنات میں کوئی آپؑ کا شیعہ نہیں ہے اس لیے کہ کون ایسا ہو گا جو ان تمام باتوں پر عمل کرے گا اس لیے کہ پہلی دو باتوں پر عمل کرنا آسان ہے یعنی اہل بیتؑ سے محبت کرنا آسان ہے اور اہل بیتؑ کے دشمنوں سے دشمنی کرنا آسان ہے۔ لیکن ہر واجب پر عمل کرنا اور ہر حرام سے بچنا' یہ تو عام انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ ہم نے آپؑ کی خاطر جتنی مشکلات کا سامنا کیا اور آپ اہل بیتؑ سے متمسک رہنے کی ہر پل کوشش کی' وہ سب کوشش بے کار چلی گئی۔ اس لیے کہ ہم بھی جہنم میں جائیں گے اور آپؑ کے دشمن بھی جہنم میں جائیں گے۔ ہم اس لیے جہنم میں جائیں گے کیوں کہ جنت صرف آپؑ کے شیعوں کے لیے بنائی گئی ہے اور ہم آپؑ کے شیعہ نہیں تو اب سوائے جہنم کے ہمارا مقام اور کیا ہو گا؟

شہزادیؑ نے سنا۔

اور آپؑ نے ارشاد فرمایا: اے عورت! جا کر اپنے شوہر سے کہہ دے کہ جو ہم نے بتایا ہے اس میں کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا' اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ تجھے بات سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے یہ حقیقت ہے کہ جنت ہمارے شیعوں کے لیے بنائی گئی ہے اور ہمارا شیعہ وہ ہے جس میں چار باتیں ہوں:

① ہم اہل بیتؑ سے محبت کرتا ہو۔

② ہم اہل بیتؑ کے دشمنوں کا دشمن ہو۔

③ ہر واجب پر عمل کرنے والا ہو۔

④ ہر حرام سے بچنے والا ہو۔

یقیناً ان چاروں پر عمل کرنے والا ہمارا شیعہ ہے لیکن اس کے لیے جنت فوراً واجب ہے اور اگر کوئی شخص ہم سے محبت تو کرتا ہے ہمارے دشمنوں سے دشمنی تو رکھتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ ہماری باتوں پر عمل نہیں کرتا تو وہ ہمارا شیعہ نہیں بلکہ وہ ہمارا محبّ ہے اور ہمارے محبّ کو بھی اپنے گناہوں کی سزا پانے کے بعد جنت میں آنا ہے۔

حضرت فاطمہؑ کا نام فاطمہؑ اس لیے رکھا گیا کہ خدا نے آپؑ کے شیعوں کو جہنم کی آگ سے آزاد کر دیا ہے لیکن کون شیعہ؟

جن میں چار باتیں موجود ہوں:

① پہلی بات یہ کہ اہل بیتؑ سے محبت کی جائے۔

② دوسری بات یہ کہ اہل بیتؑ کے دشمنوں سے دشمنی کی جائے۔

③ واجبات پر عمل کیا جائے۔

④ ہر حرام سے اجتناب کیا جائے۔

تب جا کر ہم حضرت فاطمہؑ کے شیعہ قرار پائیں گے اور حضرت فاطمہؑ ہماری بخشش کرا دیں گی۔

اب حضرت فاطمہؑ پر گفتگو سے پہلے یہ ضروری ہے کہ تھوڑا سا تذکرہ حضرت سیدہؑ کے والدین کا کر دیا جائے۔

حضرت سیدہؑ کے والد ماجدؐ کے بارے میں تو آپ سب واقف ہیں اس لیے کہ پہلی تقریر ہی ہماری سیدہؑ کے والد ماجدؐ کی سیرت طیبہ پر تھی۔

بہر حال!

حضرت سیدہؑ کے والد ماجدؐ کا نام نامی حضرت محمد ﷺ ہے۔

حضرت سیدۂ عالمین ؑ کی والدۂ ماجدہ ؑ کا تذکرہ کرنا انتہائی ضروری ہے اس لیے حضرت سیدہ ؑ کی والدۂ ماجدہ ؑ کے ساتھ مؤرخین نے انتہائی ناانصافی سے کام لیا ہے۔

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی والدۂ ماجدہ حضرت اُمّ المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا ہیں۔

روایت میں ہے کہ جب ایک مرتبہ پیغمبرؐ اسلام آسمانوں کی طرف معراج کے لیے گئے اور جب معراج سے واپس آئے تو ایک مرتبہ زمین پر آئے۔ جبرئیلؑ پیغمبرؐ اسلام کے ساتھ گئے اور پیغمبرؐ اسلام کے ساتھ واپس آئے۔ ایک مرتبہ جب پیغمبرؐ اسلام زمین پر پہنچے تو پیغمبرؐ اسلام نے جبرئیلؑ سے فرمایا: اے جبرئیلؑ! کیا تیری کوئی خواہش ہے؟

جبرئیلؑ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! ایک میری خواہش ہے اور ایک حکم خدا ہے۔ حکم خدا یہ ہے کہ اے میرے حبیبؐ! تم معراج کی سیر کے لیے آئے' سات آسمانوں کی سیر کی' سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے' جنت اور جہنم کو دیکھا اور واپس چلے۔ اے میرے حبیبؐ! اب ایک کام میرا کردو اور وہ یہ کہ جب اپنے گھر میں پہنچو تو خدیجہؑ کو میری طرف سے سلام کہنا۔

کیا مقام ہے حضرت خدیجہؑ کا کہ رب العالمین حضرت خدیجہؑ کو سلام بھجوا رہا ہے۔

جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آپؐ نے مجھ سے خواہش ظاہر کی ہے تو میری بھی بس ایک ہی خواہش ہے اور وہ یہ ہے کہ آپؐ میری طرف سے بھی خدیجہؑ کو سلام کہہ دیں۔

کتنا بڑا مقام ہے حضرت خدیجہؑ کا کہ جن پر اللہ اور جبرئیل علیہ السلام سلام بھیج رہے ہیں۔ لیکن کتنی بدقسمتی اور افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں نے حضرت خدیجہؑ سے بالکل اپنی توجہ کو ہٹالیا۔

دیکھیے!

اگر دوسرے توجہ ہٹائیں تو کوئی تعجب نہیں ہوتا لیکن مصیبت یہ ہے کہ ہمارے بھی لوگ احسان فراموشی کا مظاہرہ کچھ کم نہیں کر رہے کہ آج ہم حضرت خدیجہؑ کے صدقے میں زندگی گزار رہے ہیں اور حضرت خدیجہؑ کے سلسلہ میں نہ ہمارے یہاں کوئی مجلس ہوتی ہے' نہ مجلسوں میں خاص تذکرہ ہوتا ہے' نہ مومنین کبھی توجہ دیتے ہیں۔

یاد رکھیے!

دو ایسی ہستیاں ہیں جن کے احسان کو خدا نے مانا ہے اور دو ہستیاں ہیں جن کے فعل کو خدا نے اپنا فعل قرار دیا ہے۔

پہلی ہستی حضرت ابو طالب علیہ السلام کی ہے کہ جن کے فعل کو خدا نے اپنا فعل کہا:

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى (سورہ مبارکہ ضحیٰ آیت ۶)

"اے رسولؐ! ہم نے تمھیں یتیم دیکھا تو اپنی پناہ میں لیا۔"

حضرت ابو طالب علیہ السلام نے رسولؐ اکرم کو پناہ دی لیکن اللہ کہہ رہا ہے کہ ہم نے تمھیں اپنی پناہ میں لیا تو گویا حضرت ابو طالب علیہ السلام کی پناہ خدا کی پناہ بن گئی ہے۔

دوسری ہستی حضرت خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کی ہے کہ جن کے فعل کو اللہ نے اپنا فعل قرار دیا:

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى (سورہ مبارکہ ضحیٰ آیت ۸)

"اے میرے حبیبؐ! ہم نے تمھیں بغیر مالِ دنیا کے پایا تو ہم نے تمھیں اتنی دولتِ دنیا عطا کی کہ تمھیں غنی کر دیا۔"

یہ کس کی دولت تھی؟

یہ خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کی دولت تھی جو خدا نے اپنے رسولؐ اکرم کو دی تو حضرت خدیجہؑ کی دولت کو خدا نے اپنی دولت قرار دیا۔ خدیجہؑ کے احسان کو خدا نے اپنا احسان قرار دیا۔

بہر حال آپ آیئے حضرت خدیجہؑ کی طرف!

حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے اتنے فضائل ہیں کہ کوئی شخص ان کا اِحصا نہیں کر سکتا۔

حضرت خدیجہؑ وہ پہلی عورت ہیں جو سب سے پہلے پیغمبرؐ اسلام کے اعلانِ رسالت کو سنتی ہیں۔ وہ پہلی ہستی ہیں جنھوں نے اعلانِ رسالت اپنے کانوں سے سنا۔ وہ پہلی ہستی ہیں جن تک پیغمبرؐ اسلام نے اعلانِ رسالت پہنچایا۔ وہ پہلی ہستی ہیں جو سب سے پہلے پیغمبرؐ اسلام پر ایمان لائیں، وہ پہلی عورت ہیں جنھوں نے اپنی ساری دولت اسلام پر خرچ کر کے زکوٰۃ اور

کی بنیاد رکھی۔ وہ پہلی ہستی ہیں کہ جنھوں نے پیغمبرؐ اسلام کے پیچھے نماز پڑھی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: ایک دن میں مکہ سے کچھ فاصلے پر بیٹھا تھا اور میرے ساتھ دوسرے شہر کا ایک تاجر تھا۔ یکایک اس تاجر نے یہ منظر دیکھا کہ ایک چالیس یا پینتالیس سال کا شخص آیا اور کھڑے ہونے کے بعد کبھی اُٹھتا تھا، کبھی بیٹھتا تھا، تھوڑی دیر کے بعد ایک عورت آئی اور اس کے پیچھے کھڑی ہو کر وہ بھی اسی جیسا فعل سرانجام دینے لگی۔ تھوڑی دیر اور گزری تو میں نے دیکھا کہ دس سال کا ایک بچہ آیا اور وہ بھی اُن دونوں جیسی حرکتیں کرنے لگا۔

اس تاجر نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: یہ کون شخص ہے؟

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ میرا بھتیجا ہے جس نے رسالت کا دعویٰ کیا ہے اور یہ نماز پڑھ رہا ہے اور یہ اس کے پیچھے نماز پڑھنے والی عورت اس کی بیوی خدیجہؓ ہے اور یہ بچہ اس کا چچازاد بھائی علیؑ ہے۔

روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ یہی منظر حضرت ابوطالب علیہ السلام نے دیکھا تو اپنے بیٹے جعفر طیار علیہ السلام کو بلایا اور کہا: اے میرے بیٹے! تمھیں اپنے چچازاد بھائیؑ کے پیچھے نماز پڑھنے سے کس چیز نے روکا ہے؟

جاؤ اور جا کر اپنے چچازاد بھائیؑ کے پیچھے نماز پڑھو۔

یہ چار نمازیوں کی نماز پہلی اور آخری نماز تھی، جس کے اندر حضرت خدیجہ الکبریٰؓ شامل ہیں۔

پہلی عورت جس نے رسولِؐ اکرم کے پیچھے پیچھے نماز پڑھی وہ حضرت خدیجہؓ تھیں۔

حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کے بارے میں روایات یہ بتائی جاتی ہیں کہ چالیس سال کی عمر میں آپؓ کا نکاح پیغمبرؐ اسلام سے ہوا اور ان سے پہلے وہ دو نکاح کر چکی تھیں لیکن ہمارے علمائے کرام نے اور اہل سنت کے بھی کچھ غیر جانب دار علما نے تسلیم کیا ہے کہ پیغمبرؐ اسلام کے عقد میں صرف ایک ایسی عورت آئی تھیں، جن کا ان سے پہلے کوئی عقد نہیں ہوا اور وہ حضرت

خدیجہؓ کی ذات تھی اور حضرت خدیجہؓ کی عمر بھی اٹھائیس سال کی تھی۔ اٹھائیس سال کی عمر میں آپؓ کا نکاح پیغمبرؐ اسلام سے ہوا تھا۔

روایت میں ہے کہ ایک رات حضرت خدیجہؓ سوئیں تو خواب میں دیکھا کہ تمام زمین اور آسمان ایک نور سے جگمگا اُٹھے ہیں اور وہ نور ان کے گھر میں اُتر کر آیا جس کی وجہ سے ان کا تمام گھر روشن اور منور ہو گیا۔ جب ان کی آنکھ کھلی تو بڑی گھبرائیں۔ جب صبح سویرے اُٹھیں تو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس پہنچیں اور ان سے اپنا خواب سنا کر کہا: اے میرے چچازاد بھائی! میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا کہ اس خواب کا مطلب کیا ہے۔

ورقہ بن نفل نے کہا: اے خدیجہؓ! اس خواب کا مطلب یہ ہے کہ عن قریب خدا کا آخری پیغمبرؐ ظاہر ہونے والا ہے اور اس کا نکاح تم سے ہوگا اور اس کی وجہ سے تمام کائنات میں ایمان ہی ایمان پھیل جائے گا۔

حضرت خدیجہؓ نے سنا تو ذہن میں یہ بات بٹھالی۔

روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت خدیجہؓ عرب کی عام عورتوں کے بالکل برعکس تھیں اور آپؓ اس دور کے علوم سے بڑی محبت کیا کرتی تھیں اور ہر قسم کا علم حاصل کرنے کی کوشش کیا کرتی تھیں۔ اس کے باوجود بھی یہ کہ حضرت خدیجہؓ پردہ دار عورت تھیں لیکن اس کے باوجود انھوں نے اپنا کاروبار اتنی ذہانت سے چلایا کہ ان کا لقب قریش والوں نے سیدۂ قریش رکھ دیا یعنی تمام قریش کی سردار۔

حضرت خدیجہؓ کے اس زمانے میں دو لقب مشہور تھے:

① سیدہ اور ② طاہرہ

یہ دونوں لقب اصل میں حضرت خدیجہؓ کے ہیں اور کتنی زیادہ حیرت انگیز بات ہے کہ اسی طرح دو لقب پیغمبرؐ اسلام کو بھی دیے گئے:

① صادق اور ② امین

حضرت خدیجہؓ جو اپنے زمانے کی ایک انتہائی ذہین عورت تھیں۔

روایت میں ہے کہ آپؑ بغیر کسی کی مدد کے اپنا کاروبار چلا رہی تھیں اور ایسا کاروبار چلایا کہ عرب کی مال دار ترین عورت بن گئیں۔

ایک دن آپؑ اپنے مکان کی چھت پر تشریف فرما تھیں آپؑ کے ساتھ کچھ اور عورتیں بھی تھیں اور پاس ہی ایک سو سوا سو سال کی عمر کا ایک بوڑھا یہودی عالم بیٹھا تھا' نیچے ایک راستے سے پیغمبرؐ اِسلام گزر رہے تھے۔ یہودی عالم کی نگاہ حضورؐ پر پڑی تو بے ساختہ کہہ اُٹھا کہ میں جا کر اس نوجوان سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت خدیجہؑ اس بزرگ کو تھام کر نیچے لے آئیں۔ جب وہ پیغمبرؐ اِسلام کے قریب پہنچا تو اس نے کہا: اے نوجوان! کیا میں تمہاری کمر سے قمیص اُٹھا کر دیکھ سکتا ہوں؟

پیغمبرؐ اِسلام نے اجازت دے دی۔

اُس نے قمیص کو اُٹھایا' مہر نبوت کو دیکھا اور چوما۔

واپس آیا تو حضرت خدیجہؑ نے سوال کیا: آپ اس شخص سے ملاقات کرنے کیوں گئے تھے؟

اس نے کہا: میں یہ دیکھنے گیا تھا کہ کیا یہ وہی نبیؐ ہے جس کی آمد کی خبر توراۃ میں دی گئی ہے یا کوئی اور؟؟

اے خدیجہؑ! خدا کی قسم! میں نے دیکھا کہ یہ واقعی وہی نبیؐ ہے جس کی آمد کی خبر توراۃ میں دی گئی تھی اگر تم اس سے نکاح کر لو تو تمہاری دنیا بھی سنور جائے گی اور آخرت بھی۔

روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہؑ کے ذہن میں یہ خیال بیٹھ گیا۔ یہاں تک کہ زمانہ گزرا اور حضرت خدیجہؑ نے پیغمبرؐ اِسلام کے ہاتھوں میں اپنا مالِ تجارت دے کر بھیجا تو جب یہ سفر ختم ہوا اور پیغمبرؐ اِسلام واپس آئے تو پیغمبرؐ اِسلام کے ساتھ حضرت خدیجہؑ کا ایک غلام میسرہ بھی گیا تھا۔ اس نے آ کر حضرت خدیجہؑ کو پیغمبرؐ اِسلام کی جو کیفیت بتائی تو حضرت خدیجہؑ کو مکمل یقین ہو گیا کہ یہی وہ پیغمبرؐ ہے۔

بہر حال!

اب حضرت خدیجہؑ نے پیغمبرؐ اِسلام کو بلایا' گفتگو ہوئی اور پیغمبرؐ اِسلام سے شادی کرنے

کی خواہش ظاہر کی اور سب حقیقت آپؐ کے آگے بیان کی۔ پیغمبرؐ اسلام نے اپنے چچا حضرت ابوطالب علیہ السلام سے کہہ کر رشتہ بھجوایا تو رشتہ طے ہوا اور شادی ہو گئی۔

روایات میں ہے کہ اس شادی سے سب سے زیادہ جسے خوشی تھی' وہ حضرت ابوطالب علیہ السلام تھے۔ یہاں تک کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے شادی کے موقع پر ایک کام کیا اور وہ کام خدا کو اتنا پسند آیا کہ تمام کائنات کے مسلمانوں کے لیے اسے سنت بنا دیا۔

وہ کیا کام تھا؟

وہ کام دعوت ولیمہ تھی۔

پیغمبرؐ اسلام اور حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے نکاح کے موقع پر پہلی دعوت ولیمہ اسلام میں حضرت ابوطالب علیہ السلام نے دی تھی۔ روایت میں ہے کہ تین دن تک کھانا ہوتا رہا۔ اس کے بعد پیغمبرؐ اسلام اور حضرت خدیجہؓ زندگی گزارنے لگے۔ یہاں تک کہ پیغمبرؐ اسلام نے اعلان نبوت کر دیا۔

اب روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ عرب میں قحط پڑا تو پیغمبرؐ اسلام بڑے مغموم ہو کر گھر میں آئے۔

حضرت خدیجہؓ نے دیکھا اور کہا: یا رسولؐ اللہ! آپؐ اتنے زیادہ مغموم کیوں ہیں؟

فرمایا: خدیجہؓ! عرب کے اندر اس وقت شدید ترین قحط پڑا ہوا ہے مجھے ڈر ہے کہ کہیں عرب کے لوگ بھوک کی وجہ سے مر نہ جائیں۔

حضرت خدیجہؓ نے فرمایا: رسولؐ خدا! آپؐ اپنی تمام قوم کو جمع کریں۔

ایک مرتبہ پیغمبرؐ اسلام نے اعلان کیا' پیغمبرؐ اسلام کی تمام قوم آ ئی۔

اس وقت حضرت خدیجہؓ نے پردے کے پیچھے سے اعلان کیا: اے عرب کے رہنے والو! میں اعلان کرتی ہوں کہ آج سے جتنی میری دولت ہے' وہ سب کی سب میں نے اپنے شوہر کے نام ہبہ کر دی۔ یہ جس طرح چاہیں خرچ کریں' جہاں چاہیں خرچ کریں' میں کبھی کوئی سوال نہ کروں گی۔

بہر حال!

حضرت خدیجہؑ نے اپنی ساری دولت اسلام کی راہ میں خرچ کر دی اور پیغمبرؐ اسلام پوری زندگی حضرت خدیجہؑ کو یاد کیا کرتے رہے اور ان کے احسانات کا تذکرہ کرتے رہے۔

بہر حال!

اب ہم یہاں سے حضرت سیدہؑ کی ولادت کا تذکرہ کرتے ہیں۔

علامہ محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "حیات القلوب" میں یہ روایت تحریر فرمائی ہے کہ جمادی الاول کی بیس تاریخ سے چالیس دن پہلے حضرت جبرئیل علیہ السلام پیغمبرؐ اسلام کے پاس آئے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! اللہ نے آپؐ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپؐ چالیس دن تک حضرت خدیجہؑ سے بات چیت کا سلسلہ بند کر دیں اور چالیس دن تک ان سے ملاقات نہ کریں۔

پیغمبرؐ اسلام نے سنا اور سنتے ہی حضرت خدیجہؑ کو پیغام بھجوایا کہ اے خدیجہؑ! آج سے میں اپنی چچی حضرت فاطمہؑ بنت اسدؑ کے گھر میں سویا کروں گا۔ اس لیے کہ خدا نے تم سے ہر قسم کا تعلق رکھنے سے چالیس دن تک مجھے منع کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ بات چیت بھی میں نہیں کر سکتا ہوں۔

اے خدیجہؑ! آج چالیس دن تک تم گھر میں اکیلی رہنا مگر ڈرو نہیں یہ خدا کی طرف سے کوئی عذاب یا سزا نہیں ہے بل کہ یہ مصلحت الٰہی ہے جسے خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

روایت میں ہے کہ چالیس دن تک پیغمبرؐ اسلام حضرت خدیجہؑ سے جدا ہو گئے۔ حضرت خدیجہؑ گھر میں اکیلی رہتی تھیں اور پیغمبرؐ اسلام سارا دن اپنے ساتھیوں کے ساتھ گزارتے تھے اور رات کو اپنی چچی حضرت فاطمہؑ بنت اسدؑ کے گھر میں قیام کرتے تھے یہاں تک کہ متواتر چالیس دن گزر گئے۔ اب روایت میں ہے کہ چالیسویں دن کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور ان کے ساتھ حضرت میکائیل علیہ السلام اور حضرت اسرافیل علیہ السلام بھی تھے۔ انھوں نے ایک خوان پیغمبرؐ اسلام کے حوالے کیا۔ پیغمبرؐ اسلام نے کپڑا اٹھا کر دیکھا کہ جنت کے انگوروں کا

ایک گوشہ ہے اور جنت کی کھجوریں ہیں اور ایک جام میں نہر کوثر کا پانی بھرا ہوا ہے۔

جبرئیل علیہ السلام نے کہا: یا رسولؐ اللہ! خدا نے یہ تحفہ آپؐ کے لیے بھجوایا ہے۔

پیغمبرؐ اسلام نے پہلے انگور اور کھجور کو نوش فرمایا اور پھر پانی پیا۔ اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کوثر کے پانی سے پیغمبرؐ اسلام کے ہاتھ دھلائے اور حضرت اسرافیل علیہ السلام نے بہشت کے تولیہ سے پیغمبرؐ اسلام کے ہاتھوں کو خشک کیا۔ اس کے بعد پیغمبرؐ اسلام شکرانے کی نماز ادا کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! اس وقت نماز پڑھنا آپؐ کے لیے حرام ہے اس لیے کہ خدا کا حکم ہے کہ آپؐ خدیجہؓ کے پاس جائیے۔

اب پیغمبرؐ اسلام حضرت خدیجہؓ کے گھر کی طرف چلے۔ حضرت خدیجہؓ کا بیان ہے کہ میں چالیس دن کی زندگی گزارتے ہوئے تنہائی کی عادی ہو چکی تھی۔ میں نے کھڑکیوں کے پردے گرا دیے تھے' چراغ گل کر دیا تھا اور بستر پر لیٹ گئی تھی۔ یہاں تک کہ آدھی رات کو دستک ہوئی۔ میں نے کہا: یہ کون ہے جو آدھی رات کو آیا ہے؟

ایک مرتبہ جواب ملا: خدیجہؓ! میں محمدؐ ہوں۔

حضرت خدیجہؓ نے سنا تو خوشی کے عالم میں کھڑی ہوئیں' دروازہ کھولا اور پیغمبرؐ اسلام گھر میں داخل ہوئے اور حضرت خدیجہؓ کے پاس پہنچے اور حضرت سیدہؑ کے دنیا میں آنے کا سامان ہو گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت سیدہؑ کا حمل صرف نو (۹) گھنٹے تک رہا تھا اور اس کے بعد حضرت سیدہؑ اس دنیا میں تشریف لے آئیں۔

حضرت خدیجہؓ بیان کرتی ہیں کہ بیس جمادی الاوّل کی تاریخ تھی اور صبح کا وقت تھا' جمعہ کا دن تھا۔ میں پریشان بیٹھی ہوئی تھی۔ اچانک مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے بچے کی ولادت کا وقت آ گیا۔

وہ روایات جو نو (۹) گھنٹے کے حمل والی روایت کی نفی کرتی ہیں' ان میں یہ ہے کہ ایک دن

پیغمبرؐ اسلام اپنے گھر میں تشریف لائے تو یہ دیکھا کہ حضرت خدیجہؓ کسی سے باتیں کر رہی ہیں۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا: اے خدیجہؓ! یہ تم باتیں کس سے کر رہی ہو گھر میں تو کوئی نہیں ہے؟

عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! میرے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ مجھ سے باتیں کرتا ہے چناں چہ دن بھر میرا اس طرح گزر جاتا ہے۔

اس لیے حضرت سیدہؑ کا ایک لقب محدثہ بھی ہے اور محدثہ کے معنی یہ ہیں: وہ عورت جو فرشتوں سے کلام کرے اور وہ جو پردے کے پیچھے سے کلام کرے۔

روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی تنہائیاں حضرت سیدہؑ کے ذریعے گزرتی تھیں کہ حضرت سیدہؑ اپنی والدہ سے باتیں کیا کرتی تھیں۔

حضرت خدیجہؓ بیان کرتی ہیں: آخر وہ وقت آ گیا کہ جب مجھے ایسا لگا کہ جیسے بچے کی ولادت قریب ہے۔ میں نے قریش کی عورتوں کو پیغام بھجوایا کہ اے قریش کی عورتو! اب تو تم آ جاؤ اس لیے کہ یہ وقت تو بہت نازک وقت ہے۔

ایک مرتبہ سب نے کہا: اے خدیجہؓ! تو نے یتیم عبداللہؓ کو شادی کے لیے قبول کیا اور ایسے شخص کو اپنا شوہر بنایا جو ہمارے خداؤں کو جھوٹا کہتا ہے، ہم تمھارے پاس اس وقت آئیں گی جب اس کا گھر چھوڑ دے گی۔

حضرت خدیجہؓ بیان کرتی ہیں: میں گھبرائی، یہاں تک کہ چار خواتین نازل ہوئیں، جن کے خد و خال بنو ہاشمؑ کی خواتین سے ملتے جلتے تھے، وہ میرے قریب آئیں۔

میں نے ان سے سوال کیا: آپ کون ہیں؟

ایک نے کہا: میرا نام سارہؑ ہے، میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ ہوں۔

دوسری عورت نے کہا: میں آسیہؑ ہوں، جو فرعون کی زوجہ رہی۔

تیسری عورت نے کہا: میں مریمؑ ہوں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں ہوں۔

چوتھی عورت نے کہا: میں کلثومؑ ہوں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن ہوں۔

اب حضرت خدیجہؓ بیان کرتی ہیں: ایک مرتبہ نور ہی نور چھا گیا۔ مجھے کچھ پتا نہ چلا، تھوڑی

دیر کے بعد آنکھیں کھولیں تو میں نے دیکھا کہ ان بیبیوںؑ کے ہاتھ میں ایک ننھی سی بچی ہے۔

کتاب ''منتہی الآمال'' میں ہے جیسے ہی حضرت سیدہؑ کی ولادت ہوئی اور ان بیبیوںؑ کے ہاتھوں میں گئیں تو فوراً یہ گواہی دی:

اَشْهَدُ اَن لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

''میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

''میں یہ گواہی دیتی ہوں کہ میرے والد اللہ کے رسولؐ ہیں۔''

وَ اَشْهَدُ اَنَّ عَلِیًّا وَلِیُّ اللّٰهِ

''اور میں یہ گواہی دیتی ہوں کہ میرے شوہر اللہ کے ولی ہیں۔''

اب روایت میں ہے کہ حضرت سیدہؑ حضرت خدیجہؑ کے ساتھ زندگی گزار رہی ہیں لیکن حضرت سیدہؑ کی زندگی دوسری لڑکیوں سے بالکل مختلف ہے۔ اس لیے کہ حضرت سیدہؑ اپنی آنکھوں سے روزانہ یہ منظر دیکھتی ہیں کہ میرے باباؐ گھر میں آتے ہیں تو سر سے پاؤں تک خون میں نہائے ہوئے' میرے باباؐ گھر میں آتے ہیں تو بچوں کے مارے ہوئے پتھروں کے نشانات اُن کے جسم مبارک پر ہوتے ہیں۔ حضرت سیدہؑ نے شروع سے لے کر آخر تک مصائب ہی مصائب دیکھے۔ اس لیے ایک لقب اُمّ المصائب بھی ہے۔

ان تمام مصائب کے باوجود ایک لحہ بھی ایسا نظر نہیں آتا کہ جب حضرت سیدہؑ یادِ خدا سے غافل ہوئی ہوں۔

روایت میں ہے کہ سیدہ عالمینؑ اتنا زیادہ عبادت میں مشغول رہتی تھیں کہ کھڑے کھڑے پاؤں پر ورم آ جایا کرتے تھے لیکن حضرت سیدہؑ خدا کی عبادت کبھی ترک نہ کرتیں۔

روایت میں ہے کہ جب حضرت سیدہؑ عبادت کے لیے کھڑی ہوتی تھیں تو خداوند کریم اپنے ملائکہؑ کو مخاطب کرتا تھا کہ اے ملائکہؑ! دیکھا میری اس کنیز کو کہ کس طرح میری بارگاہ میں کھڑی ہے۔

روایت میں ہے کہ حضرت سیدہؑ اتنی عبادت کیا کرتی تھیں کہ خدا نے ان کو ایک نور عطا کیا تھا' جس سے پورا مدینہ منور ہو جایا کرتا تھا' اس وجہ سے حضرت سیدہؑ کا ایک لقب زہراؑ ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نقل کرتے ہیں: ایک مرتبہ اہل مدینہ صبح کو اُٹھے تو یہ دیکھا کہ تمام مدینے میں سفید رنگ کی روشنی پھیلی ہوئی ہے' تمام مدینہ سفید روشنی سے جگمگا رہا ہے۔ مدینے والے گھبرا کر پیغمبرؐ اسلام کی طرف چلے۔ پیغمبرؐ اسلام کی خدمت میں پہنچے۔

عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! یہ کیا معاملہ ہے' صبح صادق کا وقت ہے' تاریکی ہونی چاہیے لیکن تمام مدینے میں سفید روشنی ہے۔

پیغمبرؐ اسلام نے ارشاد فرمایا: علیؑ کے گھر کی طرف جاؤ یقیناً یہ سفید روشنی اس کے گھر سے نکل رہی ہے۔

اب مدینے والے مولا علی علیہ السلام کے گھر کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ مولا علی علیہ السلام کے گھر سے سفید روشنی اس طرح نکل رہی تھی کہ گھر کی ہر دیوار اس سفید روشنی کے اندر چھپ چکی تھی۔

لوگوں نے دستک دی' امیر المومنین علیہ السلام باہر آئے۔

انھوں نے سوال کیا: یا علیؑ! یہ اتنی زیادہ سفید روشنی کہاں سے آ گئی؟

ارشاد فرمایا: اے مدینے والو! یہ سفید روشنی تو روزانہ میرے گھر میں آیا کرتی تھی لیکن آج خدا کی رحمت کی وجہ سے یہ روشنی اور بڑھ گئی ہے۔

لوگوں نے عرض کیا: یا علیؑ! آخر یہ روشنی کہاں سے آئی ہے؟

فرمایا: جب رسولؐ اکرم کی بیٹی فاطمہؑ رات کو عبادت کے لیے کھڑی ہوتی ہیں اور تمام رات مصلّے پر کھڑے کھڑے گزار دیتی ہیں تو خود بہ خود صبح سویرے ان کے چہرے سے سفید نور نکلنے لگتا ہے۔ اتنا نور کہ جس کی وجہ سے آج تمام مدینہ جگمگا اُٹھا ہے۔

اب لوگ چلے گئے لیکن اسی دن دوپہر کے وقت لوگ آرام کے لیے گھروں کی طرف آ رہے تھے کہ اچانک انھوں نے دیکھا مدینے میں زرد رنگ کی روشنی پھیل چکی ہے' وہ لوگ یہ دیکھ

کر گھبرائے' گھبرا کر پیغمبرؐ اسلام کی طرف چلے' رسولؐ اکرم کے پاس پہنچے۔

عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! یہ پورے مدینے میں زرد رنگ کی روشنی کہاں سے آ گئی؟

فرمایا: جاؤ علیؑ کے دروازے پر یقیناً وہیں سے یہ زرد روشنی نکل رہی ہو گی۔

وہ لوگ پہنچے تو وہی منظر کہ تمام گھر زرد رنگ کی روشنی میں چھپا ہوا تھا۔

انھوں نے دستک دی' مولا علی علیہ السلام باہر آئے۔

انھوں نے عرض کیا: یا علیؑ! یہ زرد رنگ کی روشنی کیوں ہے؟

ارشاد فرمایا: یہ منظر تو روزانہ ہوا کرتا ہے لیکن آج خدا کی رحمت اور برکت سے اس روشنی میں اضافہ ہو گیا ہے۔

لوگوں نے سوال کیا: یا علیؑ! آخر یہ زرد روشنی کہاں سے آئی ہے؟

فرمایا: جب رسولؐ اکرم کی بیٹی مصلے پر کھڑی ہوتی ہے اور عبادت کرتے کرتے دوپہر کے وقت روتی ہے اور خوف خدا سے ان کا چہرہ زرد پڑتا ہے تو زرد رنگ کا نور نکلنا شروع ہو جاتا ہے' جس سے یہ تمام گھر جگمگا اٹھتا ہے۔

اب پھر لوگ چلے گئے یہاں تک کہ شام کو پھر وہ اپنے گھروں سے نکلے تو پھر ایک منظر دیکھا کہ تمام مدینے میں سرخ رنگ کی روشنی پھیل گئی ہے' وہ پھر گھبرا کر رسولؐ اکرم کے پاس آئے۔

عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! یہ سرخ رنگ روشنی کہاں سے آ رہی ہے؟

آپؐ نے فرمایا: علیؑ کے گھر ہی سے آ رہی ہو گی۔

وہ لوگ مولا علی علیہ السلام کے گھر کی طرف چلے۔ جب وہ گھر کے قریب پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ تمام کا تمام گھر سرخ روشنی سے جگمگا رہا ہے۔

انھوں نے مولا علی علیہ السلام کو بلایا' مولا علی علیہ السلام آئے۔

پوچھا: یا علیؑ! اس سرخ روشنی کا کیا ماجرا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: جب رسولؐ اکرم کی بیٹی مصلے پر مغربین کی نماز کے لیے کھڑی ہوتی ہے تو ان کے چہرے سے خود بہ خود سرخ رنگ کا نور نکلنے لگتا ہے لیکن یہ آج خدا کی برکت سے

تمام مدینہ جگمگا اُٹھا۔

چھٹے امامؑ فرماتے ہیں: ہر صبح کی نماز کے وقت میری جدہؑ کے چہرے سے سفید نور' ہر ظہرین کی نماز کے وقت زرد نور اور ہر مغربین کی نماز کے وقت سرخ نور نکلا کرتا تھا۔ اس لیے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا ایک لقب زہراؑ قرار پایا (صلوٰۃ)۔

حضرت سیدہؑ کی عبادت کا یہ عالم تھا کہ حضرت سیدہؑ عبادت کرتی جاتی تھیں اور خداوند کریم آپؑ کے نور کو بڑھاتا چلا جاتا تھا۔

حضرت امام حسن علیہ السلام سے روایت ہے: ایک دن میں آدھی رات کے وقت بیدار ہوا تو اچانک میرے کانوں میں کسی عورت کے رونے کی آواز آنے لگی۔ میں گھبرا کر کھڑا ہو گیا کہ یہ رات کی تاریکی میں کھڑا کون رو رہا ہے؟ میں چاروں طرف دیکھنے لگا یہاں تک کہ میں نے دیکھا' ایک حجرے سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ میں نے وہاں جا کر دیکھا کہ میری والدۂ گرامیؑ مصلائے عبادت پر بیٹھی ہیں اور آپؑ کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے ہیں۔ کبھی قیام کرتی ہیں' کبھی رکوع کرتی ہیں اور کبھی سجدہ کرتی ہیں۔ میں کمرے کے ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ آدھی رات کا وقت گزرا' صبح کا وقت آیا۔ میں نے دیکھا کہ پھر میری والدہ کھڑی ہوئیں اور ایک مرتبہ واجب نماز کا سلسلہ شروع کر دیا۔ نماز ختم ہوئی تو پھر میں نے دیکھا کہ میری والدہؑ نے دعا کے لیے ہاتھ پھیلائے اور روتی جاتی ہیں اور میں حیران ہوتا جاتا ہوں کہ میری ماںؑ جس نے کل تمام دن گھر کا کام کیا' کتنی تھک گئی ہوں گی لیکن اس طرح مصلّے پر تمام رات گزار دی۔ اب میں نے دیکھا کہ صبح کا وقت ہو گیا' میری ماںؑ نے دعا ختم کی' مصلّے کو لپیٹ کر رکھا۔

میں نے اپنی والدۂ گرامیؑ کی خدمت میں عرض کیا: مادرِ گرامیؑ! آپؑ نے کل تمام دن محنت کی اور تمام رات عبادت میں گزار دی' کیا آپؑ آرام نہیں کرتیں؟

میری والدہؑ نے جواب دیا: بیٹا حسنؑ! کل میں نے تمام دن محنت کی' یہ بندوں کے حقوق تھے جن کو ادا کرنا واجب تھا اور آج جو تمام رات عبادت کی یہ اللہ کا حق تھا کہ جسے ادا کرنا

واجب تھا۔

میرے بیٹے! خدا کے نزدیک وہی مومن قدر و قیمت رکھتا ہے' جو بندوں کے حق کو بھی ادا کرے اور اللہ کے حق کو بھی ادا کرے۔

یہ ہے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی عبادت۔

رسولؐ اکرم کو بھی حضرت سیدہؑ کی عبادت کی یہ حالت معلوم تھی' اس لیے جب رسولؐ اکرم حضرت سیدہؑ کے گھر میں آتے تو کبھی تحفے تحائف لے کر نہیں آتے تھے بل کہ ہمیشہ کوئی نہ کوئی عبادت کی چیز لے کر آیا کرتے تھے کیوں کہ رسولؐ اکرم کو پتا تھا کہ حضرت سیدہؑ کے لیے سب سے بڑا تحفہ یہی ہے کہ انھیں کوئی عبادت کی چیز دی جائے۔

حضرت سیدہؑ نقل کرتی ہیں: ایک مرتبہ میرے بابا میرے گھر میں آئے اور مجھے عبادت کرتے دیکھا۔

فرمایا: بیٹی فاطمہؑ! تم اتنی عبادت کرتی ہو میری بات یاد رکھو! افضل ترین عبادت یہ ہے کہ جب تم رات کو سونے کے لیے جائے تو سونے سے پہلے ایک قرآن ختم کرلیا کرو' سونے سے پہلے تمام انبیاءؑ اور میری مدد کو طلب کرلیا کرو اور سونے سے پہلے ایک حج اور ایک عمرے کو انجام دے دیا کریں۔

بی بیؑ بیان کرتی ہیں: یہ کہہ کر میرے بابا نماز میں مصروف ہو گئے۔ میں قریب کھڑی ہو گئی' یہاں تک کہ میرے بابا نے نماز تمام کی۔

میں نے عرض کیا: بابا! آپؐ نے تو اتنی مشکل چیزیں بتا دی ہیں جن پر کوئی عمل ہی نہیں کرسکتا بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ رات کو سونے سے پہلے پورا ایک قرآن ختم کریں' ایک حج اور ایک عمرہ بجالائیں؟ بھلا یہ کس طرح سے ممکن ہے؟

پیغمبرؐ اسلام نے ارشاد فرمایا: بیٹی! رات کو سونے سے پہلے تین مرتبہ سورۂ توحید کی تلاوت کرلیا کریں تو خداوندِ عالم مکمل قرآن کا ثواب عطا کرے گا اور اگر میرے اور تمام انبیاءؑ کے حق کو ادا کرنا ہے تو ایک مرتبہ مجھ پر اور میری آلؑ پر درود بھیج دیا کریں تو تمام انبیاءؑ کا حق

ادا ہو جائے گا اور تمام مومنین کو خوش کرنے کے لیے یہ کہہ دیا کریں:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ

''خداوندا! تمام مومنین اور مومنات کی مغفرت فرما۔''

اس عمل سے تُو تمام مومنین کو خوش کرے گی اور اگر ایک حج اور ایک عمرہ کرنا چاہتی ہے تو ایک مرتبہ سونے سے پہلے یہ تسبیح پڑھا کریں:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ

خداوند کریم اتنا ثواب عطا کرے گا جتنا حج اور عمرے کا ثواب ہے (صلوات)۔

ذرا غور کریں!

باپ بیٹی کے گھر جاتا ہے تو ہمیشہ عبادت کی چیز لے کر جاتا ہے۔

کیوں؟

اس لیے کہ باپ کو پتا ہے کہ میری عام بیٹیوں جیسی نہیں ہے بلکہ یہ تو سیدہ نسائے عالمینؑ ہے۔

حضرت سیدہؑ نے اپنے عمل سے تمام دنیا کی عورتوں کو بتایا کہ دیکھو! اگر اولاد کے حق کو ادا کرنا ہے تو بتولؑ کے گھر آ کر دیکھو، بھائیوں کے حق کو ادا کرنا ہے تو فاطمہؑ کے گھر میں آ کر دیکھو، شوہر کے حق کو ادا کرنا ہے تو فاطمہؑ کے گھر میں آ کر دیکھو اور اگر باپ کے حق کو ادا کرنا ہے تو وہ بھی فاطمہؑ کے گھر میں آ کر دیکھو۔

حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی سیرت میں یہ تمام باتیں ہمیں ملتی ہیں۔

سیرت حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (سورۂ مبارکہ شوریٰ آیت ۲۳)

''(''اے رسولؐ!) تم کہہ دو کہ میں اس (تبلیغ رسالت) کا اپنے قرابت داروں (اہل بیتؑ) کی محبت کے سوا تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا۔''

گذشتہ تقریر میں ہماری گفتگو شروع ہوئی تھی۔ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی سیرت کے عنوان پر اور گذشتہ تقریر کے اختتام پر بات صرف اس مقام تک پہنچی تھی کہ کس طریقے سے بیس جمادی الاوّل کو سیدۂ عالمینؑ کا نور اس عالم میں جلوہ فگن ہوا تھا۔ آج ہماری گفتگو اسی مقام سے آگے بڑھے گی۔

اعلانِ رسالت کے پانچ سال بعد سیدۂ عالمینؑ اس دنیا کے اندر ظاہر ہوئیں اور تین جمادی الثانی ۱۱ ہجری میں اس دنیا سے رُخصت ہوئیں۔ حضرت سیدہؑ کی کل عمر اٹھارہ سال اور کچھ ماہ تھی لیکن اس اٹھارہ سال اور چند ماہ کی زندگی کے اندر سیدۂ عالمینؑ نے بیٹی کی حیثیت سے بھی، بیوی کی حیثیت سے بھی، ماں کی حیثیت سے بھی اور کائنات کی سردار ہونے کی حیثیت سے بھی اپنی زندگی میں وہ تمام مظاہر جمع کر لیے تھے جو ایک عورت سے یا ایک ایسے نمونہ عمل سے متوقع ہو سکتے تھے جسے خدا نے کائنات کی ہدایت کے لیے بھیجا ہو۔

سیدۂ عالمینؑ کی ولادت کے سلسلہ میں ہماری گفتگو ہو رہی تھی!

اعلانِ رسالتؐ کے پانچویں سال سیدۂ عالمینؑ اس دنیا میں تشریف لائیں اور وہ زمانہ ایسا زمانہ تھا کہ جب تمام لوگوں نے پیغمبرؐ اسلام سے رُوگردانی اختیار کر لی تھی۔

سیدۂ عالمینؑ اس دنیا میں تشریف لائیں اور آنے کے بعد سیدۂ عالمینؑ نے یہ منظر دیکھا کہ میرا باپ روزانہ صبح کو گھر سے نکلتا ہے اور جب شام کو گھر میں آتا ہے تو سر سے پاؤں تک لہولہان ہوتا ہے، سر سے پاؤں تک عرب کے بچوں کے مارے ہوئے پتھروں کی وجہ سے

پیغمبرؐ اسلام کے تمام جسم اقدس سے خون بہہ رہا ہوتا ہے' پاؤں زخمی ہوتے ہیں اور ان کانٹوں کی وجہ سے جو راستے میں بچھا دیے جاتے ہیں اور سیدۂ عالمینؑ یہ منظر دیکھتی ہیں کہ میری ماں حضرت خدیجہ طاہرہؑ روتی جاتی ہیں اور پیغمبرؐ اسلام پر جتنے زخم ہیں ان سب پر مرہم لگائی چلی جاتی ہیں۔ اس منظر اور اس ماحول میں سیدۂ عالمینؑ نے آنکھ کھولی۔

روایت میں ہے کہ حضرت سیدہؑ کی پرورش' سیدہؑ کی نشوونما عام لڑکیوں سے بالکل ہٹ کر ہوئی تھی اور جتنا کوئی ایک مہینے میں بڑھتا ہے اتنا سیدۂ عالمینؑ ایک دن میں بڑھتی تھیں اور جتنا ایک بچہ ایک سال میں بڑھتا ہے اتنا ایک مہینے میں سیدۂ عالمینؑ کے بڑھنے کی رفتار تھی اور یہ طریقۂ قدرت تمام معصومینؑ کے ساتھ مربوط ہے کہ معصومینؑ عام لوگوں سے ہٹ کر نشوونما پاتے ہیں۔

سیدۂ عالمینؑ یہ منظر (مذکورہ صدر) دیکھتی تھیں اور اس وقت سیدۂ عالمینؑ کا ساتھ دینے والا کوئی نہ تھا صرف چند گھر کے افراد تھے:

(۱) حضرت خدیجہ طاہرہؑ (۲) حضرت فاطمہؑ بنت اسدؑ (۳) پیغمبر اسلامؐ

اسی ماحول میں سیدۂ عالمینؑ زندگی گزار رہی تھیں اور وہ وقت تھا کہ عرب کا بچہ بچہ پیغمبرؐ اسلام کا بھی دشمن تھا' حضرت خدیجہؑ کا بھی دشمن تھا اور حضرت فاطمہؑ کا بھی دشمن تھا۔ ایسے وقت میں کچھ لڑکیوں کا ایک گروہ تیار ہو گیا تھا جو اپنے والدین سے چھپ کر کھیلنے کیلئے حضرت سیدہؑ کے گھر میں آ جایا کرتی تھیں اور آنے کے بعد حضرت سیدہؑ کے ساتھ گفتگو میں مشغول ہو جایا کرتی تھیں۔

روایت میں ہے کہ حضرت سیدہؑ کو اپنی ان بچپن کی سہیلیوں سے انتہائی محبت تھی اور یقیناً محبت ہونی بھی چاہیے تھی اس لیے کہ ایسے وقت میں ان بچیوں نے حضرت سیدہؑ کا ساتھ دیا۔ جب تمام عرب حضرت سیدہؑ کا دشمن ہو چکا تھا لیکن اس کے باوجود کہ جب ان بچیوں نے یا حضرت سیدہؑ کی ان سہیلیوں نے کوئی غلطی کی تو حضرت سیدہؑ نے ان کا بھی کوئی لحاظ اور کوئی خیال نہ رکھا۔ ہم جو اپنے مقام پر یہ سوچ کر بیٹھ جاتے ہیں کہ ہم گناہوں پر گناہ کیے جائیں'

غلطیوں پر غلطیاں کیے جائیں وہ ہماری بخشش کرا دیں گے۔ اس لیے کہ ہم ان کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ صرف اس لیے کہ ان کی محبت ہمارے دلوں کے اندر ہے لیکن ذرا آ کر دیکھیں کہ تاریخ کا کتنا نازک موڑ تھا کہ جب پیغمبرؐ اسلام کے اعلانِ رسالت کی وجہ سے تمام مکہ والے سیدۂ عالمینؑ کے دشمن ہیں اور سیدۂ عالمینؑ کے گھر والوں کے خون کے پیاسے ہیں۔ ایسی حالت میں جو سیدۂ عالمینؑ کے ساتھ آ کر ان کے ساتھ بیٹھتا ہوگا' ان کے کام میں ان کا ہاتھ بٹاتا ہوگا اور ان کی پریشانیوں میں ان کا ساتھ دیتا ہوگا۔ ان لوگوں کا سیدۂ عالمینؑ کی نگاہ میں کیا مقام ہونا چاہیے؟

روایت میں ہے کہ جب سیدۂ عالمینؑ مدینے میں جا چکی تھیں اور امیرالمومنین علیہ السلام سے شادی ہو چکی تھی۔ اس کے بعد حضرت سیدہؑ کی وہ سہیلیاں حضرت سیدہؑ سے ملاقات کرنے کے لیے آئیں تو حضرت سیدہؑ نے ان کی اتنی قدر کی جتنی قدر وہ حضرت سیدہؑ کی کیا کرتی تھیں کہ سیدۂ عالمینؑ نے خاص طور پر انھیں دعوت دے کر بلایا اور ایک ایک چیز اپنے ہاتھ سے تیار کی۔ جب وقت دعوت آیا اور دسترخوان پر یہ سہیلیاں بیٹھیں تو سیدۂ عالمینؑ بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئیں لیکن جب دسترخوان پر بیٹھنے کے بعد گفتگو کا آغاز ہوا اور ان میں سے کسی لڑکی نے اپنے بچپنے کی کسی سہیلی کی غیبت کرنا شروع کر دی تو سیدۂ عالمینؑ دسترخوان سے اُٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔ سہیلیوں نے کوئی توجہ نہ دی اور ویسے ہی گفتگو کا سلسلہ چلتا رہا لیکن جب کھانا ختم بھی ہو گیا اور حضرت سیدہؑ واپس نہ آئیں تو یہ لڑکیاں پریشان ہوئیں اور شہزادیؑ کو آواز دی۔

شہزادیؑ نے برابر کے کمرے سے ان کی آواز کا جواب دیا۔

انھوں نے پوچھا: سیدۂ عالمینؑ! آپؑ برابر کے کمرے میں کیوں چلی گئی ہیں؟

سیدۂ عالمینؑ نے جواب دیا: میں تمھاری گفتگو کے ختم ہو جانے کا انتظار کر رہی ہوں۔

انھوں نے سوال کیا: شہزادیؑ! آپؑ کو ہماری گفتگو کی کون سی بات نے تکلیف پہنچائی ہے کہ آپؑ ہمارے پاس سے اُٹھ کر چلی گئیں؟

جواب دیا: یہ کہ تم دسترخوان پر بیٹھ کر غیبت کر رہی تھیں اور میرے بابا کا فرمان ہے:
اے میری بیٹی فاطمہ! جہاں کہیں غیبت ہو رہی ہو اس مقام سے اس طرح بھاگو جس طرح انسان مردار سے بھاگا کرتا ہے اس لیے کہ کوئی تعجب نہیں کہ کسی لمحے بھی وہاں عذاب خدا نازل ہو جائے اور اگر تم اپنے آپ کو عذاب خدا سے بچانا چاہو تو خبردار! کبھی ایسے مقام پر نہ بیٹھنا کہ جہاں کسی مومن یا مومنہ کی بُرائی کی جا رہی ہو۔

حضرت سیدہؑ کی بچپن کی وہ سہیلیاں کہ ایسے نازک، ایسے کٹھن وقت میں انھوں نے سیدہؑ کا ساتھ دیا تھا کہ جب عرب کا بچہ بچہ حضرت سیدہؑ کا دشمن ہو چکا تھا لیکن حضرت سیدہؑ نے ان کا بھی لحاظ نہ رکھا، انھیں بھی چھوڑ کر سیدہؑ عالمینؑ چلی گئیں۔

اب ذرا غور کریں!

اگر ہم روزِ قیامت گناہوں کا بار اُٹھاتے ہوئے پہنچیں گے تو کس طرح یہ توقع کر سکتے ہیں کہ وہ ہمارے ہر گناہ کو معاف کرانے پر تیار ہو جائیں گی۔

سیدہؑ عالمینؑ کا یہ دور انتہائی مشکل اور خطرناک دور تھا لیکن اس دور میں بھی سیدہؑ عالمینؑ نے ہر اس چیز کی نفی کی کہ جو ایک عورت کے اندر پائی جاتی ہے یعنی حرام کام والی چیزیں۔

روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت خدیجہؑ کو مکہ کے اندر کسی شادی میں شرکت کا دعوت نامہ ملا۔ حضرت خدیجہؑ لباس پہن کر تیار ہوئیں۔ سیدہؑ عالمینؑ کو لباس پہنانا چاہا تو یہ دیکھ کر حیران ہو گئیں کہ کوئی اچھا لباس نہیں ہے۔ اب حضرت خدیجہؑ پریشان بیٹھی ہیں۔ حضرت سیدہؑ کی چار پانچ سال کی عمر ہے، اپنی والدہؑ کو پریشانی کی حالت میں دیکھا تو عرض کیا: اے مادرِ گرامیؑ! آپؑ اتنی غمگین کیوں بیٹھی ہیں؟

حضرت خدیجہؑ نے جواب دیا: اے میری بیٹی! میں کیا کروں شادی میں جانا ہے اور کوئی ایسا لباس نہیں ہے جو تجھے پہنایا جا سکے۔

حضرت سیدہؑ نے عرض کیا: اے مادرِ گرامیؑ! کیا آپؑ کے ذہن میں میرے بابا کا وہ فرمان نہیں ہے کہ ایک عورت کا بہترین لباس تقویٰ ہے اور بہترین زیور ایک عورت کے لیے

شرم وحیا ہے۔

روایت میں ہے کہ ایک دن پیغمبرؐ اسلام اپنی بیٹی حضرت فاطمہؑ کے گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔

کنیز نے آ کر کہا: یا رسولؐ اللہ! آپؐ کے ایک صحابی حضرت عبداللہؓ آئے ہیں۔

فرمایا: عبداللہ کو بلا کر لاؤ۔

کنیز عبداللہ کو بلانے کے لیے گئی اور سیدۂ عالمینؑ اپنے مقام سے کھڑی ہو گئیں اور اندر کے کمرے کی طرف جانے لگیں۔

پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا: بیٹی فاطمہؑ! کہاں جا رہی ہو؟

حضرت سیدہؑ نے جواب دیا: بابا! آپؐ کے صحابی آ رہے ہیں اس لیے میں پردہ کرتے ہوئے گھر کے کسی کمرے میں جا رہی ہوں۔

پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا: بیٹی فاطمہؑ! وہ صحابی تو نابینا ہے وہ تو دیکھ بھی نہیں سکتا؟

حضرت سیدہؑ نے جواب دیا: بابا! وہ مجھے نہیں دیکھ سکتا لیکن میں تو اسے دیکھ سکتی ہوں۔ اس لیے میں اس مقام سے اُٹھ کر جا رہی ہوں۔

حضرت سیدۂ عالمینؑ کی زندگی کی ایک نمایاں خصوصیت، جس کو تمام علما نے اپنے اپنے مقام پر لکھا ہے، وہ یہ تھی کہ حضرت سیدۂ عالمینؑ اور امیر المومنین علیہ السلام کا بے مثال اتحاد و اتفاق تھا۔

جب پیغمبرؐ اسلام مدینہ میں پہنچ چکے تھے تو اس کے بعد پیغمبرؐ اسلام نے سیدۂ عالمینؑ کو حضرت عائشہ اور اپنی ایک زوجہ حضرت سودہؓ کو، خاندان کی دوسری عورتوں کے ہم راہ اُونٹوں پر سوار کرا کر قافلہ بلوایا تھا اور سیدۂ عالمینؑ مدینے میں داخل ہو گئی تھیں۔ نو (۹) سال کی عمر تھی جب سیدۂ عالمینؑ کا نکاح امیر المومنین علیہ السلام سے ہوا اور اس کے بعد سیدۂ عالمینؑ رُخصت ہو کر مولائے کائنات علیہ السلام کے گھر آئیں۔ نو (۹) سال تک حضرت سیدہؑ نے امیر المومنین علیہ السلام کے گھر میں گزارے اور انتہائی مصیبت کے دن تھے، انتہائی پریشانی کے دن تھے اور انتہائی فقر و فاقہ کے دن تھے۔

روایت میں ہے کہ جب حضرت سیدہؑ اپنے گھر سے رُخصت ہو کر چلیں تو پیغمبرِؐ اسلام نے دیکھا اور دیکھنے کے بعد صرف ایک جملہ کہا: بیٹی فاطمہؑ! تُو جا رہی ہے لیکن اپنے باپ کی ایک نصیحت کو سنتی جا' وہ یہ کہ میں نے جس سے تیری شادی کی ہے اس کے پاس دولت دنیا میں سے کچھ نہیں ہے البتہ وہ اس کائنات کا افضل ترین شخص ہے۔ اس لیے تُو اس کے گھر جا کر کوئی ایسی فرمائش نہ کرنا جس کی وجہ سے تیرے شوہر کو کوئی پریشانی ہو۔

حضرت سیدہؑ کو پیغمبرِؐ اسلام نے رُخصتی کے وقت یہ نصیحت کی اور یہ وہ نصیحت ہے جو ہر باپ کو اپنی بیٹی سے کرنی چاہیے۔

روایت میں ہے کہ حضرت سیدہؑ نے مولا علی علیہ السلام کے گھر میں نو (۹) سال گزارے۔ لیکن کبھی حضرت سیدہؑ نے کوئی فرمائش اپنے شوہر سے نہ کی۔ انتہائی مصیبت کا زمانہ گزارا' انتہائی تنگ دستی کا زمانہ گزارا۔ لیکن کسی وقت بھی حضرت سیدہؑ نے اپنے شوہر سے چھوٹی سے چھوٹی چیز کی فرمائش نہ کی۔

ہاں!

صرف ایک واقعہ کتابوں میں ملتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سیدہؑ بیمار پڑی تھیں اور انتہائی شدید حالت میں تھیں۔ مولائے کائنات علیہ السلام دن بھر کام کر کے گھر میں آئے اور سیدہ عالمینؑ کے سرہانے بیٹھ گئے۔

فرمایا: اے بنتِ رسولؐ! آج تو کوئی فرمائش کر دیجیے۔

حضرت سیدہؑ نے انکار کیا کہ نہیں میری کوئی فرمائش نہیں۔

مولا علی علیہ السلام نے جب اصرار کیا تو حضرت سیدہؑ نے صرف اتنا کہا: اے ابوالحسنؑ! اگر کہیں سے انار مل جائیں تو انار لے آنا اس لیے کہ اس وقت انار کی انتہائی خواہش ہے۔

روایت میں ہے کہ مولا علی علیہ السلام گھر سے نکلے' کام کیا اور کام کر کے اس سے جو پیسے ملے ان سے ایک انار خریدا۔ انار خرید کر اپنے گھر کی طرف آ رہے تھے کہ راستے میں ایک شخص کو دیکھا جو بیماری کی حالت میں درخت کے نیچے لیٹا ہوا تھا' مولاؑ اس کے قریب گئے۔

فرمایا: کس چیز کی خواہش ہے؟

اس نے انار کی خواہش کی۔

امامؑ نے انار کے دو حصّے کیے ایک حصّہ اس بیمار آدمی کے حوالے کیا اور اس نے اپنے حصے کا انار کھالیا۔

مولاؑ نے پھر پوچھا: کیا اب بھی کوئی خواہش ہے؟

اس بیمار نے کہا: ہاں! اگر اور انار مل جائے تو بہت ہی اچھا ہوگا۔

مولاؑ نے بقیہ انار کے پھر دو حصّے کیے ایک حصّہ اس کو دیا' اس نے کھایا۔

فرمایا: اور کچھ؟

اس نے پھر خواہش ظاہر کی۔

روایت میں ہے کہ مولاؑ نے انار کا آخری حصّہ بھی اس کو دے دیا۔ اب مولاؑ اس مقام سے چلتے ہیں انتہائی مضطرب' انتہائی پریشان حال سر جھکائے گھر کے اندر داخل ہوئے' حضرت سیدہؑ کو دیکھا اور حیرت کی انتہا نہ رہی۔

حضرت سیدہؑ نے فرمایا: اے ابوالحسنؑ! جو انار آپؑ نے بھجوایا میں اس کی وجہ سے آپؑ کی انتہائی ممنون ہوں۔

فرمایا: بنت رسولؐ! میں آپؑ کی بات نہیں سمجھا؟

حضرت سیدہؑ نے فرمایا: اب سے تھوڑی دیر پہلے ایک شخص آیا تھا اور حسنؑ کے ہاتھ میں یہ انار دے کر چلا گیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ یہ انار علیؑ نے بھیجا ہے۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے سنا تو سمجھ گئے کہ یقیناً یہ وعدۂ الٰہی ہے کہ جو اللہ کی راہ میں صدقہ دے' ہم اس کا بدلا اس کو اس دنیا میں عطا کرتے ہیں۔

پوری زندگی حضرت سیدۂ عالمینؑ نے امیرالمومنین علیہ السلام کے گھر میں گزاری لیکن کبھی کوئی خواہش نہ کی تو یہ حضرت سیدہؑ کا کردار ہے کہ کبھی اپنی خواہش کا اظہار نہ کیا لیکن اس کے بعد جب ہم یہ منظر دیکھتے ہیں کہ پیغمبر اسلام کی آنکھ بند ہوئی اور حضرت سیدہؑ باغ فدک کا مطالبہ

لے کر حاکم وقت کے دربار میں گئیں۔

یہ تاریخ کا ایک انتہائی اہم اور ایک انتہائی نازک واقعہ ہے۔

وہ خاندانِ نبوت کہ جس نے کبھی دولت کی طرف مطلق توجہ نہ دی تھی لیکن آخر کیا سبب ہے' کیا وجہ ہے کہ خاندانِ نبوت ایک مرتبہ گھر سے نکلتا ہے اور نکلنے کے بعد دربار خلافت میں حاضر ہو کر باغ فدک کے لیے مطالبہ کرتا ہے۔

باغ فدک کی تاریخ انتہائی دردناک ہے۔

تاریخ کی کتابوں کے مطابق مدینے سے دو یا تین دن کے فاصلے پر ایک انتہائی سرسبز مقام تھا' جہاں چشموں کی کثرت تھی۔ وہ انتہائی زرخیز مقام تھا اور کھجور کے درخت وہاں کی سب سے بڑی خصوصیت تھی' اس مقام کا نام "فدک" تھا۔

اس مقام کا نام "فدک" اس لیے تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے جن سے حضرت نوح علیہ السلام کی نسل چلی تھی ان میں سے ایک بیٹے کا نام حام تھا اور حام کے بیٹے کا نام فدک تھا اور وہ اس مقام پر آ کر زندگی بسر کرنے کے لیے اُترے تھے' چناں چہ حضرت حام کے بیٹے اور حضرت نوح علیہ السلام کے پوتے فدک کی وجہ سے اس مقام کا نام بھی فدک پڑ گیا۔

مقامِ فدک کا مسئلہ یہ ہے کہ جب پیغمبرؐ اسلام نے یہودیوں کی متعدد سازشوں کے قلعہ خیبر پر حملے کے ارادے سے مدینے سے کوچ کیا اور قلعۂ خیبر پر حملہ کیا اور خیبر کا قلعہ فتح ہو گیا تو خیبر کے قلعہ کے فتح ہونے کے بعد اب فدک کے یہودی گھبرائے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ پیغمبرؐ اسلام اپنی فوج لے کر یہاں آ جائیں اور ہمارے شہر پر بھی اس طرح قبضہ کر لیں۔ چناں چہ پوری حکومت ہمارے ہاتھ سے باہر نکل جائے گی اور پیغمبرؐ اسلام نے ایک انصاری کو اپنا قاصد بنا کر بھی وہاں بھیجا تھا کہ وہاں کے حالات دیکھ کر آؤ۔

وہ انصاری جب وہاں پہنچے تو فدک کے یہودیوں نے ان سے بات چیت کی اور آخر بات چیت کے بعد وہ پیغمبرؐ اسلام کے پاس پہنچے اور فدک کے یہودیوں نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ ہونے کا دعویٰ کرنے والے! ہم اپنی خوشی سے اپنی آدھی سلطنت' اپنی دولت اور اپنا

آدھا علاقہ آپؐ کے حوالے کر دیتے ہیں' اس لیے کہ آپؐ ہمارے علاقے پر حملہ نہ کریں اور ہمیں اسی طرح زندگی گزارنے دیں۔

پیغمبرؐ اسلام نے ان کی درخواست کو قبول کر لیا اور انھوں نے اپنا آدھا علاقہ پیغمبرؐ اسلام کے حوالے کر دیا اور یہ وہ علاقہ تھا جو بغیر جنگ کے' بغیر جہاد کے اور بغیر فوج کشی کے پیغمبرؐ اسلام کے ہاتھ آیا تھا۔

اب اسلامی فقہ کا ایک مسئلہ ہے کہ پیغمبرؐ اسلام کے ہاتھ میں جتنی دولت آئی اس کی مختلف اقسام ہیں:

① زکوٰۃ ② خمس ③ مالِ غنیمت ④ مالِ فَے

مالِ غنیمت وہ مال ہوتا ہے جو کسی علاقے میں حملہ کی صورت میں' جنگ میں شکست کھانے کے بعد کافر چھوڑ کر بھاگ جائیں اس کا نام مالِ غنیمت ہے اور اس کا فقہی مسئلہ یہ ہے کہ اس کا پانچواں حصّہ خمس تو نکالا جائے رسولؐ اور امامؑ کے لیے اور باقی حصّہ تمام مجاہدین میں برابر تقسیم کیا جائے' جنھوں نے جہاد میں حصّہ لیا تھا۔

مالِ فَے وہ مال ہوتا ہے جو بغیر جہاد کے اور بغیر کسی مجاہد کی کوشش کے پیغمبرؐ اسلام کو مل جائے' کسی بھی ذریعے اور طریقے سے تو یہ مال پیغمبرؐ اسلام کا مال ہوتا ہے اور پیغمبرؐ اسلام کی مرضی ہوتی ہے کہ اسے جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ چناں چہ غزوۂ خیبر میں جتنی دولت ملی وہ تمام کی تمام' تمام مسلمانوں کی تھی کیوں کہ جہاد کے بعد ملی تھی لیکن فدک کے یہودیوں نے چوں کہ ازخود اپنی دولت پیغمبرؐ اسلام کے حوالے کر دی اس لیے یہ دولت پیغمبرؐ اسلام کی تھی اور شریعت کے اُصول کے مطابق پیغمبرؐ اسلام کو حق حاصل تھا کہ اس دولت کو جس کے چاہیں حوالے کریں۔

اب یہاں پر کچھ علما کا یہ کہنا ہے کہ فدک ایک بہت ہی مختصر سا گاؤں تھا' ایک چھوٹا سا دیہات تھا لیکن روایات کے مطابق دوسرے خلیفہ کی خلافت کے زمانے میں یہاں کی صرف

کھجوروں کی آمدنی پچاس ہزار دینار سالانہ سے زیادہ تھی۔ چناں چہ آمدنی کی یہ مقدار اس زمانے کے اعتبار سے دال ہے کہ فدک ایک بہت ہی قیمتی علاقہ تھا اور یہ اتنا اہم علاقہ تھا کہ تمام اسلامی فوج کا خرچہ اسی علاقے سے پورا کیا جاتا تھا۔

فدک کا علاقہ پیغمبرؑ اسلام کے ہاتھ میں آیا۔

اب روایات کے مطابق پیغمبرؑ اسلام نے اپنی بیٹی فاطمہؑ کو بلایا اور فدک کا علاقہ ان کو عطا کر دیا۔

لوگوں کے درمیان ایک غلط فہمی ہے وہ یہ کہ حضرت سیدہؑ نے دربار خلافت میں میراث کا مطالبہ کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ میرے باباؑ کی میراث سے میرا حصّہ دو۔ یہ غلط خیال ہے۔

سیدہؑ نے میراث طلب نہیں کی تھی بل کہ سیدہؑ نے تو ہبہ کا دعویٰ کیا تھا اور ہبہ کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنی زندگی میں اگر اپنی کوئی چیز کسی کے حوالے کر جائے اور قبضہ اس کو دے دے تو یہ چیز اس رشتہ دار کی ہو جاتی ہے اور ہبہ کرنے والے کے مرنے کے بعد اس میں میراث نہیں ہوتی ہے۔

سیدۂ عالمینؑ نے میراث کا دعویٰ نہیں کیا تھا بل کہ سیدۂ عالمینؑ نے تو یہ کہا تھا کہ یہ ہبہ ہے یعنی میرے باباؑ اپنی زندگی میں یہ ساری دولت' یہ سارا علاقہ مجھے دے کر گئے تھے اس لیے مجھے میرا حق دلوایا جائے۔

یہاں پر علمائے اہل سنت نے یہ سوال اُٹھایا ہے کہ پیغمبرؑ اسلام نے اپنی زندگی میں یہ علاقہ اگر حضرت سیدہؑ کے حوالے کیا بھی تھا تو وہ بے کار تھا اس لیے کہ اگر کوئی مرنے والا اپنی زندگی میں کسی سے یہ کہہ جائے کہ یہ چیز تمھاری ہے تو جب تک وہ اس کے حوالے نہ کرے' اس کے ہاتھ میں قبضہ نہ دے دے تو اس وقت تک وہ چیز اس کی نہیں کہلائے گی۔

اب سب سے پہلے ہم اس سوال کا جواب دیتے ہیں کہ آخر پیغمبرؑ اسلام نے تمام اُمت کو محروم کر کے اپنی بیٹی کو یہ دولت کیوں عطا کی تھی؟

ہماری روایات کے اندر تو بالکل واضح لفظ موجود ہیں۔ البتہ عام روایات کے اندر بھی یہ ہے کہ پیغمبرؐ اسلام کے پاس جب فدک آیا اور فدک کے حصول کے بعد پیغمبرؐ اسلام فوراً اس مال کو اپنے تصرف میں لا سکتے تھے۔ روایت میں ہے کہ پیغمبرؐ اسلام نے اس مال کو استعمال نہیں کیا۔

مسلمانوں نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! ذرا جلدی سے اسے تقسیم کریں مال غنیمت ہے۔

پیغمبرؐ اسلام نے منع کر دیا۔

اس وقت سورۂ حشر کی یہ آیات نازل ہوئیں جن کے اندر یہ حکم آ گیا کہ "میرے رسولؐ! یہ سارا مال تیرا ہے اور تو اپنی مرضی سے کسی کے حوالے کر"۔

اس وقت پیغمبرؐ اسلام نے اپنی بیٹی فاطمہؑ کو بلایا اور بلانے کے بعد حضرت سیدہؑ کو یہ تمام مال حوالے کیا اور اس پر گواہ کی حیثیت سے مولا علی علیہ السلام کے دستخط تھے' اُمّ ایمنؓ کے دستخط تھے' حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے دستخط تھے۔ اس کے بعد یہ تمام علاقہ حضرت سیدہؑ کو مل گیا۔ لیکن بعد میں کچھ ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ کچھ لوگوں نے پیغمبرؐ اسلام کی وفات کے بعد اس علاقے پر قبضہ کر کے اسے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور حضرت سیدہؑ کو ان کے باباؐ کی دی ہوئی دولت سے محروم کر دیا گیا۔

شہادت:

بہرحال!

حضرت سیدہؑ نے اپنی حجت تمام کی اور واپس گھر میں آ گئیں۔

چھٹے امامؑ ارشاد فرماتے ہیں: اس دنیا میں سب سے زیادہ رونے والے پانچ گزرے ہیں:

① حضرت آدم علیہ السلام ② حضرت یعقوب علیہ السلام ③ حضرت یوسف علیہ السلام

④ حضرت فاطمہ زہراؑ ⑤ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

اب حضرت فاطمہؑ کے پاس صرف ایک کام تھا وہ یہ کہ حضرت فاطمہؑ آخری وقت تک

روتی رہیں اور اپنے بابا کا ماتم کرتی رہیں۔ نہ صرف یہ کہ بابا کا ماتم کرتی رہیں بلکہ ان تمام مصیبتوں کا تذکرہ بھی کرتی رہیں جو پیغمبرؐ اسلام کی وفات کے بعد حضرت سیدہؑ پر نازل ہوئی تھیں اور آخر تین جمادی الثانی کو رسولؐ اکرم کی اکلوتی بیٹی مسلمانوں کے مظالم سے جان چھڑا کر روتی ہوئی اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ حضرت سیدہؑ کی یہ وصیت تھی کہ جنھوں نے مجھ پر ظلم کیا ان کو میرے جنازے میں شرکت کی اجازت نہ دی جائے۔

......✹......

تیسرے معصومؑ

امیر المومنین، امام المتقین

حضرت علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام

مشخصات

اسم مبارک	:	علیؑ، حیدرؑ، ایلیا وغیرہم
لقب	:	مرتضیٰ، امیر المومنین وغیرہما
کنیت	:	ابوالحسن، ابوالائمہ
والد ماجد	:	حضرت عمران / ابو طالب علیہ السلام
والدہ ماجدہ	:	فاطمہ بنت اسد سلام اللہ علیہا
ولادت	:	۱۳ رجب ۳۰ عام الفیل بروز جمعہ بمقام خانہ کعبہ
ازواج مطہرات	:	حضرت سیدہ فاطمہ زہراؑ، حضرت امّ البنینؑ وغیرہما
اولاد	:	حضرت امام حسن علیہ السلام، حضرت امام حسین علیہ السلام، حضرت محسن علیہ السلام، حضرت زینبؑ، حضرت امّ کلثومؑ، حضرت عباس علیہ السلام، حضرت محمد حنفیہ علیہ السلام وغیرہم
شہادت	:	۲۱ رمضان المبارک ۴۰ ہجری
عمر مبارک	:	۶۳ سال
قبر مطہر	:	نجف اشرف

سیرت امیر المومنین حضرت علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام

سیرت معصومین علیہم السلام کے سلسلے میں ہماری آج کی مجلس کا موضوع حضرت امیر المومنینؑ کی ذات اقدس ہے۔ ہم اپنی ان مجالس میں ہر ایک معصومؑ کی زندگی کے گوشے گوشے پر روشنی ڈالنے کی ناکام کوشش کریں گے۔ چناں چہ یہ زیادہ بہتر اور مناسب محسوس ہوتا ہے کہ کسی ایک تاریخی پس منظر کے ساتھ معصومؑ کی زندگی کے کسی ایک پہلو کو لیا جائے اور اسی پر مکمل طور پر گفتگو کی جائے۔ چناں چہ مولائے کائنات علیہ السلام کی سیرت پر ہماری گفتگو تاریخی پس منظر میں ہوگی اور ہو سکتا ہے کہ سیرت امامؑ میں وہ پہلو نہ آئیں جن کی لوگوں کو زیادہ توقع ہوتی ہے۔

اب اس سے پہلے کہ ہم امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی کے تاریخی پس منظر سے گفتگو کا آغاز کریں، اپنے اسی معمول اور طریقے کے مطابق جو ہر معصومؑ کی زندگی میں ہونا چاہیے ایک چھوٹا سا خلاصہ امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی کا پیش کر دیا جائے۔

امیر المومنین علیہ السلام کے نام کے بارے میں علمائے کرام کے درمیان اختلاف ہے کہ آپؑ کا اصلی نام کیا تھا؟ لیکن اب یہ بات متفقہ طور پر طے پا چکی ہے کہ آپ کا نام ''علیؑ'' رکھا گیا۔ یہ وہ نام تھا جو خدا کی طرف سے عطا ہوا، اس کا ثبوت ہماری تقریر میں آئے گا۔

آپؑ کا نام علی علیہ السلام تھا۔ والد محترم حضرت ابوطالب علیہ السلام اور والدۂ گرامی حضرت فاطمہؑ بنت اسدؑ تھیں۔ بعثت سے یعنی اعلانِ نبوت سے دس سال قبل ۱۳ رجب المرجب ۳۰ عام الفیل کو آپؑ خانۂ کعبہ میں اس دنیا میں ظاہری طور پر تشریف لائے اور ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ ہجری کو کوفے میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔ آپؑ کا مزار اقدس نجف اشرف عراق میں ہے۔ اگرچہ اس سلسلے میں بھی علما کا اختلاف موجود ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی چار حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے:

- پہلا حصہ ہجرت سے قبل کا ہے جو قریب ۲۳ سال پر مشتمل ہے۔

- دوسرا حصّہ ہجرت سے لے کر وفاتِ رسول تک کا ہے جس کا عرصہ قریب ۱۰ سال کا ہے۔
- تیسرا حصّہ بعد از وفاتِ رسولؐ اکرم سے لے کر حضرت عثمان کے دنیا سے رُخصت ہونے تک کا ہے۔
- چوتھا اور آخری حصّہ حضرت عثمان کے دنیا سے جانے سے لے کر امیرالمومنینؑ کی شہادت تک کا ہے۔

یہ چار حصّے ایسے ہیں جو ہماری انتہائی توجہ کے متقاضی ہیں۔ اگر ان چاروں حصوں پر اس چیز کو ذہن میں رکھتے ہوئے غور کیا جائے کہ امیرالمومنین علیہ السلام عمر کے کس حصّے میں اس دور سے گزرے تو گفتگو کا کچھ زیادہ ہی لطف آ سکتا ہے' لیکن اس سے پہلے مجھے تھوڑا سا تذکرہ امیرالمومنین علیہ السلام کے والدؑ اور والدہؑ کا کرنا ہے۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام کا تذکرہ عام طور پر ہماری مجالس میں ہوتا رہتا ہے اور بہت زیادہ کثرت سے ہوتا رہتا ہے۔

حضرت فاطمہؑ بنتِ اَسدؑ کا تذکرہ بھی حتی المقدور ہمارے علمائے کرام اور ذاکرین عظام کیا کرتے رہے ہیں۔

پس!

اس اعتبار سے کہ ہماری گفتگو کا یہ پہلو نامکمل رہ جائے گا' اس لیے تھوڑا سا تذکرہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کا بھی کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام کے بارے میں روایات کچھ اس طرح سے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کو اپنے دس بیٹوں میں سے جن پر سب سے زیادہ اعتماد تھا وہ حضرت ابوطالب علیہ السلام تھے۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام پیغمبرؐ اِسلام سے پینتیس (۳۵) سال بڑے تھے۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام اور پیغمبرؐ اِسلام کے والد ماجد حضرت عبداللہ علیہ السلام ایک ہی ماں کی اولاد تھے۔ اس لیے ان دونوں بھائیوں میں محبت اپنے دوسرے بھائیوں کی نسبت زیادہ تھی۔ حضرت

عبدالمطلب علیہ السلام کے باقی جتنے بیٹے تھے' اُن کی مائیں الگ الگ تھیں۔ البتہ! حضرت عبداللہ علیہ السلام اور حضرت ابوطالب علیہ السلام کی والدہ ایک ہی تھیں۔

حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کو حضرت ابوطالب علیہ السلام پر اتنا زیادہ اعتماد تھا کہ جب حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے وفات پائی اور وقتِ وفات قریب آیا تو حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے اپنے تمام عہدے حضرت ابوطالب علیہ السلام کے حوالے کیے اور اپنے پاس اللہ کی سب سے بڑی امانت یعنی یتیمؑ عبداللہؑ کو بھی حضرت ابوطالب علیہ السلام کے حوالے کر دیا۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام رسولؐ اکرم اعلانِ رسالت سے پہلے بھی شیخ مکہ' شیخ البطحا وغیرہ کے القاب سے ملقب تھے اور اپنے دور کے شجاع ترین' انتہائی بااخلاق اور انتہائی عظیم شخص مانے جاتے تھے۔

ابھی گفتگو آگے بڑھے گی تو حضرت ابوطالب علیہ السلام کے فضائل اور مناقب ہمارے سامنے آئیں گے۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام کے بارے میں روایت ہے:

حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کی وفات کے بعد سب سے اہم جو ذمہ داری تھی مکہ مکرمہ کی وہ تھی حاجیوں کے کھانے اور پانی کا انتظام کرنا۔ یہ کام حضرت ابوطالب علیہ السلام کے سپرد کیا گیا اور حضرت ابوطالب علیہ السلام نبیؐ اکرم اعلانِ رسالت تک ہر سال اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ مالی حالت انتہائی کمزور تھی لیکن اس کے باوجود تمام مکہ کا سردار منتخب کر لیا گیا تھا اور یہی امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنے خطبہ میں بیان کیا:

> ''میرے باپؑ وہ تھے کہ جو باوجود ناچار ہونے کے سردار بنے اور وہ پہلے سردار تھے' جن کے پاس کوئی دولت نہ تھی۔''

حضرت ابوطالب علیہ السلام کو حاجیوں کی خدمت کرنے کا اتنا شوق تھا کہ (روایات کے مطابق) ایک سال حضرت ابوطالب علیہ السلام کے پاس اتنے پیسے نہ رہے کہ وہ حاجیوں کی خدمت کر

سکیں اور حاجیوں کے لیے کھانے پینے کا انتظام کر سکیں۔ چناں چہ انھوں نے اپنے بھائی حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے (جو اس زمانے میں مالی اعتبار سے کافی مستحکم تھے) رجوع کیا۔ ان سے قرضہ طلب کیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپؑ کو قرضہ دے دیا۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے یہ تمام پیسے لے کر حاجیوں کی فلاح و بہبود میں خرچ کر دیے۔

روایت میں ہے کہ آئندہ سال آیا اور حضرت ابوطالب علیہ السلام کی پورا سال مالی حالت اتنی خراب رہی کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام اس قرضے کی ادائگی کی حیثیت میں تھے اور نہ ہی اتنا پیسہ اُن کے پاس تھا کہ حاجیوں کی اس سال بھی خدمت کر سکیں۔ چناں چہ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے رجوع کیا۔ چودہ ہزار درہم دیے۔ لیکن ایک شرط کے ساتھ کہ تم نے آئندہ سال بھی اس قرضے کو ادا نہ کیا تو اس کے بعد حاجیوں کی خدمت کا سارے کا سارا انتظام ہمارے پاس آ جائے گا۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام اگر چاہتے تو حاجیوں کو اُسی قسم کے کھانے پر اکتفا کر سکتے تھے جس قسم کے کھانے پر آج کل کے مومنین اکتفا کیا کرتے ہیں۔ لیکن حضرت ابوطالب علیہ السلام کو عہدہ چھن جانا قبول تھا لیکن یہ قبول نہ تھا کہ ان کے پاس اللہ کا یہ آیا ہوا مہمان کسی بھی حالت میں خالی پیٹ یا غیر مطمئن چلا جائے۔ چناں چہ روایات یہ ہیں کہ چودہ ہزار درہم کا مزید قرضہ لیا اور اس سال بھی اس قرضے کو ادا نہ کر سکے تو اس کے بعد والے سال میں یہ عہدہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوطالب علیہ السلام سے لے لیا۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی نسل سے یہ عہدہ نکل کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی نسل میں چلا گیا۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام کی زندگی کا ایک انتہائی اہم ترین واقعہ ہمارے سامنے اس وقت آتا ہے کہ عرب کا یہ وہ دور تھا کہ جب ذرا ذرا سی بات پر لوگ تلوار نکال لیا کرتے تھے۔ شراب عام تھی اور اس قسم کے کام بالکل برائی نہیں سمجھے جاتے تھے۔ تمام تاریخوں نے یہی لکھا ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے دین اسلام کے آنے سے پہلے ہی شراب کو خود پر حرام قرار دے رکھا تھا اور عرب کے یہ دو آدمی نمایاں ترین شخصیات تھے:

① حضرت عبدالمطلب علیہ السلام ② حضرت ابوطالب علیہ السلام

باوجود اس کے کہ شراب عام تھی۔ باوجود اس کے کہ اسلام نہیں آیا تھا۔ لیکن اُنھوں نے شراب سے اپنے آپ کو ہمیشہ دور رکھا تھا۔ یہ بھی کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ذرا دیکھیں! ہم آج اس دور میں کہ جب اسلام چھا گیا ہے' اسلام کے اصول عام ہو گئے ہیں۔ اسلام کے قوانین سب کو معلوم ہیں۔ اگر ہم سے رزقِ حلال وحرام کی بات کی جائے تو طبیعت عجیب سی ہو جاتی ہے۔ چہرے اُتر جاتے ہیں' ذہن پریشان ہو جاتا ہے' ایمان ڈگمگانے لگتا ہے۔ لیکن روایت میں ہے کہ اس دور میں کہ جب حلال اور حرام کا کوئی معیار ہی نہ تھا۔ جب رزقِ حلال اور حرام میں کسی قسم کا فرق نہ تھا لیکن روایتوں میں ہے کہ اس دور میں بھی حضرت ابوطالب علیہ السلام کو رزقِ حلال کی اتنی احتیاط تھی کہ جب ایک مرتبہ خانہ کعبہ سیلاب کی زد میں آ کر تباہ ہو گیا' سیلاب آیا جس کے نتیجے میں خانہ کعبہ کی دیواریں گر پڑیں اور خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر کا مسئلہ پیش ہوا تو قریش کے تمام سردار ایک مقام پر اکٹھے بیٹھے۔ اس لیے کہ خانہ کعبہ کے متولی یہی قریش تھے۔ یہ سب لوگ وہاں پر آ کر بیٹھتے ہیں اور یہ سب وہاں پر میٹنگ کرنا شروع کرتے ہیں کہ خانہ کعبہ کی تعمیر دوبارہ کس طریقے سے کی جائے؟

طے یہ پایا کہ خانہ کعبہ کو اس طریقے سے تعمیر کیا جائے۔ چناں چہ سب چلے تاکہ خانہ کعبہ کو تعمیر کیا جائے۔ جا کر خانہ کعبہ کی دیواروں کو کھودا تاکہ نئے سرے سے مستحکم بنیادوں پر دیواریں کھڑی کی جائیں۔ لیکن جیسے ہی دیواروں کو کھودا گیا تو سب نے دیکھا کہ ایک انتہائی خطرناک قسم کا زہریلا اژدھا خانہ کعبہ کی بنیاد کے اندر بیٹھا ہوا ہے اور وہ اژدھا اس قسم کا ہے کہ جس کی شکل دیکھ دیکھ کر ہر ایک کانپا جا رہا ہے۔

تاریخ یعقوبی میں یہ واقعہ موجود ہے: سب لوگوں نے جب اس اژدھے کو دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ خانہ کعبہ بھی اس وقت ٹوٹا ہوا ہے اور اس حال میں خانہ کعبہ کو چھوڑا نہیں جا سکتا' سب گھبرا گئے۔ آخر قریش کی میٹنگ رکھی گئی جس میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا کہ کس طریقے سے خانہ کعبہ کی تعمیر کی جائے؟ اس کی بنیاد پر تو ایک اژدھے نے قبضہ جما لیا ہے۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام بھی وہاں موجود تھے' ہر ایک نے کوئی نہ کوئی رائے دی' کوئی نہ کوئی مشورہ دیا۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام کا ایمان دیکھئے اور حضرت ابوطالب علیہ السلام کی فقہ کی پابندی اس دور میں دیکھئے کہ جب فقہ کا ظاہری طور پر وجود بھی نہ تھا۔

تاریخ یعقوبی کے الفاظ ہیں!

حضرت ابوطالب علیہ السلام کہتے ہیں: اگر تم چاہتے ہو کہ خانہ خدا کی تعمیر کی جائے تو یاد رکھو کہ یہ خدا کا گھر ہے۔ جس طریقے سے تمھارا ارادہ تعمیر کرنے کا ہے تو خدا بھی اس طریقے سے تعمیر نہیں کرنے دے گا۔ ایسا کرو کہ ہم میں ہر ایک یہ عہد کرے کہ آج سے وہ نکلے گا تو صرف حلال طریقے سے روزی حاصل کرے گا۔ حلال طریقے سے کمائے ہوئے روپے جمع کیے جائیں گے۔ جب یہ پیسے اتنے ہو جائیں کہ ان سے کعبہ کی تعمیر ہو سکے تو ہم اس وقت کعبہ کی تعمیر کریں گے اور ہمارے اس وقت کے پیسے میں حرام بھی شامل ہے' اس میں جوئے کا پیسہ بھی شامل ہے' اس میں سود کا پیسہ بھی شامل ہے' اس میں دوسری قسموں کے پیسے بھی شامل ہیں' اس لیے ان پیسوں کو خانہ کعبہ کی تعمیر میں نہ لگائیں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ قریش جو حضرت ابوطالب علیہ السلام کا (اسلام سے پہلے) احترام اور تکریم کیا کرتے تھے' انھوں نے یہ بات مان لی۔ اس کے بعد قریش کے تمام لوگوں نے محنت کی اور چار دن میں اتنے پیسے جمع ہو گئے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر شروع کی جا سکے۔

اب ذرا رزقِ حلال کی اہمیت دیکھئے اور حضرت ابوطالب علیہ السلام کی احتیاط دیکھئے۔

روایت میں ہے کہ رزقِ حلال سے جب یہ لوگ سامان خرید کر تعمیر کرنے کے ارادے سے گئے تو دیکھا کہ وہ اژدھا اسی صورت میں وہاں پر بیٹھا ہے۔ سب حضرت ابوطالبؑ کی طرف مڑے' غالباً یہ شکایت کرنا چاہتے ہوں گے کہ تم نے ہمیں اتنی محنت و مشقت میں ڈالا' ہم نے رزقِ حلال کمانے میں اتنی زحمت اُٹھائی لیکن پھر بھی ہمارا کام نہ ہوا۔

یہ تاریخ یعقوبی کے الفاظ ہیں!

جیسے ہی سب حضرت ابوطالب علیہ السلام سے شکایت کرنے کی غرض سے مڑے تو دیکھا کہ آسمان سے ایک پرندہ اُڑتا ہوا آیا ہے۔ وہ اس اژدھے پر جھپٹا اور اسے اپنے پنجوں میں جکڑ کر آسمانوں کی طرف لے گیا اور خانہ کعبہ کی سرزمین مکمل طور پر ان لوگوں کی دسترس میں ہوگئی اور اس کے بعد خانہ کعبہ کی تعمیر کی گئی۔

ذرا غور کریں!

حضرت ابوطالب علیہ السلام کا یہ واقعہ تاریخ یعقوبی میں ہے۔ تاریخ یعقوبی ہماری کتاب نہیں ہے۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام کا یہ واقعہ بتا رہا ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام واقف تھے رزق حلال سے بھی' رزق حرام سے بھی اور اس سے بھی واقف تھے کہ خانہ خدا کی تعمیر کس طریقے سے اور کس انداز سے ہونی چاہیے؟

اس کے ساتھ انتہائی تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ تو حضرت ابوطالب علیہ السلام کو مسلمان ہی تسلیم نہیں کرتا۔ جب کہ روایات کے مطابق حضرت ابوطالب علیہ السلام کا ایمان پیغمبرؐ اسلام پر اتنا مستحکم تھا کہ جب بھی حضرت ابوطالب علیہ السلام دسترخوان پر بیٹھتے۔ روایت میں ہے کہ آپؑ اس وقت تک اپنے بیٹوں میں سے کسی کو لقمہ توڑنے کی اجازت نہ دیتے تھے جب تک پیغمبرؐ اسلام آ کر پہلے لقمہ نہ توڑ لیں۔ اس لیے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کا مشاہدہ یہ تھا اور ایمان یہ تھا کہ جس دن پیغمبرؐ اسلام سے پہلے کسی اور نے ہاتھ بڑھایا اس دن رزق اتنا ہی رہتا تھا جتنا آنکھوں سے نظر آ رہا ہوتا تھا اور جس دن حضرت ابوطالب علیہ السلام نے یہ دیکھا کہ پہلے میرے بھتیجے نے روٹی کو ہاتھ لگایا ہے تو روایت میں ہے کہ کھانے والے کھاتے رہتے تھے' پیٹ بھر جاتا تھا۔ لیکن دسترخوان کی کسی چیز میں کمی نہ آتی تھی۔

یہاں تک روایتیں موجود ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے بڑے بیٹے طالب علیہ السلام دسترخوان پر آ کر بیٹھے' بھوک زیادہ لگ رہی تھی۔ دودھ کا پیالہ اُٹھایا اور اُٹھانے کے بعد دودھ پینا چاہتے ہیں کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے چھین لیا۔ چھیننے کے بعد کہا: اے میرے

بیٹے! تم ابھی اس سے آزاد نہیں ہوئے جب تک کہ تمہارا بھائی آ کر پہلے اس دودھ کو استعمال نہ کرلے۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام کا ایمان تو پیغمبرؐ اسلام پر اتنا مستحکم تھا کہ روایتوں کے مطابق ایک مرتبہ مکہ میں بارش نہ ہوئی۔ جب بارش نہ ہوئی تو قحط پڑ گیا اور مکہ والے بڑے پریشان ہوئے۔ کچھ نے کہا: لات کے سامنے جا کر قربانی دیں۔ کچھ نے کہا: ہمیں عُزّیٰ کے سامنے جا کر قربانی دینی چاہیے۔ کچھ نے کہا: ہمیں ہُبل کی پوجا کرنی چاہیے۔ ہر ایک اپنی اپنی بات کہہ رہا تھا۔ اچانک کسی بزرگ نے کھڑے ہو کر کہا: اے قبیلہ قریش کے لوگو! تم کس کی طرف جا رہے ہو؟ اِس کی طرف اور اُس کی طرف تو جا رہے ہو لیکن اُس ہستی کی طرف نہیں جاتے جو فرزند ابراہیم علیہ السلام ہے اور اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں سب سے اعلیٰ ہے۔

صرف اتنا جملہ کہا کہ جو فرزند ابراہیم علیہ السلام ہے اور اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں سب سے اعلیٰ ہے۔ روایت میں ہے کہ بے ساختہ تمام مکہ والوں کی زبان پر یہ جملہ آیا: کیا آپ کی مراد حضرت ابوطالب علیہ السلام ہیں؟

اس نے کہا: ہاں! میری مراد حضرت ابوطالب علیہ السلام ہی ہیں۔

آپ ذرا دیکھیں کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کا ایمان پیغمبرؐ اسلام پر کتنا مستحکم ہے۔

میں پھر ایک مرتبہ بتا دوں کہ ہماری یہ گفتگو شیعہ کتابوں سے نہیں ہو رہی۔

ہماری کتابوں میں تو حضرت ابوطالب علیہ السلام کا مقام اور مرتبہ یہاں تک بتایا گیا ہے کہ ہر پیغمبرؐ نے اپنے بعد اپنا ایک جانشین بنایا اور حضرت ابوطالب علیہ السلام حضرت اسماعیلؑ کے براہِ راست جانشین تھے۔ جنھیں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرف سے تمام تبرکات اور تمام انبیاءؑ کی چیزیں ملی تھیں تاکہ وہ پیغمبرؐ اسلام تک پہنچائیں۔ اس سے قطع نظر عام مسلمانوں کی تاریخ سے واقعات سنیں تو بھی معلوم ہوتا ہے کہ کتنا مستحکم ایمان تھا حضرت ابوطالب علیہ السلام کا پیغمبرؐ اسلام پر کہ تمام مکہ والے ابوطالب علیہ السلام کے دروازے پر آئے کہ چلو اور چل کر بارش کے لیے دعا کرو۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے لیے کتنا اچھا موقع تھا اپنے مرتبے اور اپنی عزت میں اضافے کا کہ

تمام مکہ والے میرے سامنے جھک گئے ہیں۔ لیکن روایت میں ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے جب سنا تو کہا: میں اپنے بھتیجے کو لے کر آتا ہوں اس کے بعد تمھارے ساتھ نکل کر بارش کی دعا کروں گا۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام گھر میں آتے ہیں' سب سے پہلے رسولؐ اکرم کا ہاتھ پکڑتے ہیں' لے کر چلتے ہیں۔ جب میدان میں پہنچتے ہیں تو پیغمبرؐ اسلام سے کہتے ہیں: آپؐ دعا کریں اس لیے کہ خدا آپؐ کی دعا کو فوراً قبول کرے گا۔

پیغمبرؐ اسلام نے دعا کی۔

روایت میں ہے کہ اتنی بارش ہوئی کہ اہل مکہ کئی سال تک مزید بارشوں سے مستغنی ہو گئے۔ پیغمبرؐ اسلام پر حضرت ابوطالب علیہ السلام کا ایمان اتنا مستحکم تھا کہ روایت کے مطابق جب حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے آخری وقت میں حضرت ابوطالبؑ کو بلایا اور کہا: اے ابوطالبؑ! میں اپنے اس پوتے کو تمھاری نگرانی میں دے کر جا رہا ہوں۔ تم اس کی حفاظت کرنا اور اسے دشمنوں سے بچانا۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام کے الفاظ یہ تھے: بابا! آپؑ کو ضرورت نہ تھی مجھے وصیت کرنے کی اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ یہ بچہ کون ہے اور آپؑ مجھے کہتے یا نہ کہتے میں ضرور اس کی حفاظت کرتا اور میں اس وقت تک اس کو دشمنوں سے بچاتا جب تک کہ یہ اس مقام کا اعلان نہ کرتا جس کا اس سے وعدہ کیا گیا۔

کس نے وعدہ کیا؟ کس نے بتایا؟

اس کا انکشاف حضرت ابوطالب علیہ السلام نے نہیں کیا۔

بس!

اتنا کہا: اُس وقت تک میں اس کی حفاظت کرتا جب تک یہ اس مقام کا اعلان نہ کرتا جس کا اس سے وعدہ کیا گیا۔

ایک طرف تو حضرت ابوطالب علیہ السلام کا پیغمبرؐ اسلام پر اتنا مستحکم ایمان اور دوسری طرف

عام مسلمانوں کو حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ایمان میں شک ہو گیا اور شک کی بنیاد تین یا چار روایتیں ہیں۔

لیکن یاد رکھیے!

حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ایمان کے بارے میں جتنی روایتیں ہمارے پاس آئی ہیں وہ صرف دو سلسلوں سے ہیں۔

ہمارے پاس سے مراد ہے عام مسلمانوں کے پاس!

ایک سعید ابن مسیب کے حوالے سے، جس نے تین روایتیں الگ الگ نقل کی ہیں کہ وقت آخر پیغمبرؐ اسلام، حضرت ابوطالب علیہ السلام کے سرہانے پہنچے اور کہا: اے میرے چچا! اب تو اسلام لے آیئے اور اب تو میری رسالت کا اقرار کیجیے۔

سعید ابن مسیب کی روایت یہ ہے: حضرت ابوطالب علیہ السلام نے جواب دیا: اے میرے بھتیجےؐ! کیا کروں آخری وقت میں اپنے باپ دادا کا دین چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔

سعید کہتا ہے: یہی کہہ کر آپؑ حالت کفر میں مر گئے۔

کچھ روایتیں سعید ابن مسیب کے حوالے سے ہیں اور دو روایتیں حضرت ابوہریرہ کے حوالے سے ہیں۔

بس!

مسلمانوں کی کتابوں میں پانچ روایتیں موجود ہیں۔ جن میں حضرت ابوطالبؑ کے کفر کی حالت میں مرنے کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ان پانچ کے علاوہ کسی بھی قسم کی کوئی روایت نہیں ہے۔ لیکن اگر ان پانچوں روایتوں پر غور کریں تو پتا چلتا ہے کہ یہ پانچوں کی پانچوں روایتیں بالکل ساقط ہیں۔ اس اعتبار سے ساقط ہیں کہ جو روایتیں حضرت ابوہریرہ کی ہیں اور حضرت ابوہریرہ کے الفاظ یہ ہیں کہ وقت آخر پیغمبرؐ اسلام نے اپنے چچا ابوطالب علیہ السلام سے کہا اور یہ کہہ کر وہ پورا واقعہ نقل کرتے ہیں۔ تمام مسلمان متفق ہیں۔ ایک مسلمان کو اس سے انکار کی مجال نہیں۔ یہاں تک کہ انتہائی محتاط سے محتاط مؤرخ بھی یہ کہتا ہے: حضرت ابوہریرہ ۷ ہجری میں اسلام کا

اقرار کر چکے تھے۔ ۷ ہجری میں اِسلام کا اقرار کیا۔ اس سے پہلے یمن کے اندر موجود تھے۔ پیغمبرؐ اِسلام اور حضرت ابوطالب علیہ السلام کا واقعہ مکہ کا ہے مدینے کا نہیں ہے۔ مکہ کے اندر نہ حضرت ابوہریرہ کا پتا تھا نہ ان کے اِسلام کا پتا تھا' نہ اس کی روایتوں کا پتا تھا۔ ۷ ہجری کے اندر حضرت ابوہریرہ اِسلام لائے اور وہ بھی کب؟ جب جنگِ خیبر فتح ہوئی تھی اور کیوں اِسلام لائے؟

اس کی وضاحت اِن شاء اللہ! کسی اور موقع اور مقام پر کریں گے۔

۷ ہجری میں وہ اِسلام لائے یا اپنے اِسلام کا اظہار کیا۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام کا انتقال آٹھ سال پہلے ہو رہا ہے اور حضرت ابوہریرہ کا دور تک نشان تک نہیں۔ جب کہ حضرت ابوہریرہ براہِ راست روایت کو نقل کر رہے ہیں۔ اس لیے کہ ہر مسلمان محدث یہ کہنے پر مجبور ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ حضرت ابوہریرہ جب وہاں موجود ہی نہ تھے تو ان کی روایت کو ہم قبول کیسے کر لیں؟

یہ بھی آپ کے ذہن عالی میں رہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام سے اتنی دشمنی کی وجہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی ذات نہیں بل کہ تمام علمائے تشیع کا اتفاق ہے کہ اگر حضرت ابوطالب علیہ السلام' حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے والد نہ ہوتے تو کسی کو غرض نہیں تھی کہ ان کے ایمان کو کوئی غلط ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتا۔

بنیادی وجہ!

یہ وجہ اس لیے بتا رہا ہوں کہ آپ یہ نہ سوچیں کہ ہم تو حضرت علی علیہ السلام کی گفتگو سننے آئے ہیں۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کا تذکرہ نہیں۔ اس بات پر تمام علما کا اتفاق ہے کہ اگر حضرت ابوطالب علیہ السلام' حضرت امیرالمومنینؑ کے والد نہ ہوتے تو کوئی مسلمان بھی ان کے اِسلام اور ان کے ایمان کا انکار نہ کرتا۔ ان کی صرف اور صرف یہی فضیلت کہ وہ علی علیہ السلام کے والد ہیں اور جب دوسروں کے والد غلط ہیں تو علی علیہ السلام کے والد کیسے صحیح رہیں؟ اسی جذبہ حسد نے مجبور کیا کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے بارے میں حضرت ابوہریرہ سے اس طرح کی روایات نقل کرائیں اور یہاں تک روایت ہے کہ پیغمبرؐ اِسلام نے وقتِ آخر حضرت ابوطالب علیہ السلام کے لیے

مغفرت کی دعا کرنا چاہی تو ایک مرتبہ حکم خدا نازل ہو گیا:

"اے نبی ﷺ! تم مشرکین کے حق میں دعا نہ کرو اس لیے کہ خدا تمھاری دعا کو قبول نہ کرے گا۔"

اب ذرا غور کریں!

حضرت ابوہریرہ کی ایک حدیث اس ضمن میں ہے کہ میری ماں کافرہ تھی' میری ماں مشرکہ تھی۔ میں پیغمبرؐ اسلام کے پاس پہنچا تو پیغمبرؐ اسلام نے ہاتھوں کو پھیلایا اور دعا کی: خداوندا! اس کی ماں کو مسلمان کر دے اور پیغمبرؐ اسلام کی دعا کے نتیجے میں ایک دن کے اندر میری ماں مسلمان ہو گئی۔

اب اس ماں کی خصوصیت کیا تھی؟

صرف اتنی خصوصیت تھی کہ وہ حضرت ابوہریرہ کی ماں تھی۔ اسی لیے اس کو مسلمان بھی کرنا تھا' مومن بھی کرنا تھا اور جتنی فضیلتیں ممکن تھیں وہ بھی دینی تھیں اور حضرت ابوطالب علیہ السلام کی یہ واحد خصوصیت کہہ لیجیے یا واحد وجہ دشمنی کہ وہ علی علیہ السلام کے والد تھے۔ اس لیے ان کے اسلام کا بھی انکار کرنا تھا' ان کے ایمان کا بھی انکار کرنا تھا۔ ایک تو حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے۔ ہم انتہائی احتیاط کے ساتھ یہی کہہ سکتے ہیں کہ غالباً حضرت ابوہریرہ اس قسم کی روایت نقل بھی نہ کرتے بلکہ کسی اور دشمن اسلام نے ان کی طرف سے روایت گھڑ کر کتابوں کے اندر شامل کر دی ہے۔

دوسری روایت سعید ابن میتب کی ہے۔

سعید ابن میتب اپنے باپ میتب سے نقل کرتے ہیں اور میتب خود کہتے ہیں: میں نے سنا کہ پیغمبرؐ اسلام نے ابوطالب علیہ السلام کو اسلام کی دعوت دی اور انھوں نے ٹھکرا دیا۔

آپ نے دیکھا کہ میتب "سمعتُ" کا لفظ استعمال کر رہے تھے "میں نے سنا" جب کہ تمام مورخین متفق ہیں کہ یہ میتب بھی مکہ کے اندر دور دور تک موجود نہیں تھے اور مدینے کے اندر مسلمانوں میں شامل ہوئے اور روایت بھی ان کے بیٹے کی ہے اور ان کے بیٹے کو اہل بیتؑ

سے اتنا بغض تھا کہ روایت ہے: جب چوتھے امامؑ کی شہادت ہوئی اور ان کا جنازہ مسجد نبویؐ میں لایا گیا تا کہ نمازِ جنازہ پڑھائی جائے تو تمام کے تمام مدینے والے نمازِ جنازہ پڑھنے کے لیے آ گئے۔ اس لیے کہ چوتھے امامؑ کی عزت اور احترام تمام اہل مدینہ کیا کرتے تھے۔ صرف سعید ابن میسب وہ شخص ہے کہ جو مسجد میں بیٹھے تھے' جنازے کو آتا دیکھا تو ایک مرتبہ بھی اپنی جگہ سے حرکت نہ کی۔

لوگوں نے سوال کیا: اے سعید ابن میسب! اس عظیم ہستی کا جنازہ آیا ہے' کتنی شان و شوکت سے جنازہ آیا ہے کیا تم ان کی نمازِ جنازہ میں شرکت نہ کرو گے؟

اس نے کہا: میرے نزدیک (فارغ) بیٹھنا یا لہو ولعب میں مصروف ہو جانا زیادہ بہتر ہے اس کی نمازِ جنازہ میں شریک ہونے سے (استغفراللہ)۔

آپ نے دیکھا!

تمام مدینہ والوں نے شرکت کی لیکن سعید ابن میسب نے چوتھے امامؑ کے جنازے میں شرکت نہیں کی۔ جو اتنا دشمن اہل بیتؑ ہو' وہ روایت نقل کرتا ہے اپنے باپ سے کہ میرے باپ نے سنا۔ جب کہ اس کا باپ اس وقت مکہ میں موجود بھی نہ تھا اور بالکل آخری زمانے میں مدینے کے اندر اِسلام لایا۔

یہ دو راوی ہیں۔ اگر ان دو راویوں کو ختم کر دیں تو حضرت ابوطالب علیہ السلام کے سلسلے میں اور کوئی روایت باقی نہیں رہتی' جس سے ان کے کفر کا اظہار بلکہ کفر کا شائبہ بھی ہو۔ ہمارے تمام ائمہ کرامؑ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ایمان پر متفق ہیں۔

آٹھویں امامؑ کی روایت ہے: جس نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ایمان کا انکار کیا اس نے جہنم میں جانے کا راستا خود اپنے ہاتھوں سے تیار کر لیا۔

گیارھویں امامؑ کے الفاظ یہ ہیں:

''حضرت ابوطالب علیہ السلام مومن آلِ فرعون کی طرح اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھے۔''

چوتھے امامؑ کے الفاظ یہ ہیں:

"کتنے تعجب کی بات ہے کہ خدا رسولؐ اکرم کو حکم دے: تم مومن مردوں کو کافر عورتوں سے اور مومنہ عورتوں کو کافر مردوں سے جدا کرو اور خود حضرت فاطمہؑ بنت اَسدؑ کو حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ساتھ دس سال تک رکھے؟"

چھٹے امامؑ کا ارشاد یہ ہے:

"جس نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کو کافر کہا اس نے اپنا ٹھکانا آتش جہنّم میں بنا لیا۔"

حضرت ابوطالب علیہ السلام پر ہماری گفتگو نہیں ہے بل کہ مختصر بات بیان کرنا تھی کہ حضرت علی علیہ السلام کی دشمنی میں جب لوگ یہاں تک پہنچے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام جیسے محسن اِسلام کے اِسلام اور ایمان کا انکار کر دیا۔

کہنے والوں نے یہ کہا: ابولہب جو پیغمبرؐ اِسلام کا چچا تھا اور اتنا بدترین دشمن تھا کہ "تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ" کے سورہ نے آ کر گواہی دی۔ کہنے والوں نے یہ کہا: وہ جہنّم میں ہے لیکن جہنّم کے عذاب سے بالکل بَری ہے اور روایتوں میں یہ ہے: پیر کے دن اسے جہنّم کا عذاب نہیں ہوتا۔

وجہ کیا ہے؟

وجہ وہی ہے کہ جو روایت مسلمانوں کے روایت بنانے کے کارخانے سے بن کر آئی تھی کہ ابولہب کی ایک لونڈی، ایک کنیز تھی، جس کا نام ثُوَیبہ تھا۔ پیغمبرؐ اِسلام کی ولادت کے بعد اس نے اپنی کنیز کو حکم دیا: تم جا کر میرے مرحوم بھائیؑ کے بیٹےؐ کو دودھ پلایا کرو۔ چوں کہ ابولہب نے اپنی کنیز پیغمبرؐ اِسلام کے لیے وقف کر دی تھی اس لیے اُس کی پیر کے دن ولادت ہوئی اور اس نے پیر کے دن اپنی کنیز بھجوائی، اس لیے پیر کے دن ابولہب جہنّم کے عذاب سے آزاد ہو جاتا ہے۔

وہ ابولہب کہ جس کی دشمنی رسالت پر قرآن گواہ ہے اس کو اگر فضیلت دینے پر آئیں تو

اتنی بڑی فضیلت دے دیں گے۔ اس لیے کہ اس نے اپنی کنیز سے پیغمبرؐ اسلام کی ایک دن یا ایک مہینہ خدمت کرائی اور وہ ابوطالب علیہ السلام کہ جنھوں نے ترپن (۵۳) سال تک پیغمبرؐ اسلام کو ہر دُکھ اور ہر پریشانی سے نجات دلائی۔ روایات یہ ہیں:

''وہ جہنم کے اندر ہیں اور جہنم کے سب سے نچلے گڑھے کے اندر ہیں۔
اس لیے کہ وہ حالت شرک میں مرے اور ان کو وہی مقام ملا جو مشرکین کا مقام ہے۔''

اس میں امیرالمومنین علیہ السلام کی دشمنی ہے۔ جب دشمنی امیرالمومنین علیہ السلام کے اندر یہ حالت ہے کہ لوگوں نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کو نہ چھوڑا تو خود امیرالمومنین علیہ السلام کے خلاف کیا کیا روایتیں نہ بنائی گئی ہوں گی اور یہی ہماری گفتگو مولاؑ کی سیرت پر ہونے والی تھی۔ میں نے جس کی تمہید میں اتنی لمبی چوڑی گفتگو کی۔

امیرالمومنین علیہ السلام کی دو کنیتیں زیادہ مشہور ہیں:

① ابوترابؑ ② ابوالحسنؑ

لیکن ایک تیسری کنیت بھی مولائے کائنات علیہ السلام کی ہے۔ اس کے غیر مشہور ہونے کی وجہ یہی واقعات ہیں جو آپ نے سنے اور وہ ہے ابوزینبؑ۔ اس لیے کہ معاویہ، یزید اور اس کے بعد کے دور میں امیرالمومنین علیہ السلام کا نام لینا اتنا بڑا جرم بن گیا تھا کہ جو علی علیہ السلام کا نام لیتا تھا وہ بغیر کسی تحقیق کے واجب القتل قرار پاتا تھا۔ اس چیز کی تحقیق بھی نہیں کی جاتی تھی کہ اس نے علی علیہ السلام کا نام محبت میں لیا ہے یا عداوت میں۔

نہیں!

نام علی علیہ السلام کسی کی زبان پر آتا تو حکم آتا تھا کہ اس کی گردن کو اُڑا دیا جائے۔ اس وقت امیرالمومنین علیہ السلام کے جتنے بھی شیعہ تھے وہ امیرالمومنین علیہ السلام کے لیے ابوزینبؑ کا لقب استعمال کرتے تھے اور اِن شاء اللہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی گفتگو میں آئے گا کہ حضرت زینبؑ کا احسان اس پہلو سے بھی ہے کہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے نام کی وجہ سے امیرالمومنین علیہ السلام

کی بے شمار روایتیں ہم تک پہنچ پائیں۔

امیر المومنین علیہ السلام کی دشمنی میں مسلمان اتنے زیادہ بڑھ گئے تھے (شدت پسند ہو گئے تھے) کہ نہ صرف یہ کی علیؑ سے دشمنی تھی بل کہ علی علیہ السلام سے تعلق رکھنے والی ہر چیز سے مسلمانوں کو دشمنی تھی اور دشمنی کی انتہا یہ جو ہم بار بار بتایا کرتے ہیں۔ لیکن اس موضوع پر آنے سے پہلے ہم ایک چیز کا تذکرہ کرتے چلیں کہ ہماری یہ گفتگو عام مسلمانوں سے نہیں بل کہ ہماری گفتگو صرف اپنا عقیدہ رکھنے والے، اس قسم کے عقائد رکھنے والوں سے ہے کہ جو امیر المومنین علیہ السلام کو خلیفہ بلافصل تسلیم کرتے ہیں۔ چناں چہ وہ تمام (عامۃ المسلمین) کہ جو اگر بدقسمتی سے ہماری یہ تقریر سن بیٹھیں تو ان سے ہم معذرت کر لیتے ہیں کہ ہمارا نہ ان کے جذبات کو ٹھیس پہنچانا مقصد ہے نہ ان کے آبا و اجداد کو برا بھلا کہنا ہدف ہے بل کہ اپنے مجمع میں، اپنے عقیدے کی روشنی میں اپنے امامؑ کے حالات بیان کرنا مقصود ہے۔

آئیے! امیر المومنین علیہ السلام کے موضوع پر گفتگو شروع کریں!

تھوڑا تاریخی پس منظر سن لیں تاکہ یہ حقیقت واضح ہو کر آپ کے سامنے آسکے کہ کس طرح امیر المومنین علیہ السلام کے حالات اس حد تک پہنچے۔ یہ خدا کا ایک معجزہ ہے۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے بیان میں آپ نے سنا کہ تمام تر دشمنی کی وجہ یہ تھی کہ وہ علی علیہ السلام کے باپ تھے اور علی علیہ السلام کی دشمنی میں مسلمان اس حد تک آگے بڑھ چکے تھے کہ ہم اس سے پہلے بھی بار بار بتا چکے ہیں کہ دمشق کا شہر (جو اسلامی حکومت کا دارالخلافہ تھا) وہاں ایک قانون تھا، جیسا آپ کے شہر میں ہے کہ کوئی گاڑی اس وقت تک سڑک پر نہیں نکل سکتی جب تک کہ اس پر نمبر پلیٹ نہ لگی ہو۔ اس زمانے میں بھی یہ قانون تھا کہ کوئی بھی سواری (اس دور کی سواریاں یا تو گدھے ہوتے تھے یا گھوڑے ہوتے تھے یا خچر ہوتے تھے)۔ اس وقت تک دمشق کی سڑکوں پر نہیں چل سکتی تھی جب تک کہ اس پر ایک نمبر پلیٹ نہ لگی ہو۔

نمبر پلیٹ کیا رکھی گئی تھی؟

نمبر پلیٹ یہ رکھی گئی تھی کہ ہر سواری وہ گھوڑا ہو، گدھا ہو یا خچر ہو اس کے پاؤں کے

نیچے لوہے کی نعل ہونا ضروری تھا اور اس لوہے کی نعل پر علی علیہ السلام کا نام ہونا ضروری تھا تاکہ جس وقت یہ سواری دمشق کی سڑکوں پر چلے اور نامِ علیؑ دمشق کی سڑکوں پر روندا جائے اور دشمنانِ علیؑ کے کلیجوں کو ٹھنڈک محسوس ہو۔

وہ حکومت اور وہ ماحول جس کے اندر قانون یہ بنا ہوا تھا کہ کوئی شخص پیش نماز نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ حکومت کے اس قانون کی پابندی نہ کرے اور حکومت کا قانون یہ تھا کہ اپنی ہر نماز میں دعائے قنوت پڑھتے وقت یہ پڑھے:

رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

''خداوندا! ہمیں دنیا کی نیکیاں بھی عطا کر اور آخرت کی نیکیاں بھی عطا کر اور ہمیں جہنم کی آگ سے بچا۔''

اور اس کے فوراً بعد یہ پڑھے:

اَللّٰهُمَّ وَالعَن......

''خداوندا! علیؑ اور اولادِ علیؑ پر لعنت بھیج۔'' (معاذ اللہ)

جب تک یہ دعا کوئی پیش نماز اپنی نماز میں شامل کرنے پر راضی نہ ہوتا تو اس وقت تک اسے نمازِ باجماعت پڑھانے کا سرٹیفکیٹ نہ ملتا۔

وہ ماحول اور وہ حالات جن کی موجودگی میں امیرالمومنین علیہ السلام کے فضائل ہم تک پہنچے کہ جب ایک حکم جاری ہو چکا تھا کہ جو علی علیہ السلام کا نام لے وہ تو ہے ہی واجب القتل۔ لیکن جس کا نام علی علیہ السلام کے نام پر ہو۔ جب کہ پیغمبرِؐ اسلام کے کچھ اور صحابی بھی علی کہلاتے تھے۔ لیکن حکم تھا کہ جس کا نام علیؑ کے نام پر ہو یا حسنؑ کے نام پر ہو یا حسینؑ کے نام پر ہو (حسن علیہ السلام اور حسین علیہ السلام سے دشمنی اس لیے تھی کہ وہ علی علیہ السلام کے بیٹے ہیں)۔ ان سب لوگوں کی گردنیں اُڑا دی جائیں۔

یہاں تک روایت ملتی ہے کہ حجاج بن یوسف' جو اپنے زمانے کا ظالم ترین اور سنگ دل ترین شخص تھا' بیٹھا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص آ رہا ہے روتا ہوا' پیٹتا ہوا۔

حجاج بن یوسف بہت ظالم آدمی تھا' اس پر اس شخص کے رونے کا تو کوئی اثر نہ ہوا۔

حجاج نے صرف اتنا سوال کیا: اے شخص! تُو! اتنا غم کیوں کر رہا ہے؟

جواب دیا: میرے باپ نے مجھ پر ایک ظلم کیا ہے۔ اس ظلم کی وجہ سے میں اتنا غم کر رہا ہوں۔

حجاج بن یوسف نے سنا اور تعجب کیا اور حقیقتاً بہت تعجب کی بات تھی کہ ایک باپ اپنے بیٹے پر ظلم کرے۔

کہا: تیرے باپ نے تجھ پر کیا ظلم کیا ہے؟

کہا: اے حجاج! میرے باپ نے مجھ پر یہ ظلم کیا ہے کہ میرا نام علی رکھ دیا ہے۔

اب ذرا دیکھیں!

کیا ذہنیت ہو گئی تھی اس زمانے کے لوگوں کی کہ علی نام سب سے بڑا ظلم سمجھا جا رہا تھا۔

حجاج بن یوسف ایک مرتبہ خوش ہوا' اتنا خوش ہوا کہ روایت میں ہے کہ ایک انتہائی مال دار صوبے کا گورنر اسے بنا دیا کہ اے شخص! تُو نے بالکل صحیح ظلم کی نشان دہی کی ہے۔ اس لیے ہماری طرف سے یہ انعام قبول کر۔

کتنا نازک اور کتنا ظالم زمانہ تھا کہ جس میں علی علیہ السلام کا نام رکھنا اتنا بڑا ظلم سمجھا جاتا تھا۔ علی علیہ السلام کا نام رکھنے کا مطلب اپنے آپ کو قتل کرانا ہوتا تھا۔ جب ایک پوری نسل کو اس طرح گزار دیا گیا تو کسی نے ایک مرتبہ کسی شامی سے پوچھا: کیا تُو نے علیؑ کا نام سنا ہے؟

جواب دیا: ہاں! میں نے علی علیہ السلام کا نام سنا ہے۔

کہا: علی علیہ السلام کون ہے؟

کہا: علی علیہ السلام تو (معاذ اللہ) عرب کا مشہور ڈاکو ہے۔ جس کی شادی پیغمبرؐ اسلام کی بیٹی حضرت فاطمہؑ سے ہوئی تھی اور جو پیغمبرؐ اسلام کی بیوی عائشہ کا بدترین دشمن تھا۔

اس ماحول کے اندر اور اس تاریخی پس منظر کے اندر ایک پوری نسل کو پروان چڑھایا گیا تاکہ امیر المومنین علیہ السلام کے فضائل ہم تک نہ پہنچنے پائیں۔

روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ سوال کر کے مسکرا دیا۔

کہا: میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تیری تاریخی معلومات پر تعجب کروں یا جغرافیائی معلومات پر تعجب کروں یا دینی معلومات پر تعجب کروں؟

لیکن یہ دیکھیں!

ہنسنے کے ساتھ ساتھ قابل غور بات یہ ہے کہ جس ماحول میں ایک نسل کو پروان چڑھایا گیا علی علیہ السلام کی دشمنی میں اُس کی بنیادی وجہ کیا تھی؟

وجہ یہ تھی کہ جسے مصر کے تمام مؤرخین نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے: علی علیہ السلام سے دشمنی کی بنیادی وجہ صرف ایک تھی اور وہ وجہ یہ تھی کہ جتنے لوگ اِسلام لائے ان میں اکثریت ان لوگوں کی تھی کہ جس کسی کا بیٹا علی علیہ السلام کے ہاتھ سے مارا گیا یا باپ علی علیہ السلام کے ہاتھ سے مارا گیا یا بھائی علی علیہ السلام کے ہاتھ سے مارا گیا تو عربوں کے اندر نسل در نسل چلنے والی دشمنی تو مشہور ہے۔ اس لیے یہ سارے کے سارے اِسلام تو لا چکے تھے۔ لیکن ان کے دل میں علی علیہ السلام سے انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی کہ علی علیہ السلام نے بدر میں ہمارے خاندان والوں کو قتل کیا' علی علیہ السلام نے اُحد میں ہمارے خاندان والوں کو قتل کیا' علی علیہ السلام نے خندق میں ہمارے خاندان کے فرد کو قتل کیا۔ یہی دشمنی علی علیہ السلام سے ان کی چلی آ رہی تھی جس کی وجہ سے انھوں نے ہر موقع پر کوشش کی کہ علی علیہ السلام کا نام لوگوں کے سامنے نہ آنے پائے۔ علی علیہ السلام کے فضائل لوگوں کے سامنے نہ آنے پائیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ذرا دوسری طرف احسانِ خداوندی دیکھیں کہ جتنی کوشش کی لوگوں نے علی علیہ السلام کے نام کو چھپانے کی اتنا ہی تمام مسلمان مجبُور ہو گئے علی علیہ السلام کے سامنے جھکنے پر اور اس کی تھوڑی سی تاریخی وجہ ہم بتا دیں۔

وہ یہ کہ تمام کے تمام مسلمان' جتنے مسلمان ہیں ان کے پاس اُصولِ دین کے سلسلے میں تین عقیدے ہیں۔ تین عقیدوں کے سوا مسلمانوں کے پاس چوتھا عقیدہ نہیں ہے۔

ایک عقیدہ ہمارا عقیدہ ہے کہ جو عقیدہ امامیہ' عقیدہ جعفریہ' عقیدہ خاصہ کہلاتا ہے' دوسرا عقیدہ معتزلہ کا عقیدہ تھا اور تیسرا عقیدہ ابوالحسن اشعری کا عقیدہ تھا اور آج کل کے ہمارے برادرانِ اہلِ سنت کی اکثریت اُصولِ دین کے اندر ابوالحسن اشعری کے عقیدے پر عمل کرتی ہے۔

ابوالحسن اشعری کا اُصولِ دین میں اپنا عقیدہ تھا۔ ایک عقیدہ معتزلہ کا تھا اور ایک عقیدہ ہمارا ہے۔

اتفاق سے بل کہ یہ خدا کا احسان کہیں یا خدا کی مصلحت کہیں یا امیرالمومنین علیہ السلام کے فضائل کی برکت کہیں کہ ہمارا جتنا عقیدہ ہے ہم سب جانتے ہیں کہ ہمیں جو کچھ ملا وہ امیرالمومنین علیہ السلام کے گھر ہی سے ملا۔ لیکن اس کے بعد ابوالحسن اشعری وہ ہے کہ جس نے ایک مکمل عقیدہ بنا کر مسلمانوں میں اس طرح رائج کیا کہ آج مسلمانوں کی اکثریت اشعری عقائد کی حامل ہے۔ اس کے بھی تمام تر عقائد امیرالمومنین علیہ السلام کے پاس سے آئے تھے۔ اس لیے کہ ابوالحسن اشعری شاگرد تھا ابوعلا جواری کا' اور آج کل کے دور جیسا شاگرد نہیں تھا کہ جو سال میں تین سو پینسٹھ (۳۶۵) دنوں میں سے تین سو چونسٹھ دن (۳۶۴) چھٹی کرتا ہے۔ ایک دن شاگردی کرتا ہے۔ وہ تو پرانے زمانے کا ماحول تھا کہ شاگرد رہتا بھی استاد کے گھر میں تھا۔ چوبیس گھنٹے اپنے استاد کے ساتھ گزارتا تھا۔ اس طرح سے گزارتا تھا کہ امام ابوحنیفہ کی گواہی موجود ہے:

لَوْلَا السَّنَتَانِ لَهَلَكَ النُّعْمَانُ

"یہ دو سال جو میں نے گزارے چھٹے امامؑ کے ساتھ۔"

کس طرح سے؟

اس طرح سے نہیں کہ نو بجے گھنٹی بجی تو پہنچ گئے اور دو بجے گھر چلے آئے۔

نہیں!

تمام دن اور رات اپنے استاد کے ساتھ گزارنا پڑتے تھے۔ جتنا علم کسی کو ملتا تھا تو اپنے استاد سے ملتا تھا۔

ابوالحسن اشعری شاگرد ہے ابوعلا جواری کا اور ابوعلا جواری شاگرد ہے واصل ابن عطا کا۔ واصل ابن عطا شاگرد ہے امیرالمومنین علیہ السلام کے پوتے ہاشم کا اور ہاشم شاگرد ہے اپنے باپ حضرت محمد بن حنفیہ علیہ السلام کا اور محمد بن حنفیہ علیہ السلام شاگرد ہیں امیرالمومنین علیہ السلام کے۔ یوں ابوالحسن

اشعری کا تمام سلسلہ جا ملتا ہے امیر المومنین علیہ السلام سے۔

اب آیئے!

تیسرا عقیدہ اُصولِ دین میں ہے معتزلہ کا۔ معتزلہ کا عقیدہ شروع کیا ہے اس شخص نے کہ جس کا نام واصل ابن عطا تھا۔

اور یہ عقیدہ کیا ہے؟

اس کی تفصیل اِن شاء اللہ! آٹھویں امامؑ کی گفتگو میں آئے گی اس لیے کہ آٹھویں امامؑ کے ان سے کثرت سے مناظرے ہوتے رہے۔

واصل ابن عطا شاگرد ہے ہاشم کا اور ہاشم شاگرد ہے محمد ابن حنفیہ علیہ السلام کا اور محمد حنفیہ علیہ السلام شاگرد ہیں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے۔

عقائد میں تین گروہ ہیں مسلمانوں کے اور تینوں کے تینوں گروہ اپنے اپنے سلسلے کو امیر المومنین علیہ السلام تک لے جاتے ہیں۔

فروعِ دین یا احکام فقہ میں پانچ گروہ ہیں مسلمانوں کے: ایک ہمارا گروہ یعنی امامیہ، دوسرا گروہ حنبلی، تیسرا شافعی، چوتھا حنفی، پانچواں مالکی۔

اتفاق سے یہ پانچوں کے پانچوں بھی اپنا سلسلہ امیر المومنین علیہ السلام تک لے جاتے ہیں۔ امامیہ کا سلسلہ تو واضح طور پر امیر المومنین علیہ السلام سے ہے اس لیے کہ گیارھویں امامؑ کی حدیث دسویں امامؑ کی ہے۔ دسویں امامؑ کی حدیث نویں امامؑ کی ہے۔ یہاں تک کہ دوسرے امامؑ کی حدیث پہلے امامؑ کی حدیث ہے۔ پورا سلسلہ ایک ہے۔

فقہ حنفی امام ابوحنیفہ کی ہے جس کی بنیاد رکھی امام محمد نے۔ امام محمد شاگرد ہے امام ابوحنیفہ کا اور امام ابوحنیفہ شاگرد ہے چھٹے امامؑ کا اور چھٹے امامؑ سے یہ سلسلہ امیر المومنین علیہ السلام تک پہنچ جاتا ہے۔

امام شافعی کی فقہ، فقہ شافعی کہلاتی ہے۔ امام شافعی شاگرد ہے امام محمد کا۔ امام محمد نے علم حاصل کیا امام ابوحنیفہ سے۔ انھوں نے علم حاصل کیا چھٹے امامؑ سے اور یہاں سے سلسلہ مولائے

کائنات علیہ السلام تک پہنچا۔

فقہ حنبلی پر چلیں تو فقہ حنبلی بھی اپنے آپ کو امیر المومنین علیہ السلام سے متصل کرتی ہے۔ اس لیے کہ امام احمد ابن حنبل شاگرد ہے امام شافعی کا' امام شافعی شاگرد ہے امام محمد کا۔ وہ شاگرد ہے امام ابوحنیفہ کا اور وہ شاگرد ہے چھٹے امامؑ کا۔ چھٹے امامؑ سے یہ سلسلہ آگے بڑھتا ہوا امیر المومنین علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔

اب رہ گئی فقہ مالکی' فقہ مالکی براہِ راست امیر المومنین علیہ السلام تک آتی ہے۔ اس لیے امام مالک شاگرد تھے رفیعہ کے۔ رفیعہ شاگرد تھے عکرمہ کے' عکرمہ شاگرد تھے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ براہِ راست شاگرد تھے مولائے کائنات علیہ السلام کے۔

مسلمانوں کے اُصولِ دین ہوں یا فروعِ دین ہوں سارے کے سارے امیر المومنین علیہ السلام کے حوالے سے ہم تک پہنچے۔ ایک طرف وہ ماحول کہ جس میں علی علیہ السلام کا نام رکھنا بہت بڑا جرم تھا۔ وہ ماحول کہ ہر عربی کے دل میں علی علیہ السلام کی دشمنی کی آگ بھڑک رہی تھی اور دوسری طرف یہ ماحول کہ جس میں ہر ایک مجبور تھا کہ اگر عقیدے کو حاصل کرنا ہے تو جا کر علی علیہ السلام سے لینا ہے۔ اگر علم فقہ کو لینا ہے تو جا کر امیر المومنین علیہ السلام کے دَر سے حاصل کرے۔

یہی امیر المومنین علیہ السلام کی سب سے بڑی خوبی ہے جو پیغمبرؐ اِسلام بتا کر گئے تھے:

> ''اے علیؑ! تمھاری مثال کعبہ کی سی ہے۔ ہر ایک تمھارے سامنے جھکنے پر مجبور ہوگا چاہے مومن ہو یا منافق۔ لیکن تم کبھی کسی کے سامنے نہیں جھکو گے۔''

اب یہ تاریخ کا ایک انتہائی اہم موضوع ہے کہ کس طریقے سے علی علیہ السلام کی نفرت نے اِسلام اور مسلمانوں کی تاریخ کو بدلنے کی کوشش کی۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا تھا: آپ حضرات اگر اس توقع میں آئے ہوں کہ امیر المومنین علیہ السلام کے سال ہا سال تاریخی حقائق سننے کو ملیں گے تو شاید! وہ توقع پوری نہ ہو سکے۔ اس لیے کہ ہمارے پاس وقت محدود ہے اور اس میں ہم صرف تاریخی پس منظر میں یہ چیز آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام کو بعد از رسالت مآبؐ کس قسم کا ماحول ملا؟ جس کے تحت علی علیہ السلام نے اپنا حق چھوڑا؟ تلوار نیام میں

ڈالے رکھی اور گھر کے اندر بیٹھے رہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے سامنے پورا تاریخی پس منظر ہو۔

اب ہمارے موضوع کی یہ تین تمہیدیں قائم ہو گئیں:

پہلی تمہید تو یہ کہ علی علیہ السلام سے اتنی دشمنی تھی' علی علیہ السلام کے خلاف جو کچھ کہا ہو گا وہ کہا ہو گا' علی علیہ السلام سے تعلق رکھنے والوں کو بھی مسلمانوں نے نہ چھوڑا۔ اس کی واضح مثال حضرت ابوطالب علیہ السلام ہیں۔

دوسری تمہید یہ کہ ہر مسلمان جھکا ہے علی علیہ السلام کے سامنے۔ ہر کسی نے اپنا عقیدہ علی علیہ السلام سے لیا' اُصول کو لیا تو علی علیہ السلام سے لیا' فروع کو لیا تو علی علیہ السلام سے لیا۔

تیسری تمہید یہ کہ علی علیہ السلام کے خلاف جو کینہ و نفرت ان کے دلوں میں تھی اس کی وجہ سے انھوں نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے نام کو پوری طرح سے دبانے کی کوشش کی اور امیر المومنین علیہ السلام نے اس کے مقابلے میں ہمارے سامنے کیا چیز بیان کی؟

اب دیکھیں!

امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی کے چار دور ہیں:

پہلا دور مکہ کا دور ہے' دوسرا دور مدینے کا دور ہے۔ وفاتِ پیغمبرؐ اسلام تک' تیسرا دور وہ دور ہے کہ جو وفاتِ پیغمبرؐ اسلام سے شروع ہوتا ہے اور خلافتِ ظاہری کے ملنے پر ختم ہوتا ہے اور آخری دور خلافتِ ظاہری سے شروع ہو کر شہادت پر جا کر ختم ہوتا ہے۔ یہ چار دور ہیں' ان میں سے پہلا دور جو مکہ کا ہے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ ہم میں سے اکثریت بالکل اس سے لاعلم ہے اور اس سے غافل ہے اور کسی کو نہیں پتا کہ امیر المومنین علیہ السلام کے اس دور کو جاننا انتہائی ضروری ہے۔ اس لیے کہ علی علیہ السلام نے جو پہلے دور میں کیا وہی تیسرے دور میں کیا اور جو دوسرے دور میں کیا وہی چوتھے میں کیا۔

امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی کے چار دور ذہن میں رہیں اور پھر یہ بات ذہن میں رہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے پہلے دور میں جو کچھ پیغمبرؐ اسلام کو کرتے دیکھا وہ تیسرے دور میں خود

کیا اور جو امیر المومنین علیہ السلام نے پیغمبرؐ اسلام کو دوسرے دور میں کرتے دیکھا وہ چوتھے دور میں انجام دیا۔

امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی کے پہلے دور کو ذرا دیکھیں!

پہلا دور امیر المومنین علیہ السلام کا یہ ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام کی ولادت ہوئی ہے مکہ میں اور یہاں پر بھی مسلمانوں نے امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ انتہائی ناانصافی کی کوشش کی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جیسا مؤرخ لکھ گیا:

''کعبہ میں علی علیہ السلام پیدا ہوئے۔ نہ علی علیہ السلام سے پہلے کوئی پیدا ہوا' نہ علی علیہ السلام کے بعد کوئی پیدا ہوگا۔''

لیکن آپ کو آج کی جدید تحقیق (research) سے معلوم ہوگا کہ حکیم ابن حزام ایک شخص ہے جس کے بارے میں دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ علی علیہ السلام سے تیرہ سال پہلے خانہ کعبہ میں پیدا ہوا۔ چناں چہ بڑے اطمینان کے ساتھ یہ کہا جاتا ہے کہ علی علیہ السلام کو کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ اس لیے کہ علی علیہ السلام سے پہلے تو حکیم ابن حزام بھی پیدا ہو چکا تھا۔ اب یہ بات تاریخی حقائق کے کس قدر خلاف ہے؟ قطع نظر اس کے کہ صرف اتنا یاد رکھیے کہ امیر المومنین علیہ السلام کی ولادت کی جو تفصیلات مسلمانوں نے اپنی کتابوں میں لکھی ہیں انھیں سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ علی علیہ السلام کی ولادت' اگر کوئی اور بھی کعبہ میں پیدا ہوا تو اس سے بالکل مختلف تھی۔ اس لیے کہ امیر المومنین علیہ السلام کی ولادت کے سلسلے میں لکھا ہے۔

رجب کا دوسرا ہفتہ تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو پیغمبرؐ اسلام کے چچا ہیں وہ نقل کرتے ہیں: میں کعبہ کے قریب بیٹھا ہوا تھا کہ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ میرے بھائی حضرت ابوطالب علیہ السلام کی بیوی حضرت فاطمہؑ بنت اسدؑ آئی ہیں۔ آنے کے بعد خانہ کعبہ کے قریب کھڑی ہو گئیں' ہاتھوں کو پھیلا کر دعا کی:

''خداوندا! میں تجھ پر ایمان لا چکی ہوں' جتنے تیرے رسولؐ ہیں سب پر ایمان لا چکی ہوں۔ تیری جتنی بھی کتابیں ہیں تمام پر ایمان لا چکی ہوں۔

خداوندا! اس مولود کی برکت سے جو میرے پیٹ میں ہے میری مشکل کو حل کر دے۔ خداوندا! مجھے یقین ہے کہ یہ مولود میرے لیے برکتیں ہی لے کر آئے گا۔"

یہ دعا کرتی ہیں اور دیوار کعبہ شق ہوتی ہے اور بی بیؑ اندر چلی جاتی ہیں اور علی علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ حضرت فاطمہؑ بنت اسدؑ کا کعبہ میں دیوار کی طرف سے جانا' تمام مؤرخوں نے لکھا۔ جنھوں نے یہ لکھا ہے کہ علی علیہ السلام کعبہ میں پیدا ہوئے تو انھوں نے یہ بھی لکھا ہے: فاطمہؑ بنت اسدؑ دیوار کے راستے سے گئیں' دروازے سے نہیں گئیں۔

یہ چیز خود بتا رہی ہے کہ دوسرے پیدا ہونے والوں میں اور اس پیدا ہونے والے میں خدا کے نزدیک کتنا بڑا فرق تھا۔

فاطمہؑ بنت اسدؑ خانہ کعبہ میں گئیں اور تین دن بعد باہر نکلیں۔

روایت میں ہے کہ جب وہ باہر نکلیں تو خانہ کعبہ پر لوگوں کو ایک تختی نظر آئی جس پر لکھا تھا: خدا نے فاطمہؑ بنت اسدؑ کو وہ بیٹا عطا کیا ہے جس کا نام خدا نے اپنے نام اعلیٰ سے ماخوذ کیا ہے اور اس کا نام "علیؑ" ہے۔

یہ تختی خانہ کعبہ کے دروازے پر لوگوں کو نظر آئی اور روایت میں ہے کہ چوتھے امامؑ کے زمانے تک یہ تختی خانہ کعبہ کے دروازے پر لگی رہی۔ تیئیس (۲۳) سال تک پیغمبرؐ اسلام کے اعلانِ رسالت کے بعد مشرکین مکہ کعبہ میں آتے رہے اور جاتے رہے' کسی نے اس تختی کو نہ ہٹانا چاہا' نہ ہٹ سکی۔ اس کے بعد پہلی خلافت' دوسری خلافت' تیسری خلافت' معاویہ اور یزید ان تمام ادوار میں یہ تختی خانہ کعبہ کے دروازے پر لگی رہی اور کسی میں یہ ہمت اور جرأت نہ ہوئی کہ اس تختی کو ہٹا سکتا۔ یہاں تک ہشام ابن عبدالملک کے زمانے میں یہ تختی خود بہ خود غائب ہو گئی اور کچھ پتا نہیں چلتا کہ یہ تختی کس نے ہٹائی اور کس طرح سے غائب ہوئی۔

اب امیرالمومنین علیہ السلام مکہ کے اندر خانہ کعبہ میں ولادت پاتے ہیں اور تیئیس (۲۳) سال مکہ میں گزارتے ہیں۔ تیئیس (۲۳) سال علی علیہ السلام نے مکہ میں گزارے۔

کون سے تیئس (۲۳) سال؟

جو خالص جوانی کا زمانہ ہوتا ہے۔ جب انسان کے جذبات انتہائی بھڑکیلے ہوتے ہیں۔ جب انسان ذرا ذرا سی بات پر ہر ایک سے لڑنے کے لیے تیار رہتا ہے' ذرا ذرا سی بات پر ہنگامہ کرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ جیسا کہ ہمارے نوجوانوں کو آپ دیکھ سکتے ہیں کبھی بلڈنگز کے شیشے توڑے جا رہے ہیں' کبھی سڑکوں پر پتھر پھینکے جا رہے ہیں' کبھی سڑکوں کو بند کیا جا رہا ہے۔ اس لیے کہ (اس عمر میں ایسا کرنا) فطرت انسانی ہے۔

پیدائش سے لے کر تیئس (۲۳) سال تک کا زمانہ امیر المومنین علیہ السلام کا مکہ میں گزرا اور آخر کے تیرہ (۱۳) سال وہ تیرہ (۱۳) سال ہیں کہ جب ہر ایک کی طبیعت میں بلبلاہٹ ہوتی ہے۔ ہر ایک کی فطرت میں یہ جذبہ ہوتا ہے کہ ہم کسی طرح اپنی طاقت کو ظاہر کریں۔ امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی کا یہ پہلو عام طور پر لوگوں سے پوشیدہ رکھا جاتا ہے' کبھی کسی نے غور نہیں کیا۔

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ مکہ کے اندر امیر المومنین علیہ السلام کی شخصیت حضرت ابوطالب علیہ السلام کی وجہ سے نمایاں نہ ہوئی اور اصل کمالات مدینے میں ظاہر ہوئے۔

یاد رکھیے!

مکہ میں علی علیہ السلام کی سب سے بڑی فضیلت' علی علیہ السلام کا سب سے بڑا کمال اور علی علیہ السلام کا سب سے بڑا جہاد یہ تھا کہ علی علیہ السلام ہمیں خاموش نظر آتے ہیں اس سے بڑھ کر علی علیہ السلام کوئی خدمت اسلام انجام نہیں دے سکتے تھے۔ مکہ میں امیر المومنین علیہ السلام کی خاموشی' جسے یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی وجہ سے شخصیت نمایاں نہ ہوئی۔ یہی علی علیہ السلام کی خاموشی' علی علیہ السلام کی سب سے بڑی فضیلت اور علی علیہ السلام کا سب سے بڑا کمال ہے اور وہ اس طرح کہ مکہ کے اندر دس سال کی عمر تک تو علی علیہ السلام پیغمبرؐ اسلام کے ساتھ رہے۔

اس موضوع پر گفتگو کرنا تو بالکل بے کار ہے کہ کون پہلے اسلام لایا اور کون بعد میں؟

تاریخ طبری کا فیصلہ سن لیجیے!

حضرت ابوبکر پچاسویں آدمی ہیں کہ جو اسلام لائے تھے اور امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں تمام تاریخیں متفق ہیں اس جملے کے ساتھ کہ میں پیغمبرؐ اسلام کے ساتھ ساتھ اس طرح چلتا تھا جس طرح اُونٹ کے پیچھے اس کا بچہ چلا کرتا ہے اور میں نبوت کی خوش بو کو سونگھا کرتا تھا اور فرشتے کی آواز کو سنا کرتا تھا۔

امیر المومنین علیہ السلام کے اسلام پر ہمیں گفتگو نہیں کرنا۔ اس لیے کہ گفتگو تو اس کے اسلام پر کی جائے کہ جو پہلے غیر مسلم ہو۔ لیکن جو ابتدا سے انتہا تک اسلام ہی اسلام ہو تو اس کے اسلام پر گفتگو کرنا محض وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے۔

اب تیئس (۲۳) سال تک علی علیہ السلام کی مکہ میں خاموشی' یہ تاریخ کا ایک انتہائی اہم واقعہ ہے۔ اس چیز کو سمجھنے میں کہ علی علیہ السلام بعد از رسالت کیوں خاموش رہے؟ اب تیئس (۲۳) سال جو گزر رہے ہیں اس میں دیکھیں کہ رسولؐ اکرم کو کتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے' آپؐ کو پتھر مارے جا رہے ہیں' راستے میں کوڑا کرکٹ پھینکا جا رہا ہے' کانٹے بچھائے جا رہے ہیں۔

روایتوں میں تو یہاں تک لکھا ہے: ایک دن امیر المومنین علیہ السلام حضرت ابوطالب علیہ السلام کے گھر میں تھے پیغمبرؐ اسلام خانہ خدا میں نماز ادا کر رہے تھے۔ ایک مرتبہ ایک ملعون نے خون اور گوبر ملایا اور جب قیام کی حالت میں پیغمبرؐ اسلام کھڑے تھے تو اس نے یہ خون اور گوبر ملا کر آپؐ کے چہرۂ مبارک پر مل دیا۔ اس حالت میں پیغمبرؐ اسلام نماز تمام کر کے گھر میں آئے۔

اب ذرا دیکھیں!

حضرت ابوطالب علیہ السلام نے دیکھا ہوگا۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے دل پر کیا گزری ہوگی؟

روایت میں ہے کہ وہ ابوطالب علیہ السلام کہ جو انتہائی صبر و تحمل کے ساتھ اب تک قریش کی ہر ایک مخالفت کا مقابلہ کر رہے تھے' لیکن وہ اس حرکت کو برداشت نہ کر سکے۔ ایک مرتبہ ننگی تلوار لے کر گھر سے نکلے خانہ خدا میں داخل ہوئے اور کہا: کہاں ہے وہ ملعون؟

روایت کے مطابق جب اس ملعون نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کو آتے ہوئے دیکھا تو بھاگنا چاہا۔ لیکن حضرت ابوطالب علیہ السلام نے اُسے ڈانٹا اور ڈانٹ کر بٹھایا۔

پھر روایت میں ہے کہ ابوجہل بھی تھا' ابولہب بھی تھا' ابوسفیان بھی تھا۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام نے وہی خون اور گوبر ملا کر تمام سرداران قریش کے چہروں پر ملا۔

کہا: یہ بدلہ ہے اس کا جو تم نے میرے بھتیجےؐ کی توہین و تذلیل کی تھی۔

ذرا دیکھیں!

موقع کس کے لیے تھا نکلنے کا؟

علی علیہ السلام کے لیے جو ابھی بارہ' تیرہ سال کے جوان لڑکے ہیں' حضرت ابوطالب علیہ السلام گئے۔ لیکن حضرت علی علیہ السلام بالکل خاموش بیٹھے رہے۔

دوسرا واقعہ تاریخ میں یہ ملتا ہے: جب ایک مرتبہ پیغمبرؐ اسلام صبح سویرے گھر سے نکلے' شام تک واپس نہ آئے۔ تمام دن جب اس حالت میں گزر گیا تو حضرت ابوطالب علیہ السلام پریشان ہو گئے۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام گھبرا گئے۔

حکم دیا: کوئی جا کر دیکھ کر آئے کہ ابوجہل کہاں ہے؟

لوگ گئے' دیکھ کر آئے۔

کہا: ابوجہل خانہ کعبہ میں بیٹھا ہے۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام نے کہا: ایک ایک بنی ہاشمؑ کا نوجوان تلوار اور خنجر لے کر میرے پاس آ جائے۔

بنی ہاشمؑ کے تمام نوجوان آئے۔ لیکن حضرت علی علیہ السلام کو نہ بلایا اور ہر ایک کو بلا کر ایک ایک خنجر ان کے حوالے کیا۔

کہا: اپنی آستین میں یہ خنجر چھپا لو اور جا کر خانہ خدا کے اندر بیٹھے ہوئے قریش کے ہر ایک سردار کے سر پر بیٹھ جاؤ اور خاص طور پر ابوجہل کے دائیں بائیں تو دو شخص بیٹھیں۔

پھر حکم دیا: دیکھو! میں اپنے بھتیجےؐ کو تلاش کرتا ہوں۔ اگر میرا بھتیجا مجھے صبح تک نہ ملا یا اس حالت میں ملا کہ ملنا یا نہ ملنا ایک سا ہوا تو میں آواز بلند کروں گا اور تم میں سے ہر ایک کا فرض ہے جو قریش کے جس سردار کے پہلو میں بیٹھا ہے اسے اپنے خنجر سے ہلاک کر دے۔ بعد

میں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔

اب ذرا دیکھیں!

حضرت ابوطالب علیہ السلام بردبار ہیں' متحمل ہیں' حضرت ابوطالب علیہ السلام عمر کی اس منزل میں ہیں کہ جب جذبات ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔ لیکن پیغمبرِ اسلام سے اتنی محبت ہے کہ برداشت نہ کر سکے اور حضرت علی علیہ السلام عمر کے اس دور میں ہیں کہ جب کچھ نہ بھی ہو تو انسان لڑنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔

یہاں تو بہت کچھ ہو چکا ہے لیکن حضرت علیؑ خاموش ہیں' حضرت ابوطالبؑ نکل کر جاتے ہیں۔

روایت کے مطابق حضرت ابوطالب علیہ السلام نے تلاش کیا' تھوڑی دیر کے بعد زید بن حارثہ آئے' انھوں نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کو گھبرایا ہوا دیکھا۔

کہا: اے ابوطالب علیہ السلام! کیا بات ہے؟

حضرت ابوطالب علیہ السلام نے سارا واقعہ بیان کیا۔

زید بن حارثہ نے کہا: تمھارا بھتیجا تو مکہ کے باہر ایک پہاڑی پر آرام کر رہا ہے۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام لے کر آئے اور لانے کے بعد سیدھے خانہ خدا میں پہنچے' ایک مرتبہ تمام بنی ہاشمؑ کے نوجوانوں سے کہا: اپنے خنجر باہر نکال لو۔

جب بنی ہاشمؑ کے نوجوانوں نے خنجر نکالے تو قریش کے لوگ پریشان ہو گئے' حیران ہو گئے۔

انھوں نے کہا: اے ابوطالب علیہ السلام! اس کا کیا مقصد تھا؟

ابوطالب علیہ السلام کا جواب یہ تھا: اے سردارانِ قریش! سن لو! میں نے ان تمام نوجوانوں کو حکم دیا تھا کہ اگر میرا بھتیجا مردہ حالت میں ملا یا نہ ملا تو تم میں سے ہر ایک کو قتل کر دیں اور اس کے بدلے میں یقیناً تمھارے قبیلے حملہ کریں گے اور ہم میں سے ہر ایک مارا جائے گا۔ لیکن ہم اس سے پہلے تمھیں قتل کریں گے۔ خود اس کے بعد موت کے گھاٹ اُتریں گے۔

یاد رکھو! یہ صرف اس وقت کی بات نہیں بل کہ آئندہ جب بھی اس قسم کا واقعہ ہوگا تو

میری تلوار اور میرا خنجر تمہارے پیچھے پیچھے تمہارا تعاقب کرتا رہے گا۔

اب ذرا دیکھیں!

ایک طرف حضرت ابوطالب علیہ السلام اتنے متحمل ہیں کہ تمام عرب ان کے حلم کو اور ان کے غصّے پر ضبط کو بیان کر رہے ہیں۔ جب پیغمبرؐ اسلام پر کوئی آنچ آتی ہے تو فوراً بے تاب ہو جاتے ہیں۔

دوسری طرف حضرت علی علیہ السلام ہیں کہ تیرہ (۱۳) سال، سولہ (۱۶) سال، اٹھارہ (۱۸) سال، بیس (۲۰) سال، بائیس (۲۲) سال عمر کے مختلف مراحل سے گزر رہے ہیں۔ لیکن ایک واقعہ بھی ہمیں ایسا نظر نہیں آتا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے کبھی کسی دشمن پیغمبرؐ کے خلاف قدم اُٹھایا ہو۔ ایک پہلا واقعہ ضرور ملتا ہے کہ پہلے دن جب گئے تو چھوٹے چھوٹے بچوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن اس کے بعد کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا کہ علی علیہ السلام نے کسی ایک دن بھی اپنے غصّے کا اظہار کیا ہو۔

ذرا غور کریں!

وہی علی علیہ السلام جو تیئس (۲۳) سال کے، دو سال بعد مدینے میں پچیس (۲۵) سال کے ہوتے ہیں تو بدر و اُحد کے میدان ان کی شجاعت کے گواہ ہیں۔ دو سال پہلے بائیس (۲۲)، تیئس (۲۳) سال کی عمر میں اتنی طاقت اور جوانی ہوگی۔ لیکن ہمیں ایک مقام بھی ایسا نہیں ملتا کہ جہاں علی علیہ السلام نے اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا ہو۔

یہ بھی یاد رکھیے!

حضرت ابوطالب علیہ السلام کا مقابلہ جن سے تھا ان کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے اس لیے کہ وہ لوگ جتنے بھی برے ہوں۔ بہرحال! بزرگ تھے، بہرحال! بڑی عمر کے تھے، تجربہ کار تھے، زبان میں تہذیب اور اخلاق تھا۔ لیکن علی علیہ السلام کا مقابلہ کس سے ہے؟

چودہ سال کے بچے سے، آٹھ سال کے بچے سے، سولہ سال کے بچے سے۔ اس کے پاس نہ اخلاق ہوگا، نہ تہذیب ہوگی، کسی قسم کا تجربہ نہ ہوگا، یا کسی قسم کی بات کو لپیٹ کر کرنے کی عادت نہ ہوگی۔ علی علیہ السلام کا مقابلہ ان بچوں سے تھا جو بالکل جاہل، بالکل بداخلاق تھے۔ لیکن

اس کے باوجود علی علیہ السلام ان کا مقابلہ اس طرح کرتے ہیں کہ ایک موقع ہمیں نہیں ملا کہ کوئی واقعہ نظر آئے جب پیغمبرؐ اسلام نے کہا ہو: اے علی علیہ السلام! تمھیں یہ نہیں کرنا چاہیے تھا یا تو نے جلدبازی کی۔

ہمارے اس جملے کے پیچھے تاریخی واقعہ ہے۔ لیکن آج ہم اسے بیان نہیں کر رہے' ان شاء اللہ آئندہ تقریر میں بیان ہوگا۔

بہرحال!

امیرالمومنین علیہ السلام کا ایک چھوٹے سے چھوٹا واقعہ یا حرکت ایسی نہیں ملتی جس میں ہمیں یہ نظر آئے کہ علی علیہ السلام نے اپنے جذبات سے ہٹ کر کوئی قدم اٹھایا ہو۔

یاد رکھیے!

پہلے تیس (۲۳) سال امیرالمومنین علیہ السلام پیغمبرؐ اسلام کو دیکھ رہے ہیں کہ پیغمبرؐ اسلام کے پاس طاقت ہے' پیغمبرؐ اسلام کے پاس دولت ہے' پیغمبرؐ اسلام کے پاس خدائی مدد ہے لیکن اس کے باوجود پیغمبرؐ اسلام مکہ والوں کے مظالم کو برداشت کر رہے ہیں۔ کسی مقام پر بھی نہ خود اپنی طاقت کا استعمال کرتے ہیں نہ علی علیہ السلام سے کہتے ہیں۔ بعینہٖ یہی صورت حال علی علیہ السلام کے ساتھ تھی وفات پیغمبرؐ اسلام کے بعد کہ علی علیہ السلام کے پاس خدائی مدد تھی' علی علیہ السلام کے پاس طاقت تھی' علی علیہ السلام کے پاس وہ دولت تھی' جس کا وعدہ ابوسفیان نے کیا تھا: اے علی علیہ السلام! اگر تم حکم دو تو کل میں مدینہ گھڑسواروں سے بھر دوں۔ لیکن امیرالمومنین علیہ السلام بعینہٖ اسی طریقے پر چل رہے تھے جو پیغمبرؐ اسلام کا طریقہ تھا کہ مکہ کے اندر پیغمبرؐ اسلام نے ضبط کیا۔ چناں چہ علی علیہ السلام نے بھی اپنی زندگی کے تیسرے دور میں ضبط کیا۔ مدینے میں پیغمبرؐ اسلام نے جہاد کیا تو علی علیہ السلام نے بھی اپنی زندگی کے چوتھے دور کے اندر جہاد کیا۔

انتہائی قابل غور بات یہ ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام پر جو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ جب طاقت تھی تو اپنے حق کو کیوں طلب نہ کیا؟ جب طاقت تھی تو علی علیہ السلام نے تلوار کیوں نہ نکالی؟ اس کی تمام تر بنیادیں مکہ کے اندر ہیں۔ پیغمبرؐ اسلام اپنے کردار سے اس وقت بتا رہے تھے کہ

دیکھو! اسلام اس وقت اتنا غیر مستحکم ہے کہ ہم جنگ لڑنے کی حالت میں نہیں ہیں۔ اگر ابھی ہم جنگ لڑتے ہیں تو فائدہ نہ ہمیں ہو گا نہ مکہ والوں کو ہو گا۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ نہ ہم رہیں گے نہ وہ رہیں گے۔ اسلام کو مضبوط کرنے کے لیے کچھ وقت چاہیے ہے اور جب وہ وقت مل گیا تو پیغمبرؐ اسلام نے مدینے میں تلوار نکالی۔ امیر المومنین علیہ السلام نے یہی بتایا کہ جس طرح مکہ میں اسلام کفر کے مقابلے میں تھا۔ اس طرح پیغمبرؐ اسلام کی وفات کے بعد ایمان نفاق کے مقابلے میں ہے۔ اب ایمان کو اپنے قدم جمانے میں کچھ وقت چاہیے جب ایمان کے قدم جم جائیں تو پھر تلوار نکلے گی۔

اس لیے یہ منظر نظر آتا ہے کہ مدینے میں امیر المومنین علیہ السلام تمام عرصہ تلوار کو نیام میں رکھ کر بیٹھے ہیں۔ لیکن جب آخری دور آیا تو ایک مرتبہ پھر تلوار نکل آئی۔ اس چیز کا تذکرہ اس لیے ضروری ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ (معاذ اللہ) امیر المومنین علیہ السلام اپنی بزدلی کی وجہ سے یا (معاذ اللہ) اپنے بڑھاپے کی وجہ سے گھر میں بیٹھ گئے تھے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے یہ سکھایا کہ دیکھو! پہلی تین خلافتوں میں، میں اس طرح میدان میں نہیں آیا کہ میرے پاس طاقت نہیں تھی یا میری عمر زیادہ ہو چکی تھی۔ اگر یہی بات تھی تو اس وقت جب مولاؑ کی عمر پچپن (۵۵) سال کے برابر ہو چکی تھی۔ اس وقت علی علیہ السلام نے جمل میں، صفین میں، نہروان میں تلوار کیوں نکالی؟ یہ بتایا کہ دیکھو! جو پچپن (۵۵) سال کی عمر میں تلوار نکال سکتا ہے وہ تینتیس (۳۳) سال کی عمر میں بھی تلوار نکال سکتا ہے، جب پیغمبرؐ اسلام کی وفات ہوئی۔ لیکن اگر میں اس وقت تلوار نکالتا تو ایمان ختم ہو جاتا، نفاق چھا جاتا۔ جس طرح پیغمبرؐ اسلام مکہ کے اندر جب اسلام ابھی مستحکم نہیں ہوا تھا اپنی تحریک کو جہاد اقدامی کے اصول پہ۔ جہاد تو مکہ میں بھی تھا، لیکن وہاں پر جہاد کا نام تھا جہاد دفاعی۔ اگر حملہ کرنے والا جہاد مکہ میں کرتے تو اسلام بالکل نہ رہتا اور کفر چھا جاتا۔ چناں چہ یہی عمل امیر المومنین علیہ السلام نے بعد والے دور میں کیا۔

یہ کوئی تفصیل جواب نہیں ہے، تفصیل جواب تو اپنے مقام پر آئے گا۔ لیکن ایک معمولی

سی چیز میں ہمیں یہ بتا دیا کہ علی علیہ السلام کا تلوار نہ نکالنا یہ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ علی علیہ السلام اس وقت کی حکومتوں سے ناراض تھے اس لیے کہ آپ ذرا دیکھئے! وہ شخص کہ جس نے اپنی تمام جوانی اسلام کی خاطر تلوار چلانے میں گزار دی ہو۔

یہ چیز آپ کے سامنے آ چکی ہو گی کہ تیس (۳۰) سے چالیس (۴۰) سال کا زمانہ جوانی کا زمانہ ہوتا ہے۔ بیس (۲۰) بائیس (۲۲) سال کا زمانہ یہ جوانی کا زمانہ نہیں کہلاتا بلکہ یہ تو نوجوانی کا زمانہ کہلاتا ہے۔ جوانی کا زمانہ تیس (۳۰) سے چالیس (۴۰) سال کا ہے جب انسان کی ہر قوت مکمل ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد قوتیں گھٹنا شروع ہوتی ہیں۔ اب تیس (۳۰) سے چالیس (۴۰) سال کا دور تو سب سے بہترین دور تھا' علی علیہ السلام کے لیے اپنی تلوار کے جوہر دکھانے کا۔ لیکن ہم نے یہ دیکھا کہ وہ لوگ جنھوں نے اس وقت تلوار تو تلوار' تلوار کی شکل تک نہیں دیکھی تھی۔

جب مسلمانوں کو ضرورت تھی تلوار کی وہ آج مجاہدین بن گئے' آج غازی بن گئے' آج فاتح روم بن گئے' آج فاتح شام بن گئے۔ وہ لوگ کہ جو اسلام لانے کے بعد گم راہی میں جا پڑے تھے۔ لیکن آپ نے دیکھا کہ بعد از وفات پیغمبرؐ اسلام بڑے بڑے خطابات حاصل کر لیے۔ روم کو فتح کیا' شام کو فتح کیا۔ قابل غور بات یہ ہے کہ جس نے ان کو اس سے پہلے میدان جنگ میں شکست دی' جب ان لوگوں کی یہ ہمت ہے کہ تلوار نکال کر دور دور تک پھیل گئے تو اس علی علیہ السلام کی کیا عظمت ہوتی کہ ان میں ہر ایک علی علیہ السلام کا شکست کھایا ہوا تھا۔ علی علیہ السلام کیوں نہ نکلے جہاد پر؟

خلافت اوّل میں بڑی فتوحات ہوئیں' خلافت ثانیہ میں بڑی فتوحات ہوئیں' خلافت ثالثہ میں بھی یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی حکومت عظیم ترین حکومت بن گئی تھی۔ لیکن علی علیہ السلام نے جہاد نہ کیا۔

کیوں نہ کیا؟

دو ہی وجوہات ہو سکتی ہیں!

ایک یہ کہ یا تو علی علیہ السلام کو بلایا نہیں گیا تھا' دوسری یہ کہ یا علی علیہ السلام گئے نہیں تھے۔

یہی دو وجوہات ہو سکتی ہیں کوئی تیسری وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

اگر علی علیہ السلام کو بلایا نہیں گیا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیوں نہیں بلایا تھا؟

یقیناً کوئی اختلاف ہوگا ورنہ اگر اتنے چھوٹے تلوار چلانے والوں کو لشکر کی سپاہ سالاری دی جائے اور جس کی بہادری کو ہر ایک نے تسلیم کیا ہوا سے لشکر کی سپاہ سالاری نہ دی جائے' اس میں کوئی تو مصلحت ہوگی نا! یا اگر یہ کہا جائے کہ بلایا تو گیا تھا لیکن علی علیہ السلام نہیں گئے تھے۔ یہ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ علی علیہ السلام جو جہاد کے ہر موقع کے لیے تیار رہتے تھے وہ اس مقام پر کیوں گھر سے نہ نکلے؟ کیوں تلوار نہ چلائی؟ یہ دو ہی باتیں ذہن میں آتی ہیں کہ یا علی علیہ السلام کو بلایا نہیں گیا یا علی علیہ السلام کو بلایا گیا لیکن علی علیہ السلام گئے نہیں اور یہ دونوں باتیں ہمیں یہ بتانے کے لیے کافی ہیں کہ علی علیہ السلام پہلی تین خلافتوں سے راضی تھے نہ خوش' نہ کسی مقام پر ان کی حمایت کی۔ لیکن یہ پوری کی پوری گفتگو اِن شاء اللہ آئندہ تقریر میں آئے گی جو امیر المومنین علیہ السلام کے موضوع کی دوسری تقریر ہے۔

بات آج اس مقام تک پہنچی ہے اور آج کی گفتگو بڑی اہم اور ضروری تھی۔ آج تمام تمہیدیں ختم ہوگئیں۔ اِن شاء اللہ! باقی موضوع آئندہ زیر بحث آئے گا۔

سیرتِ حضرت امیرالمومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ

اب اس سے پہلے کہ موضوع پر ہماری گفتگو کا آغاز ہو آپ حضرات کی گذشتہ ہفتے کی زحمت کا بھی اندازہ ہے۔

گفتگو تھی ہماری امیرالمومنین علیہ السلام کی مکی زندگی اور اس دور کے حالات و واقعات کے بارے میں جس دور میں مولائے کائنات علیہ السلام نے اپنی زندگی گزاری۔

اب تاریخی تسلسل کے ساتھ اگر ہم اس دور کو انتہائی مختصر الفاظ میں بھی بیان کرنا چاہیں تو اندازہ یہ لگایا گیا ہے کہ کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے کہ اتنے محدود وقت کی دو نشستیں اس موضوع کا حق ادا کر سکیں۔ لیکن اصل حقیقت اس دورِ خلافت کے بارے میں ہے جو حضرت ابوبکر سے شروع ہو کر یزید ابن معاویہ کے دور تک چلا اور یہ دور ایسا ہے کہ تین معصومینؑ کی زندگی میں انتہائی تفصیل کے ساتھ آ سکتا ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے ذکر میں بھی اسی دور کو بیان کرنا ضروری ہے۔ اس لیے بھی ضروری ہے کہ ہمارے یہاں ایک فقرہ موجود ہے روایتوں میں جو معصومؑ کی زبان سے نکلا ہے۔ اب یہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ حسین علیہ السلام میدانِ کربلا میں شہید کیے گئے۔ یہ ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے اور خود امامؑ کی زبان سے اس مسئلے کو حل کیا گیا ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ امامؑ کی شہادت جمعہ کے دن ہوئی۔ جب کہ حضرت زینبؑ کے ایک خطبے میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا دن پیر بیان ہوا ہے۔

جب معصومؑ سے سوال کیا گیا تھا: یا بنؑ رسولؐ اللہ! یہ امامؑ کی شہادت کے بارے میں بہ یک وقت دو دن کیسے ہیں آپؑ جمعہ بتا رہے ہیں اور پیر بھی آپؑ ہی کے خاندان نے بتایا ہے؟

امامؑ نے اس وقت یہی تشریح کی تھی کہ عاشور کا دن جمعہ کا دن تھا جس دن حضرت امام حسین علیہ السلام ظاہری طور پر شہید ہوئے لیکن دراصل قُتِلَ الْحُسَيْنُ فِي السَّقِيفَةِ "حسینؑ کو سقیفہ ہی میں قتل کر دیا گیا تھا"۔ جہاں خلافت اہل بیتؑ سے چھین کر غیر اہل کے حوالے کر دی گئی اور روزِ سقیفہ پیر کا دن تھا جس دن پیغمبرِ اسلام کی وفات ہوئی تھی تو حقیقت میں حسین علیہ السلام

کی شہادت پیر کے دن ہوئی تھی اور ظاہری اعتبار سے جمعہ کے دن ہوئی تھی۔

اب ہمارے پاس یہ موقع ہے کہ ہم حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے سلسلے کی تقاریر میں بھی اس تاریخی پس منظر کو انتہائی تحقیق کے ساتھ بیان کرتے چلیں۔ لیکن تاریخ پر آنے سے پہلے اس مقام سے گفتگو کا آغاز کرتا ہوں جہاں گذشتہ تقریر میں گفتگو کا سلسلہ منقطع ہوا تھا۔

ہماری گفتگو امیر المومنین علیہ السلام کی ذات کے بارے میں اس حوالے سے ہو رہی تھی کہ تمام تر مسلمان اپنے تمام عقیدے اور عمل کے لیے ممنونِ احسان ہیں مولائے کائنات علیہ السلام کے۔ اس اعتبار سے کہ جتنے مسلمانوں میں عقائد موجود ہیں ان سب کی بنیاد جن ہستیوں نے رکھی ہے وہ سب کے سب کسی نہ کسی حوالے سے مولاؑ کے شاگرد ہیں اور جتنی فقہیں مسلمانوں میں موجود ہیں وہ تمام کی تمام کسی نہ کسی طریقے سے امیر المومنین علیہ السلام تک جا کر ختم ہوتی ہیں۔ جتنے بھی عقیدے اور عمل کے حامل مسلمان ہیں وہ سب کے سب محتاج اور ممنون ہیں کسی نہ کسی طریقے سے امیر المومنین علیہ السلام کے اور امیر المومنین علیہ السلام کا یہ احسان کہ جو اسلام اور مسلمانوں پر ہے، درحقیقت اس کا سلسلہ تو اس سے بھی پہلے سے چلتا آ رہا ہے۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام کا تذکرہ ہو چکا تھا اور حضرت فاطمہؑ بنتِ اسدؑ کا تذکرہ کرنا تھا اور درحقیقت حضرت ابوطالب علیہ السلام اور حضرت فاطمہؑ بنتِ اسدؑ کے سلسلے ہی کو مولائے کائنات علیہ السلام نے آگے بڑھایا تھا۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام پر گفتگو تو ہم کر چکے ہیں آج ہم گفتگو کا تھوڑا سا ابتدائی وقت حضرت فاطمہؑ بنتِ اسدؑ کے سلسلے میں صرف کریں گے۔

حضرت فاطمہؑ کے والد اسدؑ ہوئے ہیں۔ حضرت فاطمہؑ بنتِ اسدؑ اور حضرت ابوطالب علیہ السلام کا رشتہ بہت ہی قریبی رشتہ ہے اور اس اعتبار سے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے دادا اور حضرت فاطمہؑ بنتِ اسدؑ کے دادا ایک تاریخی ہستی ہیں، یعنی حضرت ہاشم علیہ السلام۔ حضرت ہاشم علیہ السلام کی نسل سے حضرت فاطمہؑ بنتِ اسدؑ کا بھی تعلق ہے اور حضرت ابوطالب علیہ السلام کا بھی۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام، حضرت ہاشم علیہ السلام کے پوتے ہیں اور حضرت فاطمہؑ بنتِ اسدؑ

حضرت ہاشم علیہ السلام کی پوتی ہیں۔ اس لیے خاندانِ بنی ہاشم علیہ السلام کی یہ دونوں ہستیاں ایک گھر میں جمع ہوئیں۔ حضرت فاطمہؑ بنتِ اَسدؑ کی سات اولادوں کے نام تاریخ میں موجود ہیں؛ جن میں چار لڑکے ہیں اور تین لڑکیاں ہیں۔

چار بیٹے یہ ہیں:

① طالب علیہ السلام ② عقیل علیہ السلام ③ جعفر طیار علیہ السلام ④ علی علیہ السلام

ان چاروں بھائیوں میں دس دس سال کی عمر کا فرق ہے۔ حضرت طالب علیہ السلام دس سال بڑے ہیں اپنے دوسرے بھائی حضرت عقیل علیہ السلام سے؛ حضرت عقیل علیہ السلام دس سال بڑے ہیں اپنے تیسرے بھائی جعفر طیار علیہ السلام سے اور حضرت جعفر طیار علیہ السلام دس سال بڑے ہیں اپنے چوتھے بھائی حضرت علی علیہ السلام سے۔

تین لڑکیاں یہ ہیں:

① ریطہ ② جمانہ ③ فاختہ اُمِّ ہانی

اس تفصیل کے بتانے کا مقصد ایک غلط فہمی کو دور کرنا ہے کہ بہت سے لوگوں کی زبان پر اور بہت ساری کتابوں میں یہ جملہ نظر آتا ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام وہ پہلی ہستی ہیں کہ جن کی ماں اور جن کے باپ دونوں ہاشمیؑ ہیں۔ لیکن یہ ایک غلط فہمی ہے اور ایک بہت بڑی غلطی ہے جو تاریخ کا مطالعہ صحیح طور پر نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ درحقیقت امیر المومنین علیہ السلام سے پہلے حضرت فاطمہؑ بنتِ اَسدؑ کی چھے اولادیں ہو چکی تھیں اور وہ چھے کی چھے اولادیں ہاشمیؑ تھیں اس لیے کہ ہر ایک کے والد حضرت ابوطالب علیہ السلام تھے اور ہر ایک کی والدہ حضرت فاطمہؑ بنتِ اَسدؑ تھیں۔

اب چوں کہ ہمارا موضوع مولائے کائنات علیہ السلام کی ذات ہے۔ اس لیے ہم حضرت فاطمہؑ بنتِ اَسدؑ پر گفتگو کرنے سے قاصر ہیں۔

بہرحال!

حضرت فاطمہؑ بنتِ اَسدؑ کا احسان وہ احسان ہے کہ جسے پیغمبرِؐ اِسلام نے تسلیم کیا۔

روایتوں میں یہ ہے: کھجوریں درختوں سے توڑ توڑ کر گھروں میں لائی جاتی تھیں تو حضرت فاطمہؑ بنتِ اَسدؑ سب سے پہلے اپنے بھتیجے یتیم عبداللہ علیہ السلام کے لیے بہترین کھجوریں چھانٹ چھانٹ کر رکھ لیا کرتی تھیں اور جب ان کے اپنے بیٹے کھیل کود کے لیے گھر سے باہر جاتے تو وہ اس وقت اپنے بیٹوں کی غیر موجودگی میں پیغمبرِ اسلام کو تحفہ اور ہدیہ دیا کرتی تھیں۔

روایت میں ہے کہ پیغمبرِ اسلام کو دلی سکون اور چین حضرت فاطمہؑ بنتِ اَسدؑ کے گھر ہی میں ملا کرتا تھا۔ اس لیے پیغمبرِ اسلام کی روایت جو طبقاتِ ابن سعد میں ہے وہ یہ ہے کہ جب مکہ کے الم ناک دنوں میں کہ جب مکہ کا ذرہ ذرہ میرا دشمن تھا تو میں دوپہر کو آرام کے لیے فاطمہؑ بنتِ اَسدؑ کے گھر میں چلا جاتا تھا اس لیے کہ حضرت فاطمہؑ بنتِ اَسدؑ مجھ پر اپنے بچوں سے زیادہ مہربانی کیا کرتی تھیں اور میں حضرت فاطمہؑ بنتِ اَسدؑ کے احسان کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔

حضرت فاطمہؑ بنتِ اَسدؑ، پیغمبرِ اکرم کی ہجرت کے کچھ دنوں کے بعد امیرالمومنین علیہ السلام کے ساتھ مدینہ میں تشریف لے آئیں۔ مدینہ میں تشریف لانے کے تین یا چار سال تک حضرت فاطمہؑ بنتِ اَسدؑ زندہ رہیں اور اس کے بعد اس دنیا سے رُخصت ہو گئیں۔

حضرت فاطمہؑ بنتِ اَسدؑ کی ایک بڑی خدمت ہمیں ۲ ہجری میں نظر آتی ہے کہ جب جنگِ بدر ہوئی تھی تو حضرت فاطمہؑ بنتِ اَسدؑ زخمیوں کو پانی پلانے اور اُن کی مرہم پٹی کرنے پر مامور تھیں اور حضرت فاطمہؑ بنتِ اَسدؑ نے اس وقت میدانِ جہاد میں نکل کر حصّہ لیا تھا۔

۲ ہجری میں حضرت سیدہؑ کے گھر میں آ جانے کے بعد اب اس گھر میں ساس اور بہو کا رشتہ وجود میں آ گیا تھا اور چوں کہ ہم سے یہ کہا گیا ہے کہ ہم حضرت فاطمہؑ بنتِ اَسدؑ کے بارے میں بہت تفصیلی گفتگو نہ کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دوسرا موضوع رہ جائے اس لیے مختصر طور پر ہم اتنا بتاتے ہیں کہ طبقاتِ ابن سعد کی روایت میں ہے:

جب حضرت سیدہؑ فاطمہؑ بنتِ اَسدؑ کے گھر میں بہو کی حیثیت سے داخل ہوئیں۔ اتنا مقدس گھرانہ تھا کہ وہاں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ ساس اور بہو میں تنازعہ یا کوئی انتشار

ہو۔ لیکن اس کے باوجود مولائے کائنات علیہ السلام نے اپنے گھر کے لیے نہیں بل کہ اُمت کے دوسرے گھروں کے لیے ایک خطبہ ارشاد فرمایا تھا اور اس میں حضرت فاطمہؑ بنتِ اُسدؑ یعنی اپنی والدۂ گرامیؑ کی کچھ ذمہ داریاں بیان کی تھیں اور اپنی زوجہ حضرت سیدہؑ کی بھی کچھ ذمہ داریاں ٹھہرائی تھیں جن کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے کہ گھر کے جتنے کام کاج تھے مثلاً چکی چلانا' گھر کو چلانا' کھانا پکانا' یہ سب کا سب امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی زوجہ حضرت سیدہؑ کے حوالے کر دیا تھا اور گھر کے علاوہ جو کام تھے شادی بیاہ میں جانا' رشتہ داروں سے تعلقات قائم رکھنا' تقریبات میں شرکت' کسی کے پُرسے کو جانا یہ ساری ذمہ داریاں اپنی والدۂ گرامی حضرت فاطمہؑ بنتِ اُسدؑ کے حوالے کر دی تھیں۔

یہ جملے سننے سے پہلے خیال رہے کہ حضرت فاطمہؑ بنتِ اُسدؑ یا حضرت سیدہؑ کو کچھ نہیں بتایا جا رہا' بل کہ باقی اُمت کی عورتوں کو بتایا جا رہا ہے۔

ذمہ داری کچھ اس طرح سے تقسیم کی گئی کہ گھر سے باہر رشتہ داروں سے کس طرح تعلقات رکھے جائیں۔ کس جگہ شادی بیاہ میں شرکت کی جائے' کہاں نہ جایا جائے۔ یہ ساری ذمہ داری حضرت فاطمہؑ بنتِ اُسدؑ کی ہے یعنی بہو اس مسئلے میں ساس کے حکم پر عمل کرے اور گھر کے اندر کیا پکے؟ کس طرح سے پکے؟ کس طرح گھر کا انتظام کیا جائے؟ گھر کے اندر کے جتنے معاملات ہیں یہ ساری ذمہ داری بہو کی ہے اور اس کے اندر ساس کو دخل دینے کا اختیار نہیں ہے۔ یہ تقسیم کار ہوئی تھی گھر کے اندر اور یوں بھی کسی ہنگامے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ بل کہ اس تقسیم کار کے نتیجے جس گھر میں اس پر عمل کیا جائے' وہاں پر بھی ہر قسم کے ہنگامے کا امکان ختم ہو جاتا ہے۔

حضرت فاطمہؑ بنتِ اُسدؑ ساس اور بہو کے رشتے کو نہایت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ نبھا گئیں اور حضرت فاطمہؑ بنتِ اُسدؑ کے انتقال پر پیغمبرِؐ اسلام کی جو حالت ہوئی اس سے آپ سب واقف ہیں کہ پیغمبرِؐ اسلام نے اپنا کرتا ان کے کفن کے لیے دیا اور پیغمبرِؐ اسلام بذاتِ خود ان کی قبر میں لیٹے اور لیٹنے کے بعد یہ حکم دیا: حضرت فاطمہؑ بنتِ اُسدؑ کی میت لائی جائے۔

اب ذرا غور کریں!

ایک امامؑ کی ماں ہیں۔ بل کہ ایک امامؑ کی نہیں بارہ اماموںؑ کی ماں ہیں فاطمہؑ بنتِ اسدؑ۔ جانتے ہو حضرت فاطمہؑ بنتِ اسدؑ کا مقام اور مرتبہ کیا ہے؟

وہ روایت آپ نے بھی سنی ہو گی!

حضرت فاطمہؑ بنتِ اسدؑ کے لیے جب پیغمبرؐ اسلام نے اپنا کُرتا کفن کے طور پر دیا اور اصحابِ رسولؐ نے سوال کیا کہ آپؐ نے پہلی مرتبہ کسی پر ایسی عنایت کی ہے' آخر اس کا سبب کیا ہے؟

پیغمبرؐ اسلام نے یہ جواب دیا تھا: ایک مرتبہ میں اپنی چچیؑ کے پاس بیٹھا ہوا تھا' روزِ قیامت کا تذکرہ آ گیا کہ روزِ قیامت سب بغیر لباس کے محشور ہوں گے تو میری چچیؑ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے اور وہ کہنے لگیں: میں روزِ قیامت کی اس رُسوائی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ میں نے اپنی چچیؑ سے وعدہ کیا تھا کہ میں آپؑ کو اس رُسوائی سے بچاؤں گا۔ اس لیے آج میں نے اپنا کُرتا بطور کفن ان کو دیا۔

اس لیے کہ پیغمبرؐ اسلام کا لباس کبھی زمین کے اندر گل نہیں سکتا اور اس لباس کے ساتھ وہ روزِ قیامت محشور ہوں گی۔ لیکن اس سے زیادہ دوسری اہم ترین بات یہ ہے کہ جب پیغمبرؐ اسلام امیر المومنین علیہ السلام کی والدہ کی قبر میں تشریف لے گئے تو تھوڑی دیر تک لیٹے رہے اور پھر باہر نکل آئے۔

کسی نے سوال کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ آج آپؐ اس طرح قبر کے اندر تشریف لے گئے' آرام کرتے رہے' اس کا سبب کیا تھا؟

پیغمبرؐ اسلام کا جواب بھی سنیے اور حضرت فاطمہؑ بنتِ اسدؑ کے مقام و مرتبہ کو بھی ذہن میں رکھیے کہ بارہ معصومینؑ کی ماںؑ ہے۔ کیا مقامؑ کیا مرتبہ ہے فاطمہؑ بنتِ اسدؑ کا۔ لیکن روایت کے جملے یہی ہیں: پیغمبرؐ اسلام نے جواب دیا: ایک دن میں نے اپنی چچیؑ کے سامنے فشارِ قبر کا تذکرہ کیا تو میری چچیؑ گھبرا گئیں' میری چچیؑ خوف زدہ ہو گئیں۔

بارہ معصومینؑ کی ماںؑ قبر کا نام سن کر گھبرا رہی ہیں اور خوف زدہ ہو رہی ہیں اور آج کا مومن یہ سمجھتا ہے کہ ہمیں فشارِ قبر سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ ہماری بخشش کے لیے تو مولاؑ آ جائیں گے۔

ذرا غور کریں!

مولاؑ ہماری بخشش کو جلدی آئیں گے یا اپنی ماں حضرت فاطمہؑ بنتِ اسدؑ کی بخشش و مغفرت کے لیے جلدی پہنچیں گے؟ حضرت فاطمہؑ بنتِ اسدؑ کی یہ حالت ہے اپنے بیٹے کے مرتبے سے واقف ہیں لیکن اس کے باوجود یہ حالت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاطمہؑ بنتِ اسدؑ گھبرا گئیں، رونے لگیں۔

پیغمبرِ اسلام کہہ رہے ہیں کہ میری چچیؑ رونے لگیں اور روتے روتے مجھ سے کہنے لگیں: میرے بیٹے! میں اس مصیبت کو برداشت نہیں کر سکتی۔ میں نے اپنی چچی سے وعدہ کیا تھا کہ میں آپؑ کو فشارِ قبر سے بچاؤں گا۔ اس لیے میں ان کی قبر کے اندر لیٹا تاکہ جس زمین پر میرا جسم پہنچ جائے گا اب اس قبر کے اندر لیٹنے والے کو فشارِ قبر کا عذاب نہیں ملے گا۔

حضرت فاطمہؑ بنتِ اسدؑ کے لیے اطمینان کرنے کا کتنا بہترین موقع تھا کہ جس کا بیٹا کائنات کا مولاؑ ہے، جس کا بیٹا ہر گناہ گار کی شفاعت کرتا ہے اس ماںؑ پر عذاب آ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن حضرت فاطمہؑ بنتِ اسدؑ نے یہ بتا دیا کہ وہاں رشتہ داری، قرابت داری نہیں چلتی، وہاں پر تو عمل چلتا ہے۔ اس لیے حضرت فاطمہؑ بنتِ اسدؑ فشارِ قبر سے گھبرا رہی ہیں اور حضرت فاطمہؑ بنتِ اسدؑ تو کیا خود امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں روایت ہے کہ مولائے کائنات علیہ السلام بھی جب قبر کا ذکر سنتے تو گھبرا اُٹھتے۔

ابودردہ انصاری نقل کرتے ہیں: ایک دن ہم چند دوست بیٹھے ہوئے تھے اور تذکرہ یہ ہو رہا تھا کہ سب سے بڑا عابد کون ہے؟ سب سے بڑا زاہد کون ہے؟

میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: میرے ساتھیو! میں تم کو بتاتا ہوں کہ سب سے بڑا عابد اور سب سے بڑا زاہد کون ہے؟

اے میرے ساتھیو! مجھے یاد ہے ایک مرتبہ رات کا وقت تھا صبح کی نماز کا وقت قریب آتا جا رہا تھا، رات گزرتی جا رہی تھی۔ میں کسی کام کی وجہ سے مسجد کی طرف سے گزرا۔ میں نے دیکھا کہ مسجد کے اندر تاریکی میں چراغ جلائے میرے مولاؑ بیٹھے ہیں اور میرے مولاؑ چراغ جلا کر فارغ نہیں بیٹھے ہوئے بل کہ ہاتھوں کو پھیلائے ہوئے اور بارگاہِ الٰہی میں گڑگڑا کر دعاؤں اور مناجات میں مشغول ہیں۔ میں نے سنا اپنے مولاؑ کو یہ جملے زبان سے نکالتے ہوئے:

''خداوندا! کتنی مصیبتیں ایسی ہیں کہ جو میری طرف آ رہی تھیں لیکن تُو نے اپنی رحمت سے انھیں مجھ سے دُور کر دیا۔ خداوندا! کتنے گناہ ایسے ہیں جن میں مَیں مشغول ہو جاتا ہوں۔ لیکن تیرے کرم کی وجہ سے میں ان گناہوں سے بچ گیا۔''

اب معصومؑ کا کلام سنیے:

''خداوندا! میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے اپنی زندگی کو تیری نافرمانی میں گزارا۔ خداوندا! میں اعتراف کرتا ہوں کہ میرا نامہ اعمال گناہوں سے بھرا ہوا ہے لیکن میں تجھ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں اور تیری رضا اور خوشی کے علاوہ مجھے اور کوئی چیز مطلوب نہیں۔''

ابو دُردہ انصاری کہتے ہیں: یہ کہنے کے بعد میرے مولاؑ کھڑے ہو گئے، دو رکعت نماز پڑھی۔ نماز کو ختم کیا تو پھر آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ہاتھوں کو پھیلایا اور کہنے لگے:

''خداوندا! جب میں تیری بخشش اور رحمت کو دیکھتا ہوں تو اپنے گناہ معمولی اور انتہائی حقیر نظر آنے لگتے ہیں۔ لیکن جب میں تیری گرفت کو، تیرے حساب و کتاب کو دیکھتا ہوں تو مجھے اپنے گناہ انتہائی بڑے بڑے نظر آتے ہیں۔''

ابو دُردہ انصاری کہتے ہیں: اس کے بعد میں نے دیکھا کہ امامؑ نے اپنی ریش مبارک کو اپنے ہاتھوں میں پکڑا، آسمان کی طرف نگاہ کی اور کہنے لگے:

''خداوندا! میں نے آسمانی کتابوں میں پڑھا ہے کہ تُو! ہر گناہ گار کو پکڑے گا۔''

اب امامؑ کا جملہ سنیں:

''خداوندا! تُو ہر گناہ گار کو پکڑے گا اور وائے ہو اس شخص کی حالت پر کہ جس کو تُو پکڑے اس لیے کہ جو تیری گرفت میں آ جائے اُسے نہ اس کا خاندان بچا سکتا ہے' نہ اس کا قبیلہ اور نہ کوئی اور۔ چاروں طرف سے اس پر مصیبتیں ہی مصیبتیں ہوں گی۔''

ابودُردہ کہتے ہیں: اس کے بعد میں نے دیکھا کہ امامؑ نے اپنے رُخسار کو اپنے ہاتھوں سے پیٹنا شروع کیا اور کہنے لگے:

''خداوندا! آہ! آہ! تُو مجھے اس آگ سے بچا کر رکھ جو جلا کر رکھ دے گی' جو چہرے کو جھلسا دے گی۔''

یہ کہنے کے بعد میرے مولاؑ زمین پر گر پڑے۔ جب میں نے اپنے مولاؑ کو زمین پر گرتے ہوئے دیکھا تو میں گھبرا کر آگے بڑھا' قریب پہنچا' مولاؑ کے ہاتھ پاؤں کو دیکھا تو بالکل اکڑ چکے تھے۔ میں گھبرا کر گھر کی طرف چلا تا کہ جا کر حضرت سیدہؑ کو امیر المومنین علیہ السلام کی وفات کی خبر دوں۔ جب میں گھر کے قریب پہنچا تو میں نے دیکھا کہ رات کی تاریکی ہے' سردی انتہائی شدید ہے' لیکن گھر میں سے مسلسل حضرت سیدہؑ کی مناجات اور رونے کی آواز آ رہی ہے۔ میں نے دروازے پر دستک دی۔

حضرت سیدہؑ نے دریافت کیا: کون ہے؟

میں نے اپنا تعارف کرایا۔

سیدہؑ نے کہا: کس لیے آئے ہو؟

میں نے کہا: اے سیدۂ عالمؑ! مسجدِ نبویؐ میں آپؑ کے شوہرؑ کا انتقال ہو گیا ہے اور ابھی میں اس حالت میں چھوڑ کر آ رہا ہوں کہ ہاتھ پاؤں اکڑ چکے ہیں۔

میں نے دیکھا کہ ایک مرتبہ اندر سے آواز آئی حضرت سیدہؑ کی: اے ابودُردہ انصاری!

گھبرانے کی بات نہیں ہے میں تو روزانہ اس قسم کے مناظر دیکھتی رہتی ہوں۔ تمھارے مولاؑ ابھی اس دنیا سے گئے نہیں وہ اپنی عبادت میں مصروف ہیں۔

میں واپس مسجد کے اندر آیا تو مولاؑ کو اسی حالت میں پایا۔ نماز فجر کا وقت قریب آ رہا تھا' میں نے فوراً پانی لے کر مولاؑ کے چہرہ پر چھڑکا' مولاؑ ہوش کی حالت میں آئے۔ ہوش میں آتے ہی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے۔ میں نے جب مولاؑ کو روتے دیکھا تو ایک مرتبہ میری آنکھوں سے بھی آنسو نکلنے لگے۔

مولاؑ نے ارشاد فرمایا: اے ابوذردہ انصاری! تُو مجھے دیکھ کر روتا ہے اور حیرت کرتا ہے۔ لیکن کیا تجھے نہیں پتا کہ ایک دن مجھے بھی حساب و کتاب کے لیے خدا کے سامنے جانا پڑے گا۔ وہ دن انتہائی سخت دن ہوگا' جب ہر طرف سے ملائکہ اور دوزخ کے شعلے مجھے گھیرے ہوں گے اور خدائے متعال کے سامنے اپنے ذرّے ذرّے (ہر عمل) کا حساب و کتاب دینا پڑے گا۔

یہ ہمارے مولاؑ کی عبادت ہے' یہ ہمارے مولاؑ کا خوف خدا ہے۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ مولاؑ اپنے گناہوں کا اعتراف کر رہے ہیں۔ گناہوں کا اعتراف تو وہ کرے کہ جس نے کوئی گناہ کیا ہو۔ لیکن جو ابتدا اور انتہا تک پاک و پاکیزہ' طیب و طاہر اور مطہر جس کو خدا نے قرآن میں "وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا" کی سند عطا کی ہو۔ اس کے بارے میں یہ سوچنا کہ وہ گناہ کرے گا' بجائے خود گناہ ہے۔

لیکن یاد رکھیے!

توبہ کی ایک قسم یہ بتائی گئی ہے کہ انسان گناہ کر کے توبہ کرے' افضل ترین عبادت ہے اور اس سے بھی افضل عبادت یہ ہے کہ انسان گناہ نہ کرے اور پھر بھی توبہ کرے پھر بھی خدا کی بارگاہ میں روتا رہے۔

یہ درحقیقت ہماری عبرت اور ہدایت کے لیے ہے کہ میں کائنات کا مولاؑ ہوں' میں کائنات کا مشکل کشاؑ ہوں' مجھے کیا ضرورت ہے عبادت کی یا خوف خدا کی؟ جنت میرے لیے' جہنم میرے دشمنوں کے لیے۔ لیکن میں بھی ایک لمحہ کے لیے توجہ کو نہیں ہٹا رہا۔ میں ایک لمحہ کے

لیے بھی خدا کی عبادت سے غافل نہیں ہو رہا تو میرے ماننے والوں کو کیا ہو گیا ہے؟ کس سہارے پر اتنے اطمینان کے ساتھ بیٹھ گئے ہیں؟ اور دنیا میں مشغول ہو گئے ہیں' دنیا کے کاموں میں مصروف ہو گئے ہیں۔

مولائے کائنات علیہ السلام کے بارے میں تو آپ نے سنا ہو گا!

انتہائی معروف واقعہ ہے!

جب مولاؑ کے ایک معروف صحابی معاویہ کے پاس جاتے ہیں کہ جس کی زندگی کا مقصد صرف اور صرف بغض علی علیہ السلام تھا۔ اسی معاویہ کے سامنے جب مولاؑ کے ایک صحابی گئے اور اس نے ایک مرتبہ مولاؑ کے ساتھی سے کہا: اپنے مولاؑ کے فضائل بیان کرو۔

جیسا کہ ہم اکثر کہا کرتے ہیں کہ ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ غیروں کو اگر شیعہ کرنا ہے تو ان کے سامنے خیبر کے واقعات پیش کرو ان کے سامنے خندق کے واقعات پیش کرو ان کے سامنے بدر و اُحد کے واقعات پیش کرو۔ وہ جلدی مومن بن جائیں گے۔ یہ ہمارا نقطہ نظر ہے۔ لیکن مولاؑ کے قریبی ساتھیوں کا نقطہ نظر یہ نہیں ہے۔ ان کے لیے اگر غیر شیعہ کے سامنے علی علیہ السلام کی فضیلت بیان کرنا ہے تو تلوار چلانے والوں کا تذکرہ نہ کرنا۔ وہ سمجھیں گے کہ علی علیہ السلام بھی قیصر و کسریٰ کی طرح سے کوئی بادشاہ ہوں گے۔ ان کے سامنے اگر تذکرہ کرو تو علی علیہ السلام کے خوفِ خدا کا کرو اور اس شان کے ساتھ تذکرہ کرو علی علیہ السلام کی عبادت کا۔ آپ نے بار بار علما کی زبان سے سنا ہو گا۔

مولاؑ کے اس ساتھی نے کہا: اے معاویہ! تُو نے مجھ سے میرے مولاؑ کی فضیلت دریافت کی ہے تو سن! میں نے دیکھا کہ رات کی تاریکی چھا چکی ہے اور ستارے خاموش ہو چکے ہیں۔ میں نے اپنے مولاؑ کو اس حالت میں دیکھا کہ رات کی تاریکی میں محرابِ عبادت میں قیام کی حالت میں کھڑے ہیں۔ اپنے ریش مبارک کو پکڑے ہوئے ہیں۔ کوئی دیکھنے والا نہیں' کوئی مولاؑ کی عبادت کی تعریف کرنے والا نہیں۔ وہ مولاؑ کہ جس کے ماننے پر سمجھ رہے ہو کہ ہمیں عبادت کی ضرورت نہیں۔ وہ مولاؑ ہو کر بتا رہا ہے کہ ہم مولاؑ ہو کر اپنے آپ کو

عبادت سے بے نیاز نہیں سمجھتے تو تم ہمارے پیچھے چلتے ہوئے کیسے یہ سمجھ رہے ہو کہ عبادت سے بے نیاز ہو۔

امامؑ ہمارے رہبر ہیں اور امام کا مطلب ہے آگے چلنے والا۔ اگر ہم حقیقتاً امامؑ کے پیچھے چل رہے ہیں تو یاد رکھیے! جہاں امامؑ جائیں تو یقیناً ہم بھی وہاں پہنچ جائیں گے اور اگر ہم امامؑ کے پیچھے نہیں چل رہے تو امامؑ کا رُخ اِدھر ہوگا اور ہم اُدھر پہنچ چکے ہوں گے۔

اب ذرا دیکھیں!

امامؑ کا رُخ کس طرف ہے؟

مولاؑ کا ساتھی کہہ رہا ہے: میں نے دیکھا رات کی تاریکی ہے' مولاؑ اپنی ریش مبارک کو اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے ہیں۔ میرے مولاؑ اس طرح تڑپ رہے ہیں جس طرح سانپ کا کاٹا تڑپا کرتا ہے اور اس طرح رو رہے ہیں جس طرح وہ عورت روتی ہے جس کے جوان بیٹے کا انتقال ہو جائے اور میرے مولاؑ بار بار کہہ رہے ہیں: آہ! آہ!

> "اے دنیا! تو میرے پاس آئی ہے' دوسرے کے پاس جا' علی علیہ السلام کو دھوکا مت دے۔ میں تو تجھے تین طلاقیں دے چکا ہوں اور ایسی طلاقیں کہ جن کے رجوع کی گنجائش نہیں۔ تُو میرے پاس آئی ہے' میں جانتا ہوں تیرا عیش و آرام بہت ہی مختصر ہوتا ہے اور تیری بڑی سے بڑی نعمت چند لمحوں کی ہوتی ہے اور تجھ سے اُمید رکھنے والے دنیا کے سب سے بے وقوف انسان ہیں۔ اس لیے کہ تُو کسی کی اُمیدوں کو پورا نہیں کرتی۔"

علی علیہ السلام تڑپتے جا رہے تھے اور کہتے جا رہے تھے:

آه مِن قِلَّةِ الزَّادِ وَ بُعدَ السَّفَرَ

"آہ! آہ! میرے پاس سامانِ سفر بہت کم ہے' خدا کے سامنے حساب و کتاب دینا ہے۔"

علی علیہ السلام کہہ رہے ہیں:

"میرے پاس سامانِ سفر بہت کم ہے اور حالت یہ ہے کہ بہت دُور جانا ہے۔ اِس دنیا سے اُس دنیا (عقبیٰ) میں جانا ہے۔"

یہ میرے مولاؑ کی حالت' یہ میرے مولاؑ کا خوفِ خدا' علی علیہ السلام کے ماننے والے ذرا یہ تو سوچیں کہ ہم کس طریقے سے یہ توقع کرتے ہیں کہ علی علیہ السلام کو امامؑ بھی مانتے ہیں' علی علیہ السلام کا سفر تو اس طرف ہے جہاں عبادت ہی عبادت ہے' جہاں خوفِ خدا ہی خوفِ خدا ہے' جہاں صرف آنکھوں سے آنسو ہیں' جہاں صرف قبر کا تذکرہ ہے۔ اب اگر ہم علی علیہ السلام کے پیچھے چل رہے ہیں تو خود بہ خود ہمیں عبادت کو حاصل کر لینا چاہیے' خوفِ خدا کو حاصل کر لینا چاہیے' آنکھوں سے نکلنے والے آنسوؤں کو حاصل کرنا چاہیے' اور کسی چیز کو حاصل نہیں کرنا چاہیے۔ یہی سبب ہے کہ لوگ آج بھی علی علیہ السلام کے مخالف ہیں اور اُس دور میں بھی علی علیہ السلام کے مخالف موجود تھے جو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ رسولؐ اکرم علی علیہ السلام کو بازوؤں میں بلند کر کے پیش کر رہے ہیں اور یہ کہہ کر پیش کر رہے ہیں:

اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنۡ وَالَاهُ وَ عَادِ مَنۡ عَادَاهُ

"خداوندا! جو اس سے محبت رکھے تُو اس سے محبت رکھ اور جو اس سے دشمنی رکھے تُو اس سے دشمنی رکھ۔"

آنکھوں سے دیکھ رہے تھے لیکن تسلیم کرنے سے انکار تھا' کانوں سے راویوں سے یہ روایتیں سن رہے ہیں لیکن دل یہ عقیدہ رکھنے سے اور یقین کرنے سے انکار کر رہا ہے اور یہ تاریخِ اسلام کا سب سے المناک واقعہ ہے کہ پیغمبرؐ اسلام کے صحابی' پیغمبرؐ اسلام کی صحبت کے تربیت یافتہ' پیغمبرؐ اسلام کے پاس اُٹھنے بیٹھنے والے وہی صحابی بعد از وفاتِ پیغمبرؐ اسلام سب سے پہلے مولائے کائنات علیہ السلام کی مخالفت پر کمربستہ ہوتے ہیں۔

تاریخِ اسلام کا انتہائی نازک موضوع ہے!

ہمیں اصحابِ رسولؐ کی عظمت' اصحابِ رسولؐ کے مقام کا خیال بھی کرنا ہے۔ لیکن تاریخی حقائق کو بھی بیان کرنا ہے۔ اس لیے کہ دین ہم تک انھیں اصحاب کے ذریعے پہنچا ہے۔

اب ہمیں دیکھنا ہے کہ ہمارے اور اسلام کے بیچ میں جو قرابت ہے کہیں وہ غلط تو نہیں۔ اس لیے کہ اگر رشتہ غلط ہوا تو ہم تک غلط دین پہنچے گا۔ اس لیے ہم مجبور ہیں تاریخی حقائق سے پردہ اُٹھانے پر۔ لیکن اسی ایک اعلان کے ساتھ جو ہمارا مسلسل اعلان ہے کہ ہم صرف اپنی عبادت گاہ کے اندر' اپنی نشست کے اندر ایک ہی جیسا عقیدہ رکھنے والوں کے سامنے ان کے عقیدے کو بیان کر رہے ہیں اور اس یقین کے ساتھ کہ ایک ایک لفظ کو دوسروں کی کتابوں سے بھی دکھایا جا سکتا ہے۔ لیکن ہمارا خطاب اس وقت اپنے مسلمان بھائیوں سے نہیں ہے' ان کا عقیدہ انھیں مبارک ہو' ہم انھیں ان کے عقیدے پر مبارک باد پیش کرتے ہیں' کوئی اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن ہم اپنے عقیدے کو اپنے ساتھیوں کے سامنے بیان کرنا چاہتے ہیں' جس میں نہ کوئی قانون مداخلت کر سکتا ہے' نہ کوئی اخلاقی اُصول مداخلت کر سکتا ہے' نہ شریعت مداخلت کرتی ہے بل کہ شریعت تو اجازت دیتی ہے کہ عیسائی اور یہودی بھی اگر اپنی عبادت گاہ کے اندر بیٹھے ہوئے ہیں تو انھیں اپنے مذہب پر عمل کرنے کا بل کہ یہاں تک کہ انھیں شراب پینے کا بھی اختیار ہے۔ اسی شریعت کے اختیار کو اختیار کرتے ہوئے کہ ہر ایک اپنی حدود کے اندر اپنے عقیدے کو بیان کرنے پر آزاد ہے۔

اب ہم تاریخ کے انتہائی دردناک موضوع کا آغاز کرتے ہیں جسے بیان کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ لیکن اگر حقائق سامنے نہ آئیں تو نہ اپنے ائمہؑ کی محنتوں کا نتیجہ ہمارے سامنے آئے گا' نہ ہمیں یہ پتا چلے گا کہ جو قادیانی حضرات کا اعتراض ہے کہ یہ شیعوں کے معصومینؑ نے' شیعوں کے اماموںؑ نے کیا ہے تو کیا کیا ہے تمام زندگی یا گھر میں بیٹھے رہے یا قید خانے کے اندر رہے۔ ذرا سی بھی خدمت وہ مسلمانوں کی نہ کر سکے۔

یہ اعتراض کرنے والوں کی سمجھ میں کچھ نہیں آ سکتا جب تک کہ اُن کے سامنے وہ حالات نہ ہوں اور وہ مقصد نہ ہو کہ جس کے تحت ائمہؑ نے اپنی توجہ حکومت سے ہٹا کر علم کی طرف لگا دی تھی۔

بس! یہیں سے ہماری گفتگو کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے!

ایک بات کو تمام مسلمانوں نے تسلیم کیا ہے، ہر مسلمان اس حقیقت کو مانتا ہے کہ پیغمبرؐ اسلام کے دور میں منافقین تھے اور پیغمبرؐ اسلام کے بعد بھی منافقین موجود رہے تھے۔

ہم شیعوں پر ایک اعتراض سالوں سے کیا جا رہا ہے وہ یہ کہ شیعہ اصحابِ رسولؐ کے مخالف ہیں۔

یہ ایک ایسا عجیب و غریب اعتراض ہے جس کے اعتراض میں یا تو شیعہ بھی دفاع کرنے لگتے ہیں اور یا پھر منافقین تذکرہ چھیڑ دیتے ہیں۔ لیکن ایک بات تو پورے یقین کے ساتھ ہمارے علما نے اپنی کتابوں میں لکھی ہے آپ کے سامنے پیش کی جائے کہ جو بھی اعتراض آپ کے سامنے کرتا ہے اگر آپ ذرا سا بھی تاریخی علم رکھتے ہیں تو اسے ایسا جواب دے سکتے ہیں کہ پھر اسے بولنے کی جرأت نہ ہو۔

دیکھئے!

مسئلہ صرف اتنا ہے کہ اصحابِ رسولؐ کو ہم مانتے ہیں یا دوسرے مانتے ہیں؟

یہ یاد رکھیے!

ہم بھی کچھ اصحابِ رسولؐ کو برا کہتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں، اس لیے برا کہتے ہیں کہ حکم اسلامی یہ ہے کہ ظالم کے خلاف ہو جاؤ اور مظلوم کا ساتھ دو اور دوسرے ہمارے بھائی جو اپنے آپ کو اصحابِ رسول کا بڑا طرف دار بناتے ہیں، وہ بھی درحقیقت اصحابِ رسولؐ کو برا کہتے ہیں۔

پس!

فرق یہ ہے کہ ہم محدود جماعت کو برا کہتے ہیں تو سو دو سو برے ہوں گے باقی ہزاروں صحیح ہوں گے اور وہ یہ کہتے ہیں: سو دو سو صحیح تھے اور ہزاروں غلط تھے۔

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ عقلی اعتبار سے کس کی بات صحیح ہو سکتی ہے۔

وہ دلیل یہ لاتے ہیں: پیغمبرؐ اسلام کی تربیت پائے ہوئے اصحاب غلطی کریں بھلا! یہ کیسے ممکن ہے؟

اب یہ ممکن ہو یا ممکن نہ ہو،اس سے قطع نظر امیر المومنین علیہ السلام کو خلافت نہ دی گئی اور خلافت کو چھینا گیا اور خلافت کو چھین کر حضرت ابوبکر نے سب سے پہلا کام کیا کیا؟

تمام تاریخوں کا متفقہ جملہ ہے اور اس لیے اس کو لکھا گیا کہ اس کو حضرت ابوبکر کا سب سے بڑا کارنامہ قرار دیا جاتا ہے۔

وہ کیا کارنامہ ہے؟

وہ کارنامہ یہ ہے کہ جو منکرین زکوۃ تھے، وہ گروہ کہ جنھوں نے حضرت ابوبکر کو زکوۃ دینے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا: زکوۃ رسولؐ اکرم اور وصیؐ رسولؐ کا حق ہے ہم صحیح خلافت رسولؐ کو زکوۃ دیں گے، آپ کو ہم خلیفہ رسولؐ تسلیم نہیں کرتے اس لیے زکوۃ بھی نہیں دے سکتے۔

سب سے پہلا کارنامہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ عرب میں لوگ مرتد ہو گئے، زکوۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ جھوٹے نبیوں کی باتوں میں آ گئے تھے۔ چناں چہ پیغمبرؐ اسلام کے دور میں اسلام لانے والے اصحاب کی اکثر تعداد مرتد ہو گئی تھی۔

حضرت ابوبکر نے سب سے بڑا کارنامہ یہ انجام دیا کہ مدینہ اس وقت انتہائی خطرے میں تھا اس کے باوجود انھوں نے مدینے کی فوجوں کو نکالا، مرتدین کے حملے کے ارادے سے بھیجا اور جب لوگوں نے منع کیا اور کہا: اپنی جان بچانے کی فکر بھی کریں۔ جواب یہی دیا: نہیں! کیوں کہ پیغمبرؐ اسلام آخری وقت میں اسامہ بن زید کے لشکر کو بھجوا رہے تھے۔ اس لیے میں سنت پیغمبرؐ اسلام کا اتباع کروں گا چاہے میری جان جاتی رہے۔

ایک کتاب میں تو یہ فقرہ ہے کہ چاہے یہ...... میرے جسم کو نوچ نوچ کر کھا جائیں، لیکن میں حکم پیغمبرؐ کی مخالفت نہیں کر سکتا۔

یہ دوسروں کا تو ڈرامہ ہے جو ہم آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ اب اس کی حقیقت کیا ہے؟

حقیقت صرف اتنی ہے کہ مدینے میں امیر المومنین علیہ السلام اور مدینے کے اندر حضرت ابوبکر اور مدینے کے اندر اصحاب رسولؐ اکرم ہیں جن کے دو گروہ بن چکے ہیں۔ ایک گروہ

امیرالمومنین علیہ السلام کی طرف داری میں ہے اور ایک ان کی مخالفت میں ہے۔ ایک مولاؑ کے حامیوں میں ہے اور ایک مولاؑ کے مخالفوں میں ہے اور مولا علی علیہ السلام کے حامیوں میں تو ابوسفیان جیسا شخص بھی آ کر شامل حال ہو گیا تھا۔ لیکن ابھی یہ گفتگو آگے بڑھے گی تو بات سامنے آئے گی۔ اب کہا جاتا ہے کہ مدینے کے مومنوں نے منع کیا' حضرت ابوبکر نے بھیجا اور ہر تاریخ اسلام میں یہاں تک ہے بل کہ جو کورس میں داخل ہے اس میں بھی یہ جملہ موجود ہے کہ بعد از وفات پیغمبرؐ اسلام تمام عرب مرتد ہو گیا تھا۔

اب ذرا غور کریں!

سوال یہ ہے کہ اس وقت تمام عرب میں کون لوگ تھے؟

صحابیِ رسولؐ تھے اس لیے کہ آخری حج میں ایک لاکھ بیس ہزار سے زیادہ کی تعداد بتائی جاتی ہے۔ مدینے کی آبادی زیادہ سے زیادہ دس ہزار یا بارہ ہزار تھی' باقی سارے کون تھے ایک لاکھ سے زیادہ؟ یہ مدینے کے باہر جتنے صحابیِ رسولؐ تھے جنھوں نے حجۃ الوداع میں پیغمبرؐ اسلام کی زیارت کی' یہ بھی صحابی ہو گئے۔ یہ سارے کے سارے مدینے سے باہر تھے۔

اب ہم یہ کہتے ہیں: مدینے سے باہر جتنے تھے ان کی اکثریت مسلمان تھی اور مدینے کے اندر کچھ مسلمان ایسے تھے جنھوں نے ہنگامہ برپا کیا۔

اب اس کو اس طرح دیکھئے کہ مدینے میں زیادہ سے زیادہ دس ہزار صحابی ہیں اور مدینے کے باہر ڈیڑھ لاکھ صحابی ہیں۔

پھر یہ کہتے ہیں: وہ ڈیڑھ لاکھ صحابی صحیح اور یہ دس ہزار صحابی غلط' اگر سب کو بھی غلط مانا جائے تو دس ہزار غلط اور دوسرے یہ کہتے ہیں: مدینے کے تمام صحابی صحیح اور باقی ڈیڑھ لاکھ غلط تھے۔ اس لیے حضرت ابوبکر نے ان سے جہاد کیا۔

اب خود غور کریں کہ اصحاب کی اکثریت کا انکار کون کرتا ہے؟

ہم تو اکثر کو مانتے ہیں کہ وہ صحیح تھے اور امیرالمومنین علیہ السلام کو ماننے والے تھے۔ ایک چھوٹا سا گروہ مدینے کا مولاؑ کے خلاف تھا۔ جب کہ وہ کہتے ہیں: مدینے والے حضرت ابوبکر کے

ساتھ اور باہر والے خلاف تھے۔ کبھی یہ غلط فہمی ذہن میں پیدا نہ ہونے پائے کہ ہم اصحابِ رسولؐ کے خلاف ہیں۔ بس! ہم کو صرف یہ دیکھنا ہے کہ اصحابِ رسولؐ میں وہ کون سے منافقین ہیں کہ جنھوں نے پیغمبرؐ اسلام کی زندگی میں بھی اور پیغمبرؐ اسلام کی زندگی کے بعد بھی بار بار امیرالمومنین علیہ السلام اور اسلام کے خاتمہ کی کوشش کی۔ سب سے اہم واقعہ جنگِ تبوک کا ہے۔ جنگِ تبوک کا واقعہ ذہن میں رہے تو منافقین کی ساری سازشیں آپ کے ذہن میں رہیں گی۔ مدینے میں پیغمبرؐ اسلام تشریف فرما ہیں اور غالباً سال یا ڈیڑھ سال وصال میں باقی ہے۔ اس وقت کا یہ واقعہ ہے ایک مرتبہ اطلاع ملی کہ رومی لشکر مدینے اور مسلمانوں کے دوسرے مقامات پر حملہ کرنے کے لیے آ رہا ہے۔ یہ اطلاع ملتے ہی پیغمبرؐ اسلام نے اہل مدینہ کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا اور خطبے انھیں تاکید فرمائی: نکلو اور مدینے سے نکل کر روم والوں کا مقابلہ کرو۔

اب یاد رکھیے!

روم کا مقابلہ کرنا اتنا ہی مشکل تھا جیسے آج روس کا مقابلہ کرنا ہے۔ وہ اپنے زمانے کی سپر پاور تھی۔ سب سے بڑی حکومت تھی روم کے پاس اس وقت دنیا میں اور پیغمبرؐ اسلام مدینہ کے چھوٹے سے گروہ کو حکم دے رہے: چلو اور چل کر مقابلہ کرو روم والوں کا۔

یہ بڑا اہم تاریخی واقعہ ہے۔ کیوں کہ اس جنگِ تبوک میں دو عظیم ہستیوں کے قتل کی سازش کی گئی تھی اور یہی سازش بعد میں ہمیں ہر مقام پر نظر آتی ہے۔

جنگِ تبوک میں پیغمبرؐ اسلام حکم دے رہے ہیں: چلو اور چل کر روم کا مقابلہ کرو۔ روایت میں ہے کہ مسلمان تیار ہو گئے۔ جب مسلمان تیار ہوئے تو منافقین گھبرائے اور گھبرانے کے بعد منافقین نے یہ بھی دیکھا کہ یہ بڑا اچھا موقع ہے۔ اب تک پیغمبرؐ اسلام مدینہ والوں کو لڑاتے آئے ہیں مکہ کے کافروں سے یا عرب کے قبیلوں سے۔ لیکن اب پیغمبرؐ اسلام ان کو لے جا رہے ہیں رومیوں کے مقابلے میں۔ ہر مسلمان چلنے کو تو تیار ہے لیکن دل میں ڈر اور خوف تو موجود ہے کہ اتنی بڑی طاقت کا مقابلہ ہم کریں تو کیسے کریں؟ چناں چہ منافقین نے اپنی سازشوں کو منظرِ عام پر لا کر پیغمبرؐ کے ایک ایک ساتھی کو پیغمبرؐ سے توڑنے کی کوشش شروع کر دی اور روایت

میں ہے کہ یہ ڈر پیدا کرنا شروع کر دیا کہ تم اتنی بڑی طاقت کا مقابلہ کرنے جا رہے ہو۔ اس لیے خود بھی مارے جاؤ گے اور اسلام بھی ختم ہو جائے گا۔ چناں چہ چھوٹا سا گروہ ٹوٹ کر ان کے ساتھ شامل ہو گیا اور اس کے بعد پیغمبرؐ اسلام کا لشکر چلا۔

اب روایت میں ہے کہ پیغمبرؐ اسلام کا لشکر مدینے کے باہر پہنچتا ہے تو منافقین کی جماعت ایک مرتبہ ٹوٹ جاتی ہے۔ پیغمبرؐ اسلام سے کہتی ہے: یا رسول اللہ ﷺ! ہم آپؐ کے ساتھ موت کے منھ میں جانے کو تیار نہیں اس لیے ہم اس غزوہ میں حصّہ نہیں لیں گے۔

لشکر تیار ہے' تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں' فوج مدینے سے باہر نکل چکی ہے۔ ایسے وقت میں فوج کا ایک حصّہ علیحدہ ہو جائے تو فوج کے عزم اور ارادے پر کتنا اثر پڑتا ہے۔ لیکن اسی پر اکتفا نہیں کیا بل کہ روایت میں ہے کہ لشکر چلا اور یہ بھی ہم بتاتے چلیں کہ یہ پہلا موقع ہے کہ جب پیغمبرؐ نے امیر المومنین علیہ السلام کو اپنے ساتھ نہیں رکھا بل کہ مدینے میں چھوڑ کر چلے گئے ورنہ ہر مقام پر علی علیہ السلام کو ساتھ لے کر جاتے تھے۔ اب چند قدم پر لشکر پہنچا تو منافقین نے یہ سوچا کہ ہم نے پیغمبرؐ اسلام کے ساتھیوں کو پیغمبرؐ اسلام سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی لیکن کام یاب نہیں ہوئے۔ اچھا ہوا کہ کام یاب نہیں ہوئے اس لیے اس سے بہتر موقع مل گیا۔

وہ کیا موقع ملا؟

وہ موقع یہ ملا کہ مدینے میں سے ایک ایک مرد کو پیغمبرؐ اسلام اپنے ساتھ لے گئے تھے کیوں کہ سپر پاور کا مقابلہ تھا۔ اب مدینے میں سوائے عورتوں اور بچوں کے کوئی نہیں ہے۔ چناں چہ روایت میں ہے کہ منافقین آس پاس کے ان قبیلوں کے پاس گئے جو اب تک اسلام نہیں لائے تھے اور ان سے کہا: اگر تم نے اپنے عقیدے کو بچانا ہے تو موقع اچھا ہے مدینہ پر حملہ کرو اور پیغمبرؐ اسلام کی جو رشتہ دار عورتیں ہیں انھیں قتل کرو جو مومنہ عورتیں ہیں انھیں مدینے سے نکال دو اور مدینے پر قبضہ کر لو۔ اس لیے کہ وہاں لڑنے والا کوئی نہیں ہے۔ اِدھر یہ لوگ آس پاس کے قبیلوں کے پاس جا جا کر یہ تاکید کر رہے تھے اور پیغمبرؐ اسلام کے پاس وحی الٰہی نازل ہوئی:

”اے میرے حبیبؐ! تم جس جنگ کے لیے جا رہے ہو وہ جنگ نہیں ہو گی

اس لیے کہ رومی لشکر تمھارے مقابلے میں نہیں آئے گا۔ اس لیے علی علیہ السلام
کی ضرورت نہیں ہے' علی علیہ السلام کو مدینے میں چھوڑتے جاؤ تاکہ منافقین جو
سازش کر رہے ہیں اسلام کے خاتمہ کی وہ اس میں کام یاب نہ ہوسکیں۔"

چناں چہ پہلا موقع ملتا ہے کہ پیغمبرؐ اسلام نے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کو بلایا اور کہا: اے علی علیہ السلام! اس وقت تمھارا مدینے کے اندر رہنا انتہائی ضروری ہے۔ اس لیے کہ منافقین مدینے پر حملہ کر کے مدینے پر قبضہ کرنے کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔

کتنی خطرناک سازش تھی کہ تمام مرکز مدینے میں تھا اور مسلمانوں کا اس وقت کوئی مرکز نہیں تھا اور مدینہ اگر چلا جاتا تو مسلمانوں کا لشکر صحرا میں بھوک اور پیاس کی شدت کی وجہ سے مر جاتا یا کسی اور علاقے میں اپنی زندگی گزارنا پڑتی۔

مولائے کائنات علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ امیرالمومنین علیہ السلام آئے اور آنے کے بعد مدینے میں بیٹھ گئے۔

روایت میں ہے کہ صرف ایک ہستی تھی مولاؑ کی' کوئی لشکر نہیں' کوئی فوج نہیں' کوئی دستہ نہیں۔ لیکن اس کے باوجود منافقین سمجھ گئے کہ اب ہماری سازش ناکام ہو چکی ہے۔ اب اگر ہم بڑی سے بڑی فوج کو بھی لے آئیں تو مدینے پر قبضہ نہیں کر سکتے۔ انھوں نے فوراً اپنی سازش کو بدلا۔

اب دیکھتے چلیں کہ پیغمبرؐ اسلام کے زمانے میں یہ کون سا خفیہ ہاتھ ہے' یہ کون ہے جو اس طرح ڈوری کو ہلا رہا ہے اور اتنا اس کا عیارانہ ذہن ہے کہ لمحے لمحے میں اپنی سازشوں کو تبدیل کر رہا ہے؟

ایک طرف اگر ذاتِ رسالتؐ ہے تو ذاتِ رسالت کا مقابلہ کون کر رہا ہے اپنی سازشوں کے تحت کہ اِدھر پیغمبرؐ اسلام ایک قدم اُٹھاتے ہیں اور وہ فوراً اپنی سازش کا رُخ بدل دیتا ہے۔

چناں چہ روایت میں ہے کہ اب انھوں نے اپنی سازش کا رُخ بدلا' عورتیں تو ویسے بھی بہت زیادہ وہمی ہوتی ہیں اور اگر کسی کو برائی کا موقع ملے تو بات کا بتنگڑ بنا دیتی ہیں۔ چناں چہ

روایت میں ہے کہ اب انھوں نے دیکھا کہ امیر المومنین علیہ السلام مدینے میں ہیں اور مدینے میں صرف عورتیں رہ گئی ہیں تو انھوں نے عورتوں میں یہ بات پھیلانا شروع کر دی: دیکھو! علی علیہ السلام (معاذ اللہ) کتنے بزدل تھے اور علی علیہ السلام پر پیغمبرؐ اسلام کو اتنا زیادہ بھروسا نہیں تھا کہ پیغمبرؐ اسلام علی علیہ السلام کو اپنے لشکر میں نہیں لے گئے۔ بل کہ عورتوں اور بچوں کے درمیان علی علیہ السلام کو چھوڑ گئے۔ یہ کہہ کر بات کو پھیلانا شروع کر دیا۔ امیر المومنین علیہ السلام کو ذہنی طور پر پریشان کرنے کے لیے۔

روایت میں ہے کہ اتنی یہ بات مدینے میں اس قدر پھیلی کہ مجبوراً امیر المومنین علیہ السلام مدینے سے نکل کر پیغمبرؐ اسلام کے پیچھے چل دیے اور راستے میں ملاقات کی۔

پیغمبرؐ اسلام نے کہا: اے علی علیہ السلام! کیا بات ہے؟

مولاؑ جانتے تھے۔ لیکن ایک مرتبہ پیغمبرؐ اسلام سے سند حاصل کرنے کے لیے کہتے ہیں: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مدینے میں منافقین نے یہ شور مچا رکھا ہے کہ آپؐ نے مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ دیا اور آپؐ مجھے بالکل بے کار اور فالتو سمجھتے ہیں۔

اس وقت پیغمبرؐ اسلام نے ایک تاریخی جملہ ارشاد فرمایا:

> "اے علی علیہ السلام! کیا تو اس پر راضی نہیں کہ میرے نزدیک تمھارا وہی مقام ہے جو ہارون علیہ السلام کا موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک تھا۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر گئے تو ہارون علیہ السلام کو قائم مقام بنا کر گئے تھے۔ اسی طرح میں بھی تمھیں قائم مقام بناتا ہوں۔"

یہاں تک تاریخ کا واقعہ ہے!

روایت میں ہے کہ منافقین نے دیکھا کہ ہم نے علی علیہ السلام کو بدنام کرنا چاہا۔ لیکن وہاں تو علی علیہ السلام کو اتنی بڑی سند پیغمبرؐ اسلام نے دے دی کہ تم ہارون علیہ السلام کا مرتبہ رکھتے ہوئے میرے نزدیک سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اب انھوں نے فوراً اپنی سازش کو پلٹا اور چوتھی سازش کی۔

ذرا دیکھیں کہ کتنے جلدی تغیر اور تبدل ہو رہا ہے۔ اس کو ذہن میں رکھیں تو پھر بعد کی سازشیں ذہن میں آسکتی ہیں۔

وہ چوتھی سازش کیا؟

وہ مشہور واقعہ جو اس سال ایام عزا کی مجالس میں بہت زیادہ پڑھا گیا کہ جس راستے سے امیرالمومنین علیہ السلام کو مدینہ میں آنا تھا اس راستے میں ایک بہت بڑا گڑھا کھودا گیا۔

علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق پچاس ہاتھوں کے برابر گڑھا کھودا گیا اور اس پر گھاس پھونس ڈال دی گئی۔ اس پر ریت بچھا دی گئی' اس لیے کہ اگر کوئی تیزی سے گھوڑا دوڑاتا ہوا آ رہا ہو تو اسے پتا بھی نہ چلے۔ علی علیہ السلام کے راستے میں اتنا بڑا گڑھا کھودا گیا صحرا میں کہ علی علیہ السلام کسی طرف سے بھی نکل کر آئیں تو لامحالہ اس گڑھے پر قدم پہنچیں گے گھوڑے کے۔ یہ علی علیہ السلام کے قتل کی سازش تیار کی گئی اور اس سازش کو اگر ذہن میں رکھا جائے تو باقی سازش ذہن میں آ جائے گی جو امیر شام کے حکم سے تیار کی گئی تھی۔

اب گڑھا کھودنے کے بعد یہ علی علیہ السلام کا انتظار کرنے لگے چاروں طرف جھاڑیوں میں چھپ کر۔ ایک مرتبہ ان کی نگاہ پڑی کہ مولائے کائنات علیہ السلام گھوڑے کو دوڑاتے ہوئے آ رہے ہیں۔

روایت میں ہے کہ گھوڑا یہاں پر پہنچا' تیزی سے دوڑتا ہوا آ رہا تھا لیکن جب اس گڑھے کے قریب پہنچا تو رک گیا۔ روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ گھوڑے نے کہا: یاامیرالمومنینؑ! آگے گڑھا ہے اور آپؑ کی موت کا انتظام کیا گیا ہے۔

مولاؑ نے اپنے گھوڑے سے کہا: اے میرے گھوڑے قدم آگے بڑھاؤ۔ تم دیکھو کہ خدا کیا کرتا ہے۔ گھوڑے نے قدم رکھا اور قدم رکھتے ہوئے تمام راستا طے کر لیا اور امیرالمومنین علیہ السلام کی جان خدا کے حفظ و امان میں رہی۔

روایت میں ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام چلے اور مدینے کے اندر پہنچے۔ مدینے پہنچتے ہی یہ جملہ نکلا مولائے کائنات علیہ السلام کی زبان سے: مجھے پتا تھا اس کا پہلے سے اور یہ بھی مجھے پتا ہے کہ

میرے چچازاد بھائی پیغمبرؐ اسلام کے خلاف بھی ایسی ہی سازش تیار کی گئی ہے کہ جب پیغمبرؐ اسلام واپس آئیں گے تو انھیں بھی قتل کرنے کی سازش کی جائے گی۔

جب جنگِ تبوک سے واپسی پر پیغمبرؐ اسلام گزرے تو جو بہت تنگ گھاٹی تھی۔ دو پہاڑیاں تھیں' ان پہاڑیوں پر کچھ اصحابِ رسولؐ جا کر بیٹھ گئے تھے جب پیغمبرؐ اسلام نے اس دن یہ حکم صادر کیا تھا: کل مجھ سے پہلے کوئی نہ نکلے' سب سے پہلے میں نکلوں گا' باقی پھر میرے بعد نکلیں گے۔ لیکن جب صبح سویرے نمازِ فجر کے بعد اندھیرے کے اندر لشکر چلا اور جب گھاٹی میں داخل ہوا تو پہلے سے کچھ لوگ وہاں پر موجود تھے جن کی تعداد دس بتائی گئی ہے۔ جب ایک مرتبہ اس گھاٹی سے پیغمبرؐ اسلام گزرے اور آسمان پر بجلی چمکی اور سب کے چہرے دیکھ لیے۔

نہایت مختصر کرتے ہوئے کہ کس طریقے سے جنگِ تبوک جو پیغمبرؐ اسلام کے وصال سے سال یا ڈیڑھ سال پہلے واقع ہوئی۔ اس وقت پوری کوشش کی گئی کہ نہ پیغمبرؐ اسلام رہیں نہ امیر المومنین علیہ السلام رہیں' ساری حکومت ہمارے ہاتھ میں آ جائے۔ اب سازش کی بنیادیں بہت پہلے رکھی جا چکی تھیں اور روایتوں میں ایک بات یہ بھی ہے کہ سازشیوں کو سب سے زیادہ تکلیف پہنچی تھی اس وقت جب پیغمبرؐ اسلام نے ۲ ہجری میں اپنی بیٹی کی شادی ان سے کرنے سے انکار کر دیا اور مولائے کائنات علیہ السلام سے کر دی اور اس کے بعد جب امیر المومنین علیہ السلام کا مرتبہ بڑھتا چلا گیا تو ان کے دل میں کفر و عداوت بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا کہ جس کا انھیں بڑی دیر سے انتظار تھا۔ آخرکار پیغمبرؐ اسلام کا وصال ہو گیا یا پیغمبرؐ اسلام شہید ہو گئے اور جس وقت پیغمبرؐ اسلام شہید ہوئے تو مدینہ بڑے خطرات سے گھرا ہوا تھا۔

روایت میں ہے کہ ایک طرف ایرانی فوج چوکنا ہو چکی تھی جب اسے یہ خبر ملی تھی کہ پورا عرب ہمارے ہاتھ سے نکل گیا' روم کی فوج کو تیار کیا جنگِ موتہ کا بدلہ لینے کے لیے۔ ساتھ ساتھ منافقین کی سازشیں آپ نے خود دیکھیں۔ چوتھا گروہ تو اس وقت موجود تھا۔ یہ چوتھا گروہ عرب کے اس قبیلے سے ہے کہ جو اب تک ایمان نہیں لائے تھے اور ڈر رہے تھے کہ کسی وقت بھی مسلمان طاقت میں آ کر ہمیں ختم نہ کر دیں اور پانچواں گروہ بنواُمیہ کا تھا۔ بنواُمیہ مجبور ہو کر

اپنے کو مسلمان کہلوا بیٹھے۔ لیکن اس کے بعد مسلسل اس کوشش میں تھے کہ کسی طریقے سے امیر المومنین علیہ السلام اور خاندانِ بنو ہاشمؑ کا خاتمہ کیا جائے۔ چناں چہ یہ پانچ گروہ وقتِ وفاتِ پیغمبرؐ اِسلام کے خلاف آمادۂ پیکار ہو چکے تھے۔ ایک طرف ایران تھا' ایک طرف روم تھا۔ دنیا کی دو سپر پاوریں' دنیا کی دو بڑی طاقتیں۔ تیسری طرف منافقین تھے' چوتھی طرف خاندان بنو اُمیہ تھا اور پانچویں طرف عرب کے وہ لوگ کہ جواب تک اِسلام نہیں لائے تھے۔ ایسے وقت میں پیغمبرؐ اِسلام کا وصال ہوتا ہے اور امیر المومنین علیہ السلام کے ہاتھ سے خلافت کو چھینا جاتا ہے۔ اس غرض کے لیے چھینا جاتا ہے کہ پہلے تو کوشش یہ کی گئی خلافت کو آپس میں تقسیم کرلیں اور کسی کو اطلاع تک نہ ملنے پائے کہ پیغمبرؐ اِسلام کا وصال ہو گیا۔ یہ واقعہ حضرت عمر کے حوالے سے تمام کتابوں میں موجود ہے۔

جب انھیں پیغمبرؐ اکرم کے وصال کی اطلاع ملی تو تلوار کھینچ لی اور کہا: خبردار! جو کہے گا کہ پیغمبرؐ اِسلام وفات پاگئے' میں اس کی گردن کو اُڑا دوں گا۔

بہرحال!

کہا یہ جاتا ہے کہ جوشِ محبت میں اور جوشِ جذبات میں وہ اس حقیقت کو نہیں مان سکتے تھے کہ پیغمبرؐ اِسلام کبھی انتقال کر سکتے ہیں۔ جب کہ حضرت عمر ہی کا وہ فقرہ کتابوں میں ہے کہ روزِ اُحد جنگِ اُحد میں مجھے جب یہ اطلاع ملی کہ پیغمبرؐ اِسلام شہید ہو گئے تو میں نے یہ سوچا کہ اب لڑ کر کیا کروں۔ یہ سوچ کر میں اپنے ساتھیوں کا ساتھ دینے کے لیے پہاڑ پر چڑھا۔

بہرحال!

ایک طرف تو وہ حالت کہ جب وہ وقت تھا تو پیغمبرؐ اِسلام کی وفات کی اطلاع سنتے ہی اس طرح یقین آ گیا اور آج اپنی آنکھوں سے پیغمبرؐ اِسلام کے جنازے کو دیکھ کر آئے ہیں لیکن تلوار نکال کر کھڑے ہو گئے کہ کوئی اپنی زبان سے یہ نہ کہے: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو گئے یا محمدؐ مارے گئے۔

اب اتنا فرق کیوں ہے؟

صرف اس لیے کہ اس واقعہ کو چھپایا جائے اور اس لیے کہ جب مسلمان جمع ہوں پیغمبرؐ اِسلام کے جنازے میں حکومت ہمیں مل چکی ہو گی۔ لیکن دوسری طرف انصار جو پہلے ہی سے آگاہ ہو چکے تھے کہ یہ لوگ خلافت اس کو نہیں دیں گے جس کو پیغمبرؐ اِسلام نے کہا ہے تو وہ سقیفہ میں جمع ہوئے۔

بہر حال!

مختصراً یہ سارے اکٹھے ہو گئے۔ حضرت عمر اور حضرت ابوبکر بھی آ گئے اور حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کی بیعت کروالی اور یہ اعلان ہو گیا اور اعلان کر کے سب پہنچے وہاں پر جہاں پر جنازۂ رسولؐ اکرم دفن کیا جا رہا تھا یا دفن ہو چکا تھا اور اعلان کر دیا: ہم متفق ہو گئے ہیں حضرت ابوبکر کی خلافت پر اور تمام لوگ ان کی بیعت کریں اور جو ان کی بیعت نہیں کرے گا ہم اس کی گردن اُڑا دیں گے۔

یہ صرف زبان ہی سے نہیں کہا بل کہ شبلی نعمانی اپنی کتاب "الفاروق" میں لکھتے ہیں: وہ واقعہ جو بیان کیا جاتا ہے تاریخی اعتبار سے جیسا بھی ہو لیکن اس کا ہونا کوئی ناممکن نہیں بل کہ ممکن ہے کہ ایسا ہوا ہو گا کہ جب امیر المومنین علیہ السلام گھر میں آ کر بیٹھ گئے اور اسی گھر میں زبیر ابن عوام بھی تھے۔ یہ زبیرؓ امیر المومنین علیہ السلام کے رشتہ دار تھے اور حضرت ابوبکر کے داماد تھے آئے اور حضرت عمر نے آ کر خانہ سیدہؑ پر کھڑے ہو کر کہا: اے ابوالحسن علیہ السلام! باہر آؤ ورنہ میں گھر کے دروازے کو آگ لگا دوں گا۔

حضرت سیدہؑ نے کہا: اے خطاب کے بیٹے! کیا تو اس گھر کو آگ لگا دے گا جب کہ میں رسولؐ اکرم کی بیٹی بھی اس گھر میں موجود ہوں؟

جواب دیا: ہاں! اے بنتِ رسولؐ! اگر تمہارا شوہر گھر سے نہ نکلا تو ہم اس گھر کو آگ لگا دیں گے۔

اس کے باوجود جب امیر المومنین علیہ السلام باہر نہ نکلے تو واقعاً آگ بھی لگائی گئی اور جلتے ہوئے دروازے کو حضرت سیدہؑ پر گرایا بھی گیا۔ اس کے بعد روایت کے مطابق مولا علی علیہ السلام

کے گلے میں رسّی باندھ کر کھینچتے ہوئے دربار خلافت میں پیش کیا گیا۔

اب لوگوں کو یہاں پر تعجب ہوتا ہے کہ مولاؑ نے اس وقت تلوار کیوں نہ نکالی؟ لیکن حیرت کی بات یہ نہیں ہے بل کہ حیرت کی بات یہی ہے کہ لوگوں کو تعجب ہے کہ تلوار کیوں نہ نکالی؟ لیکن یقین کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر مولاؑ تلوار نکال لیتے تو بہت زیادہ حیرت اور تعجب کی بات ہوتی۔

ذرا دیکھیں!

مولاؑ کا امتحان بدر، اُحد، خندق اور خیبر نہیں ہے بل کہ مولاؑ کا سب سے بڑا امتحان یہ ہے کہ اس طریقے سے تذلیل کر کے اس کو لایا جا رہا ہے جس کے ہاتھ میں ذوالفقار رہتی ہے۔ اگر وہ چاہے تو ایک لمحے کے اندر پوری حکومت کا تختہ اُلٹ سکتا ہے لیکن مولائے کائنات علیہ السلام بالکل خاموش ہیں۔

کیوں خاموش ہیں؟

ذاکرین عظام اور علمائے کرام آپ کے سامنے یہ پیغام پہنچاتے رہتے ہیں کہ اصل اور بنیادی وجہ خاموشی کی یہ تھی کہ پانچ طاقتیں مدینے کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے تھیں اور اگر امیر المومنین علیہ السلام اس وقت ذرا سی بھی جلد بازی کرنے کا مظاہرہ کرتے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ نہ تو اِسلام بچتا، نہ مدینہ بچتا اور نہ خلافت بچتی۔

مولائے کائنات علیہ السلام سے جب کسی نے پوچھا: یا امیر المومنین علیہ السلام! آپؑ بالکل خاموش کیوں رہے؟

مولاؑ نے جواب دیا: وقتِ آخر میرے چچازاد بھائی پیغمبرؐ اِسلام نے مجھے کہہ دیا تھا: اے علیؑ! میرے بعد تم پر جتنی مصیبتیں آئیں ان پر صبر کرنا۔

ایک اور روایت میں تشریح کے ساتھ اس کا جواب موجود ہے: جب حضرت سیدہؑ نے امیر المومنین علیہ السلام کو مخاطب کیا تھا اور مخاطب کرنے کے بعد کہا تھا: اے ابوالحسنؑ! آپؑ کی آنکھوں کے سامنے آپؑ کا حق چھین لیا گیا اور آپؑ خاموش رہے؟

اب حضرت سیدہؑ بھی جانتی ہیں اور حضرت علی علیہ السلام بھی جانتے ہیں صرف پیغام ہم تک پہنچانا ہے۔

روایت میں ہے کہ اسی وقت مسجد سے اذان کی آواز آئی' مولاؑ نے حضرت سیدہؑ کو مخاطب کیا اور کہا: بنتؑ رسولؐ! اگر آپؑ یہ چاہتی ہیں کہ اذان کی آواز آتی رہے تو میں اس مقصد کی خاطر تلوار نہیں نکال سکتا اور اگر آپؑ یہ چاہتی ہیں کہ اذان کی آواز نہ آئے تو میں ابھی تلوار نکالنے کو تیار ہوں۔

مولاؑ نے فرمادیا: وہ موقع اتنا نازک تھا کہ جو ظاہری اسلام باقی ہے وہ بھی باقی نہ رہے گا اور ذاکرین جس واقعہ کے ذریعے یہ بات سمجھاتے ہیں وہ ایک بچے اور دو عورتوں والا واقعہ ہے کہ جب دو عورتوں میں جھگڑا ہوا تو بچے کو آدھا تقسیم کرنے کی بات ہوئی تو جو اصلی ماں تھی وہ اس فیصلے پر راضی نہ ہوئی۔ اس نے کہا: یہ بچہ اس عورت کو دے دو' مجھے نہ ملے۔ لیکن کم از کم اس کی زندگی تو باقی رہے۔ بعینہٖ یہی صورتِ حال مولائے کائنات علیہ السلام کی تھی کہ اسلام اور خلافت میرا حق ہے لیکن اگر میں آگے بڑھتا ہوں تو نہ مجھے ملے گا نہ اسے ملے گا' ختم ہو جائے گا۔ ٹھیک ہے! مجھے نہ ملے لیکن اسلام کم از کم باقی تو رہے۔ اس میں زندگی تو رہے بعد میں ہمارے مواقع ہیں کہ اس کو حاصل کر کے اس میں تبدیلیاں لا سکتے ہیں۔

مولائے کائنات علیہ السلام کی تلوار نہ نکالنے کی تیسری وجہ قرآن نے بتائی۔ سورۂ انفال میں جہاں پر جہاد کرنے کا اور تلوار نکالنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں پر شرط لگائی گئی ہے کہ اگر تمہارے ساتھ چالیس مومنین ہوں تب اقدام کرو۔ اگر چالیس سے کم ہوں تو اقدام کو واجب نہیں سمجھا گیا۔

کم از کم چالیس مومنین ہونا چاہیے تھے تب جہاد واجب ہوتا ہے۔ اب امیرالمومنینؑ کے پاس چوں کہ یہ شرط مفقود تھی اس لیے کہ چالیس ایسے صحابی نہ تھے جو تلوار نکال کر لڑنے کے لیے تیار ہوتے۔ مولاؑ نے ان مصلحتوں کے تحت کہ اسلام باقی رہے پیغمبرؐ اسلام کی وصیت پر بھی عمل ہوتا رہے اور حکم قرآن پر عمل ہوتا رہے۔ اس لیے تلوار نہ نکالی اور یہی وہ مصلحت تھی کہ

جب ابوسفیان نے آ کر امیر المومنین علیہ السلام کو دیکھا اور دیکھنے کے بعد کہا: اے ابوالحسن علیہ السلام! تیری آنکھوں کے سامنے تیرا حق چھن گیا تُو نے کچھ نہیں کیا۔ اگر تُو مجھے اشارہ کرے تو میں مدینے کو گھوڑے سواروں سے بھر دوں گا۔

ابوسفیان پیش کش کر رہا ہے امداد کی۔ لیکن امیر المومنین علیہ السلام نے جواب دیا: اے ابوسفیان! تم مجھے اتنا بتاؤ کہ تم اسلام کے اتنے ہم درد کہاں سے ہو گئے ہو؟ ابوسفیان کو تین سال ہو گئے یا دو سال ہو گئے تھے اسلام لائے ہوئے۔ لیکن علی علیہ السلام یہ کہہ رہے ہیں: تم اسلام کے ہم درد کب سے ہو گئے ہو؟ چناں چہ امیر المومنین علیہ السلام نے ثابت کر دیا کہ ہمیں تمھاری کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اب یہ (معاذ اللہ) امیر المومنین علیہ السلام کی ایک غلطی مانی جا سکتی ہے۔ اس لیے کہ اتنا بہترین خاندان ہاتھ میں آ رہا ہے جو انتہائی سیاسی خاندان ہے۔ اگر دنیا کا طلب گار کوئی شخص ہوتا تو اس کو اپنے ساتھ ملا لیتا اور نکلنے نہ دیتا۔

اب آج کی یہ گفتگو بالکل اختتام پر پہنچ رہی ہے!

آج کی اس گفتگو میں ایک تو مولاؑ کا واقعہ آیا کہ مولاؑ ہمیں کس طرف لے جا رہے ہیں۔ دوسرا واقعہ آیا دشمنانِ اہل بیتؑ کا کہ وہ ہمیں کس طرف لے جا رہے ہیں۔ اب اگر ہم امام مانتے ہیں کسی کو تو دیکھیں ہم کس منزل کی طرف جا رہے ہیں۔ اگر اس منزل کی طرف جا رہے ہیں جس طرف علی علیہ السلام لے جا رہے ہیں' پھر تو ہم علی علیہ السلام کی رفاقت میں ہیں۔ اگر ہم اس منزل کی طرف جا رہے ہیں جس طرف دشمنانِ علیؑ لے جا رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان (دشمنانِ علیؑ) کی امامت قبول کر چکے ہیں۔ یہ فیصلہ آپ خود کر سکتے ہیں۔

بہرحال!

اب اس مقام پر ہماری گفتگو کا سلسلہ ہر صورت میں ختم ہوتا ہے اور جیسا کہ ہم نے بتایا کہ حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے موضوع میں یہ گفتگو آگے بڑھے گی۔ اب گفتگو کو تیزی کے ساتھ جاری رکھتے ہوئے ۱۱ ہجری سے ۳۵ ہجری میں پہنچ جاتے ہیں تا کہ

امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں گفتگو آج اختتام کو پہنچ جائے۔

تو یہ سازش خلافتِ اولیٰ کے زمانے میں کی گئی' لیکن یہ سازش کام یاب نہ ہو سکی اور پچیس (۲۵) سال کے اندر اندر دوبارہ خلافت امیر المومنین علیہ السلام کے پاس آ گئی۔ اب اگر مولائے کائنات علیہ السلام اسی وقت تلوار اُٹھا لیتے تو نہ اسلام ہوتا' نہ مسلمان ہوتے' نہ خلافت ہوتی۔ لیکن مولائے کائنات علیہ السلام نے اس وقت حکمت عملی سے کام لیا جس کے نتیجے میں ۱۱ ہجری سے ۳۵ ہجری تک کا وقت امیر المومنین علیہ السلام کو میسر آیا اور امیر المومنین علیہ السلام نے کہا:

اَلآنَ رَجَعَ الحَقُّ اِلٰی مَکَانِہٖ

''آج وہ دن ہے کہ جب حق اپنی منزل کی طرف واپس آ گیا۔''

مولائے کائنات علیہ السلام کے ہاتھ میں تختِ خلافت آ گیا۔

اب ذرا دیکھیں!

مولا علی علیہ السلام نے آتے ہی کتنے بڑے خطرے کو مول لے لیا' چوں کہ علی علیہ السلام بیٹھ گئے تختِ خلافت پر۔ لیکن جو گذشتہ بزرگ تھے وہ بھی کوئی کچی گولیاں نہ کھیلے ہوئے تھے' جانتے تھے کہ ہم کب تک بے وقوف بنا سکیں گے۔ چناں چہ وہ پہلے ہی بنواُمیہ کی صورت میں ایک سازش تیار کر کے گئے تھے کہ جب ہم نہیں ہوں گے لیکن اس وقت بھی ہمارا کوئی نمائندہ ہو جو علیؑ کو چین سے نہ بیٹھنے دے۔ چناں چہ امیر شام اس وقت گورنر تھے اور اب ضرورت نہیں تھی کسی اور خلیفہ کی اس لیے کہ امیر شام خود موجود تھے اور علی علیہ السلام کا مقابلہ کیا اور سب سے پہلا کام یہ کیا امیر شام نے کہ کسی طریقے سے مسلمانوں کے جذبات کو اُبھارا جائے۔ چناں چہ جذبات سے کھیلا گیا' انھیں علی علیہ السلام کے مقابلے میں لایا گیا جس کے نتیجے میں امیر المومنین علیہ السلام اور حضرت عائشہ کی جنگ ہوئی۔ اس کا جو انجام ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔ اس کے بعد امیر شام خود میدانِ جنگ میں نکلے صفین کے میدان میں جنگ ہوتی رہی اور آخری دن لیلۃ الحریر کی جنگ تھی جو انتہائی خطرناک جنگ تھی اور اس جنگ کا اختتام اس طرح ہوا کہ مالک اشتر رضی اللہ عنہ اس خیمے تک پہنچ گئے جس میں امیر شام تھے اور مالک اشتر رضی اللہ عنہ نے خیمے کی رسّی کو کاٹنا شروع کر دیا

تھا۔ عین اس موقع پر ابوالعاص کے مشورے سے امیر شام نے وہ کام کیا کہ قرآن کو نیزوں پر بلند کر دیا اور کہا: ہم اس کے ذریعے فیصلہ چاہیں گے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے کہا: دیکھو! یہ قرآن جو نیزوں پر بلند کیا گیا ہے یہ اس کی ایک سازش ہے۔

وہاں بھی علی علیہ السلام کی فوج میں کچھ لوگوں نے کہا: نہیں! ہم قرآن کے مقابلے میں نہیں جا سکتے۔ چناں چہ روایت کے مطابق امیر المومنین علیہ السلام نے حکم دیا: تلوار کو روک لو۔

مالک اشتر رضی اللہ عنہ کی تلوار امیر شام کی گردن کی طرف جا رہی تھی۔ لیکن جب حکم امامؑ آیا تو انھوں نے اپنی تلوار کو روک لیا۔

اس کے بعد ایک بہت بڑی سازش کی گئی وہ یہ کہ امیر شام نے کہا: ایسا کریں کہ ایک آدمی ہمارا آ جائے اور ایک آدمی تمھارا آ جائے اور دونوں فیصلہ کریں۔

پہلے تو مولائے کائنات علیہ السلام نے اپنی فوج کو سمجھایا کہ یہ بات نہ مانو۔

کہنے لگے: نہیں! ہم قرآن کو تو نہیں ٹھکرا سکتے اس کو تو مانیں گے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے کہا: اچھا! تو پھر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بناتا ہوں جو میرے چچازاد بھائی ہیں۔

لوگوں نے کہا: نہیں! ابن عباس رضی اللہ عنہ کو نہیں بل کہ ابوموسیٰ اشعری کو بناؤ۔

اب لوگوں نے ابوموسیٰ اشعری کو بھیج دیا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ابوموسیٰ اشعری کا ایمان ہی صحیح نہیں تھا اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ تھے بھی بہت بھولے بھالے۔ یہ بات طے پائی کہ تم بھی اپنے خلیفہ کو ختم کر دو اور ہم بھی اپنے خلیفہ کو ختم کرتے ہیں اور کوئی تیسرا خلیفہ بناتے ہیں تاکہ یہ جھگڑا ختم ہو جائے۔

دونوں نے یہ بات طے کر لی۔ اب دونوں نے فیصلے کا اعلان کرنا تھا' اب دونوں وہاں پر پہنچے۔

ابوموسیٰ اشعری نے کہا: پہلے تم اپنے خلیفہ کو ختم کرو۔

عمر ابن العاص نے کہا: توبہ توبہ میں پہلے کیسے کر سکتا ہوں جب کہ آپ جیسے بزرگ موجود ہوں، پہلے آپ جائیں۔ پہلے آپ تقریر کریں میں آپ کے بعد آؤں گا۔

ابو موسیٰ اشعری اس کے دھوکے میں آ گئے۔ کھڑے ہو کر اعلان کیا: مسلمانو! میں نے علیؑ کو خلافت سے ختم کیا اور اس طرح ختم کیا کہ جس طرح اُنگلی سے انگوٹھی اُتاری جاتی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی اُنگلی میں سے انگوٹھی کو اُتارا۔ اس کے بعد عمر بن عاص آئے اور آ کر کھڑے ہوئے۔

روایت میں ہے کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ نے ابو موسیٰ سے کہا تھا: ابو موسیٰ! آپ علی علیہ السلام کو پہلے ختم نہ کرنا ورنہ دھوکا کھا جاؤ گے۔

لیکن بہر حال!

وہ خوشامد میں آ گئے۔

عمر بن عاص آئے اور کہا: میں ابو موسیٰ کے اس فیصلے سے متفق ہوں اور علی علیہ السلام کو خلافت سے معزول کرتا ہوں۔ لیکن معاویہ کو اسی طرح خلافت پر قائم کرتا ہوں جس طرح اپنی اُنگلی میں یہ اُنگوٹھی پہنتا ہوں۔ اس نے یہ کہہ کر اُنگوٹھی اپنی اُنگلی میں پہنی۔ اب ابو موسیٰ اشعری سر پیٹنے لگے کہ یہ تُو نے کیا کیا؟

لیکن وقت اس کا گزر چکا تھا۔ فیصلہ ہو گیا اور علی علیہ السلام کو معزول کر دیا۔ اب کچھ لوگ پچھتائے۔ ایک مرتبہ علی علیہ السلام کے خلاف ہو گئے کہ یا علی علیہ السلام! ہم آپ کو نہیں مانتے آپؑ نے کیوں قرآن کے مطابق فیصلہ کیا اسی وقت تلوار پر فیصلہ کیوں نہ کرا لیا؟

امیر المومنین علیہ السلام اُن سے مخاطب ہوئے: ارے! تمھاری یہ کیا حالت ہے، میں جو اس وقت کہہ رہا تھا تو تم یہ کہہ رہے تھے کہ نہیں ہم آپؑ کا فیصلہ نہیں مانتے، ہم قرآن کا فیصلہ مانیں گے اور اب یہ کہہ رہے ہو کہ آپؑ نے یہ فیصلہ اس وقت کیوں نہیں کیا۔

بہر حال!

یہ لوگ علی علیہ السلام سے علیحدہ ہو گئے، جن کا نام خارجی ہے۔ واحد فرقہ ہے جو (معاذ اللہ)

علی علیہ السلام کو کافر اور فاسق سمجھتا ہے۔

اب امیر المومنین علیہ السلام جنگ نہروان میں ان سے مقابلہ کرتے ہیں۔

بہر حال!

تین خارجیوں نے اس دن یہ طے کیا کہ مسلمانوں میں اختلافات کی بنیاد تین لوگ ہیں۔ ان تینوں کو قتل کر دو تا کہ نہ یہ لوگ رہیں اور نہ یہ اختلاف رہے۔ یہ طے کرنے کے بعد تینوں نے اپنے ذمہ یہ کام لیا۔ ایک نے کہا: میں معاویہ کے قتل کے لیے جاؤں گا۔ دوسرے نے کہا: میں عمر بن عاص کے قتل کے لیے جاؤں گا۔ تیسرے نے کہا: میں علی علیہ السلام کے قتل کے لیے جاؤں گا۔

اب تینوں اپنے اپنے مقصد کے لیے نکلے' عمر بن عاص کو جو قتل کرنے گیا وہ اپنے مقصد میں کام یاب نہ ہو سکا۔ جو معاویہ کو قتل کرنے گیا تھا تو وہ بھی اپنے مقصد میں کام یاب نہ ہو سکا۔ اس لیے کہ معاویہ اس دن نماز پڑھانے کے لیے گئے۔ لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ معاویہ کے پیچھے کھڑے خارجی نے وار کیا لیکن اس کا وار معاویہ کی ٹانگ پر لگا اور معاویہ زندہ بچ گئے۔ لیکن عبدالرحمٰن ابن ملجم اپنے مقصد میں کام یاب ہو گیا اور ۲۱ رمضان ۴۰ ہجری کو مولاؑ نے شہادت کا درجہ حاصل کیا۔ اب چوں کہ وقت تمام ہو چکا ہے' اس لیے یہاں پر ہماری گفتگو اختتام پذیر ہوتی ہے۔

.......✱.......

چوتھے معصومؑ

حضرت امام حسن علیہ السلام

مشخصات

اسم مبارک	:	حسنؑ
لقب	:	مجتبیٰ زکی وغیرہ
کنیت	:	ابو محمد
والدِ ماجد	:	حضرت علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام
والدۂ ماجدہ	:	حضرت سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا
ولادتِ باسعادت	:	۱۵ رمضان المبارک ۳ ہجری بمقام مدینہ طیبہ
ازواج	:	اُمِّ فرویؓ وغیرہ
اولاد	:	حضرتِ قاسمؑ، حسنؑ مثنیٰ عبداللہؓ وغیرہ (قریب قریب آٹھ بیٹے اور سات بیٹیاں)
شہادت	:	۲۸ صفر ۵۰ ہجری بمقام مدینہ منورہ
عمر مبارک	:	۴۷ سال
قبر مطہر	:	جنت البقیع میں (مدینہ منورہ)

سیرتِ حضرت امام حسن علیہ السلام

سیرت چہاردہ معصومینؑ کے سلسلے میں ہماری آج کی گفتگو کا موضوع ہے دوسرے امامؑ کی سیرت اس سے پہلے ہمارے گفتگو تھی پیغمبر اسلامؐ، حضرت سیدہ فاطمہ زہراؑ اور امیرالمومنینؑ کی سیرت کے بارے میں' کوشش کی گئی کہ مختصر سے اس وقت میں جس حد تک ممکن ہو (خاص طور پر) تاریخی حقائق کو پیش کر دیا جائے۔

جیسا کہ اندازہ ہوتا ہے مطالعے کے وقت کہ ایک یا دو تقاریر میں امامؑ کی ذات کے بارے میں اس حد تک گفتگو کرنا کہ خالی ذہن میں تھوڑا سا خاکہ آ جائے تو یہ ناممکن ہے۔ جس حد تک ممکن ہو سکا ہم اس موضوع کو آگے بڑھانے کی کوشش کریں گے لیکن ایک مرتبہ پھر یہ یاددہانی کرا دی جائے کہ کسی کے ذہن میں یہ خیال پیدا نہ ہونے پائے کہ مکمل طور پر یہ امامؑ کے بارے میں ان دو تقاریر کے سننے سے معلومات پہنچ جائیں گی۔ البتہ جیسا کہ ہم نے ایک تقریر میں کہا تھا کہ امامؑ کا اخلاق' امامؑ کی عبادات' امامؑ کا زہد' امامؑ کا خوف خدا یہ کچھ تو اکثر و بیشتر مجالس کے ذریعہ ہم تک پہنچ جاتا ہے' لیکن چوں کہ عام مجالس میں بیرونی ماحول کی وجہ سے بہت سے تاریخی واقعات نہیں بیان کیے جا سکتے ہیں اور اتنے کم وقت میں اتنی گنجائش بھی نہیں ہوتی کہ امامؑ کی سیرت کو پورے پس منظر کے ساتھ پیش کیا جائے۔ اس لیے ہماری اس تقریر میں تاریخی پس منظر بہت زیادہ واضح اور نمایاں ہوگا' لیکن اس سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امامؑ کی زندگی کا ایک مختصر سا جائزہ پیش کر دیا جائے۔

جہاں تک دوسرے امامؑ کے والد اور والدہ کا تعلق ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام دونوں وہ ہستیاں ہیں کہ جن کا باپ بھی معصوم ہے اور ماں بھی معصومہ ہے اور ایسا رتبہ اس پوری کائنات میں شاید ہی کسی کو ملا ہو۔

۱۵ رمضان المبارک ۳ ہجری وہ سن تھا کہ جب امام حسن علیہ السلام اس دنیا میں تشریف لائے اور ذہن میں اس ۳ ہجری کے سن کو رکھنا انتہائی ضروری ہے اس لیے کہ مکمل طور پر سیرت امامؑ کو

سمجھنے کے لیے یہ چیز ذہن میں رہے کہ ۳ ہجری کا سن وہ سن تھا جس سن سے مسلمانوں کی فتوحات کا آغاز ہوا تھا اور حضرت امام حسن علیہ السلام نے جس ماحول میں آنکھ کھولی تھی تو وہاں کبھی بدر کے چرچے ہوتے' کبھی اُحد کا تذکرہ ہوتا' کبھی خندق کا ذکر لوگوں کی زبان پر ہوتا' کبھی خیبر کے معرکے سنائے جاتے اور کبھی فتح مکہ یا کبھی حنین کا تذکرہ ہو رہا ہوتا ہے۔

ایسے ماحول کے اندر حضرت امام حسن علیہ السلام آنکھ کھولتے ہیں تو جو شخص ایسے ماحول میں آنکھ کھولے کہ جہاں چاروں طرف جہاد ہی جہاد ہو اور جس کا باپ مجاہد اعظم ہو۔ جو ایسے گھر میں آنکھ کھولتا ہے جس کی ماں میں بھی جہاد کا شوق اور ولولہ ہو کہ اگر جنگ اُحد میں خبر پائیں کہ پیغمبر اسلامؐ شہید ہو گئے تو گھبرا کر گھر سے نکل کر اُحد میں پہنچ جائیں۔ ایسے ماحول میں پیدا ہونے اور پرورش پانے والا شخص کتنا شجاع' کتنا بہادر اور کتنا زیادہ تلوار چلانے کا شائق ہونا چاہیے۔ اس ایک نکتے کو اگر سامنے رکھا جائے تو آگے چل کر پھر وہ حقیقت سامنے آئے گی کہ اس کے باوجود حضرت امام حسن علیہ السلام کا کتنا بڑا حصہ ہے مسلمانوں کی تاریخ کو بچانے میں اور اسلام کو ہم تک پہنچانے میں۔

۱۵ رمضان المبارک ۳ ہجری کو حضرت امام حسن علیہ السلام اس دنیا میں تشریف لائے اور ۲۸ صفر المظفر ۵۰ ہجری میں جب ۴۷ سال کی عمر مبارک ہوئی تو امامؑ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ اس تمام دور کے اندر حضرت امام حسن علیہ السلام نے پیغمبر اکرمؐ کا زمانہ دیکھا' پہلی تین خلافتوں کو دیکھا' اپنے بابا کی خلافت کو دیکھا اور امیر شام کی ظلم و تشدد سے بھری ہوئی حکومت کو دیکھا۔ پانچ یا چھے حکومتیں حضرت امام حسن علیہ السلام کی نظروں کے سامنے سے گزری تھیں۔

امامؑ کا نام حسنؑ ہے اور روایت کے اندر بھی یہ ہے کہ امامؑ کا نام کسی نے نہیں رکھا بلکہ خود خدا نے رکھا ہے اس لیے کہ روایات یہ بتاتی ہیں کہ جب حضرت امام حسن علیہ السلام کی ولادت ہوئی ۱۵ رمضان المبارک ۳ ہجری کو تو ولادتِ امامؑ مسلمانوں میں بہت بڑی خوشی کا سبب بن گئی۔ اس لیے کہ اب تک قریش کے طعنے لوگوں کے ذہن میں موجود تھے کہ اے پیغمبرؐ! تو نے اپنی پیغمبری کا اعلان تو کر دیا لیکن اس کے بعد تیری نسل کا خاتمہ ہے' اس کے بعد تیری

نسل ختم ہو جائے گی' اس کے بعد تُو ابتر ہو جائے گا' تیری نسل آگے نہیں بڑھے گی۔ یہ طعنہ جو مسلمانوں کے ذہن میں تھا جو مسلمانوں کی زبان پر عام تھا' حضرت امام حسن علیہ السلام جب اس دنیا میں آئے تو اس کے بعد خدا کا وہ وعدہ پورا ہو گیا:

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ (سورۂ مبارکہ کوثرؔ' آیت ۳)

''تیرا دشمن ہی مقطوع النسل ہو گا۔ اے میرے حبیبؐ! ہم نے تجھے کوثر یعنی کثیر اولاد عطا کی ہے۔''

امام حسن علیہ السلام کا آنا اس اعتبار سے بھی مسلمانوں کے لیے ایک بہت بڑی خوشی کی بات تھی کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کی دنیا میں آمد نے یہ بتا دیا کہ پیغمبرؐ اسلام کی نسل ختم نہ ہونے والی ہے بل کہ پیغمبرؐ اسلام کی نسل کا آغاز ہو چکا ہے۔

روایت میں ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کو جب پیغمبرؐ اسلام کے پاس لے کر آیا گیا تو زرد کپڑے میں لپیٹ کر لایا گیا۔ پیغمبرؐ اکرم کی نگاہ زرد کپڑے پر پڑی تو روایت میں ہے کہ پیغمبرؐ اسلام کے چہرے پر ناراضگی کے آثار نمودار ہوئے۔ پیغمبرؐ اسلام نے زرد کپڑے کو اُتار کر پھینک دیا اور کہا: میں نے منع کیا ہے کہ کسی نومولود کو اور کسی نئے پیدا ہونے والے کو بھی زرد کپڑے میں نہ لپیٹا جائے بل کہ سفید رنگ کا کپڑا لایا جائے۔ چناں چہ حضرت امام حسن علیہ السلام کو سفید کپڑے میں لپیٹ کر پیغمبرؐ اسلام کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

اس وقت پیغمبرؐ اسلام نے سوال کیا: اس کا نام کیا رکھا گیا ہے؟

حضرت سیدہؑ نے بابا کو یہی جواب دیا: بابا! آپؐ سے پہلے میں نام رکھنے میں کیسے تقدم کر سکتی تھی؟ آپؐ ہی اس بچے کا کوئی نام تجویز کریں۔

پیغمبرؐ اسلام نے جواب دیا: اے میری بیٹی! بھلا خدا سے پہلے میں اس بچے کا نام کیسے رکھ سکتا ہوں؟ جب تک بارگاہِ الٰہی سے اس کا نام نہ آئے اس وقت تک اس کا نام نہیں رکھا جائے گا۔

روایت میں ہے کہ اِدھر پیغمبرؐ اسلام کی زبان سے یہ جملہ نکلا' اُدھر حضرت جبرئیل علیہ السلام

آسمان سے تشریف لائے اور کہا: خدا کے آخری رسولؐ! خدا نے آپؐ کو یہ پیغام بھجوایا ہے کہ آپؐ اپنے اس بیٹے کا نام حضرت ہارون علیہ السلام کے بیٹوں کے ناموں میں سے کسی ایک بیٹے کے نام پر رکھیں۔

حضرت ہارون علیہ السلام کے بیٹوں کے نام شبر اور شبیر تھے۔ شبر کا عربی ترجمہ حسنؑ ہے اور شبیر کا عربی ترجمہ حسینؑ ہے۔ چناں چہ امامؑ کا نام حسنؑ رکھا گیا۔

روایت میں ہے کہ اسلام میں پہلی مرتبہ عقیقہ ہونے والا ہے۔ عقیقہ جو سنتِ مؤکدہ ہے۔ عقیقے کی انتہائی تاکید ہے اور شدت کے ساتھ یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم اپنے پیدا ہونے والے بچے کو آفتوں، مصیبتوں اور بلاؤں سے بچانا چاہتے ہو تو اس کا عقیقہ کرو اور عقیقے کی شریعت میں اتنی زیادہ اہمیت ہے کہ یہاں تک حکم دیا گیا ہے کہ اگر بچہ سات دن کا ہو کر مر جائے تب بھی اس کا عقیقہ باقی رہتا ہے اور والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ عقیقہ کر کے اس سنت کو ادا کریں۔

روایات میں ہے کہ پہلی مرتبہ عقیقہ باقاعدہ طور پر حضرت امام حسن علیہ السلام کی ولادت کے موقع پر کیا گیا تھا، جب سات دن ہو گئے تھے ولادت امامؑ کو تو پیغمبرؐ اسلام نے اپنے اس نواسے کا عقیقہ کرایا۔ سر کے بال مونڈ کر چاندی کے برابر تول کر صدقہ دیا گیا اور عقیقے کے طور پر دُنبے کو ذبح کیا گیا۔

کسی نے امام علی رضا علیہ السلام سے سوال کیا تھا: یا بن رسولؐ اللہ! جب کسی کے گھر میں بیٹے کی ولادت ہو تو کس دن مبارک باد دینے کے لیے جانا چاہیے اور کس دن اس بچے کے باپ کے پاس کوئی ہدیہ یا تحفہ یا خوش خبری لے کر جائیں؟

آٹھویں امامؑ نے ارشاد فرمایا تھا: بچے کے پیدا ہونے کے ساتویں دن جاؤ۔ اس لیے کہ پیغمبرؐ اسلام نے بھی حضرت امام حسن علیہ السلام کی ولادت کے ساتویں دن اہلِ مدینہ کو اپنے پاس مدعو کیا تھا اور اس دن اہلِ مدینہ نے حضرت امام حسن علیہ السلام کی ولادت کی خوشی میں پیغمبرؐ اسلام کو آ کر مبارک باد دی تھی۔ حضرت امام حسن علیہ السلام اس دنیا میں آئے لیکن جیسا کہ حضرت

زہرا سلام اللہ علیہا کی تقریر کے سلسلے میں ہم بتا چکے ہیں کہ امامؑ کی ولادت عام انسانوں کی ولادت سے اور امامؑ کی نشوونما عام انسانوں کی نشوونما سے بالکل مختلف ہوا کرتی ہے اور گیارھویں امامؑ کی روایت ہے کہ جتنا ایک مہینے میں بچہ بڑھتا ہے اتنی نشوونما ہماری ایک دن میں ہوتی ہے اور جتنا کوئی بچہ ایک سال میں بڑھتا ہے تو اتنا ہم گروہ اہل بیتؑ کا بچہ ایک مہینے کے اندر بڑھ جاتا ہے۔

روایت میں ہے کہ امامؑ اگرچہ ۱۵ رمضان المبارک ۳ ہجری میں پیدا ہوئے لیکن امامؑ چوں کہ پیدا ہی امامت کے ساتھ ہوتا ہے اس لیے ابتدائے امامت ہی سے حضرت امام حسن علیہ السلام کے پاس وہ تمام خوبیاں، وہ تمام طاقتیں، وہ تمام علم موجود تھا کہ جو ایک بالغ امامؑ کے پاس ہونا چاہیے۔ چناں چہ مناقب ابن شہر آشوب میں یہ واقعہ منقول ہے کہ ۴ ہجری کا واقعہ ہے کہ ابوسفیان، امیر المومنین علیہ السلام کے پاس مدینے میں آیا اور آنے کے بعد امیر المومنین علیہ السلام سے کہنے لگا۔ حالت یہ بتائی گئی کہ مولاؑ اپنے مکان کے صحن میں بیٹھے تھے، کمرے کے اندر حضرت سیدہؑ تھیں، پردہ پڑا تھا اور صحن میں حضرت امام حسن علیہ السلام تھے جن کی عمر مبارک صرف چودہ ماہ کی تھی، وہ کھیلنے میں مشغول تھے، ابوسفیان آیا اور آنے کے بعد مولائے کائنات علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپؑ پیغمبرؐ اسلام سے میری سفارش کرا دیجیے اور آپؑ پیغمبرؐ اسلام کو اس چیز پر آمادہ کر لیجیے کہ پیغمبرؐ اسلام مجھ سے کسی قسم کا کوئی تعرض نہ کریں اور مجھے معاف کر دیں۔

روایت میں ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے صاف انکار کر دیا کہ میں تیری سفارش کرنے پر تیار نہیں ہوں۔ اسی وقت ابوسفیان کی حضرت امام حسن علیہ السلام پر نگاہ پڑی۔ ابوسفیان نے کہا: آپؑ کو اس بچے کا واسطہ کہ آپؑ پیغمبرؐ اسلام سے میری بخشش کرا دیجیے۔

امیر المومنین علیہ السلام چودہ ماہ کے حضرت امام حسن علیہ السلام کو دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں: بیٹا حسنؑ! تم جانو اور ابوسفیان جانے۔ روایت میں ہے کہ چودہ ماہ کی عمر تھی کہ ایک مرتبہ حضرت امام حسن علیہ السلام کھڑے ہوئے اور کھڑے ہونے کے فوراً بعد ابوسفیان کی ناک کو پکڑا اور ناک کو مروڑتے ہوئے کہنے لگے: اے ابوسفیان! اگر تو کلمہ شہادت کو اس وقت اپنی زبان پر سچے دل

سے جاری کرلے تو پھر میں یقیناً تیرا شفیع بننے کو تیار ہوں۔

یہ واقعات اس لیے بھی ذہن میں رہیں کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کے بارے میں جو ایک عام غلط فہمی شیعوں میں پھیل گئی ہے کہ امامؑ انتہائی حلیم شخص تھے' انتہائی غصے کو ترک کرنے والے شخص تھے یہاں تک کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا مطلب لیا جاتا ہے کہ گھر سے باہر تلوار لے کر نکل آنا اور حضرت امام حسن علیہ السلام کا مطلب لیا جاتا ہے کہ ایسا شخص گھر کے اندر چپ چاپ بیٹھا ہو تو یہ واقعات ذہنوں میں رکھتے چلیں کہ حضرت امام حسن علیہ السلام میں شجاعت کی کوئی کمی نہ تھی' چودہ ماہ کی عمر ہے لیکن دشمن اسلام کی ناک مروڑنے کو تیار ہیں۔ چودہ ماہ کی عمر میں جس کے جذبہ جہاد کی یہ کیفیت ہو تو جب اس کی جوانی پورے عروج پر ہو تو اس وقت اس میں دشمن اسلام سے لڑنے کا کیا جذبہ ہونا چاہیے اور اس کے بعد بھی حضرت امام حسن علیہ السلام نے صلح کرلی۔ اس کا مقصد کیا تھا؟ یقیناً کوئی بڑا مقصد ہوگا۔

اب روایات یہ بتا رہی ہیں کہ حضرت امام حسن علیہ السلام ابتدا ہی سے ہر وقت جہاد کے لیے تیار رہا کرتے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ حضرت امام حسن علیہ السلام ہم اور آپ کو ایک بہت بڑا درس دے رہے ہیں اور وہ درس حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے مل کر دیا۔

وہ کیا درس تھا؟

وہ درس یہ تھا کہ حضرت امام حسن علیہ السلام جب بھی مسجد نبویؐ میں تشریف لے جاتے' پیغمبر اسلامؐ پر کوئی تازہ وحی نازل ہو چکی ہوتی تو پیغمبرؐ اسلام اس وحی کا تذکرہ کرتے' منبر سے پیغمبرؐ اسلام اس وحی کو بیان کرتے۔

بحارالانوار میں علامہ مجلسیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کی عمر چار سال یا پانچ سال کی ہے لیکن ذرا دیکھیں کہ امامؑ چار یا پانچ سال کی عمر میں ہمیں کیا پیغام دے رہے ہیں۔

روایت میں ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام اپنے کانوں سے اپنے نانا پر نازل ہونے والی ساری وحی کو سنا کرتے تھے اور گھر میں داخل ہوا کرتے تھے۔ ہم بھی جاتے ہیں کسی عالم کی مجلس

میں وحی الٰہی کو سنتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ پیغمبرؐ اسلام پر براہ راست وحی نازل ہوتی ہے اور عالمؑ پیغمبرؐ کی وحی کو اپنے الفاظ میں ہم تک پہنچاتا ہے تو ہم بھی جا کر مجلس میں یا محفل میں یا امامؑ بارگاہ میں پیغامِ خدا سنا کرتے ہیں۔ حضرت امام حسن علیہ السلام بھی ایک پیغام خدا سن رہے ہیں لیکن اب گھر کے اندر داخل ہو کر کیا ہوتا ہے یا اس مقام پر دیکھ لیجیے کہ ہمارا کردار حضرت امام حسن علیہ السلام کے کردار سے کتنا جدا ہے۔

روایت میں ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام گھر میں آتے ہیں' وہ حضرت امام حسن علیہ السلام گھر میں آتے ہیں جن کے بارے میں ہمارے علمانہیں دوسروں کے علما لکھ رہے ہیں کہ حضرت امام حسن علیہ السلام دو سال کی عمر میں لوحِ محفوظ کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ وہ حضرت امام حسن علیہ السلام کیا یہ نہ جانتے ہوں گے کہ میری ماں حضرت سیدہؑ کائنات کے تمام علوم کی عالمہ ہیں' جو کچھ مجھے پتا ہے وہ میری مادرِ گرامی کو بھی پتا ہے لیکن روایت میں ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام گھر میں آتے ہیں اور آنے کے بعد ایک مرتبہ اپنی مادر گرامیؑ سے کہتے ہیں کہ میں نے آج ناناؐ کو مسجد نبوی میں یہ چیزیں ارشاد فرماتے ہوئے سنا اور من وعن پوری گفتگو پیغمبرؐ اسلام کی اپنی ماںؑ کو سنا دیتے تھے۔

ذرا غور کریں!

امام حسن علیہ السلام جو لوحِ محفوظ کا مطالعہ کر رہے تھے وہ یقیناً اپنی ماںؑ کے مرتبہ اور مقام سے آگاہ ہوں گے تو خود ماںؑ کے مرتبہ اور مقام سے آگاہ ہونے کے باوجود حضرت امام حسن علیہ السلام اتنی شدت کے ساتھ اس بات پر زور دے رہے کہ جو کچھ تم کسی عالم کے پاس سے یا جو کچھ تم کسی امام یا نبی کے پاس سے سن کر آؤ تو اس کو اپنی ذات تک محدود نہ رکھو۔ حضرت سیدہؑ جیسی ہستی ہے میں اس ماں کو بھی یہ پیغام سناتا ہوں' تو ہماری اور آپ کی مائیں' ہماری اور آپ کی بہنیں' ہماری اور آپ کی بیویاں ان کا علم حضرت سیدہؑ کا علم۔ یہ تذکرہ کرنا بھی گناہ ہے۔

امام حسن علیہ السلام اتنا زور دے رہے ہیں کہ دیکھو! جو کچھ باہر سے سنو وہ ضرور گھر کے اندر پہنچاؤ' تو روایت میں ہے کہ حضرت سیدہؑ تک پیغام پہنچایا کرتے تھے۔

اب ضمنی طور پر بات آ گئی تو ایک روایت پڑھ کر اپنی گفتگو کو آگے بڑھاؤں گا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: یاد رکھو! روزِ قیامت جب کوئی عورت میدانِ حشر میں آئے گی تو اس سے خدا ایک سوال کرے گا وہ یہ کہ کیا تُو نے احکاماتِ خدا پر عمل کیا تھا یا نہیں کیا تھا؟ اگر وہ کہہ دے کہ خداوندا! عمل کیا تھا تو جنت میں چلی جائے گی۔ اگر کہہ دے کہ عمل نہیں کیا تھا تو جہنّم میں داخل ہو جائے گی۔ لیکن روایت میں ہے کہ جب اُمت کا کوئی مرد پہنچے گا تو اس سے دو سوال کیے جائیں گے:

پہلا سوال یہ کیا جائے گا کہ کیا تُو نے عمل کیا تھا؟

اگر وہ کہہ دے کہ عمل نہیں کیا تھا تو حکم ہو گا سیدھے جہنّم میں چلے جاؤ۔

اگر وہ کہہ دے کہ میں عمل کر کے آیا تھا یہ میری نماز' یہ میرا روزہ' یہ میرا حج' یہ میری زکوٰۃ' یہ میرا خمس' یہ میری اطاعتِ والدین' یہ تمام نیکیاں گواہ ہیں حالاں کہ عورت یہی جواب دیتی کہ خداوندا! میں نے نیکیاں کی تھیں تو جنت میں داخل ہو جاتی۔

لیکن چھٹے امامؑ کہہ رہے ہیں کہ مرد یہی جواب دے گا تو اس کو روک دیا جائے گا۔ اس کے بعد دوسرا سوال کیا جائے گا کہ ٹھیک ہے تم نے تو عمل کیا تھا لیکن کیا تم نے اپنے گھر کی عورتوں کو بھی یہ باتیں بتائی تھیں یا نہیں بتائی تھیں؟

اگر وہ کہہ دے کہ خداوندا! میں نے نہیں بتائی تھیں جو خود عمل کے میدان میں کام یاب ہو چکا ہے لیکن اس کے باوجود چوں کہ گھر کی عورتوں کو نہیں بتایا تو وہ جہنّم میں جائے گا اور جب وہ یہ کہہ دے کہ خداوندا! میں نے اپنے گھر کی عورتوں کو بھی بتایا تھا اور اس کا ثبوت میرا نامہ اعمال ہے تب اس کو جنت میں داخل کیا جائے گا تو جیسا کہ ہم اکثر کہا کرتے ہیں کہ مرد بننا اتنا آسان بھی نہیں ہوتا اور انسان کو خوشی سے اتنا پھولنا بھی نہیں چاہیے کہ خدا نے ہمیں مرد پیدا کیا ہے۔ عورت سے فقط اس کے بارے میں سوال ہو گا لیکن مرد سے اس کے بارے میں بھی سوال ہو گا اور اگر اپنے سوال میں کام یاب ہو گیا تو پھر بھی جنت میں جانا' اس بات پر منحصر ہے کہ اپنے گھر والوں کو بتایا تھا یا نہیں بتایا۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کی سیرت میں چل کر دیکھیں کہ آ کر اپنی

ماں زہرا سلام اللہ علیہا سے کہہ رہے ہیں کہ مادر گرامیؑ ! جو کچھ میں سن کر آیا ہوں آ کر آپؑ کو سنانا چاہتا ہوں۔

پتا چلا کہ کبھی اس احتمال سے کہ شاید میرے گھر والے بھی یہ جانتے ہوں گے' مرد اکتفا نہ کر بیٹھیں۔ آپ کی ذمہ داری ہے کہ جو باہر سے سیکھیں وہ گھر کے اندر بھی آ کر بتائیں۔ یہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے ماں کا حق بتایا کہ ماں کا حق کیا ہے۔ ماں کا سب سے بڑا حق یہ ہے کہ نیکی کی جو بات تمھیں معلوم ہے وہ بات اپنی ماں تک بھی پہنچاؤ اور ماں کو عمل کرنے پر مجبور کرو۔ یہ ماں کا حق ہے اور اس کے فوراً بعد باپ کا حق آتا ہے۔ روایتوں میں یہ ہے کہ جب حضرت سیدہؑ بار بار امیر المومنین علیہ السلام سے کہا کرتی تھیں کہ ہمارا بیٹا حسنؑ تو اس طرح نانا کی گفتگو کو من وعن پہنچا دیا کرتا ہے تو امیر المومنین علیہ السلام کہتے: اے بنتِ رسولؐ! میرا دل بھی چاہتا ہے کہ اپنے بیٹے کی گفتگو کو سنوں۔ کل ایسا کیا جائے کہ جب حسنؑ آنے والے ہوں تو اس سے پہلے میں گھر میں داخل ہو جاؤں گا اور چھپ کر ایک مقام پر بیٹھ جاؤں گا۔

یہ ماں کا حق تھا جو حضرت امام حسن علیہ السلام نے بتایا اور یہاں پر باپ کا حق شروع ہو رہا ہے۔

روایت میں ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام پہلے ہی سے گھر میں ایک پوشیدہ مقام پر آ کر بیٹھ گئے اور جب حضرت امام حسن علیہ السلام آئے اور گفتگو کرنے لگے تو حضرت امام حسن علیہ السلام نے گفتگو شروع کی لیکن تھوڑی سی گفتگو کی ہوگی' ایک امام معصومؑ ہے' تمام کائنات کا حاکم ہے لیکن اس امامِ معصومؑ کی بھی باپ کی ہیبت سے یا باپ کے احترام سے یا باپ کی عظمت سے یہ حالت ہے کہ روایت میں ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کی زبان لڑکھڑانے لگی اور کہنے لگے: امی جانؑ! میری زبان لڑکھڑا رہی ہے' میں گفتگو نہیں کر سکتا' مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ میرے بابا! مجھے دیکھ رہے ہیں۔

روایت میں ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام اس وقت آئے اور مسکراتے ہوئے بیٹے کو گلے سے لگایا' پیشانی پر بوسہ دیا۔

لیکن حضرت امام حسن علیہ السلام نے کیا پیغام دیا؟

پیغام یہ دیا کہ دیکھو! باپ کی عظمت یہ ہوتی ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کو ظاہری طور پر نہیں پتا کہ بابا موجود ہیں لیکن یہ باپ کی عظمت ہے یعنی ایک بیٹے کی نگاہ اتنی حساس ہونی چاہیے کہ باپ کو نہ دیکھے یعنی گھر کی حالت کو دیکھ کر اس کو اندازہ ہو جائے کہ یقیناً یہاں سے میرے باپ کی خوش بو آ رہی ہے' یقیناً میرا گھر یہ گواہی دے رہا ہے کہ میرا باپ اس مقام پر موجود ہے۔

بعض علما سے سنا ہے اور کتابوں تک میں یہ واقعہ چھپ چکا ہے کہ بعینہٖ ایک مرتبہ ایک ایسا ہی واقعہ دورِ جدید کے عالم وقت حضرت آیت اللہ العظمیٰ السید ابوالقاسم الخوئی اعلی اللہ مقامہ کے ساتھ بھی پیش آ چکا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ نہیں کہ (معاذ اللہ) حضرت امام حسن علیہ السلام اور آقائی خوئی کا مقابلہ ہو رہا ہے بل کہ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ دیکھیے! کس طریقے سے ایک مومن کو احساس ہوتا ہے۔

روایت میں ہے کہ آیۃ اللہ ایک مرتبہ درسِ خارج دے رہے تھے۔ درسِ خارج یہ کہ جس میں مجتہد تقریر کرتا ہے اپنا فتویٰ بیان کرتا ہے اور اپنے فقہی مسائل کی تشریح طالب علموں تک پہنچاتا ہے۔ روایت میں ہے کہ دورانِ تقریر ایک مرتبہ زبان لڑکھڑانے لگی اور بے ساختہ کہنے لگے: مجھے یقین ہے کہ اس مجمعے میں میرے بابا آ کر بیٹھ چکے ہیں۔ جب دیکھا گیا تو لوگوں نے پایا کہ واقعاً آقائی خوئی کے والد اس مجمع میں تشریف فرما تھے۔ تو حقیقی مومن وہ ہوتا ہے جو امیر المومنین علیہ السلام کے نقشِ قدم پر چلے۔

امام حسن علیہ السلام کی چار سال کی عمر ہے' ماں کا حق بھی بتا رہے ہیں کہ ماں' بہن' بھائی' گھر والوں کا حق یہ ہے کہ نیکی کا پیغام پہنچایا جائے اور باپ کا حق بھی بتا رہے ہیں۔ اس ماحول میں حضرت امام حسن علیہ السلام کی پرورش ہو رہی ہے اور اس ماحول میں حضرت امام حسن علیہ السلام زندگی گزار رہے ہیں۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کا اخلاق' سیرت یا علم اتنا وسیع موضوع ہے کہ اگر ہم اس پر گفتگو کا آغاز کریں تو وہ تاریخی گفتگو ہماری اُدھوری رہ جائے گی کہ جس کے لیے یہ مجالس رکھی گئی ہیں۔

لیکن بہر حال!

روایات میں ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے بے شمار خطبات دیئے اخلاق کے سلسلے میں' موت کے سلسلے میں اور روایت میں ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام جب کبھی نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو یہ چوتھے امامؑ کی گواہی ہے جو کتاب مناقب ابن شہر آشوب میں موجود ہے کہ جب میرے چچا حضرت امام حسن علیہ السلام نماز کے لیے کھڑے ہوا کرتے تھے تو اس وقت حالت یہ ہوتی تھی کہ چہرے کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا' تمام بدن کے جوڑ ہل کر رہ جاتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے میرے چچاؑ سے سوال کیا کہ آپؑ کی یہ کیا حالت ہے؟ تو میرے چچاؑ نے جواب دیا: تمھیں پتا نہیں کہ میں اس امانت کو ادا کرنے جا رہا ہوں جو امانت خدا نے زمینوں کو دینا چاہی' آسمانوں کو دینا چاہی' پہاڑوں کو دینا چاہی تو ان سب نے اس کو لینے سے انکار کر دیا' اپنی کم زوری کی وجہ سے۔ لیکن اب وہ امانت' اب وہ ذمہ داری مجھے ادا کرنا ہے' تو ہر مومن جو خدا کی بارگاہ میں پہنچے۔

حضرت امام حسن علیہ السلام کے الفاظ:

> "ہر وہ مرد کہ جو خدا کی بارگاہ میں حاضری دے اس کا فرض یہ ہے کہ اس کے تمام جسم میں رعشہ آ جائے' اس کے جسم کا جوڑ جوڑ علیحدہ ہو جائے اور خوفِ خدا سے اس کا چہرہ زرد پڑ جائے۔"

بس!

یہی نماز کی قبولیت کا معیار حضرت امام حسن علیہ السلام نے بتایا' نمازیں ہم بھی پڑھتے ہیں لیکن ایسی نمازیں کہ سارا سال نماز پڑھتے ہیں' کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوئی جب کہ قرآن کہہ رہا ہے:

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ (سورۂ مبارکہ عنکبوت' آیت ۴۵)

"بے شک نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے۔"

نماز یقیناً تمھارے کردار کو تبدیل کرے گی۔

امام حسن علیہ السلام بتا رہے ہیں کہ وہ نماز نہیں جیسی عام مومن پڑھتے ہیں کہ نماز پڑھنے میں اور ٹکریں مارنے میں کوئی فرق نہ ہو۔ بل کہ ایسی نماز کہ جب بارگاہِ الٰہی میں کھڑے ہوں تو اور اس خیال سے کہ میں کتنی بڑی جلیل القدر ہستی کے سامنے کھڑا ہوں۔ چہرے کا رنگ زرد پڑ جائے' جسم میں رعشہ آ جائے' جوڑ جوڑ علیحدہ ہو جائے۔

امام حسن علیہ السلام کے بارے میں روایت میں ہے کہ حضرت امام حسنؑ کو (ایک) تذکرہ بہت زیادہ پسند تھا۔

کون سا تذکرہ؟

شاید بدر کا تذکرہ امامؑ کو بہت ہی زیادہ پسند ہو۔ اس لیے کہ ہم تو اپنے آقا و مولا کی بات کرتے ہیں۔ لیکن امامؑ کے لیے تو اُن کے باپ کا تذکرہ تھا کہ بدر کی جنگ امیرالمومنینؑ کی وجہ سے جیتی گئی۔ لیکن روایتیں بتاتی ہیں کہ نہیں! بدر کا تذکرہ امامؑ اتنا نہیں کیا کرتے تھے' شاید خندق' اُحد و خیبر کا تذکرہ ہو لیکن وہ تذکرہ بھی امامؑ اتنا زیادہ نہیں کیا کرتے تھے۔ شاید بت شکنی کا تذکرہ حضرت امامِ حسن علیہ السلام کو بہت زیادہ پسند ہو۔ لیکن روایتیں اس کی بھی گواہی نہیں دیتیں' شاید حضرت امام حسن علیہ السلام کو شبِ ہجرت کی گفتگو اور نکات بہت زیادہ پسند ہوں۔ لیکن یہ بھی ہمیں روایتوں سے پتا نہیں چلتا۔ شاید حضرت امام حسن علیہ السلام کی نگاہ میں یہ چیز بہت بڑا معیار ہو کہ وہ ثابت کریں کہ حالتِ رکوع میں جب علی علیہ السلام نے انگوٹھی دی تو وہ کس طرح مومنین کے مولا بن گئے۔ لیکن اس کا تذکرہ بھی حضرت امام حسن علیہ السلام اتنا نہیں کیا کرتے تھے۔

اب ذرا دیکھیں!

ہماری زندگی حضرت امام حسنؑ کی سیرت کے مطابق ہے یا بالکل متضاد سمت میں جا رہے ہیں؟

روایتیں بتاتی ہیں اور ایک نہیں جتنی کتابیں آپ دیکھیں۔ شیخ عباس قمی کی "منتہی الامال" کو دیکھیں' ابن شہر آشوب کی "مناقب" کو دیکھیں' شیخ مفید کی کتاب "الارشاد" کو دیکھیں' طبرسی کی کتاب "احتجاج" کو دیکھیں۔ جتنی کتابیں ہیں ایک جملہ سب میں مشترک ہے

اور وہ یہ ہے کہ امامؑ کو سب سے پسند کیا چیز تھی؟ موت کا تذکرہ، قبر کا تذکرہ، عذاب کا تذکرہ، روزِ قیامت کا تذکرہ اور پل صراط کا تذکرہ۔

روایت میں ہے کہ محبوب ترین تذکرہ حضرت امام حسن علیہ السلام کی نگاہ میں کیا تھا؟

موت کا تذکرہ اور قبر کا تذکرہ۔

روایت میں ہے کہ ادھر موت کا تذکرہ امامؑ کے سامنے کسی نے کیا تو امامؑ اس طرح تڑپنے لگے کہ جس طرح سانپ اور بچھو کا ڈسا کانپتا اور تڑپتا ہے۔ یہ روایت کے الفاظ ہیں اس کتاب میں ہیں جو "مناقب" کی ابن شہر آشوب نے لکھی ہے اور امامؑ کہا کرتے کہ ایک مومن کے لیے حق خدا یہ بنتا ہے کہ وہ بار بار بارگاہِ الٰہی میں جانے کے تصور کو اپنے ذہن میں رکھے۔

امام حسن علیہ السلام کو موت کا تذکرہ اتنا پسند تھا کہ امامؑ اس کو مومن کی علامت بتا رہے ہیں کہ وہ موت کا تذکرہ کرتا ہے۔ امامؑ کو تو قبر کا تذکرہ اتنا پسند اور ہم تو قبر کا خالی ذکر سنتے ہیں کہ سانپ اور بچھو ہوں گے۔ لیکن امامؑ کے قریب عذاب نہیں آ سکتا' یہ تصور کرنا ہی کتنا بڑا گناہ ہے۔ ان کی یہ حالت کہ قبر کا نام سنیں اور تڑپنے لگیں کہ جیسے عذاب واقعاً ان کے جسم پر آ رہا ہے اور ہماری یہ حالت کہ اتنے اطمینان سے بیٹھ جائیں اور اس طرح موت کے تذکرے سے بھاگیں جس طرح خود ہم موت سے بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس طریقے سے قبر سے اور سانپوں اور بچھوؤں سے کتراتے ہیں۔ غالباً قبر ہی سے کتراتے بل کہ اس عالم کی مجلس میں بیٹھنے کے بھی منکر ہو جاتے ہیں جو اس کا تذکرہ کرتا ہے۔

لیکن ذرا دیکھیں!

امام حسن علیہ السلام کی گفتگو کیا ہے؟

اگر ہم حضرت امام حسن علیہ السلام کے زمانے میں ہوتے اور ہماری حالت یہی ہوتی تو کیا ہم حضرت امام حسن علیہ السلام کی محفل چھوڑ کر چلے جاتے کہ مولاؑ! یوں تو آپؑ کی ہر چیز ہمیں پسند ہے لیکن آپؑ براہِ راست ہم کو جہنم میں پھینک دیا کرتے ہیں اس لیے ہم کسی اور کی محفل میں چلے جایا کریں گے اور ایسے جانے والے تھے بھی اور انھی جانے والوں کی وجہ سے امامؑ کو صلح

کرنا پڑی۔

ایک سبق یہ بھی تھا کہ یہی وہ جانے والے تھے کہ جو زبان سے تو مولاؑ! مولاؑ! کہا کرتے تھے لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ ہم نے مولا امامؑ کو اس لیے بنایا ہے کہ ہمیں دنیا کے اندر بھی راحت میں رکھیں اور آخرت میں بھی راحت میں رکھیں۔ لیکن امامؑ کہتے ہیں نکل کر جہاد کرو۔ امامؑ کہتے ہیں کہ تیر و تلوار کے زخم اپنے جسم پر کھاؤ۔ امامؑ کہتے ہیں کہ اپنے مال کو خدا کی راہ میں لوٹا دو۔ تو ایک مرتبہ مومنین کا ایمان ڈگمگانے لگا۔

کیسے مومنین کا ایمان؟

جن کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اگر ہم نے امامؑ مانا ہے تو اس میں بھی کوئی فائدہ ہی ملے نقصان نہ ہونے پائے۔ جس طرح کاروباری آدمی کوئی ایسا کام کر ہی نہیں سکتا کہ جس میں نقصان کا احتمال ہو صرف اور صرف وہ ایسے کاروبار میں ہاتھ ڈالتا ہے جس میں فائدہ ہی فائدہ ہو۔

اب ہم امام کو امام بنائیں۔ یقیناً یہ بھی ہم نے (معاذ اللہ) امام کی ذات پر ایک احسان کیا ہے تو اب امامؑ کم از کم اتنا تو کریں کہ جب ہم نے انھیں امام مانا ہے تو وہ ہمیں دنیا اور آخرت کی پریشانیوں سے بچائیں۔ لیکن روایت میں ہے کہ امام اپنے شیعوں سے کیا کہا کرتے تھے؟ اگر تمھیں دنیا سے کوئی چیز چاہیے تو آخرت کی پریشانی ملے گی لیکن پھر میرے پاس نہ بیٹھو وہ دوسرا ہے جو تمھیں دنیا کی چیزیں دے رہا ہے اور حضرت ابو ہریرہ جیسے صحابی بھی نماز امیر المومنین علیہ السلام کے پیچھے پڑھا کرتے تھے اور کھانا امیر شام کے دسترخوان پر کھایا کرتے تھے اور یہی کہتے تھے کہ نماز کا لطف علی علیہ السلام کے پیچھے آتا ہے اور کھانے کا لطف امیر شام کے ساتھ آتا ہے۔

اور یاد رکھیے!

یہی ہم میں سے ہر ایک کی فکر ہے۔

وہ کس طرح؟

اگر موقع ملا تو آج بتا دیں گے ورنہ آئندہ تقریر میں۔ تو اب ہوتا یہ تھا کہ حضرت امام

حسن علیہ السلام تو یہ کہا کرتے تھے کہ اگر دنیا کی خوشی چاہیے تو آخرت کا انعام ہم سے طلب نہ کرنا۔ پھر تمہارا مقام ہمارے پاس نہیں ہے اور اگر آخرت کی خوشی چاہیے تو دنیا کی خوشی نہ مانگنا۔

لیکن عام مومن اور کون سے مومن؟

جو اپنے آپ کو امامؑ کا شیعہ کہا کرتے تھے جو اپنے آپ کو امامؑ کا محبّ کہا کرتے تھے' انھوں نے بھی جب یہ منظر دیکھا کہ امامؑ تو ہمیں میدانِ جنگ میں لے کر نکلتے ہیں۔ تو روایت میں ہے کہ انھوں نے امیر شام کو خط لکھے اور اتنے خط لکھے کہ روایتوں میں یہ ہے کہ چار یا پانچ بوریاں خطوں سے بھر گئیں۔ ان تمام خطوں میں فقرہ یہ تھا کہ تم جلدی سے اپنی فوج لے کر آؤ۔ امامؑ ہمیں لے کر میدان میں نکلیں گے اور ہم عین حالتِ جنگ میں امامؑ کو گرفتار کر کے تمہارے حوالے کر دیں گے۔

روایت میں ہے کہ امیر شام نے یہ سارے خطوط تھیلیوں میں بند کر کے حضرت امام حسن علیہ السلام کے پاس بھجوا دیے۔ یہ بھی ایک سبب بنا تھا' یہی کچھ نام نہاد اپنے آپ کو امامؑ کا شیعہ کہنے والے سبب بنے تھے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کو امیر شام سے صلح کرنا پڑی۔

اگر یہ لفظ ''صلح'' مناسب ہے ورنہ جب گفتگو آگے بڑھے گی تو آپ کو معلوم ہوگا کہ درحقیقت صلح امامؑ نے نہیں کی بلکہ صلح امیر شام کو کرنا پڑی تھی۔ امامؑ حاوی ہو چکے تھے لیکن اب یہ تاریخ کا موضوع ہے۔

اب حضرت امام حسن علیہ السلام کی سیرت پر اگر آپ عمل کرنے کو تیار ہوں اور امامؑ کے ماننے والے ہیں لیکن اگر آپؐ زبان سے امامؑ! امامؑ! کہہ رہے اور عمل کرنے کو تیار نہیں تو پھر اُسی قسم کے شیعہ ہیں کہ جن پر حضرت امام حسن علیہ السلام نے لعنت بھیجی ہے اور یہ وہی شیعہ تھے۔ روایتوں میں یہ ہے کہ جب حضرت امام حسن علیہ السلام نے صلح کر لی تو امامؑ کو ماننے والے' بہت سارے امامؑ کا اعتقاد رکھنے والے آئے اور امامؑ کو سلام کیا۔

کیا کہہ کر سلام کیا؟

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا مُذِلَّ الْمُؤْمِنِیْنَ

"اے مومنوں کو ذلیل کرنے والے امام آپؑ کو سلام کر رہے ہیں۔"

یہ روایتوں میں شیعوں کے منہ سے نکلے ہوئے سلام ہیں۔

اب یہ دوسری بات ہے کہ وہ شیعہ کون تھے' کس قسم کے تھے اور یہی ہماری آج کی گفتگو کا مقصد ہے اور یہی آج آپ کے سامنے پیغام پہنچانا ہے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کے بارے میں آپ نے ابھی یہ سنا کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے ایسے ماحول میں آنکھ کھولی کہ چاروں طرف جہاد جہاد کا تذکرہ تھا لیکن اس کے باوجود ہم یہ منظر دیکھتے ہیں کہ اتنا شجاع' اتنا بہادر کہ زمانہ رسالت میں بھی شجاعت کے جوہر دکھانے کو بے تاب ہے اور جس کی بہادری بعد میں بھی ظاہر ہوئی یعنی جنگِ جمل و جنگِ صفین میں حضرت امام حسن علیہ السلام کو امیر المومنین علیہ السلام نے سپاہ سالار بنایا ہوا تھا اور جنگِ جمل اور جنگِ صفین کی فتح میں حضرت امام حسن علیہ السلام کا بھی بہت ہاتھ تھا۔

اتنا بہادر شخص کہ جو پیغمبرِ اسلام کے زمانے میں بھی بہادری دکھانے کو بے چین ہے جو اپنے باباؑ کی خلافت کے زمانے میں بھی بہادری دکھانے کو بے چین ہے' جب کہ عمر اس وقت بتیس (۳۲) سال کی تھی اور پیغمبرِ اسلام کی وفات کے وقت عمر آٹھ یا نو سال کی تھی۔ نو سال سے بتیس سال (۳۲) کا زمانہ تو عین جوانی کا زمانہ ہوتا ہے' عین شباب کا زمانہ ہوتا ہے اور حضرت امام حسن علیہ السلام نے اس وقت یہ منظر بھی دیکھا کہ میری مادرِ گرامیؑ پر حملہ کیا گیا۔ یہ منظر بھی دیکھا کہ میرے گھر کے دروازے کو آگ لگائی گئی۔ یہ منظر بھی دیکھا کہ میرے باباؑ کے گلے میں رسّی ڈال کر ان کو کھینچ کر لے چلے۔ یہ منظر بھی دیکھا کہ میری ماںؑ نے بددعا کے لیے ہاتھوں کو پھیلا دیا اور روایت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی ہے کہ جب حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے بددعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے تو ہم نے یہ دیکھا کہ مسجد نبویؐ لرزنے لگی اور مسجد کی دیواریں اتنی بلند ہوگئیں کہ ایک اُونٹ ان کے نیچے سے گزر کر جا سکتا تھا۔ یہ سارے منظر حضرت امام حسن علیہ السلام دیکھ رہے تھے۔ ایک عام لڑکا یہ منظر برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کے باپ اور اس کی ماں کی اس طرح سے توہین ہو۔ اس کا عین شباب کا عالم ہو' دس یا گیارہ سال کی عمر تھی حضرت

امام حسن علیہ السلام شباب اور جوانی کے دور میں قدم رکھ رہے تھے۔ لیکن بالکل ساکت اور صامت اپنے مقام پر کھڑا ہو' کوئی ایسا قدم نہیں اُٹھایا کہ مولاؑ کو یہ کہنا پڑتا ہو کہ بیٹا حسنؑ! اتُو نے جلد بازی کی' ذرا صبر سے کام لیتا۔

امیر المومنین علیہ السلام نے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کو تو پیغام بھجوایا' حضرت سلمان فارسیؓ کے ذریعے کہ اے سلمانؓ! جا کر بنتِ رسولؐ سے کہہ دو کہ اگر اپنے بابا کے دین کو بچانا ہے تو اس وقت بددعا نہ کریں لیکن حضرت امام حسن علیہ السلام کا ایک قدم ہمیں ایسا نہیں ملتا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے کوئی پیغام بھجوایا ہو' مکمل صبر و ضبط کے ساتھ تمام مناظر کو دیکھ رہے ہیں۔ اتنی شدید توہین کوئی برداشت نہیں کر سکتا اپنے گھر والوں کی خاص طور پر وہ بچہ کہ جو پیدا ہوا ہو ایسے گھرانہ میں کہ جہاں ہر وقت تلوار و تیر چلانے کا تذکرہ ہو۔ جو پیدا ہوا ہو ایسے گھرانے میں کہ جو اپنی شرافت و عزت کو ہر چیز پر ترجیح دیتا ہو۔ جو پیدا ہوا ہو ایسے گھرانے میں کہ جس کی نگاہ میں جس کے پاس عزت ہے اس کے پاس سب کچھ ہے' جس کے پاس عزت نہیں اس کے پاس کچھ نہیں۔ ان تمام مشکلات کے باوجود بھی حضرت امام حسن علیہ السلام نے صبر سے کام لیا۔ حضرت امام حسن علیہ السلام نے انتہائی ضبط سے کام لیا اور خاموش رہے۔

کیوں؟

اس لیے کہ میرا بابا بھی صبر و ضبط سے کام لے رہا ہے اور حضرت امام حسن علیہ السلام باپ کی سیرت پر عمل کر رہے تھے۔ یہ تاریخ کا ایک انتہائی اہم واقعہ ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے نو سال کی عمر سے بتیس (۳۲) سال کی عمر تک جو عین شباب کی عمر ہے جب انسان میں اتنا جوش ہوتا ہے کہ جب اسے کوئی چھیڑے تو پھر وہ بھی مارنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ اس وقت حضرت امام حسن علیہ السلام یہ منظر دیکھ رہے ہیں کہ پہلی خلافت میں میرے بابا کے ساتھ ظلم ہوا' دوسری خلافت میں میرے بابا کے ساتھ ظلم ہوا' تیسری خلافت میں میرے بابا کے ساتھ ظلم ہوا اور ایسے مظالم کہ جن کو دوسرے لوگ برداشت نہ کر سکے اور انھوں نے احتجاج کیا۔ چناں چہ آپ کو کتابوں میں ملے گا کہ ابوذر غفاریؓ احتجاج کرتے ہیں تو جلاوطن کر کے صحرا میں مروا

دیا جاتا ہے۔ حضرت عمار یاسر رضی اللہ عنہ احتجاج کرتے ہیں تو مسجد نبویؐ میں اتنا مارا جاتا ہے کہ عمار یاسر رضی اللہ عنہ کے جسم سے خون کا فوارہ بلند ہوتا ہے اور اس حالت میں لوگ عمار یاسر رضی اللہ عنہ کو مسجد نبویؐ سے اُٹھا کر لے گئے کہ جن کے بارے میں پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا: عمارؓ ان میں سے ایک ہے جن کی جنت طلب گار ہے۔

اس حالت میں لے گئے کہ ایک ہفتے تک لوگوں کو یقین نہ تھا عمارؓ زندہ ہیں یا مردہ ہیں۔ عبداللہ ابن مسعود نے احتجاج کیا تو اتنا مارا گیا کہ ان کی پسلیاں ٹوٹ کر رہ گئیں۔ لیکن اس تمام حالت میں کہ جب دوسرے احتجاج کر رہے ہیں کہ حضرت امام حسن علیہ السلام بالکل خاموش ہیں' بالکل صبر کی تصویر بنے ہوئے ہیں اور یہ ذہن میں رہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایک سال یا روایتوں کے مطابق چھے مہینے کا وقت گزارا ہے تو وہی صبر جو حضرت امام حسن علیہ السلام کر رہے تو وہی صبر حضرت امام حسین علیہ السلام بھی کر رہے ہیں۔ یہ خیال ذہنوں میں نہ رہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام صلح پسند تھے اور حضرت امام حسین علیہ السلام تو فقط جنگ کے لیے تیار رہتے تھے (معاذ اللہ)۔

نہیں!

ایک ہی کردار دونوں کا چل رہا ہے کہ دونوں صبر سے کام لے رہے ہیں کوئی بائیس (۲۲)' پچیس (۲۵) اور بتیس (۳۲) سال کا نوجوان یہ برداشت نہیں کرتا کہ اس طرح سے میرے باپ کی توہین کی جائے' ایسے ایسے توہین آمیز فقرے جو ہماری آئندہ گفتگو میں آئیں گے کہ سن کر انسان لرز جاتا ہے کہ کس طرح حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام نے صبر کا مظاہرہ کیا اور خاموش رہے اور اسی خاموشی سے حضرت امام حسن علیہ السلام نے وہ کارنامہ انجام دیا کہ پورے یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام اگر وہ کارنامے انجام نہ دیتے تو کبھی حضرت امام حسینؑ کربلا میں فریضہ جہاد انجام نہ دے سکتے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کے جہاد کی تمام تر بنیاد حضرت امام حسن علیہ السلام کا کردار ہے۔

اس لیے غور کریں!

پیغمبرؐ اکرم کو اپنے تیئس (۲۳) سالہ عہدِ رسالت میں بہتر (۷۲) کامل ساتھی نہ مل سکے۔ امیر المومنین علیہ السلام کو اپنے عمل و علم، تقویٰ کے باوجود چالیس کامل مومن نہ مل سکے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کو بھی تین یا چار کامل مومن ملے۔ لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام کو کم از کم بہتر (۷۲) اور زیادہ سے ایک سو کے قریب کامل اصحاب مل گئے۔

یہ کس کے سبق سے ہے؟ یہ کس کی وجہ سے ہے؟ یہ صرف اسی کام کی وجہ سے جو حضرت امام حسن علیہ السلام نے خاموشی سے بیٹھ کر انجام دیا تھا۔

کیوں؟

اس لیے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے یہ دیکھا کہ کیا کچھ ہو رہا ہے اور ہماری گفتگو تاریخ کے ایک ایسے موضوع پر جاری ہے کہ جس پر عام انسان اور عام سننے والے یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ ہم حضرت امام حسن علیہ السلام کے متعلق سننے آئے تھے یہ گفتگو کسی اور موضوع پر ہو رہی ہے۔ جیسا کہ ہماری پانچویں تقریر کے بعد لوگوں نے اعتراض کیا کہ ہم تو امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں سننے آئے ہیں لیکن آج آپ نے مولاؑ کے بارے میں کچھ پڑھا ہی نہیں۔

یاد رکھیے!

جب تک یہ گفتگو آپ توجہ سے نہ سنیں گے اس وقت تک حضرت امام حسن علیہ السلام کے کارنامے آپ کے سامنے نہیں آ سکتے۔

یہ بھی یاد رکھیے!

حضرت امام حسن علیہ السلام کی ذات کے ساتھ نہایت ناانصافی کی گئی ہے اور اس کی بہت ساری وجوہات ہیں۔ اس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ خاندانِ بنو اُمیہ نے کوشش یہ کی کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کا کارنامہ چھپا رہے اس لیے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام جیسا جہاد کوئی انجام دے نہیں سکتا جب تک کہ اسے حضرت امام حسن علیہ السلام کے بارے میں علم نہ ہو تو کوشش یہ کی گئی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا کارنامہ آتا ہے تو آ جائے لیکن حضرت امام حسن علیہ السلام کے کارنامے لوگوں تک نہ پہنچیں۔ اس لیے کہ جس کے سامنے محض حضرت امام حسین علیہ السلام کا

کارنامہ پہنچے گا اور وہ اس پر عمل کرنا چاہے گا تو وہ ہمیشہ ناکام رہے گا جب تک کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کی زندگی کو حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ نہ ملایا جائے۔

امام حسن علیہ السلام نے کیا بڑا کارنامہ دیا تھا کہ جس پر پیغمبرؐ اسلام اور امیر المومنین علیہ السلام پہلے ہی سے متنبہ کر کے آئے تھے اور جس کی خوش خبری ہمیں پہلے ہی سے معلوم ہو چکی تھی۔

اب وہ کارنامہ تفصیل سے ہماری آج کی گفتگو میں نہیں آ سکتا لیکن پہلے یہ تاریخی پس منظر آپ سنیں تو پھر حضرت امام حسن علیہ السلام کا جو بھی کردار اور حصّہ ہے تاریخِ اسلامی کی تشکیل میں اور کربلا کے واقعہ میں وہ آپ کے سامنے آئے گا۔

حضرت امام حسن علیہ السلام دیکھ رہے تھے پہلی تین خلافتوں کو اور پہلی تین خلافتوں کے بارے میں عام مسلمانوں کا نظریہ یہ ہے کہ وہ راشدہ خلافتیں ہیں یعنی سیدھے راستے پر چل رہی ہیں۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث بھی پیغمبرؐ اسلام کی اس ضمن میں پیش کی جاتی ہے:

"میرے بعد تیس (۳۰) سال تک خلافت صحیح رہے گی اور اس کے بعد سیدھے راستے سے ہٹ جائے گی۔"

یہاں مسلمانوں کا نظریہ یہ ہے۔ ہم ان کے نظریہ کا مذاق اُڑا رہے ہیں نہ ان کے نظریے پر اعتراض کر رہے ہیں بل کہ ہم تو اپنے نظریے کو اپنی تاریخوں کی مدد سے بیان کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اس یقین کے ساتھ ہر چیز دوسروں کی تاریخ سے بھی ثابت کر کے دیکھی جا سکتی ہے۔ اگر یہاں پر کوئی ایسا شخص ہے کہ جس کے جذبات کو ٹھیس لگتی ہے تو وہ اس ایک حقیقت کو ذہن میں رکھے کہ یہ ہماری اپنی گفتگو ہے نجی گفتگو ہے اپنا عقیدہ اپنے عوام تک پہنچانا ہے اور انھی کی کتابوں سے اور اس کے اندر بالکل مجبور ہے انسان کیا کرے؟

اب آیئے!

حضرت امام حسن علیہ السلام نے کیا تاریخی کارنامہ انجام دیا تھا؟

حضرت امام حسن علیہ السلام کے مختلف چھوٹے چھوٹے کارنامے ہیں لیکن حضرت امام حسن علیہ السلام کے ان کارناموں کو سمجھنے کے لیے دو بڑی چیزیں آپ کے ذہن میں رہیں۔

پہلی چیز تو یہ کہ جب پہلی خلافت نے امیرالمومنین علیہ السلام کی گردن میں رسّی ڈالی اور رسّی ڈالنے کے بعد کھینچتے ہوئے مدینے کی گلیوں سے خلیفہ کے دربار میں لے گئے' یہ حقیقت تو آپ کے سامنے آ گئی ہوگی کہ مقصد مولاؑ سے بیعت لینا نہ تھا' مقصد مولاؑ سے بیعت طلب کرنا نہ تھا ورنہ یوں کہا جا سکتا تھا امیرالمومنین علیہ السلام کو پیغام دیا جاتا' بلا لیا جاتا' مولاؑ اس موقع پر بھی گئے تھے اور اس سے پہلے بھی گئے تھے اور یا پھر اس کے خلافت کے بڑے بڑے اراکین مولاؑ کے پاس آ جاتے اور کہتے یہ مسئلہ ہے' ہماری بیعت کرو' اصل مقصد صرف ایک تھا اور وہ مقصد یہ تھا کہ یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح علی علیہ السلام کی تلوار نیام سے نکل آئے تاکہ اس کے بعد ہمارے ہاتھ ایک بہانہ آ جائے تمام اہل بیتؑ کو تہ تیغ کرنے کا اور ہم تاریخ میں اس چیز کو محفوظ کرا سکیں کہ پہل وہاں سے ہوئی تھی۔ اب لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ پہل کرنے والا غلط تھا یا صحیح تھا' لوگ تو یہ دیکھتے ہیں کہ پہلی تلوار علی علیہ السلام نے نکالی اور اس کے بعد حکومت سے مجبوراً مقابلہ کیا' تو پوری کوشش پہلی خلافت کی یہ تھی کہ کسی طرح علی علیہ السلام کی تلوار نیام سے نکل آئے۔ اسی مقصد کے تحت گھر کو جلایا گیا کہ ایک عام غیرت مند شوہر یہ برداشت نہیں کر سکتا۔ اس وقت جو ہتھیار ہاتھ میں آتا ہے وہ لے کر نکل آتا ہے لیکن مولاؑ بھی اس حقیقت کو جانتے تھے اور مولاؑ سے کسی نے پوچھا بھی تھا کہ آپؑ نے تلوار کیوں نہ نکالی؟

آپؑ نے یہی جواب دیا تھا کہ وقتِ رحلت میرے چچازاد بھائی پیغمبر اسلامؐ مجھے بتا گئے تھے کہ کیا ہونے والا ہے اور منع کر گئے تھے کہ میں تلوار نہ نکالوں۔ مولاؑ نے صبر کیا' اب جب صاحبانِ خلافت نے دیکھا کہ امیرالمومنین علیہ السلام کسی طریقے سے ہمارے قابو میں نہیں آ رہے تو اب وہ امیرالمومنین علیہ السلام کی گردن میں رسّی ڈال کر انھیں مدینے کی گلیوں سے کھینچتے ہوئے دربارِ خلافت تک لے چلے۔

آپ ذرا دیکھیں کہ اس کی کیا ضرورت تھی؟ اگر مولاؑ آنے پر تیار نہ تھے تو فوج کا ایک دستہ جاتا جو گرفتار کر کے لا سکتا تھا' اس طرح سے کہ کسی کو پتا بھی نہ چلتا' رات کی تاریکی میں بھی گرفتاری ہو سکتی تھی' صبح سویرے بھی گرفتاری ہو سکتی تھی۔ لیکن روزِ روشن مدینے کی گلیوں میں اور

گردن میں رسّی ڈال کر لے چلے تاکہ ہر دیکھنے والا دیکھ لے اب کتنا مشکل ہے ایک شخص کے لیے ایک اجنبی شہر میں ہمیں کوئی اس طرح لے جائے تو ہمیں غصہ آئے گا لیکن اتنا نہیں آئے گا۔ یہاں مدینے والے جانتے ہیں کہ علی علیہ السلام کی تلوار کی کیا ساخت ہے' وہ جانتے ہیں کہ علی علیہ السلام بدر و اُحد' خندق' خیبر' حنین میں ہزاروں کافروں کو قتل کر سکتے ہیں تو کیا اس چھوٹے سے گروہ کے سامنے تلوار نہیں نکال سکتے اور امیر المومنین علیہ السلام کی پوزیشن کو دیکھ لیں کہ کتنی شدید توہین ایک شخص محسوس کرے گا کہ کل انہی گلیوں میں جب میں گزرا کرتا تھا اور تمام شہر والے' تمام گلی والے عزت و احترام میں کھڑے ہو جاتے تھے آج اسی گلی سے توہین کر کے لے جایا جا رہا ہے۔ کون شخص ضبط کر سکے گا؟ یہی مقصد تھا اُن کا کہ علی علیہ السلام ضبط نہ کر پائیں گے اِدھر علی علیہ السلام کی تلوار نکلے گی اور اِدھر ہمیں بہانہ مل جائے گا اور ہم ان تمام کو قتل کر ڈالیں گے۔

یوں تو علی علیہ السلام کے جاننے والوں کو قتل کیا لیکن بڑی بڑی ہستیوں پر ہاتھ ڈالتے ہوئے ہر حکومت گھبراتی ہے۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ زندہ' مقداد رضی اللہ عنہ زندہ' مولاؑ زندہ' حضرت امام حسن علیہ السلام اور حسین علیہ السلام زندہ' بلال حبشی رضی اللہ عنہ زندہ' ایوب انصاری رضی اللہ عنہ زندہ' حذیفہ یمانی رضی اللہ عنہ زندہ' یہ سارے امیر المومنین علیہ السلام کے انتہائی قریبی ساتھی تھے لیکن اس کے باوجود مولاؑ جانتے تھے کہ اگر تلوار نکالی' میں نے ان کا مقابلہ کیا تو یقیناً میں ان کو ختم کرنے میں کام یاب ہو جاؤں گا پھر اس کے بعد اِسلام مکمل طور پر ختم ہو کر رہ جائے گا۔ امیر المومنین علیہ السلام نے اس توہین کو برداشت کیا اور تلوار نہیں نکالی۔ اسی لیے دربار خلافت میں جب پہنچے تو ایک طرف تو اتنے شور و غل کے ساتھ علی علیہ السلام کو لایا گیا لیکن جب علی علیہ السلام نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا تو آسانی سے چھوڑ دیا گیا' صرف اس لیے کہ مقصد پورا نہ ہوا۔ علی علیہ السلام نے تلوار نکالنے میں پہل نہ کی تھی تو اب خلافتِ اولیٰ نے پہلا قدم یہ اُٹھایا کہ کسی طرح علی علیہ السلام کی تلوار نکل آئے لیکن امیر المومنین علیہ السلام نے ایک امامِ حقؑ کی طرح صبر و سکون سے کام لیا اور تلوار نکالنے سے انکار کر دیا۔

دوسرا قدم خلافتِ اولیٰ نے یہ اُٹھایا کہ امیر المومنین علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو مالی طور پر اس قابل نہ کیا جائے کہ یہ اپنی زندگی آرام سے گزار سکیں اور مجبوراً انھیں ہمارے در پر جھکنا

پڑے چناں چہ باغ فدک کو چھینا اور اس کو حرام قرار دے دیا اور حکم دیا کہ خمس کوئی اہل بیتؑ کو نہ دے بل کہ حکومت وقت کے پاس آ کر جمع کرائے تا کہ ہر طرح کا معاشی ذریعہ اہل بیتؑ پر بند ہو جائے۔

تیسری کوشش یہ کی کہ علی علیہ السلام کا نام بالکل لوگوں کے ذہنوں سے مٹا دیا جائے اور اسی مقصد کے تحت دربار خلافت نے کیا قدم اُٹھایا؟

یہ قدم اُٹھایا کہ جتنے بھی مدینے کے اندر علی علیہ السلام کی بہادری جاننے والے تھے اور جتنے بھی علی علیہ السلام کے ساتھ جنگوں میں حصّہ لے چکے تھے ان سب کو مختلف بہانوں سے مدینے سے باہر نکال دیا تا کہ مدینے میں علی علیہ السلام کی بہادری جاننے والا کوئی نہ رہے چناں چہ مسلسل جو آپ نے سنا ہے کہ جنگیں ہوئیں، مسلسل جہاد ہوئے، روم فتح ہوا، ایران فتح ہوا، شام فتح ہوا، فلسطین فتح ہوا یہ اتنی بڑی بڑی جنگیں کیوں لڑی گئیں؟

صرف ایک مقصد کے تحت کہ جتنے بھی علی علیہ السلام کی بہادری کو جانتے ہیں وہ بدر والے، اُحد والے، خندق والے، خیبر والے ان سب کو باہر نکال دیا جائے اور اس لیے روایت میں ہے کہ تین سو تیرہ بدر کے اندر لڑنے والے تھے اور پہلی جنگ جو خلافت اولیٰ کے زمانے میں ہوئی جنگ یمامہ اس کے اندر ان سب بدر والوں کی بڑی تعداد کو بھیج دیا گیا تھا۔

اس لیے روایت ہے کہ ستر (۷۰) وہ صحابی جنگ یمامہ میں شہید ہوئے جو پہلے بدر میں لڑے تھے اور بدر کی جنگ میں حصّہ لے چکے تھے تو مقصد یہ تھا کہ ان سب کو مدینے سے باہر نکال دو تا کہ نہ آنے والی نئی نسل کو پتا چلے کہ علی علیہ السلام کسے کہتے ہیں اور نہ مدینے میں آنے والوں کو پتا چلے کہ علی علیہ السلام کسے کہا جاتا ہے۔ یہ بہت بڑا مقصد تھا ان لوگوں کا اور اسی مقصد کے تحت مسلسل یہ جنگیں کی گئیں اور اتنا جنگ میں اور جہاد میں حصّہ لیا گیا کہ اسی ایک مقصد کے تحت اذان تک میں تبدیلی کرا دی گئی اور "حَيَّ عَلٰى خَيْرِ الْعَمَلِ" کو اذان سے نکال دیا گیا۔

اب یہ قریب قریب اہل سنت کے تمام مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمر کہا کرتے تھے کہ تین چیزیں ایسی ہیں جو زمانہ رسولؐ میں موجود تھیں اور میں نے ان تین چیزوں کو حرام قرار

دیا۔ ان تین میں ایک تھا متعۃ الحج۔ دوسرا تھا متعۃ النساء یعنی عورتوں سے متعہ کرنا حلال تھا' میں نے حرام قرار دیا اور تیسرا تھا "حَیَّ عَلٰی خَیرِ العَمَل" جو زمانہ پیغمبرؐ میں اذان میں موجود تھا اور میں نے اس جملے کو اذان سے نکلوایا تو گویا علی علیہ السلام کے نام کو لوگوں کے ذہنوں سے نکالنے کی کوشش کی گئی۔

یاد رکھیے!

پیغمبرؐ اسلام کے زمانے میں "حَیَّ عَلٰی خَیرِ العَمَل" اذان میں تھا' حضرت ابوبکر کے زمانے میں "حَیَّ عَلٰی خَیرِ العَمَل" اذان میں تھا' حضرت عمر کے زمانے میں اس کلمہ کو اذان سے نکلوایا گیا اور کسی نے پوچھا تھا کہ کیوں نکلوایا گیا؟

اس کی جو تشریح کی گئی ہے اس تشریح کا مفہوم کچھ اس طریقے سے ہے کہ ہمیں یہ چاہیے کہ ہم لوگوں کو مدینے سے باہر جنگ میں حصہ لینے کے لیے بھیجیں۔ اب کون سا ایسا شخص ہے جو آسانی سے اپنی جان دینے کے لیے اور اپنی گردن کٹانے کے لیے چلا جائے گا تو کوئی نہ کوئی اس کے سامنے' کوئی نہ کوئی لالچ اس کو دیا جائے پھر تو وہ مدینے سے نکل کر جائے گا تو اب اس زمانے میں جہاد کے بارے میں روایات پیش کی گئیں کہ جہاد افضل ترین عبادت ہے جو جہاد میں حصہ لے وہ جنتی ہوتا ہے اور جو جہاد میں حصہ لے ملائکہ اس کا استقبال کرتے ہیں۔ غرض یہ کہ جہاد کی ساری روایات بیان کی گئیں۔ یہ پہلا قدم تھا۔

دوسرا قدم یہ اُٹھایا گیا کہ وہ تمام قومیں جو پہلے ہی سے ختم ہو رہی تھیں ان پر حملہ کرایا گیا تاکہ اب دوسرے نام نہاد بہادروں کو نام روشن کرنے کا موقع ملے خالد بن ولید کو سیف اللہ کا لقب دیا گیا' ابوعبیدہ جراح کو فاتح شام کا لقب ملا' سعد بن ابی وقاص فاتح مصر کہلائے یعنی فاتحین کی ایک بہت بڑی تعداد تیار کر کے مارکیٹ میں پہنچا دی گئی تاکہ ان نئے بہادروں کے نام لوگوں کے ذہنوں میں بیٹھ جائیں اور علی علیہ السلام کا نام مٹتا چلا جائے اور اسی مقصد کے تحت نہ علی علیہ السلام کو کسی جنگ میں بھیجا گیا' نہ حضرت امام حسن علیہ السلام کو کسی جنگ میں بھیجا گیا اور نہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو کسی جنگ میں بھیجا گیا' اس لیے کہ جہاں یہ گئے فاتحانہ القابات تو ان

کو بھول جائیں گے اور ہمارے نئے نئے بہادروں کو کون یاد رکھے گا؟ اس اعتبار سے ان کو نکلنے بھی نہ دو اور یہ میدان میں جائیں بھی نہیں، دوسرے جائیں تا کہ ان کی شہرت بھی ہو جائے اور اِن کا نام لوگوں کے ذہنوں سے مٹتا چلا جائے۔ یہ دوسرا قدم اُٹھایا گیا۔

تیسرا قدم یہ اُٹھایا گیا کہ جھوٹی احادیث کا سلسلہ شروع کر دیا گیا کہ ہر وہ فضیلت جو علی علیہ السلام کے پاس موجود ہے بالکل ایسی ہی فضیلت کی ایک دوسری حدیث بناؤ اور وہ دوسری حدیث بنانے کے بعد کسی صحابی کا نام اس میں ڈال دو اور اسے پھیلا دو، اسے مشہور کر دو تا کہ ہر ایک ان جھوٹی احادیث کو سنتے سنتے یا تو سچی حدیث کو بھول جائے اور یا پھر وہ ایک طرح سے پریشان ہو جائے کہ یہ حدیث سچی ہے یا وہ حدیث سچی ہے۔

چناں چہ اس کا اعتقاد نہ اِس پر رہے نہ اُس پر رہے اور ان کا مقصد حاصل ہو جائے۔ یہ تیسرا قدم تھا اور ان تین باتوں کو ذہن میں رکھیں تو حضرت امام حسن علیہ السلام کا کردار آپ کے ذہن میں آئے گا کہ اتنا بڑا جہاد حضرت امام حسن علیہ السلام نے ہمارے سامنے پیش کیا لیکن آج تک ہماری توجہ اس کی طرف نہیں۔

علمائے کرام نے کتابوں میں لکھا ہے لیکن ہماری توجہ نہیں کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے کتنا بڑا حصّہ لیا واقعہ کربلا میں اور یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اگر حضرت امام حسن علیہ السلام دس سال تک گھر بیٹھ کر مہم نہ چلاتے تو کبھی حسین علیہ السلام میدانِ کربلا کی طرف نہ نکلتے تو تیسری سازش یہ تھی کہ علی علیہ السلام کے خلاف احادیث بناؤ۔ یہ سازش پہلی تین خلافتوں میں تو ذرا دبی ہوئی تھی، اس لیے دبی ہوئی تھی کہ جھوٹی احادیث کو بنانا اتنا آسان نہ تھا۔ وہ پوری نسل موجود تھی جو رسولؐ اکرم کا زمانہ دیکھ چکی تھی لیکن پہلے تین حاکموں نے اس قسم کا گراؤنڈ تیار کر دیا تھا کہ علی علیہ السلام کا نام ذہن سے نکل گیا علی علیہ السلام کے مقابلے میں دوسرے فاتحین کا نام آ گیا اور لوگوں کے ذہنوں میں جو علیؑ کی بہادری تھی اب اس کے اندر کچھ اور لوگ بھی شریک ہو گئے۔

اس سے بعد میں خوب فائدہ اُٹھایا امیر شام نے، امیر شام وہ شخص ہے کہ امیر المومنینؑ ایک مرتبہ زمانے کا شکوہ کرتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ زمانہ کتنا بدل گیا ہے اور زمانہ کتنا احسان

فراموش ہو گیا ہے کہ میرا نام اور امیر شام کا نام ساتھ ساتھ لیا جانے لگا ہے۔ اتنا زمانے نے مجھے گرایا اور اتنا گھٹایا کہ اب یہ کہا جاتا ہے کہ علی علیہ السلام اور امیر شام کی جنگ ہوئی۔

ایک طرف یہ سلسلہ چل رہا تھا اور دوسری طرف ایک حضرت امام حسن علیہ السلام کی ذات ہے اور حضرت امام حسن علیہ السلام کی ذات نے وہ کارنامہ انجام دیا کہ شاید ہی کسی اور شخص کے ذہن میں یا کسی انسان کے ذہن میں آ سکتا ہے کہ اتنی بڑی حکومت کا مقابلہ وہ شخص کرے جس کے پاس کوئی وسیلہ نہیں' نہ فوج ہے' نہ ساتھی ہیں' نہ طاقت ہے۔

لیکن حضرت امام حسن علیہ السلام نے وہ کارنامہ انجام دیا کہ یہی شام والے کہ جن کے بارے میں ایک روایت ہم نے پہلے بیان کی ہے یعنی شام کے لوگ اتنے جاہل ہو چکے تھے کہ ان کو یہ بھی پتا نہیں تھا کہ علی علیہ السلام کون ہیں؟ فاطمہؑ کون ہیں؟ حسنؑ کون ہے؟ اور کون ہے حسینؑ۔ یہاں تک کے واقعات تاریخوں میں ہیں کہ شام والے امیر شام کو "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰه" کہہ کر سلام کرنے لگے تھے۔ اتنا ان کی ذہنیت کو بدل دیا گیا تھا کیوں کہ روایت میں ہے کہ شام کی حکومت نے ایک قانون جاری کیا تھا اور وہ یہ کہ سکول (مدارس) صبح سے شام تک ہوا کریں گے اور دوپہر کو بچوں کو بھوک لگے گی تو کھانا ہم دیا کریں گے۔

اب ذرا آپ غور کریں کہ ان میں اتنی سخاوت کہاں سے آ گئی کہ یہ کھانا دینے پر تیار ہو گئے؟

سخاوت اس لیے آئی کہ حکم یہ دیا گیا تھا کہ بچے کو کھانا تو ملے گا لیکن ایک شرط پر کھانا ملے گا وہ یہ ہے کہ کھانا شروع کرنے سے پہلے جہاں وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھیں وہاں وہ فوراً علیؑ اور آلِ علیؑ پر لعنت کا جملہ بھی اپنی زبان سے نکالیں۔ یہ باقاعدہ حکم تھا۔

اب ذرا دیکھئے کہ ایک ننھا بچہ' معصوم بچہ

كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى فِطْرَةِ الْاِسْلَام

"ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔"

لیکن جو بچپنے کی عمر میں یہ دیکھے کہ میں علی علیہ السلام پر لعنت کر رہا ہوں تو مجھے کھانا مل رہا ہے تو اگر

میں علی علیہ السلام پر لعنت نہ بھیجوں تو اس دن مجھے کھانا نہیں ملتا۔

بتایئے!

اس کے دل میں کیا خیال پیدا ہوگا؟

اسی لیے روایت ہے کہ کچھ شامی حقیقتاً معذور تھے اور ان کو کوئی گناہ بھی نہیں ملے گا اس لیے کہ ان کی ایسے ماحول میں پرورش ہوئی۔ اتنے جاہل شامی اور یقیناً ان کو جاہل رہنا چاہیے کہ اس ماحول میں ان کی پرورش کی گئی۔ یہ ہماری تاریخوں میں ہے اور دوسروں کی تاریخ طبری کے اندر آج ہی ہم دیکھ کر آئے ہیں جس میں یہ واقعات موجود ہیں کہ جب اسیرانِ کربلا کا قافلہ کربلا سے چلا تھا اور شام تک گیا تھا تو کئی مقامات ایسے تھے کہ جہاں راستے میں پڑنے والے شہروں نے مقابلہ کیا اس فوج کا' اپنے شہر کے دروازے بند کر لیے' اس فوج کو کھانا اور پانی دینے سے انکار کر دیا کہ تم نواسۂ رسولؐ کو قتل کر کے آ رہے ہو' ہمارے اوپر خدا کا غضب نازل ہوگا اگر ہم تجھے پناہ دے دیں گے۔ ہمارا شہر نیست و نابود ہو کر رہ جائے گا اگر ہم تجھے کھانا اور پانی دے دیں گے۔

وہ شامی کہ جس کو بچپنے سے لے کر جوانی تک یہ سبق پڑھایا گیا علیؑ اور آلِ علیؑ کی نفرت کا' وہ شامی جو اس جھوٹے زمانے میں زندگی گزار رہے تھے' وہ شامی جو پیدا ہوتے ہی یہی سنتا ہے کہ علیؑ اور اولادِ علیؑ پر لعنت ہو۔ یہ کیا معجزہ ہے کہ دو سال گزرتے ہی امیر شام کے انتقال کو' ان میں اتنی جرأت آ گئی کہ وہ فوج یزید کو اس جرم میں کہ انھوں نے آلِ رسولؐ کو قتل کیا اپنے یہاں آنے نہیں دیتے۔ ان کو کھانا اور پانی تک نہیں پہنچاتے بل کہ روایت تو یہ ہے کہ کچھ مقامات پر شہر والوں نے نکل کر جنگ بھی کی تھی اور اس لیے یہ بھی روایت ہے اور یہ مصائب کے باب میں آپ کو ملے گی کہ کچھ ایسے مقامات تھے کہ جہاں مسلسل دو دن تک سیدانیوںؑ کو اُونٹ کی پیٹھ سے باندھ کر اُونٹوں کو بھگایا گیا تھا اس لیے کہ پیچھے سے شہر والے حملہ کرنے کے لیے آ رہے تھے۔

اب ذرا دیکھیں کہ وہ شام والے جو اتنے بڑے جاہل مگر یہ کیا معجزہ ہے کہ دو سال میں

اتنی بڑی تبدیلی کہ آج ان کے دلوں میں آلِ رسولؑ کی اتنی محبت پیدا ہو گئی کہ وہ فوج یزید کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ آج ان کے دلوں میں آلِ محمدؐ کی اتنی محبت پیدا ہو گئی کہ وہ اپنے گھروں کے دروازے بند کر رہے ہیں پانی تک دینے کو تیار نہیں ایسی فوج کو۔

تاریخ بالکل خاموش ہے تاریخ آپ کو بالکل نہیں بتائے گی لیکن اگر آپ عقل کو استعمال کریں تو عقل فوراً کہے گی کہ یہ حضرت امام حسن علیہ السلام کا کارنامہ ہے کہ پہلی تین خلافتیں اور امیر شام کا پورا زمانہ جھوٹی احادیث بیان کر کے علی علیہ السلام کا نام ذہنوں سے نکالتا رہا اور حضرت امام حسن علیہ السلام جیسی واحد ہستی اپنے مقام پر بیٹھ کر اپنے بابا، اپنے نانا کی اور مادرِ گرامیؑ کی اور اپنی فضیلتوں کو بیان کرتی رہی۔

پوری حکومت کا مقابلہ اکیلے حضرت امام حسن علیہ السلام نے کیا اور تاریخ نے بتایا کہ پوری حکومت ناکام ہو گئی اور حضرت امام حسن علیہ السلام اپنے مقصد میں کام یاب ہو گئے۔ اس لیے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے شام میں جو ان کا مرکز تھا کہ پورے شام والے ان کے غلام ہو چکے تھے اس لیے کہ خلافتِ اولیٰ کا زمانہ ۱۱ ہجری کا تھا، جب سے ۶۱ ہجری تک پچاس سال تک پورا شام امیر شام کے ہاتھ میں رہا۔ پچاس سال تک جو بھی شام میں ہوا اس کے ذہن میں وہی عقیدہ بیٹھا جو امیر شام نے بٹھایا۔

لیکن یہ حضرت امام حسن علیہ السلام کا کارنامہ ہے یا حضرت امام حسن علیہ السلام کا احسان ہم پر ہے اور تمام مسلمانوں پر ہے کہ دس سال تک حضرت امام حسن علیہ السلام نے گھر میں بیٹھ کر صرف احادیث نقل کیں اور اتنی کثرت کے ساتھ اور اتنی منظم منصوبہ بندی کے ساتھ کہ اسی شام میں حضرت امام حسن علیہ السلام اپنے اور اپنے اہلِ بیتؑ کے حامی پیدا کرنے میں کام یاب ہو گئے۔

ابن زیاد کے دربار میں لوگ کھڑے ہوتے ہیں یزید کے دربار میں لوگ کھڑے ہوتے ہیں اور ایک مرتبہ یزید کو برا بھلا کہہ کر قتل ہو جاتے ہیں۔ قتل ہو جانا گوارا کر لیتے ہیں لیکن آلِ رسولؑ کی توہین گوارا نہیں کرتے۔ یہ وہی لوگ تھے کہ جب ۴۰ ہجری میں امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت ہوئی تو اس وقت اتنا بھی ان میں جذبہ نہ تھا کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کا ساتھ دیتے

لیکن آج اُسی دربار یزید میں اکیلے کھڑے ہو کر جان دے رہے ہیں تو یہ حضرت امام حسن علیہ السلام کا اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ جتنا انسان غور کرے اتنی ہی عظمت امامؑ اور معرفت امامؑ بڑھتی چلی جاتی ہے۔

یہ سب سے پہلا مقصد ہے جو صلح کے ذریعے حضرت امام حسن علیہ السلام نے حاصل کر لیا۔ اگر حضرت امام حسن علیہ السلام جنگ کرتے رہتے اور متواتر جنگ کرتے رہتے تو یہ موقع انھیں نہ ملتا جو گھر میں بیٹھ کر حضرت امام حسن علیہ السلام نے حاصل کیا اور اسی وجہ سے حضرت امام حسین علیہ السلام جہاد کا فریضہ ادا کر سکے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام نے شام کے شہروں کو اتنا بیدار کر دیا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام جس مقصد کو لے کر چلے تھے وہ مقصد حاصل ہو گیا۔

صلح حضرت امام حسن علیہ السلام میں پانچ یا چھے شرائط طے ہوئیں اور جتنا انسان غور کرتا جاتا ہے اسے ہر شرط کو دیکھ کر حیرانی ہوتی جاتی ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے کتنے تدبر سے اور نور امامت کی مدد سے کن کن شرائط کو لکھوا لیا اور کس طرح سے صلح حسنیؑ کی وجہ سے آج دین اسلام ہم تک پہنچنے میں کام یاب ہوا۔

یہ حضرت امام حسن علیہ السلام کی صلح کا ایک پہلو اور ایک مقصد ہے ابھی تو جیسے جیسے ہماری گفتگو آگے بڑھے گی آپ کے سامنے بہت سارے حقائق آتے جائیں گے۔

آج اس گفتگو سے میں نے صلح حضرت امام حسن علیہ السلام کے بارے میں پانچ چیزیں آپ تک پہنچانا تھیں اور ہمارا اندازہ یہ تھا کہ آج دو چیزیں پہنچ جائیں گی اور باقی تین چیزیں آئندہ تقریر میں بیان ہوں گی۔ لیکن آج ہم صرف اپنی ایک بات آپ تک پہنچانے میں کام یاب ہو سکے۔

ان شاء اللہ آئندہ پروگرام کے اندر حضرت امام حسن علیہ السلام کی زندگی کی کچھ مزید باتیں بیان ہوں گی۔

......✿......

سیرت حضرت امام حسن علیہ السلام

ہماری گفتگو جس کو آج آٹھواں ہفتہ ہو چکا ہے سیرت چہاردہ معصومینؑ کے سلسلے میں اگر چہ ابھی تک امام ثانیؑ کے موضوع پر پہنچی ہے لیکن کچھ تاریخی پس منظر اس قدر زیادہ بیان ہو رہے ہیں کہ بعض اوقات گفتگو کو سنتے ہوئے آپ کو ایسا بھی محسوس ہو سکتا ہے کہ جیسے یہ گفتگو دوسرے امامؑ کے بارے میں نہیں ہو رہی بل کہ کچھ اور ہستیوں کے بارے میں رہی ہے۔

ہم مسلسل کہتے چلے آ رہے ہیں کہ تاریخ اگر چہ حضرت امام حسن علیہ السلام کی بیان کی جا رہی ہے لیکن حضرت امام حسن علیہ السلام کی تاریخ کو سمجھنے کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ اس دور اور حالات کا جائزہ لینا ہوگا جس دور میں حضرت امام حسن علیہ السلام نے اپنی زندگی گزاری۔

خاص طور پر ایک بہت بڑی غلط فہمی جو ہمارے ذہنوں کے اندر بٹھا دی گئی ہے اور مسلسل اسے پھیلایا جا رہا ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کی صلح کو کچھ اس طریقے سے پیش کیا جا رہا تھا کہ جیسے حضرت امام حسن علیہ السلام کا صلح سے زیادہ تعلق ہے اور کچھ اس طریقے سے ہمارے سامنے ان ہستیوں کو لایا جاتا ہے کہ جیسے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شجاعت اور بہادری حضرت امام حسن علیہ السلام سے (معاذ اللہ) زیادہ ہے۔

جب کہ ہمارے مؤرخین کا ایک جملہ ہے وہ یہ ہے کہ اگر ۴۱ ہجری میں حضرت امام حسین علیہ السلام امام ہوتے تو جس طریقے سے حضرت امام حسن علیہ السلام نے صلح نامہ پر دستخط کیے ہیں بالکل اسی طرح حضرت امام حسین علیہ السلام بھی دستخط کر رہے ہوتے اور ۶۱ ہجری میں میدان کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی بجائے حضرت امام حسن علیہ السلام ہوتے تو بالکل اسی طریقے سے جس طریقے سے حضرت امام حسین علیہ السلام نے تلوار لے کر جہاد کیا تھا حضرت امام حسن علیہ السلام ہمیں جہاد کرتے ہوئے نظر آتے۔

دونوں کی طبیعتوں میں یا دونوں کے انداز میں کوئی فرق نہیں بل کہ جو فرق تھا وہ حزبِ مخالف کی طرف سے تھا۔ یہ ہماری اپنی سوچ ہے کہ ہمیں حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام

حسین علیہ السلام کے کردار میں کسی قسم کا تضاد نظر آتا ہے تو ایک کو ہم زیادہ حلیم یا زیادہ نرم مزاج سمجھتے ہیں اور دوسرے کو زیادہ شجاع اور بہادر۔ حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ حضرت امام حسن علیہ السلام نے ۴۱ ہجری میں کیا بعینہٖ وہی حضرت امام حسین علیہ السلام نے ۶۰ ہجری میں کیا۔ فرق کچھ اتنا تھا کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کے مقابلے میں امیر شام تھا کہ جو چالاکی میں یزید سے بڑھ کر تھا اور اگر وہی حضرت امام حسین علیہ السلام کے مقابلے میں ہوتا تو آپ یہ بات یاد رکھیے کہ وہ اپنی چالاکی کی وجہ سے کبھی واقعہ کربلا تک نوبت نہ آنے دیتا۔

اس کا اگلا ثبوت یہ ہے کہ جس طریقے سے حضرت امام حسن علیہ السلام نے مسلسل نو سال امیر شام کے دور میں گزارے بالکل اسی طریقے سے مسلسل نو سال حضرت امام حسین علیہ السلام نے بھی امیر شام کے دورِ حکومت میں گزارے اور ہمیں یہی نظر آتا ہے کہ امیر شام جو اپنی چالاکی یا مکاری کی وجہ سے حقیقت سے آگاہ تھا کہ کوئی ایسا موقع نہ آنے دو کہ خاندانِ رسالتؐ میدان میں نکل آئے اور وہ صورتِ حال پیش آ جائے کہ ہمیں خاندانِ رسالتؐ کے کسی فرد پر ہاتھ اُٹھانا پڑے۔

وہ کیوں گھبرا رہا تھا اس چیز سے؟

یہ اِن شاء اللہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے سلسلے کی دوسری گفتگو میں تفصیل میں آئے گا جب ہم اس موضوع کو زیرِ بحث لائیں گے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت نے کتنا زیادہ اور کتنا بڑا انقلاب برپا کر دیا۔

یہ ایک مختصر سی تمہید تھی اب ہم حضرت امام حسن علیہ السلام کی سیرت ہی کے موضوع کو اس مقام سے آگے بڑھاتے ہیں کہ جہاں گذشتہ ہفتے کی تقریر میں ہماری بات پہنچی تھی۔

امام پیدا ہی امامت کے ساتھ ہوتا ہے' امام عام انسانوں سے بالکل مختلف ہوتا ہے' اپنے علم میں' اپنی نشوونما میں' اپنی ذہنی اور جسمانی خاصیتوں میں۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کی سیرت ہمارے سامنے ابتدائی زندگی میں دو یا تین اہم واقعات لے کر آئی ہے۔

ایک وہی واقعہ جس کا تذکرہ گذشتہ تقریر میں آیا تھا کہ جس طریقے سے حضرت امام

حسن علیہ السلام نے ہمیں یہ بتایا کہ ایک شخص کی ذمہ داری صرف اتنی نہیں ہے کہ وہ خود دین کے علم کو حاصل کرے بلکہ اس سے بڑھ کر اس کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے گھر والوں تک علم دین کو پہنچائے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام ہی کی سیرت کا دوسرا اہم ترین موضوع بالکل ابتدائے عمر میں ہمارے سامنے آتا ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کی عمر دو سال کی ہے یا تین سال کی ہے' تمام علمائے اسلام اس واقعہ کو اپنی کتابوں میں نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ کوئی شخص کھجوریں لے کر پیغمبرؐ اسلام کی خدمت میں حاضر ہوا' کھجوروں کا ٹوکرہ پیغمبرؐ اسلام کے سامنے رکھا اور رکھنے کے بعد پیغمبرؐ اسلام سے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! یہ میں آپؐ کی خدمت میں ایک تحفہ' ایک ہدیہ لے کر آیا ہوں۔

پیغمبرؐ اسلام کا پہلا سوال یہ ہوتا تھا: یہ تحفہ یا ہدیہ کس عنوان سے ہے؟ کیا یہ صدقہ تو نہیں ہے؟

آنے والا کہنے لگا: ہاں! یہ صدقہ ہے۔

اب یہاں پر تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے ہاتھ بڑھایا اور کھجوروں کے اس ٹوکرے کے اندر ہاتھ ڈالا اور ہاتھ ڈالنے کے بعد کھجوریں اُٹھاتے ہیں اور کھجوریں اُٹھانے کے بعد اپنے منھ میں کھجوریں رکھتے ہیں۔

اب ذرا دیکھئے!

ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ امام دو سال کی عمر میں بھی امام ہوتا ہے۔

''الصواعق المحرقہ'' میں ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ دو سال کی عمر میں حضرت امام حسن علیہ السلام لوحِ محفوظ کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔

وہ بچہ جو دو سال کی عمر میں لوحِ محفوظ کا مطالعہ کر رہا ہو وہ ہمیں اس منظر میں نظر آتا ہے کہ وہ ہاتھ بڑھا کر وہ کھجوریں اپنے منھ میں ڈال رہا ہے جو اس کے لیے حرام تھیں۔

پیغمبرؐ اسلام ایک مرتبہ حضرت امام حسن علیہ السلام کو مخاطب کر کے کہتے ہیں: اے میرے بیٹے! ان کھجوروں کو اپنے منھ سے نکال پھینکو اس لیے کہ یہ صدقہ ہے:

إِنَّ الصَّدَقَةَ عَلَيْنَا حَرَامٌ

"بے شک ہمارے اوپر صدقہ حرام قرار دیا گیا ہے۔"

یہ جملہ سنتے ہی حضرت امام حسن علیہ السلام کھجوریں منھ سے نکال دیتے ہیں۔

امام حسن علیہ السلام کو معلوم تھا یا معلوم نہیں تھا۔ یہ بات ایسی ہے کہ جسے زیر بحث لانا ہی بے کار ہے۔ کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ دو سال کا بچہ ہے' دو سال کی عمر ہے اور پیغمبر اسلامؐ بتا رہے ہیں کہ اے میرے بیٹے! دیکھو! صدقہ ہم پر حرام ہے اور حرام چیز ہم استعمال نہیں کر سکتے ہیں۔

کہاں پیغمبرؐ اسلام کی اتنی احتیاط کہ اگر دو سال کا بچہ ہے تو اسے بھی حرام غذا استعمال نہ کرنے دی جائے اور کہاں وہ پیغمبرؐ اسلام کے ماننے والے' حضرت امام حسن علیہ السلام کی محبت کا دم بھرنے والے کہ جو اپنی تمام زندگی حرام روٹی پر گزارتے ہیں' اپنی تمام زندگی کو حرام طریقے سے بسر کرتے ہیں' حرام غذا کو استعمال کرتے ہیں' اپنے اہل و عیال کو بھی حرام غذا کھلاتے ہیں۔

ایک طرف پیغمبرؐ اسلام کی اتنی احتیاط کہ دو سال کے بچے سے کہنا کہ صدقہ ہم پر حرام ہے اسے منھ میں مت ڈالو اور دوسری طرف ہماری اتنی لاپروائی' ہماری اتنی بے توجہی کہ جس طریقے سے ہمارے پاس چیز آتی ہے چاہے حلال طریقے سے آئے یا حرام طریقے سے آئے ہمیں مطلب اتنا ہوتا ہے کہ ہمیں پیسہ مل گیا' ہمارے عیش و آرام کا انتظام ہو گیا۔ لیکن کبھی اس بات پر غور نہیں کرتے کہ دو سال کی عمر میں حضرت امام حسن علیہ السلام یہ سبق دے رہے ہیں کہ خبردار! اگر دو سال کا بچہ بھی ہو تو اسے حرام غذا استعمال نہ کرانا۔

یہ حضرت امام حسن علیہ السلام کی سیرت کا مطالعہ کرنے والے اور حضرت امام حسن علیہ السلام کی سیرت پر گفتگو کو سننے والے ہر شخص کے لیے ایک بہت بڑا سبق ہے کہ امامؑ کی گفتگو کی ابتدا یہاں سے کہ امامؑ امام بنے۔ یہ تو نہیں کہا جا رہا کہ ہم بھی اور ہمارے بچے بھی امام بن سکتے ہیں۔ لیکن بتایا گیا کہ دیکھو! حضرت امام حسن علیہ السلام امام بنے تو بتا رہے ہیں کہ وہ کتنی احتیاط ہے جس کے ذریعے انسان اپنے آپ میں عصمت پیدا کر سکتا ہے' وہ کتنی احتیاط ہے جو ایک مومن اور متقی کو اس دنیا میں کرنا پڑتی ہے تو یہ پہلا درس ہے جو دو سال کی عمر میں حضرت امام حسن علیہ السلام

نے ہمیں دیا کہ خبردار! ہر کام کرو لیکن حرام غذا نہ خود استعمال کرو نہ اپنے بیوی بچوں کو مہیا کرو۔

حضرت امام حسن علیہ السلام کی ذات کے بارے میں ہماری گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے اپنے باپ امیرالمومنینؑ کے ساتھ بالکل اسی طریقے سے زندگی گزاری جس طریقے سے امیرالمومنینؑ نے اپنے چچازاد پیغمبرؐ اسلام کے ساتھ زندگی گزاری۔ ہر مقام پر دونوں باپ بیٹے اسی سیرت کی عکاسی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ جو مکہ اور مدینہ میں ابتدا میں پیغمبرؐ اسلام اور امیرالمومنین علیہ السلام کی سیرت تھی' وہی طریقہ' وہی انداز' حضرت امام حسن علیہ السلام نے اپنی زندگی کے پچیس (۲۵) یا تیس (۳۰) سال اپنے باباؑ کے ساتھ گزارے۔

روایت میں ہے کہ اس حالت میں گزارے کہ باپ کا حق چھینا گیا' ماں کی بے حرمتی کی گئی اور حضرت امام حسن علیہ السلام جیسا ہاشمی نوجوان' حضرت امام حسن علیہ السلام جیسا غیرت مند نوجوان انتہائی صبر و سکون کے ساتھ' انتہائی حلم اور بردباری کے ساتھ اور انتہائی ثابت قدمی کے ساتھ ان تمام مناظر کو دیکھتا رہا اور ایک لمحے کے لیے کوئی ایسا قدم نہ اُٹھایا کہ جس سے مسلمانوں کو یا اسلام کو یا امیرالمومنین علیہ السلام کے مقصدِ حیات کو کوئی نقصان پہنچے۔

ہم یہ منظر بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ مولائے کائنات علیہ السلام کا دورِ حکومت آ گیا۔ وہی حضرت امام حسن علیہ السلام کہ تمام جوانی کا زمانہ انتہائی بردباری کے ساتھ' تلوار کو نیام میں رکھ کر گزارا۔ پھر امیرالمومنین علیہ السلام کی حکومت آتی ہے' امیرالمومنین علیہ السلام کی خلافت آتی ہے' ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہر مقام پر امیرالمومنین علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت امام حسن علیہ السلام کو آگے آگے رکھتے ہیں۔ روایت تو یہ بتاتی ہے کہ جنگِ جمل اور جنگِ صفین میں امیرالمومنین علیہ السلام کے لشکر کے علم دار حضرت امام حسن علیہ السلام تھے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام نے بنفسِ نفیس ان جنگوں میں حصہ لیا اور آگے بڑھ کر مقابلہ کیا' اتنا اعتماد تھا حضرت امام حسن علیہ السلام پر مولائے کائنات علیہ السلام کو۔

ایک تو ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ ہر ایک امام اور دوسرا سارے سلسلۂ امامت سے ملے ہوئے ہیں لیکن اس گفتگو کو آپ انتہائی احتیاط سے سنیں تاکہ ابتدا سے لے کر آج تک مؤرخین جنھوں نے ایک غلط فہمی پھیلانا چاہی کہ حضرت امام حسن علیہ السلام (معاذ اللہ) جنگ کرنے کے اہل نہ

تھے' حضرت امام حسن علیہ السلام (معاذ اللہ) تلوار چلانے کے قابل نہ تھے یا حضرت امام حسن علیہ السلام (معاذ اللہ) سیاست کو نہیں جانتے تھے یا (معاذ اللہ) حضرت امام حسن علیہ السلام میں اتنی صلاحیت نہ تھی کہ ایک لشکر کو جمع کر کے مقابلہ کر سکیں۔

پانچ سال مولائے کائنات علیہ السلام کے ہمیں نظر آتے ہیں اور ان پانچ سالوں میں تمام تر خدمات' جس طرح پیغمبرِ اسلام کے زمانے میں تمام جنگی خدمات مولا علی علیہ السلام کے حوالے تھیں اسی طرح امیر المومنین علیہ السلام کا اتنا عرصہ ہمیں نظر آتا ہے کہ اس تمام عرصے میں تمام جنگی خدمات حضرت امام حسن علیہ السلام کے حوالے تھیں۔

روایت میں ہے کہ جب جنگِ صفین کا آغاز ہونے والا تھا اور امیر شام اپنا لشکر لے کر آ چکا تھا صفین کے میدان میں اس وقت ابو موسیٰ اشعری اور ابو موسیٰ اشعری کے بارے میں اس سے پہلے امیر المومنین علیہ السلام کی گفتگو میں آ چکا ہے کہ ابو موسیٰ اشعری وہ بزرگ تھے کہ جن کا رجحان پہلے تین خلفا کی جانب تھا اور مولا علی علیہ السلام کو خلافت ملنے کے بعد مولا علی علیہ السلام کی مخالفت پر اُتر آئے تھے۔

چناں چہ جب جنگِ صفین کا آغاز ہوا تو اس وقت ابو موسیٰ اشعری بصرہ کے حاکم تھے۔ انھوں نے بصرہ کے تمام مومنین کو مولائے کائنات علیہ السلام کے خلاف بہکانا شروع کر دیا یہاں تک روایت میں ہے کہ اہل بصرہ میں سے کوئی بھی اس جہاد میں حصّہ لینے کے لیے مولائے کائنات علیہ السلام کے پاس نہیں پہنچا۔ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت امام حسن علیہ السلام کو بلایا' حضرت امام حسن علیہ السلام کو بلانے کے بعد بصرہ کی جانب کہا کہ تم جاؤ اور جانے کے بعد اہل بصرہ کو میری حمایت کے لیے تیار کرو۔

اب ذرا دیکھیں!

ایک الزام حضرت امام حسن علیہ السلام پر یہ لگایا جاتا ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام میں اتنی صلاحیت نہ تھی کہ لشکر کو جمع کر سکتے اور جنگ کے میدان میں اُتر سکتے لیکن روایت میں ہے کہ ابو موسیٰ اشعری پیغمبرِ اسلام کے صحابی تھے وہ اپنی تمام تر کوشش کر رہے تھے اور آٹھ یا دس سال ہو

گئے تھے ان کو حکومت کرتے کرتے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام جاتے ہیں اور چند دنوں کے قیام کے اندر اہل بصرہ کو اس طرح تبدیل کرتے ہیں کہ جنگِ صفین میں مولائے کائنات علیہ السلام کی قیادت میں لڑنے والے لشکر میں ایک بڑا حصہ ان لوگوں کا تھا جو بصرہ سے حضرت امام حسن علیہ السلام کی تقریر سن کر آئے تھے۔

یہ چھوٹی چھوٹی باتیں لیکن حضرت امام حسن علیہ السلام کے کردار کو واضح کرنے کے لیے اور حضرت امام حسنؑ کی ان صلاحیتوں کو ہمارے سامنے پیش کرنے کے لیے جو ہر امامؑ میں انتہائی اہم باتیں ہیں۔ حضرت امام حسن علیہ السلام ہمیں نظر آتے ہیں میدانِ جنگ میں (ایک بہادر سپہ سالار کی حیثیت سے)' حضرت امام حسن علیہ السلام ہمیں نظر آتے ہیں امیر المومنین علیہ السلام کے دور میں ایک مقرر کی حیثیت سے' ایسے مقرر کہ جو چند دنوں میں تمام اہل بصرہ کو بدل دیتے ہیں۔

پھر حضرت امام حسن علیہ السلام ہمیں نظر آتے ہیں ایک اطاعت گزار بیٹے کے روپ میں کہ جب ایک صلح نامہ پر دستخط ہو رہے تھے۔ وہی صلح نامہ کا موقع جس کے بارے میں ہم بتا چکے تھے کہ ابو موسیٰ اشعری اور عمر عاص یہ دو مقرر کیے گئے تھے۔ یہ دو آدمی اس لیے مقرر کیے گئے تھے کہ امیر المومنین علیہ السلام اور امیر شام کے درمیان جو جھگڑا ہے اس کا صحیح فیصلہ کر دیں اور اس کی تاریخ شاید آپ کے ذہنوں میں محفوظ نہ ہو اس لیے دو جملے پیش ہیں۔

یہ ایک بڑا اہم مقام ہے کیوں کہ یہیں سے حضرت امام حسن علیہ السلام کے صلح نامے کی اہمیت ہمارے سامنے آتی ہے کہ جنگِ صفین جب ہو رہی تھی اور وہ مقام اور وقت آ گیا کہ جب مالکِ اشترؓ امیر شام کے خیمے تک پہنچ چکے تھے اور اسی لمحے امیر شام کا خاتمہ ہونے والا تھا اس وقت ایک مرتبہ نیزوں پر تلوار پر قرآن بلند کیے گئے اور ہنگامہ کر دیا گیا کہ ہم اسی قرآن سے فیصلہ چاہتے ہیں۔

مولائے کائنات علیہ السلام اپنے ساتھیوں کو روکتے رہے اور منع کرتے رہے اور بتاتے رہے کہ یہ ان لوگوں کا ایک فریب ہے۔ یہ قرآن کو اس لیے بلند کر رہے ہیں کہ تمھارے جذبات کو بھڑکا سکیں۔ لیکن روایت میں ہے کہ مولاؑ کی تمام فوج نے اور اس فوج نے جو اپنے کو علی علیہ السلام کا

شیعہ کہہ رہے تھے اس فوج نے امیر المومنین علیہ السلام کے احکامات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا' یہ کہتے ہوئے کہ کتاب خدا کے سامنے ہم کسی کی بات نہیں سنیں گے۔ آخر مولائے کائنات علیہ السلام انتہائی مجبور ہو گئے۔

اس لفظ مجبور کو ذہن میں رکھیں اور حضرت امام حسن علیہ السلام کی جو گفتگو آنے والی ہے اس سے اس کو ملائیں تو آپ کو پتا چلے گا کہ کس طریقے سے حضرت امام حسن علیہ السلام مجبور کر دیے گئے۔

امیر المومنین علیہ السلام مجبور ہو گئے' یہ ظاہری مجبوری تھی ورنہ تو وہ پوری کائنات کے حاکم تھے' ظاہری اعتبار سے مجبور ہو گئے۔

کہا: جیسے تمھاری مرضی۔

اس کے بعد مولائے کائنات علیہ السلام نے کہا کہ جنگ بندی کر دی جائے۔

جنگ بندی کر دی گئی اور یہ طے پایا کہ دونوں طرف سے ایک ایک حاکم' ایک ایک جج آئے' ایک مولاؑ کے لشکر سے' ایک امیر شام کے لشکر سے اور یہ دونوں مل کر جو طے کریں وہ تمام مسلمانوں کے لیے قابل قبول ہو گا۔ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی طرف سے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بھیجنا چاہا' مالک اشتر رضی اللہ عنہ کو بھیجنا چاہا لیکن لوگ نہیں مانے۔

اب ان جملوں کو ذہن میں رکھیں کہ امیر المومنین علیہ السلام کے شیعہ نہیں مانے۔

ایک فقرہ مولاؑ نے کہا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمھارا امام میں ہوں یا تم میرے امام ہو؟ تمھیں میری بات ماننا چاہیے یا مجھے تمھاری بات ماننا چاہیے؟؟

تاریخ ہمارے سامنے یہی صورت حال پیش کرتی ہے کہ اُس زمانے کے شیعہ امام کی بات نہیں مانتے تھے اور آج کے دور کے شیعہ نائب امام کی بات نہیں مانتے۔

بہر حال!

امیر المومنین علیہ السلام جب انتہائی مجبور ہو گئے تو آپؑ کی فوج اس حد تک آپؑ کے خلاف ہو گئی کہ مولاؑ کہتے رہے کہ میں فیصلے کو مانتا ہوں لیکن عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بھیج دو' مالک اشترؓ کو بھیج دو۔

لوگ کہنے لگے: نہیں! ہم ابو موسیٰ اشعری کو بھیجیں گے۔ ابو موسیٰ اشعری، جن کے بارے میں ابھی آپ نے سنا کہ یہ حضرت امام حسن علیہ السلام کے مقابلے میں بصرہ کے رہنے والوں کو علی علیہ السلام کی اطاعت سے انحراف کے لیے بھڑکا رہے، آج یہ علی علیہ السلام کی طرف سے قاضی بن کر جا رہے ہیں۔ اب اس گفتگو کو سنتے چلیں تو حضرت امام حسن علیہ السلام کی صلح کا پس منظر سامنے آ جائے گا۔

دوسری طرف سے عمر بن عاص آئے اور ایک مرتبہ جیسا کہ ہم نے بتایا کہ عمر بن عاص نے ابو موسیٰ اشعری کو دھوکا دیا اور ابو موسیٰ اشعری سے یہ گفتگو ہوئی کہ تم اپنے آدمی کو معزول کر دو ہم اپنے آدمی کو معزول کرتے ہیں کیوں کہ اسلام میں سارا جھگڑا امیر شام اور امیر المومنین علیہ السلام کی وجہ سے ہے جب یہ دونوں نہ رہیں گے تو جھگڑا ختم ہو جائے گا اور کوئی تیسرا آدمی حکومت میں آ جائے گا۔

ابو موسیٰ اشعری یا تو بہت سیدھے آدمی تھے یا پہلے ہی سے علی علیہ السلام کی نفرت ان کے دل میں موجود تھی اس لیے فوراً اس پر تیار ہو گئے۔ جب دونوں اکٹھے ہوئے تو عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ آگے بڑھے، آگے بڑھ کر ابو موسیٰ اشعری سے کہا: اے ابو موسیٰ اشعری! کیا طے پایا؟

ابو موسیٰ اشعری نے کہا: یہ ہماری راز کی بات ہے جو ہم کسی کو نہیں بتا سکتے۔

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابو موسیٰ اشعری! ایک مشورہ دیتا ہوں اسے ضرور ماننا وہ یہ کہ خبردار! عمر بن عاص سے پہلے تقریر نہ کرنا ورنہ دھوکا کھا جاؤ گے۔ لیکن ابو موسیٰ اشعری نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس مشورے کو قبول نہ کیا۔ عمر بن عاص نے خوشامد کی کچھ باتیں کہیں کہ آپ صحابی رسولؐ ہیں، آپ بزرگ ہیں، آپ متقی ہیں، آپ پرہیزگار ہیں۔ میں آپ سے پہلے تقریر کروں، میری کیا جرأت؟ یہ کہہ کر ایک مرتبہ ابو موسیٰ اشعری کو دعوت دیتا ہے اور ابو موسیٰ اشعری بھی اپنے ایمان اور اپنے تقویٰ کی وجہ سے خوش ہو کر آگے چلے اور آگے چل کر اعلان کیا کہ میں دونوں کو معزول کرتا ہوں۔ اب ابو موسیٰ اشعری نے علی علیہ السلام کو معزول کر دیا اور امیر شام کو بھی معزول کر دیا۔

روایت میں ہے کہ دوسری طرف سے عمر بن عاص چلا اور آ کر کہا کہ جہاں تک علی علیہ السلام کے ساتھی نے کہا ہے میں اس سے متفق ہوں اور میں بھی علی علیہ السلام کو معزول کرتا ہوں لیکن اپنے خلیفہ امیر شام کو خلافت پر قائم کرتا ہوں' یہ جملہ اس کے منہ سے نکلا۔

روایت میں ہے کہ ایک ہنگامہ ہو گیا' ایک جھگڑا ہو گیا' لیکن حقیقی اعتبار سے دیکھیں اب کیا ہوا؟

اب یہیں سے حضرت امام حسن علیہ السلام کی صلح ہمارے سامنے آتی ہے۔

حقیقی اعتبار سے یہ ہوا کہ امیر المومنین علیہ السلام خلافت ظاہری سے معزول ہو گئے اور امیر شام واحد خلیفہ رہ گیا۔ اس لیے کہ امیر المومنین علیہ السلام کو ان کے آدمی نے بھی معزول کر دیا اور فریق مخالف کے آدمی نے بھی معزول کر دیا لیکن امیر شام کو اس کے آدمی نے برقرار رکھا۔

بہر حال!

امیر شام کی پوزیشن ظاہری اعتبار سے امیر المومنین علیہ السلام سے بہتر ہو گئی۔ امیر المومنین علیہ السلام معزول ہو چکے ہیں اور حضرت امام حسن علیہ السلام نے اپنے صلح نامہ میں ایک لفظ لکھوا کر یہ بتا دیا کہ حکمین میں جو کچھ ہوا یہ بالکل غلط ہوا۔ یہ تاریخ کا وہ مقام ہے کہ جہاں سے حضرت امام حسن علیہ السلام کا کردار صحیح معنوں میں ہمارے سامنے آتا ہے اگرچہ اس سے کچھ پہلے وہ واقعہ پیش آ چکا تھا کہ جس کی پیشین گوئی پیغمبرؐ اسلام اپنے زمانے میں کر گئے تھے اور واقعہ یہ تھا کہ جب وہ معاہدہ لکھا جا رہا تھا کہ علی علیہ السلام کی طرف سے ابو موسیٰ اشعری قاضی بنیں گے اور امیر شام کی طرف سے عمر بن عاص قاضی بنیں گے تو حضرت امام حسن علیہ السلام وہ معاہدہ لکھ رہے تھے۔ کچھ روایتوں میں اور کچھ میں ہے کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ معاہدہ لکھ رہے تھے اور حضرت امام حسن علیہ السلام نے اس پر دستخط کیے۔

روایت میں ہے کہ جس وقت یہ معاہدہ لکھا گیا' اس وقت جب ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ جملے لکھے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام اور امیر شام کے درمیان یہ معاہدہ طے پایا تو امیر شام کے ساتھیوں نے اعتراض کیا اور کہا کہ اس میں امیر المومنین علیہ السلام کا لفظ کاٹ دیا جائے اس لیے کہ

اگر ہم علی علیہ السلام کو امیر المومنین علیہ السلام مان لیں تو پھر ہمارا اور علی علیہ السلام کا جھگڑا کس بات پر رہے گا؟

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سنا تو ایک مرتبہ کہا کہ یہ تو ناممکن ہے کہ میں اپنے قلم سے امیر المومنین علیہ السلام کا لفظ کاٹوں تو اس وقت پیغمبرؐ اسلام کی پیشین گوئی کو دہراتے ہوئے آگے بڑھے لیکن کچھ روایتوں میں ہے کہ یہ واقعہ حضرت امام حسن علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا اور حضرت امام حسنؑ نے کہا کہ میں اپنے بابا کے نام کے ساتھ لکھا ہوا امیر المومنین علیہ السلام کا لفظ نہیں کاٹ سکتا۔ اس وقت مولائے کائنات علیہ السلام آگے بڑھے اور کہا یہ وہی بات ہے جسے میرے چچازاد بھائیؐ نے صلح حدیبیہ کے روز بتایا تھا کہ کافروں میں اور مسلمانوں میں معاہدہ ہو رہا تھا اور میں نے اپنے قلم سے لکھا تھا:

هٰذَا صَالَحَ

''یہ وہ معاہدہ ہے جس پر صلح ہوئی۔''

یہ لفظ صلح ذہن میں رہے!

هٰذَا صَالَحَ

یہ لفظ تاریخ طبری کا ہے!

یہ وہ معاہدہ ہے جس پر صلح کی رسولؐ اللہ نے مکہ والوں کے قاصد سے۔

اُس وقت مکہ والوں نے اعتراض کیا تھا کہ اگر ہم محمدؐ کو رسولؐ اللہ مان لیں تو جھگڑا کس بات کا ہے لہٰذا لفظ رسول کاٹا جائے۔

امیر المومنین علیہ السلام یہ جملہ دہراتے ہیں حضرت امام حسن علیہ السلام سے کہ اے میرے بیٹے! اس وقت میں نے یہ کہا تھا کہ میں اپنے ہاتھ سے رسولؐ اللہ کا لفظ نہیں کاٹ سکتا تو میرے چچازاد بھائی اور تمہارے نانا پیغمبرؐ نے وہ معاہدہ مجھ سے لیا اپنے ہاتھ سے رسولؐ اللہ کا لفظ کاٹا اور کہا کہ اے علیؑ! بالکل یہی صورت حال ایک دن تیرے ساتھ پیش آئے گی اور آج اسی چیز کا دن ہے۔

کہہ کر مولاؑ اس معاہدے کو لیتے ہیں اور اپنے ہاتھ سے امیر المومنین علیہ السلام کے لفظ کو کاٹتے ہیں اور حضرت امام حسن علیہ السلام یہ منظر دیکھ رہے ہیں اور اس پر دستخط کرتے ہیں۔

اب ذہن میں رہے کہ صلح کا لفظ پیغمبر اسلامؐ نے استعمال کیا' صلح کا لفظ امیرالمومنینؑ نے استعمال کیا تو حضرت امام حسن علیہ السلام کی صلح کوئی نئی چیز نہیں ہے بل کہ واقعات کا منطقی نتیجہ ہے۔

اب جیسے ہی یہ واقعہ ختم ہوا تو اسی وقت ایک گروہ یا ایک پارٹی کھڑی ہو گئی اور یہ مسلمانوں کا واحد اور پہلا گروہ ہے جو امیرالمومنین علیہ السلام کو کافر سمجھتا ہے ورنہ کوئی مسلمان علی علیہ السلام کو کسی حیثیت سے کافر نہیں سمجھتا لیکن امیرالمومنین علیہ السلام کے کفر کا اعلان صرف ایک گروہ کرتا ہے جس کا نام خارجی گروہ ہے اور یہی خارجی گروہ وہ گروہ تھا جس کی وجہ سے حضرت امام حسن علیہ السلام کو صلح کرنا پڑی۔

یہ خارجی گروہ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ ہم علی علیہ السلام کو مسلمان تسلیم نہیں کرتے۔ اس لیے کہ علی علیہ السلام نے ابوموسیٰ اشعری کو اپنا قاضی بنایا جب کہ قاضی تو سوائے خدا کی ذات کے کوئی اور نہیں بن سکتا' علی علیہ السلام نے خدا کو چھوڑ کر غیر خدا کو قاضی بنایا جب کہ قاضی تو سوائے خدا کی ذات کے کوئی اور نہیں بن سکتا' علی علیہ السلام نے خدا کو چھوڑ کر غیر خدا کو قاضی بنایا اس لیے ہم علی علیہ السلام کے اسلام اور ایمان کو تسلیم نہیں کرتے۔

یہ خارجی جماعت وہی جماعت تھی کہ جب نیزے پر قرآن بلند ہوئے اور امیرالمومنینؑ نے کہا کہ جنگ جاری رکھو تو انھی خارجیوں نے کہا تھا کہ نہیں! ہم قرآن کے مقابلے میں جنگ نہیں کر سکتے اور جب انھی کی بات مان کر آج صلح نامے پر دستخط ہو گئے تو آج یہی لوگ کہہ رہے ہیں کہ اے علیؑ! تُو نے قرآن کی بات کیوں مانی تھی اور یہ کہہ کر یہ خارجی علیحدہ ہو گئے۔

اب تاریخ یہاں پر کچھ نہیں بتائی لیکن ایک چیز بالکل واضح ہے وہ یہ کہ خارجی جماعت کی مسلمانوں میں کوئی حیثیت نہ تھی اس لیے کہ تمام مسلمان اس سے نفرت کرتے تھے لیکن اس کے باوجود نہ ان کے پاس دولت کی کمی تھی' نہ ان کے پاس پیسے کی کمی تھی' انھوں نے بڑے بڑے منصوبے بنائے جب کہ ان میں کوئی بھی نمایاں فرد نظر نہیں آتا تو تاریخ میں یہ جملے ہیں کہ خارجی جماعت کے پیچھے کسی کا ہاتھ تھا اور کوئی ایسا شخص تھا جو پردے کے پیچھے بیٹھ کر ان کو بھڑکا رہا تھا اور وہ تھا امیر شام جو ان کو ہوا دے رہا تھا اسی لیے ہمیں نظر آتا ہے کہ خارجی حضرت امام

حسن علیہ السلام اور امیر المومنین علیہ السلام دونوں کے خلاف رہے۔ اس کے بعد خارجی ایک طویل عرصہ تک گم نامی میں چلے گئے اور اس کا ثبوت اس طرح بھی ملتا ہے کہ تین خارجی وہ تھے جنھوں نے علیؑ' امیر شام اور عمر بن عاص کے قتل کی سازش کی تھی لیکن ان میں سے مولائے کائنات علیہ السلام تو شہید ہو گئے اور باقی دو بالکل صحیح سالم بچ گئے اور اس کے بعد یہ بھی منظر آپ کے سامنے آنا چاہیے کہ کب یہ حملہ امیر المومنین علیہ السلام پر ہوا؟

یہ حملہ امیر المومنین علیہ السلام پر اس ہفتے میں ہوا جس ہفتے میں امیر المومنین علیہ السلام شام پر حملہ کرنے کے ارادے سے نکلنے والے تھے یعنی جب حکمین کا معاملہ ختم ہوا تو ایک مرتبہ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی جماعت کو اکٹھا کیا اور خارجی جماعت کا مقابلہ کیا اور ایک جنگ ہوئی جس کا نام ہے جنگ نہروان۔ روایت میں ہے کہ صرف نو آدمی بچ سکے تھے باقی سب مار دیے گئے اس کے بعد علی علیہ السلام نے لشکر کو جمع کیا اور لشکر کو جمع کر کے شام کی طرف نکلنے والے تھے۔ یہ لشکر بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے کیوں کہ امیر المومنین علیہ السلام کے بعد یہ لشکر حضرت امام حسن علیہ السلام کے ہاتھ میں آیا۔

بس!

یہاں سے حضرت امام حسن علیہ السلام پر ہماری گفتگو شروع ہو رہی ہے۔

اب امیر المومنین علیہ السلام لشکر تیار کر چکے ہیں بصرہ سے لوگ آ رہے ہیں' کوفہ سے لوگ آ رہے ہیں' مدینے سے لوگ آ رہے ہیں' مکہ سے لوگ آ رہے ہیں اور لشکر تیار ہو گیا۔ لشکر تیار ہونے کے بعد دو یا تین دن میں لشکر کوچ کرنے والا تھا کہ ایک مرتبہ یہ منظر ہم دیکھتے ہیں کہ اس طرح امیر المومنین علیہ السلام پر حملہ کیا جاتا ہے کہ نماز کی حالت میں شہید کر دیا گیا۔

اب اگر امیر المومنین علیہ السلام پر یہ حملہ نہ ہوتا تو وہ علی علیہ السلام کہ جو جنگ صفین میں امیر شام کو بغیر خود تلوار چلاتے ہوئے اس حد تک مجبور کر دیتے ہیں کہ امیر شام کا بس! ایک لمحے میں خاتمہ ہونے والا تھا یہ تو خارجی جماعت آڑے آ گئی اور اب خدا نے ایک بہت بڑا احسان مسلمانوں پہ کیا کہ خارجی علیحدہ ہو گئے۔

اب صرف امیر المومنین علیہ السلام کا لشکر ہے اب اگر یہ لشکر مقابلہ کرے تو یقینی بات ہے کہ امیر شام کو بچنے کے لیے اس زمین پر کوئی جگہ نہ ملے گی تو عین اسی ہفتے میں کہ جب علی علیہ السلام کا لشکر شام کی طرف بڑھنے والا تھا' عین اسی ہفتے میں امیر المومنین علیہ السلام پر حملہ کیا جاتا ہے۔ تاریخ کے یہ واقعات خود بہ خود علی علیہ السلام پر کیا جانے والا حملہ ایک آدمی کا یا ایک چھوٹی سی جماعت کا فعل نہیں تھا بل کہ امیر شام کا ہاتھ اس کے پیچھے تھا اور اس کے نتیجے میں ۲۱ رمضان کو امیر المومنین علیہ السلام شہید ہوئے ہیں۔

ذرا اہمیت دیکھیں!

۲۱ رمضان ہے' جمعہ کا دن ہے' مولائے کائنات علیہ السلام شہید ہوتے ہیں اور جس کے گھر شہادت ہو اور ایسا باپ شہید ہو جو معصوم باپ' ایسا باپ شہید ہو جو امام وقت ہو' تو اس کے گھر میں کس قدر زیادہ غم کی کیفیت ہونی چاہیے۔ لیکن حضرت امام حسن علیہ السلام جانتے تھے کہ میرے بابا کی زندگی کا مقصد کیا تھا تو ادھر بابا کو دفن کر کے آئے اور گھر بعد میں پہنچے پہلے مسجد میں گئے اور سب سے پہلے مسجد کوفہ کے منبر پر بیٹھے۔ پہلے اپنا تعارف کرایا پھر ایک خطبہ ارشاد فرمایا جو بہت طولانی خطبہ ہے۔

اِدھر حضرت امام حسن علیہ السلام کی گفتگو ختم ہوئی اُدھر عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کھڑے ہونے کے بعد مسجد کوفہ میں موجود لوگوں کو حضرت امام حسن علیہ السلام کی بیعت کی دعوت دی۔ حضرت امام حسن علیہ السلام نے بیعت کے لیے ہاتھ پھیلا دیا اور ۲۱ رمضان ۴۰ ہجری کو اگر ایک طرف مولائے کائنات علیہ السلام کی شہادت کی تاریخ ہے تو دوسری طرف اس کے چند گھنٹوں کے بعد ہمیں نظر آتا ہے کہ مسجد کوفہ میں حضرت امام حسن علیہ السلام لوگوں سے بیعت لے رہے ہیں۔ کتنی جلدی تھی حضرت امام حسن علیہ السلام کو امیر شام کا خاتمہ کرنے کی کہ اپنے باپ کا ایک ہفتے کا سوگ بھی نہیں منایا ایک دن بھی انتظار نہیں کیا بل کہ اِدھر باپ شہید ہوئے اور اُدھر پہلا کام یہ کیا کہ لوگوں سے بیعت کرا کے لشکر کو تیار کرایا۔ صرف اس لیے کہ جانتے تھے کہ امیر شام وہ شخص ہے جس کو اگر ذرا سی مہلت دی گئی تو یہ اس مہلت سے فائدہ اُٹھا کر مسلمانوں کو مکمل طور پر ذلیل کر

دے گا۔ اپنے بابا کے مقصد کو حضرت امام حسن علیہ السلام پورا کرنا چاہتے تھے اور حضرت امام حسن علیہ السلام نے ایسا کرنے کے لیے اپنے طور پر پوری کوشش کی۔

دیکھیے!

اس قسم کے جملے آپ کے سامنے آئیں تو چونکنے کی ضرورت نہیں ہے یہ امامؑ کے بارے میں کوئی توہین آمیز جملے نہیں ہیں بل کہ جیسا کہ روایتوں میں ہے کہ امامؑ بھی ظاہری اعتبار سے زندگی گزارتا ہے۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے ظاہری طور پر تو پوری کوشش کر لی اور کچھ واقعات ہمیں بتاتے ہیں کہ امیر شام کو پہلے سے پتا تھا کہ کس دن علی علیہ السلام پر حملہ کیا جائے گا۔ اس لیے کہ ۲۱ رمضان کو حضرت امام حسن علیہ السلام اپنی بیعت کرا کر لشکر کو تیار کرتے ہیں لیکن اس سے پہلے ہی امیر شام کی سازشیں شروع ہو چکی تھیں اور حضرت امام حسن علیہ السلام اپنی بیعت کرا کر باہر نکلتے ہیں کوفہ سے' مختلف شہروں میں اپنے گورنر مقرر کرتے ہیں۔ لیکن اِدھر سے امیر شام اپنے جاسوسوں کو بھیج چکا تھا۔

روایت میں ہے کہ اس کا ایک جاسوس کوفہ میں آیا' ایک جاسوس بصرہ میں گیا۔ کوفہ کے جاسوس کو حضرت امام حسن علیہ السلام نے گرفتار کر کے قتل کرا دیا اور فوراً یہ حکم دیا کہ بصرہ کے لوگ دوسرے جاسوس کو تلاش کریں۔ دوسرے جاسوس کو تلاش کیا گیا اور بصرہ میں قتل کر دیا گیا لیکن اس عرصے کے اندر جو وقت ملا امیر شام کو کہ امیر المومنین علیہ السلام ۱۹ رمضان کو زخمی ہو گئے۔ اس کی وجہ سے امیر شام کو جو تھوڑا سا وقت مل گیا اس سے اس نے پورا فائدہ اُٹھایا اور علی علیہ السلام کے لشکر میں شامل جتنے لوگ تھے' ان میں جتنے بڑے بڑے سردار تھے' ان کو بڑی بھاری رشوتیں پیش کیں۔

ایک لاکھ دینار' اپنی بیٹی کا رشتہ اور شام کے صوبے کی گورنری۔ یہ تین وعدے کیے امیر شام نے امیر المومنین علیہ السلام کے لشکر کے بڑے بڑے سرداروں سے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ سارے کے سارے سردار حضرت امام حسن علیہ السلام کی بیعت سے نکل کر امیر شام کی طرف چلے

گئے۔ اسی لیے جب حضرت امام حسن علیہ السلام مسجد میں تقریر کرنے کے لیے منبر پر تشریف لے گئے تو یہ لوگ جو پہلے ہی سے مخالف ہو چکے تھے اور موقع کی تلاش میں تھے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام نے تقریر کی اور تقریر میں یہ کہا کہ اگر تم میری بیعت کر رہے ہو تو ایک شرط پر بیعت کرنا۔ شرط یہ ہے کہ جس سے میں جنگ کروں اس سے تمھیں بھی جنگ کرنا پڑے گی، جس سے میں صلح کروں اس سے تمھیں بھی صلح کرنا پڑے گی۔

اِدھر حضرت امام حسن علیہ السلام اُترے اِدھر ان لوگوں نے ایک دوسرے سے کہنا شروع کر دیا کہ حسنؑ کے ارادے تو جنگ کے نہیں لگتے ہیں، صلح کے لگتے ہیں۔ یہ اپنے باپ کا مخالف ہو گیا۔ یہ کہہ کر حضرت امام حسن علیہ السلام پر شیعوں نے حملہ کیا اور حملہ کرنے کے بعد روایت میں ہے کہ خیمے کے تمام سامان کو لوٹ لیا۔ حضرت امام حسن علیہ السلام مصلّے پر بیٹھے ہوئے تھے نیچے سے مصلّے کو کھینچ لیا۔ حضرت امام حسنؑ کے شانوں پر جو ردا تھی وہ ردا بھی اُتار کر لے گئے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام اس حالت میں گھوڑے پر سوار ہوئے اور کوفہ سے باہر نکلے اور مدائن کی طرف چلے کیوں کہ مدائن میں حضرت امام حسن علیہ السلام کے ایک انتہائی قریبی ساتھی رہا کرتے تھے۔

حضرت امام حسن علیہ السلام گھوڑے پر سوار ہو کر کوفہ سے نکل رہے تھے کہ تنگ گلیوں میں سے ایک شخص نکل کر آیا۔ روایت میں ہے کہ دس یا بارہ ساتھی حضرت امام حسن علیہ السلام کے چاروں طرف باقی رہ گئے اور باقی سب فرار اختیار کر گئے تھے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام پر حملہ کیا تھا۔ حملہ کرنے کے بعد فرار اختیار کر گئے تھے۔ دس یا بارہ شیعہ چاروں طرف تھے اور حضرت امام حسن علیہ السلام کے گھوڑے کو لے کر بڑھ رہے تھے۔ کوفہ سے باہر جب نکلنے والے تھے تو ایک تنگ سی گلی سے ایک شخص نکل کر آیا، اس کے ہاتھ میں ایک بیلچہ تھا اور بعض روایات میں ہے کہ اس کے ہاتھ میں ایک زہر آلود خنجر تھا اور اس نے یہ کہتے ہوئے کہ وَاللّٰهِ كَفَرَ هٰذَا الرَّجُلُ ”اس شخص نے کفر اختیار کیا“ (معاذ اللہ)۔

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے بیلچے سے حضرت امام حسن علیہ السلام پر حملہ کیا۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کی ران پر زخم آیا، اس ضرب کی وجہ سے حضرت امام حسن علیہ السلام اپنے گھوڑے سے گر

پڑے اور اپنی بانہیں گھوڑے کی گردن میں ڈال دیں۔ امامؑ کے ساتھ جو شیعہ تھے وہ جلدی جلدی امامؑ کو لے کر مدائن پہنچے اور وہاں پہنچنے کے بعد حضرت امام حسن علیہ السلام کے قریبی ساتھی کے گھر میں حضرت امام حسن علیہ السلام کو ٹھہرایا گیا اور حضرت امام حسن علیہ السلام کا علاج کرایا گیا۔ یہ ماحول ہے حضرت امام حسن علیہ السلام کے چاروں طرف کا۔

حضرت امام حسن علیہ السلام مدائن میں ہیں اور یہ حالت ہے کہ ۲۱ رمضان کو چالیس ہزار آدمیوں نے حضرت امام حسن علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کی۔ لیکن روایت میں ہے کہ جب چار یا پانچ مہینے گزرے تو دس یا بارہ شیعوں کے علاوہ کوئی بھی حضرت امام حسن علیہ السلام کے ساتھ نہ رہا۔

ایک چھوٹی سی بات میں بتا دوں!

وہ یہ کہ بار بار لفظ ہماری گفتگو میں آ رہا ہے کہ شیعوں نے امامؑ کے ساتھ یہ کیا تھا تو یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ شیعوں سے مراد ہم اور آپ جیسے مومن نہیں بل کہ جس وقت حضرت عثمان اور امیر المومنین علیہ السلام کا دورِ خلافت چل رہا تھا' حضرت عثمان کے آخری دور میں جب مسلمان حضرت عثمان کے خلاف ہو گئے تو اس وقت تین گروہ مسلمانوں کے بن گئے۔ ایک مولائے کائنات علیہ السلام کے ساتھیوں کا گروہ جو ابتدا سے مولا علی علیہ السلام کے ساتھ چلا آ رہا تھا۔ یہ لوگ شیعیانِ علیؑ کہلاتے تھے۔ ایک گروہ وہ جو حضرت عثمان کے ساتھ تھا یہ لوگ شیعیانِ عثمان کہلاتے تھے اور تیسرا گروہ وہ تھا کہ جو امیر شام کے ساتھ تھا یہ لوگ شیعیانِ امیر شام کہلاتے تھے۔

تین گروہ بن گئے!

① شیعیانِ علیؑ ② شیعیانِ عثمان ③ شیعیانِ امیر شام

شیعیانِ عثمان' حضرت عثمان کے قتل کے بعد سب حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے اور یہ حضرت علی علیہ السلام کو اپنا چوتھا خلیفہ مانتے تھے' ان کو بھی لوگوں نے شیعہ کہنا شروع کر دیا تھا تو اب جو بار بار لفظ شیعہ آ رہا ہے اس سے مراد وہ شیعہ ہیں جو حضرت عثمان کے ساتھی تھے اور حضرت علی علیہ السلام کو اپنا چوتھا خلیفہ مانتے تھے۔

یہ وہ لوگ تھے جو پہلی تین خلافتوں کو مانتے تھے اور شیعہ کہلاتے تھے تو یہ چالیس ہزار کا شیعوں کا لشکر تھا' جن میں حقیقی شیعہ جو ابتدائی زمانے سے چلے آ رہے وہ بہت ہی مختصر اور محدود تھے۔ اکثریت ان لوگوں کی تھی جو حضرت عثمان کے قتل کے بعد حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے اور اب حضرت امام حسن علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے۔

یہ لوگ اس انتظار میں تھے کہ ہم نے حضرت ابوبکر کی بیعت کی' حضرت عمر کی بیعت کی اور حضرت عثمان کی بیعت کی۔ بڑی بڑی جنگیں ہوئیں' ہمیں مالِ غنیمت ملا۔ ہمارے پاس سونے اور چاندی کے ذخیرے جمع ہو گئے تو اب یہ منتظر تھے کہ جب یہ حضرت علی علیہ السلام اور حضرت امام حسن علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں تو اسی قسم کی جنگیں ہوں گی' اسی طرح سے دولت ہاتھ آئے گی' ہمیں ہمارا حصہ ملے گا۔ لیکن یہاں ان لوگوں نے دیکھا کہ جنگِ جمل میں ہم لوگ مارے گئے' جنگِ صفین میں ہم مارے گئے' جنگِ نہروان میں ہم مارے گئے' جانیں جا رہی ہیں اور دولت کچھ نہیں مل رہی۔

اب جب ان کو دولت وغیرہ نہ ملی تو ایک ایک کر کے یہ امیر المومنین علیہ السلام کا ساتھ چھوڑنے لگے اور حضرت امام حسن علیہ السلام جب خلیفہ بنے تو اس وقت ان کو موقع مل گیا اور سب ساتھ چھوڑ گئے۔ اب ایک جملہ پھر ہم بتاتے چلیں کہ ہماری ساری گفتگو اپنے عقیدے والوں سے' اپنے عقیدے کی روشنی میں ہو رہی ہے۔

وقت چوں کہ بہت کم رہ گیا ہے اس لیے ہم تفصیل میں نہیں جائیں گے۔

بہر حال اب ہم اپنی گفتگو کے اختتام پر پہنچتے ہیں!

حضرت امام حسن علیہ السلام ۴۱ ہجری سے ۵۰ ہجری تک مسلسل اسی کوشش میں لگے رہے ہیں کہ صلح نامے کے ذریعے جو وقت میں نے حاصل کیا ہے' اس سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کو معلوم تھا کہ مجھے شہید ہونا ہے لیکن حضرت امام حسن علیہ السلام نو سال مسلسل ان کوششوں میں لگے رہے کہ کسی طرح سے جو وقت مجھے صلح نامے کی مدد سے مل گیا ہے اس کو میں زیادہ سے زیادہ استعمال کر کے اپنے مقصد کو پورا کروں۔

اس لیے آپ دیکھیں کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کی ایک نمایاں خصوصیت جو ہمیں نظر آتی ہے باقی ائمہؑ کو آپ دیکھیں کہ ان کو ایک یا دو مرتبہ زہر دیا گیا لیکن حضرت امام حسن علیہ السلام کے بارے میں تاریخ یہ بتائے گی کہ کوئی سال ایسا نہیں گزرا کہ جب حضرت امام حسن علیہ السلام کو زہر نہ دیا گیا ہو۔ اس لیے کہ حاکم شام کو پتا تھا کہ صلح کر کے حضرت امام حسن علیہ السلام نے بہت بڑا فائدہ حاصل کر لیا۔ چناں چہ اب اس کی پوری کوشش یہ تھی کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کو زندہ نہ رہنے دیا جائے۔

اب حضرت امام حسن علیہ السلام کے بارے میں سات یا آٹھ مرتبہ زہر دینا تو تاریخ میں بالکل یقینی طور پر لکھا ہے۔ مثلاً روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام حسن علیہ السلام کو اطلاع ملی کہ آپؑ کے شیعہ جو دمشق کے قریب ایک گاؤں میں رہتے تھے ان پر رات کے وقت حملہ ہوا اور اڑتیس (۳۸) شیعہ آپؑ کے مارے گئے۔ روایت میں ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام ایک مرتبہ گھبرا گئے' فوراً گھوڑا منگوایا اور گھوڑے پر سوار ہو کر گئے' اس گاؤں تک پہنچے وہاں کے مومنوں کو تسلی دی اور واپس آئے جب واپس آئے تو راستے میں ایک (جعلی) شیعہ سے ملاقات ہوئی۔

اس نے کہا: مولاؑ! میری بڑی خواہش ہے کہ آپؑ میرے گھر میں کچھ دیر قیام کریں۔ امامؑ نے اس کے گھر جانے کی دعوت قبول کر لی اور روایت میں ہے کہ اس نے اپنے گھر میں مسلسل تین دفعہ حضرت امام حسن علیہ السلام کو زہر دیا۔ ہر مرتبہ زہر نے امامؑ کی حالت بگاڑی لیکن آخرکار حالت سنبھل گئی۔ یہاں تک کہ جب مسلسل تین مرتبہ زہر دینے کے باوجود حضرت امام حسن علیہ السلام کو کوئی شدید نقصان نہ پہنچا تو اس نے حاکم شام کو خط لکھا کہ حضرت امام حسن علیہ السلام میرے گھر میں ہیں لیکن زہر دینے سے خاتمہ نہیں ہو رہا کوئی تدبیر بتاؤ۔

روایت میں ہے کہ وہاں سے حاکم شام نے ایک خطرناک زہر بھجوایا۔ ایک آدمی وہ زہر کی بوتل لے کر چلا' راستے میں جب وہ ایک مقام پر پہنچا تو تھک گیا اور اس نے کچھ آرام کرنا چاہا آخر وہ اسی مقام پر سو گیا۔ جب سو گیا تو ایک بھیڑیا آیا اور اس نے اس پر حملہ کیا اور اس کو چیر پھاڑ ڈالا۔

امامؑ کے کسی صحابی کا وہاں سے گزر ہوا تو اس کی نگاہ ان چیزوں پر پڑی جو وہ آدمی اپنے ساتھ لایا تھا۔ اب وہ ان چیزوں کو حضرت امام حسن علیہ السلام کے پاس لایا' حضرت امام حسن علیہ السلام کے حوالے جیسے ہی یہ چیزیں کی گئیں جن میں ایک خط بھی تھا حضرت امام حسن علیہ السلام نے اس خط کو دیکھا اور خط پڑھتے ہی امامؑ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور امامؑ نے اس خط کو اپنے مصلّے کے نیچے رکھ دیا۔ مختارؑ کے چچا کی نگاہ پڑی۔

وہ کہنے لگے: یا ابن رسولؐ اللہ! یہ کیا چیز ہے؟

امامؑ نے کہا: نہیں! یہ تمھیں دکھانے کی چیز نہیں ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ جب امامؑ کسی کام سے باہر گئے تو اُس نے مصلّے کے نیچے سے خط نکالا اور خط میں پڑھا کہ حاکم شام نے اس شخص کے ہاتھ کس طرح سے زہر بھجوایا۔ یہ پڑھ کر وہ آگ بگولا ہو گیا اور اس طریقے سے اس شخص کو مارا کہ اس کو وہیں پر ہلاک کر دیا گیا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام حسن علیہ السلام مدینے میں بیٹھے تھے' حاکم شام نے ایک اندھے آدمی کو بھیجا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھڑی دی' وہ لاٹھی جس کے سہارے اندھے آدمی چلتے ہیں اس کی لاٹھی کے نیچے جو لوہے کا ٹکڑا تھا اس پر زہر لگا دیا گیا۔ حاکم شام نے اس اندھے سے کہا کہ تم جانا مدینے میں کسی طرح سے یہ زہر بھری لوہے کی نوک حضرت امام حسن علیہ السلام کے جسم میں چبھو دینا۔

وہ آدمی پتا پوچھتے پوچھتے حضرت امام حسن علیہ السلام کے پاس آیا' آ کر قریب بیٹھا۔ موقع پاتے ہی ایک مرتبہ اس نے لاٹھی اُٹھائی اور لاٹھی اُٹھانے کے بعد اس لاٹھی کی نوک حضرت امام حسن علیہ السلام کے پاؤں میں چبھو دی۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کے پاؤں میں زخم آ گیا اور خون کے اندر زہر داخل ہو گیا اور وہ اندھا اپنی لاٹھی کو اُٹھا کر بھاگا۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کو بہت تکلیف ہوئی لیکن علاج و معالجے کے بعد حضرت امام حسن علیہ السلام ٹھیک ہو گئے۔ یہ چوتھی کوشش تھی حضرت امام حسن علیہ السلام کو زہر دینے کی۔ پھر یہ روایت بھی ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کی زوجہ جُعدہ نے بھی ایک مرتبہ زہر دیا۔

روم کی ایک عورت مدینے میں آئی اس کے ذریعے جُعدہ کو زہر بھجوایا گیا۔ جُعدہ نے حضرت امام حسنؑ کو کھانے میں زہر ملا کر دیا۔ جب امامؑ نے وہ کھانا کھایا تو امامؑ کی حالت خراب ہو گئی۔ کئی دن امامؑ کی حالت خراب رہی۔ لیکن پھر حضرت امام حسن علیہ السلام کو اُٹھا کر مسجد نبویؐ میں لایا گیا۔ امامؑ ناناؐ کی قبر کے قریب گئے، دعا کی اور ایک مرتبہ امامؑ ٹھیک ہو گئے۔ یہ پانچواں موقع ہے جو تاریخ نے بتایا ہے زہر کا۔ اس کے بعد حضرت امام حسن علیہ السلام نے جُعدہ کے گھر سے کھانا پینا قطعاً چھوڑ دیا تھا یا امِ فرویؓ کے گھر سے کھانا آتا یا حضرت امام حسین علیہ السلام کے گھر سے کھانا آتا۔

جُعدہ نے چھٹی مرتبہ امامؑ کو زہر دیا اور وہ اس طرح سے کہ امامؑ اس کے پاس گئے۔ وہ کہنے لگی: یا بن رسولؐ اللہ! ابھی تازہ کھجوریں درختوں سے توڑ کر لائی گئی ہیں آپؑ ان کو تناول فرمائیں۔

حضرت امام حسن علیہ السلام بیٹھ گئے۔ جُعدہ نے بھی ان کھجوروں میں سے کچھ خاص خاص کھجوریں اُٹھا اُٹھا کر کھانا شروع کر دیں لیکن جو کھجوریں زہر آلود تھیں ان کو حضرت امام حسن علیہ السلام نے تناول کیا۔ پھر وہی حالت ہوئی جو پہلے ہو چکی تھی۔ کچھ دن امامؑ اسی زہر کے اثر سے تڑپتے رہے اور پھر آپؑ کو اُٹھا کر روضۂ رسولؐ پر لے جایا گیا وہاں پر دعا مانگی تو صحت یاب ہو گئے۔

اب چھٹی مرتبہ جُعدہ نے دیکھا کہ میں اپنے مقصد میں کام یاب نہیں ہوئی تو ساتویں مرتبہ اس نے پھر کوشش کی' یہ وہی روایت ہے جو آپ نے پڑھی ہوئی ہے۔

جُعدہ نے وہ زہر رات کو صراحی میں ڈال دیا اور یہ وہ زہر تھا جو قیصر روم کے خزانے سے بھجوایا گیا تھا جس کا ایک قطرہ اگر سمندر میں ڈالا جائے تو سمندر کے تمام جانور مر جائیں۔ ایک قطرہ اگر خشکی پر ڈالا جائے تو اس کے اندر سے پانی نکل آئے۔

بہرحال!

اس ملعونہ نے وہ زہر صراحی میں ڈالا اور اب جب حضرت امام حسن علیہ السلام نے وہ پانی پیا

تو روایت میں ہے کہ تین یا چار دن تڑپتے ہوئے گزارے اور اس زہر کی وجہ سے حضرت امام حسنؑ کے چہرے کا رنگ سبز پڑ گیا۔ ایک مرتبہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے اپنے چھوٹے بھائی حضرت امام حسین علیہ السلام کو بلایا۔

کہا: بھیا حسینؑ! ذرا دیکھنا میرے چہرے کا رنگ کیسا ہے؟

حضرت امام حسین علیہ السلام نے عرض کیا: سبز رنگ ہے۔

ایک مرتبہ حضرت امام حسن علیہ السلام کہتے ہیں: بے شک! یہی میرے ناناؐ نے شبِ معراج دیکھا تھا۔

زینبؑ وامّ کلثومؑ قریب کھڑی تھیں۔

ایک مرتبہ گھبرا کر سوال کرتی ہیں: بھیا! اس زہر کا شبِ معراج سے کیا تعلق ہے؟

جواب دیا: جب ناناؐ معراج کی رات آسمانوں پر تشریف لے گئے تھے تو جنت سے انھوں نے دو محل دیکھے تھے' ایک سبز رنگ کا' ایک سرخ رنگ کا۔ وہاں انھیں بتایا گیا تھا کہ یہ دونوں محل آپؐ کے نواسوںؑ کے ہیں۔ میرے ناناؐ نے سوال کیا کہ جب دونوں میرے نواسے ہیں تو ایک کو سبز محل کیوں دیا اور ایک کو سرخ محل کیوں دیا؟ تو جواب دیا گیا تھا کہ آپؐ کا ایک نواسہؑ زہر سے شہید کیا جائے گا اور وقتِ آخر اس کا تمام جسم سبز پڑ جائے گا۔ اس لیے یہ سبز محل اس کا ہے اور دوسرا نواسہؑ جب شہید ہوگا تو اس کا تمام جسم خون سے سرخ ہوگا۔ اس لیے یہ سرخ محل اس کا ہے۔

روایتیں یہ ہیں۔

بہرحال!

حضرت امام حسن علیہ السلام اس قدر مصیبت اور پریشانی جھیل کر اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ اب جب حضرت امام حسن علیہ السلام کا جنازہ اُٹھایا گیا اور اُٹھا کر مسجد نبویؐ کی طرف لے جایا گیا تو مروان ابن حکم ملعون سیدھا گیا بی بی کے پاس ان کو بتایا کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کا جنازہ

آرہا ہے تو حضرت بی بی گھر سے نکلیں، اس وقت لوگ آگے بڑھے۔

کہا: اے اُمّ المومنین! آپ یہ کیا کررہی ہیں؟ لیکن بی بی نہ مانیں۔

اسی جگہ بنو اُمیہ موجود تھے انھوں نے تیر چلانا شروع کردیے اور ستر تیر حضرت امام حسن علیہ السلام کے جنازے میں پیوست ہوگئے۔

روایت میں ہے کہ جنازہ واپس گھر لے جایا گیا، حضرت زینبؑ و حضرت اُمّ کلثومؑ نے تیر نکالے اس کے بعد یہ جنازہ گیا جنت البقیع میں اور حضرت فاطمہؑ بنت اسدؑ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

پانچویں معصومؑ

حضرت امام حسین علیہ السلام

مشخصات

اسم مبارک	:	حسینؑ
لقب	:	سید الشہداء
کنیت	:	ابو عبداللہ
والد ماجد	:	حضرت علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام
والدۂ ماجدہ	:	حضرت سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا
ولادت باسعادت	:	۳ شعبان المعظم ۴ ہجری مدینہ منورہ
ازواج	:	پانچ
اولاد	:	چھے
شہادت	:	۱۰ محرم الحرام سن ۶۱ ہجری
عمر مبارک	:	۵۷ سال
قبر مطہر	:	کربلائے معلیٰ (عراق)

سیرتِ حضرت امام حسین علیہ السلام

سیرت چہاردہ معصومین علیہم السلام کے سلسلے میں ہماری آج جو گفتگو ہو رہی ہے وہ پنج تن پاکؑ میں سے حضرت امام حسین علیہ السلام کے بارے میں ہے۔

اب تک چار معصومینؑ کی سیرت پر گفتگو ہو چکی ہے۔ لیکن ان تمام تقاریر میں ہر ممکن کوشش کے باوجود تاریخ کو بیان کرنے کی وجہ سے معصومؑ کی سیرت کے دوسرے گوشے واضح طور پر پیش نہ کیے جا سکے اور محسوس یہ ہو رہا ہے کہ یہ مسئلہ شدت کے ساتھ آج کی تقریر ہی میں پیش آئے گا۔ اس لیے کہ واقعہ کربلا کے بارے میں ان تمام لوگوں کا جنھوں نے مذہبِ شیعہ پر کسی بھی اعتبار سے تحقیق کی ہے یا مذہبِ شیعہ کے عقائد و تاریخ کو دیکھا ہے، یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ اگر دو چیزیں نہ ہوتیں تو یہ مذہبِ شیعہ ختم ہو جاتا۔ حکومت بھی دشمن، عوام بھی دشمن جنھوں نے فضائل و تاریخ پر پردہ ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کی، شیعوں کی کتابیں تک جلا دیں۔ صرف دو چیزیں ہیں جن کی وجہ سے آج تک یہ مذہب باقی ہے ایک واقعہ کربلا اور دوسری چھٹے امامؑ کی ذات (صلواۃ)۔

اب اس اعتبار سے اور بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ واقعہ کربلا پر تفصیل سے گفتگو کی جائے۔ یہ حقیقت بھی ذہن میں رہے کہ واقعہ چند لمحوں کا کھیل نہیں تھا کہ دس محرم کو سورج نکلتا ہے اور کربلا کا واقعہ شروع ہوتا ہے اور دس محرم کو سورج غروب ہوتا ہے اور کربلا کا واقعہ ختم ہو جاتا ہے اور یہ بھی نہیں کہ ہم ذرا پیچھے چلیں کہ ۲۸ رجب کو واقعہ کربلا شروع ہوا اور اہل بیتؑ کی مدینے واپسی تک واقعہ کربلا جاری رہا۔ بل کہ جیسا کہ ہم نے اپنی بالکل ابتدائی تقاریر میں کہا کہ خود معصومؑ سے جب سوال کیا گیا: مولاؑ! یہ روایتیں آپؑ کے آبا و اجداد کی ہم تک پہنچی ہیں کہ واقعہ کربلا جمعہ کے دن ہوا اور حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے خطبوں میں یہ بھی ہے کہ میرا بھائی پیر کے دن مارا گیا، تو آخر ان دو روایتوں میں کس طریقے سے ہم تطبیق کریں؟ ان دو روایتوں کو کس طریقے سے ہم جمع کریں؟

معصومؑ نے یہی جواب دیا تھا: جو جمعہ کے بارے میں روایتیں ہیں وہ بھی صحیح ہیں اور جو پیر کی روایت ہے وہ بھی صحیح ہے۔ جمعہ کی روایت امامؑ کی ظاہری شہادت کے بارے میں ہے اور پیر کی روایت اس دن کے بارے میں ہے جس دن پیغمبرؐ اسلام کا وصال ہوا اور سقیفے کے میدان میں بیٹھ کر خلافت کو حق دار سے چھین کر دوسروں کے حوالے کیا گیا۔ اس کے نتیجے میں کہ جس دن سے خلافت اہل بیتؑ سے چھینی گئی۔

قُتِلَ الحُسَينُ بِسَقِيفَةِ

''اسی سقیفے کے دن ہی حضرت امام حسین علیہ السلام کو قتل کر دیا گیا۔''

اب ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم ابتدائے تاریخ کے ساتھ ساتھ چلیں اور یہ دیکھیں کہ واقعہ کربلا کو ظہور میں لانے والے عوامل کون سے تھے؟ نیز واقعہ کربلا کس طرح سے ظہور میں آیا؟ اور کیوں ظہور میں آیا؟

اپنے اس تاریخی موضوع پر آنے سے پہلے حسب روایت یا حسب دستور ہمارا ایک طریقہ ہے کہ امامؑ کے بارے میں کچھ مختصر ا باتیں تاریخی پس منظر میں بیان کریں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کے بارے میں روایتیں یہ بتاتی ہیں کہ تین شعبان المعظم ۴ ہجری کو آپؑ کی ولادت باسعادت ہوئی تھی۔ لیکن یہاں علمائے کرام میں اختلاف ہے۔ کچھ علما تین شعبان ۴ ہجری کو آپؑ کی تاریخ ولادت مانتے ہیں اور اور کچھ تین شعبان ۳ ہجری کو آپؑ کی تاریخ ولادت مانتے ہیں اور دس محرم ۶۱ ہجری میں ستاون (۵۷) سال کی عمر تھی' آپؑ کی شہادت واقع ہوئی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی والدہؑ اور والدؑ کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ اس سے پہلے بھی متعدد تقاریر میں اس موضوع پر گفتگو ہو چکی ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی سیرت پر اختصار کے ساتھ اگر ہم گفتگو کا آغاز کریں تو ہمیں یہ پتا چلتا ہے کہ جس طریقے سے حضرت امام حسن علیہ السلام کی ولادت کے فوراً بعد پیغمبرؐ اسلام نے انتہائی شدت کے ساتھ اس چیز کا انتظام کیا تھا کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کی ولادت کے ساتویں دن عقیقہ کا اہتمام کیا گیا تو روایت میں ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی ولادت کے بعد بھی

پیغمبرؐ اسلام نے اپنی بیٹی فاطمہ سلام اللہ علیہا کو بلایا اور کہا: بیٹی فاطمہؑ! جس طرح حسنؑ کی ولادت کے بعد عقیقے کا اہتمام کیا گیا تھا اسی طرح حسینؑ کی ولادت کے بعد بھی اس قسم کی تقریب منعقد ہونی چاہیے اور ساتویں دن عقیقے کا اہتمام کیا گیا اور جس طرح حضرت امام حسن علیہ السلام کے عقیقے میں ایک مینڈھا ذبح کیا گیا تھا' اسی طرح حضرت امام حسین علیہ السلام کے عقیقے میں بھی ایک مینڈھا ذبح کیا گیا اور اس لیے عقیقے کے جانور میں سنت یہ ہے کہ وہ مینڈھا ہو۔

اب روایتیں بالکل ابتدا ہی سے ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ واقعہ کربلا کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں اور بار بار پیغمبرؐ اسلام نے اس واقعہ کا تذکرہ کیا تھا اور ذہنی طور پر اُمتِ مسلمہ کے سامنے اس حقیقت کو پیش کر دیا کہ دیکھو! کربلا کا واقعہ پیش آنے والا ہے لیکن کربلا کے واقعہ میں سارا دخل' سارا قصور تم لوگوں کا ہوگا۔ اس لیے پیغمبرؐ اسلام بار بار اس زمانے کا تذکرہ کر رہے تھے کہ جس زمانے میں منبر رسولؐ پر بندر ناچیں گے اور پیغمبرؐ اسلام فرمایا کرتے تھے:

> ''اس وقت سے ڈرو کہ جب تم میرے منبر پر بندروں کو ناچتے ہوئے دیکھو گے۔''

اور خود پیغمبرؐ اسلام کا یہ جملہ:

> ''یاد رکھو! بنو اُمیہ پر خلافت کو حرام قرار دے دیا گیا ہے۔''

یہ روایتیں ہمیں ابتدا میں ملتی ہیں اور تیسری خلافت کے بارے میں ذہن میں رہے کہ تیسری خلافت کا تعلق خاندانِ بنو اُمیہ سے تھا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی ولادت ہوتی ہے اور حضرت امام حسین علیہ السلام اسی ماحول میں پرورش پاتے ہیں کہ جس ماحول میں حضرت امام حسن علیہ السلام پرورش پا رہے تھے۔ ماحول کے اعتبار سے دونوں بھائیوں میں کسی قسم کا کوئی فرق نہ تھا اور ابتدائی زندگی بعینہٖ اسی طرح گزر رہی تھی' جس طرح حضرت امام حسن علیہ السلام کی گزر رہی تھی۔

یہ بات ذہن میں رہے تو سمجھ میں آئے گا کہ کربلا کا واقعہ' جیسا کہ آج کل کے تمام اہل سنت مؤرخین لکھتے ہیں کہ کربلا کا واقعہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی فطرت

جدا تھی اور حضرت امام حسن علیہ السلام کی فطرت جدا تھی۔ اسی لیے حضرت امام حسن علیہ السلام نے واقعہ کربلا کی نوبت نہ آنے دی اور حضرت امام حسین علیہ السلام نے جذبات میں یا جوش میں یہ قدم اُٹھا کر واقعہ کربلا تک اس چیز کو پہنچا دیا۔ لیکن ماحول دونوں کا ایک ہے' تربیت دونوں ایک ہی گود میں پا رہے ہیں اور دونوں ایک ہی باپ کی اولاد ہیں۔

ہاں!

یہ بات ضرور ہے کہ تھوڑا سا فرق تھا دونوں کی سیرت میں۔

سیرت میں فرق سے مراد یہ نہیں ہے کہ کچھ اُصولوں میں فرق تھا بلکہ اُمت کی آسانی کے لیے دونوں نے اپنے انداز اور اپنے طور وطریقوں میں فرق پیدا کر لیا تھا۔

روایت مسروق ہے' وہ راوی ہیں کہ ایک دن میں روزِ عرفہ امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں گیا تھا عرفات کے میدان میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں' تو میں نے دیکھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے سامنے پیالے میں کچھ "ستو" رکھے ہوئے ہیں اور امامؑ قرآن کریم کو کھولے ہوئے ہیں اور قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے ہیں اور ایسا لگ رہا ہے جیسے روزے کے افطار کرنے کا انتظام ہو رہا ہو۔

میں نے یہ منظر دیکھا کہ امامؑ جو رسولؐ اکرم کے نواسے ہیں' ان کے سامنے اعلیٰ غذا نہیں ہے۔ بس! پیالے میں معمولی سے "ستو" پانی میں گھول کر تیار کیے گئے ہیں اور امامؑ بیٹھے ہوئے تلاوت قرآن میں مشغول ہیں۔ میں نے یہ منظر دیکھا' تھوڑی دیر تک تو صحبت امامؑ میں رہا' مجھے محسوس ہو گیا کہ امامؑ اور امامؑ کے ساتھی روزے کی حالت میں ہیں۔ میں یہاں سے اُٹھ کر دوسرے خیمے میں گیا وہاں حضرت امام حسن علیہ السلام موجود تھے تو وہاں یہ منظر دیکھ کر میں حیران ہو گیا کہ دستر خوان بچھا ہوا ہے اور انواع واقسام کے کھانے دستر خوان پر موجود ہیں آنے والے آتے ہیں حضرت امام حسن علیہ السلام ہر آنے والے کو دستر خوان پر بٹھاتے ہیں اور بٹھانے کے بعد اس کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور کھانا اس کے سامنے رکھتے ہیں۔

میں نے جب یہ منظر دیکھا تو میں گھبرا گیا۔ حضرت امام حسن علیہ السلام نے میری گھبراہٹ کو

محسوس کیا تو ارشاد فرمایا: اے مسروق! کیا بات ہے تُو! اس خیمے کے اندر آ کر اتنا گھبرا کیوں گیا ہے؟

میں نے جواب دیا: یا بن رسولؐ اللہ! ابھی میں آپؑ کے چھوٹے بھائی کے خیمے سے باہر آ رہا تھا تو وہاں میں نے یہ منظر دیکھا تھا کہ سب لوگ روزے کی حالت میں تھے اور پاس ہی پانی کے اندر "ستو" گھول کر رکھے گئے تھے اور وہ تلاوت قرآن میں مشغول تھے لیکن جب آپؑ کے پاس میں آیا ہوں تو یہاں پر میں نے یہ منظر دیکھا کہ دسترخوان بچھا ہوا ہے اور اس دسترخوان پر انواع واقسام کے کھانے موجود ہیں تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپؑ کی اور آپؑ کے بھائی کی سیرت میں اتنا اختلاف کیوں ہے؟

حضرت امام حسن علیہ السلام نے جواب دیا: اے مسروق! جو کچھ تُو نے وہاں دیکھا وہ بھی صحیح تھا اور جو کچھ تُو نے یہاں دیکھا وہ بھی صحیح ہے۔ کیا تجھے نہیں پتا کہ میں اور میرا بھائی دونوں اُمت کے ہادی ہیں، دونوں اُمت کے امام ہیں اور خدا نے یہ چاہا کہ اس اُمت پر کوئی پریشانی نہ آنے پائے۔ چناں چہ روزداروں پر حضرت امام حسین علیہ السلام کو ہادی بنایا اور جو خدا کی نعمتوں کو حاصل کرنا چاہتے ہیں ان پر مجھے ہادی بنایا تو ہماری سیرت میں یہ ظاہری اختلاف جو نظر آ رہا ہے وہ اس لیے ہے کہ اُمت کو یہ پریشانی نہ ہو کہ جو ان کی سیرت پر عمل کرنا چاہے تو اس کے لیے بھی ایک ہدایت کا نمونہ ہو اور جو اس طریقے سے اِسلام کی جائز کی گئی چیزوں کو استعمال کرنا چاہے اس کے لیے بھی ہدایت کا ایک نمونہ ہو۔

ظاہری اعتبار سے بعض اوقات فرق نظر آتا ہے لیکن حقیقی اعتبار سے دونوں کی سیرت و کردار میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسی لیے جب آپ واقعہ کربلا کو دیکھیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ قدم بہ قدم حضرت امام حسین علیہ السلام نے ہر وہ قدم اُٹھایا جو حضرت امام حسن علیہ السلام نے اُٹھایا اور دونوں کے قدم اُٹھانے میں کوئی فرق نہ تھا۔

اب آیئے!

اب ہماری گفتگو اسی پس منظر کے ساتھ ہے کہ واقعہ کربلا کس طریقے سے پیش آیا؟ اور

وہ عوامل کیا تھے جنھوں نے اُمت کو اتنے دردناک موڑ تک پہنچایا؟ جیسا کہ ہم نے گفتگو کی ابتدا میں کہا۔ ذہنی طور پر تیار ہو جایئے' آج کی آپ تمام گفتگو سنیں اور اس کے بعد یہ کہتے ہوئے یہاں سے اُٹھیں کہ آج تو حضرت امام حسین علیہ السلام کے بارے میں کچھ نہیں پڑھا گیا لیکن حقیقتاً یہ پوری گفتگو حضرت امام حسین علیہ السلام کے بارے میں ہوگی کیوں کہ نہ تو اس کے بغیر واقعہ کربلا سمجھ میں آسکتا ہے اور نہ ہی اس کے بغیر واقعہ کربلا کا نتیجہ آپ کی سمجھ میں آسکتا ہے۔

واقعہ کربلا کی تمام تر بنیاد صرف یہ تھی کہ ایک آرزو اور ایک خواہش لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دی گئی تھی کہ خلافت ایک ایسی چیز ہے جس کے پاس طاقت آجائے وہ آگے بڑھ کر خلافت کو اپنے قبضے میں لے سکتا ہے۔

یہاں پر یہ بات واضح کردیں کہ آج کی ہماری یہ گفتگو مسلمانوں کی کچھ ایسی ہستیوں کے بارے میں ہے کہ جن کو مسلمان انتہائی عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ہم بھی' نہ کسی کے عقیدے کی تردید کرنا چاہتے ہیں اور نہ کسی کے جذبات کو ٹھیس پہنچانا چاہتے ہیں۔ لیکن ہماری تمام تر گفتگو تاریخی پس منظر میں ہے۔ اگر کسی کو پھر بھی کسی قسم کی کوئی ٹھیس پہنچتی ہے تو ہم اس سے معذرت خواہ ہیں لیکن حقیقت کو بیان کرتے ہیں کیا کیا جائے؟

اگر پردے ڈال کر حقیقت کو بیان کیا جائے تو بات واضح ہونے کے بجائے اور بڑھتی چلی جائے گی اور یہ حقیقت ذہنوں میں نہیں آسکتی ہے کہ وہ اُمت رسولؐ جس نے یہ منظر بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ پیغمبرؐ اسلام کتنی محبت کرتے تھے کہ اگر منبر پر بیٹھ کر خطبہ دے رہے ہیں اور سامنے سے یہ منظر دیکھیں کہ میرے بیٹے آرہے ہیں اور چلتے چلتے حضرت امام حسین علیہ السلام کا پاؤں کرتے کے دامن میں اُلجھا اور حضرت امام حسین علیہ السلام لڑکھڑا کر زمین پر گرنے لگے ہیں تو وہ پیغمبرؐ جو وحی الٰہی کو سنا رہا ہے ایک مرتبہ اپنے وحی الٰہی کے پیغام کو روک دیتا ہے' منبر سے اُترتا ہے' جا کر اپنے بچوں کو اُٹھاتا ہے۔ پھر آکر منبر پر بیٹھتا ہے اور گفتگو کا سلسلہ شروع کر دیتا ہے۔

یہ حضرت امام حسین علیہ السلام سے محبت جو ہمیں بار بار نظر آتی ہے کہ ایک مرتبہ پیغمبرؐ اسلام

مدینے کی گلی میں سے گزر رہے تھے پیغمبرؐ اسلام کے کان میں کسی بچے کے رونے کی آواز آئی۔ پیغمبرؐ اسلام بے چین ہو گئے اور دیکھا کہ یہ رونے کی آواز کہاں سے آ رہی ہے؟ پتا چلا کہ ایک مدرسہ ہے جس کے اندر استاد بچوں کو تعلیم دے رہا ہے اور ان میں سے کسی بچے نے سبق یاد نہیں کیا تو اس کو تادیباً استاد نے سزا دی ہے۔ پیغمبرؐ اسلام اس مدرسے میں داخل ہوئے مدرس نے دیکھا کہ اللہ کے رسولؐ مدرسے میں آئے ہیں تو آپؐ کی عزت اور احترام کی خاطر کھڑا ہو گیا۔

پیغمبرؐ اسلام نے مدرس سے کہا: اے مدرس! میں تم سے ایک خواہش بیان کرنا چاہتا ہوں اور میری خواہش صرف اتنی ہے کہ اس بچے کو سزا نہ دیا کرو اس بچے کو مت مارا کر۔

مدرس گھبرا کر عرض کرنے لگا: یا رسولؐ اللہ! کیا اس بچے سے آپؐ کا کوئی خاص رشتہ ہے؟

پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا: نہیں! لیکن کیا کروں اس کی آواز میرے حسینؑ کی آواز کے مشابہ ہے اس لیے جب اس کے رونے کی آواز آتی ہے تو میرا دل بے چین اور بے تاب ہو جاتا ہے۔

اُمت مسلمہ اپنی آنکھوں سے یہ مناظر دیکھ رہی ہے۔ تمام اُمت نے یہ منظر بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ پیغمبرؐ اسلام چل رہے ہیں۔ چلتے چلتے پیغمبرؐ اسلام کی نگاہ پڑی تو سامنے سے ایک بچہ آ رہا تھا' جب اس بچے کو آتا دیکھا تو روایت میں ہے پیغمبرؐ اسلام رُک گئے' وہ بچہ قریب آیا تو پیغمبرؐ اسلام نے اس کو سلام کیا۔

پیغمبرؐ اسلام اس بچے کو سلام کرتے ہیں اور وہ بچہ پیغمبرؐ اسلام کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ پیغمبرؐ اسلام آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کرتے ہیں' اسے گلے سے لگاتے ہیں اور گود میں اُٹھا کر اسے پیار کرتے ہیں۔ اصحابِ رسولؐ نے یہ منظر دیکھا تو بڑے حیران ہوئے۔

عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! اس بچے میں کیا خصوصیت ہے کہ آپؐ جیسی عظیم ہستی اس کو دیکھ کر راستے میں رُک گئی؟

پیغمبرؐ اسلام نے جواب دیا: اس بچے میں کوئی خاص بات نہیں ہے جیسے مدینے کے سارے بچے ہیں ویسا ہی یہ بچہ ہے لیکن ایک مرتبہ اسے میں نے ایک کام کرتے دیکھا تھا جس

کے بعد میرے دل میں اس بچے کے لیے محبت' عزت' مقام اور مرتبہ بہت زیادہ بڑھ چکا ہے۔

لوگوں نے سوال کیا: یا رسولؐ اللہ! آپؐ نے اسے کون سا کام کرتے دیکھا تھا؟

پیغمبرؐ اسلام نے جواب دیا: ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ میرا بیٹا حسینؑ جا رہا تھا اور حسینؑ جس جس مقام سے آگے بڑھ رہا تھا' یہ آگے بڑھتا اور حسینؑ کے قدموں کی خاک اُٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگاتا جاتا ہے چناں چہ جس بچے نے میرے حسینؑ کے قدموں کی خاک کو اپنی آنکھوں سے لگا لیا اُس کے بارے میں میری ذمہ داری ہے کہ میں اس کو یہی عزت اور مقام دوں۔

سارے مسلمان یہ منظر دیکھ رہے ہیں۔ یہ غیر معروف واقعات ہیں اور مشہور واقعات تو آپ نے بھی سنے ہوں گے کہ اگر حالتِ نماز کے اندر ہیں اور آ کر پشت مبارک پر بیٹھ جاتے ہیں تو پیغمبرؐ اسلام نماز کو روک دیتے ہیں۔

یہ تمام مناظر اُمت نے دیکھے۔ پھر کیا سبب ہے کہ ان مناظر کو دیکھنے کے بعد صرف چالیس یا پچاس سال کا عرصہ گزرتا ہے اور یہی پیغمبرؐ اسلام کے نواسے ہیں کہ ایک کے جنازے پر تیر برسائے جاتے ہیں اور دوسرے کو میدانِ کربلا میں تین دن کا بھوکا اور پیاسا ذبح کر کے اس کی لاش پر گھوڑے دوڑا دیے جاتے ہیں اور اُمتِ مسلمہ پر بظاہر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

اس کی وجہ کیا ہے؟

اس کی وجہ انتہائی منصوبہ بندی کے ساتھ چالیس سال کے عرصے میں رفتہ رفتہ کر کے محبت اہل بیتؑ کو لوگوں کے دلوں سے نکالنا تھا اور ایک پوری سیاسی سازش تیار کی گئی تھی کہ پیغمبرؐ اسلام نے جس طریقے سے محبتِ اہل بیتؑ لوگوں کے دلوں میں بٹھائی ہے ہم اسی طرح سے آہستہ آہستہ محبتِ اہل بیتؑ کو لوگوں کے دلوں سے اس طرح نکالیں گے کہ اس کے بعد کوئی اہل بیتؑ کا نام لینے والا بھی نہ رہے گا اور حقیقت بھی یہ ہے کہ ایک طرف واقعہ کربلا اپنی تمام تر شدت کے ساتھ انتہائی بدترین واقعہ ہے۔ لیکن یہ بھی یاد رکھیے کہ اگر واقعہ کربلا نہ ہوتا اور اسی طرح سے سازش بڑھتی رہتی تو چند نسلوں کے بعد اہل بیتؑ کا نام اس دنیا سے ختم کر دیا جاتا۔

یہ جو واقعہ کربلا میں یزید کی نااہلی نے' یزید کی ناعاقبت اندیشی نے ایک موقع دیا' خدا نے یزید کی ناعاقبت اندیشی کے پردے میں ایک موقع فراہم کیا تو مسلمانوں کو پھر ایک مرتبہ اہل بیتؑ کا نام اپنے ذہنوں میں محفوظ کرنے کا موقع مل گیا۔ ورنہ یہ حقیقت بالکل واضح نظر آتی ہے کہ اگر امیر شام یا اسی جیسا ذہن رکھنے والا کوئی شخص حکومت کرتا رہتا اور چالیس یا پچاس سال یہ سلسلہ اور آگے بڑھتا تو نام اہل بیتؑ کو بالکل ذہنوں سے نکال دیا جاتا اور مٹا دیا جاتا۔

اب اس سازش کی بنیاد اگرچہ پڑتی ہے یوم سقیفہ میں۔ لیکن اس نے خلافت ثانیہ کے زمانے میں زور پکڑا۔ خلافت ثانیہ کے زمانے میں ہم انتہائی مجبور ہیں اور تاریخی حقائق کو چھپا کر رکھنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ لیکن جہاں پر موضوع گفتگو ہمیں مجبور کر دے حقائق کو پیش کرنے میں وہاں ہم مجبور ہیں اور ہماری ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ ہم حقائق لوگوں تک پہنچائیں۔ لیکن صرف اسی ایک درخواست کے ساتھ کہ یہ اپنے عقیدے والوں سے ہماری گفتگو ہے اگرچہ اس گفتگو کا ایک ایک جملہ ہماری تاریخ نہیں ہے بل کہ دوسروں کی تاریخ ہے۔ لیکن پھر بھی احتیاط کی وجہ سے یہ کہہ دینا مناسب ہے کہ گفتگو صرف ہمارا اپنا عقیدہ رکھنے والوں کے سامنے ہے اور کسی دوسرے سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔

خلافت ثانیہ کا دور آتا ہے اور کس طرح سے وہ دور آیا؟

وہ ایک بالکل الگ موضوع ہے لیکن خلیفہ ثانی کا دور آیا اور خلیفہ ثانی کے دور میں جہاں دو یا تین بڑی بڑی خرابیاں پیدا کی گئیں جن کا تذکرہ ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں کہ اہل بیتؑ کے حقوق کو غصب کیا گیا' اہل بیتؑ کے ناموں کو چھپایا گیا' اہل بیتؑ کو ہر ممکن کوشش کر کے گوشہ نشین کیا گیا۔ یہاں تک کہ نہ قضاوت کا محکمہ اہل بیتؑ کو دیا گیا نہ کوئی اور کام ان کو دیا گیا تو بڑی گہری بنیادیں ڈالی گئی تھیں۔ اگر واقعہ کربلا نہ ہوتا اور اسی طریقے سے یہ سلسلہ بڑھتا رہتا تو آلِ محمدؐ کے ایک ایک فرد کو لوگ چن چن کر ختم کر دیتے۔ لیکن واقعہ کربلا نے ایک مرتبہ ان کا سارا بنا بنایا منصوبہ خاک میں ملا دیا اور اہل بیتؑ کی مظلومیت لوگوں کے سامنے آ گئی۔

تین پالیسیاں اختیار کی گئیں:

پہلی پالیسی یہ کہ اہل بیتؑ کے خلاف جھوٹی احادیث بنا کر جھوٹے لوگوں کو اہل بیتؑ کے مقابلے میں کھڑا کر کے اہل بیتؑ کے فضائل کو چھپایا جائے۔

دوسری پالیسی یہ کہ ماحول کو اس طرح سے بنایا جائے کہ اگر بالفرض محال خلافت، علیؑ کے پاس یا حسنؑ کے پاس یا حسینؑ کے پاس آ جائے تو امیر لوگ کبھی ان کی خلافت کو قبول کرنے میں تیار نہ ہوں۔ اتنی خطرناک کوشش کی گئی کہ خاندانِ بنواُمیہ کو پیچھے سے نکالا گیا اور اتنی طاقت دی گئی کہ اگر ہماری دونوں سازشیں ناکام بھی ہو جائیں تب بھی خاندانِ بنواُمیہ اتنا طاقت ور ہو کہ خاندانِ بنوہاشمؑ کا مقابلہ کر کے ان کا خاتمہ کر سکے۔

پہلی تقریر میں آیا تھا کہ خاندانِ بنواُمیہ میں اور خاندانِ بنوہاشمؑ میں ہمیشہ سے جنگ چل رہی تھی۔ بنوہاشمؑ کو خدا نے فضیلت دی تھی اور بنواُمیہ ان سے جلتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ بنواُمیہ کو پردۂ گم نامی سے نکالا گیا۔ اتنی مضبوط جماعت بنوہاشمؑ کے خلاف کھڑی کر دی گئی کہ اگر بنوہاشمؑ کبھی سر اُٹھانا چاہیں تو کبھی ان کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ ان کی کوشش تھی کہ جس طرح ہم بنوہاشمؑ کو چھپا رہے ہیں اسی طرح بنواُمیہ کو زیادہ سے زیادہ ظاہر کرتے رہیں۔

اب روایتیں تو بہت ساری ہیں لیکن ہمارا موضوع دوسرا ہے۔

یاد رکھیے کہ بار بار پیغمبرؐ اسلام نے اس خاندانِ بنواُمیہ کی مذمت کی تھی لیکن اس خاندانِ بنواُمیہ کو گم نامی سے نکالا گیا اور اس کے بعد شام کا علاقہ جو سب سے زرخیز علاقہ تھا سب سے مال دار علاقہ تھا وہ اس خاندانِ بنواُمیہ کے حوالے کر دیا گیا۔

خاندانِ بنواُمیہ نے اس علاقے سے کتنا فائدہ اُٹھایا؟ یہ چوتھے، پانچویں اور چھٹے امامؑ کی گفتگو میں یہ بات آپ کے سامنے آئے گی۔

اب خاندانِ بنواُمیہ شام کے اندر اپنے قدم جما رہا ہے اور جو گفتگو آپ نے پچھلے ہفتوں میں سنی اس میں ہم نے یہ بتایا کہ خلیفہ ثانی کی پالیسی کتنی کام یاب رہی تھی اور جس جس طریقے سے انھوں نے منصوبہ بنایا تھا بعینہٖ وہی چیزیں جب حضرت علی علیہ السلام اور حضرت امام حسن علیہ السلام کو خلافت ملی تو یہی تمام چیزیں پیش آئی تھیں اور کس کس طریقے سے لوگوں نے

مخالفت کی تھی۔ اگر یہ واقعہ کربلا نہ ہوتا تو یاد رکھیے کہ اسی طریقے سے مخالفت کرتے کرتے خاندانِ بنوہاشمؑ کو ختم کر دیا جاتا۔

یہ واقعہ کربلا جہاں ایک طرف سب سے دردناک واقعہ ہے وہاں دوسری طرف اس واقعہ کربلا نے ان کے تمام منصوبے ختم کر کے رکھ دیے۔ ان کی جمی جمائی بازی کو اُلٹ دیا۔ ان لوگوں کی یہ پالیسی تھی کہ خلافت کسی طرح خاندانِ بنوہاشمؑ میں جانے ہی نہ پائے۔

اب آپ اس چیز کو ذہن میں رکھتے ہوئے غور کرتے چلیں کہ جب اتنی سازشیں ہو رہی ہیں اتنی زبردست سیاست ہو رہی ہے اتنے بڑے بڑے قدم اُٹھائے جا رہے ہیں اور کس طرح سے شریعتِ اسلامیہ کو مسخ کیا جا رہا ہے۔ لیکن پھر کیا سبب ہے کہ اسلام ہم تک صحیح حالت میں پہنچ گیا؟ پھر کیا سبب ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں شیعہ باقی رہے؟ پھر کیا سبب ہے کہ صحیح دین اور صحیح شریعت ہم تک پہنچی؟

یہ صرف واقعہ کربلا تھا کہ ان تمام سازشوں کی جتنی کڑیاں اور بنیادیں تھیں ان سب کو ایک دن کے واقعہ کربلا نے ملیامیٹ کر کے رکھ دیا۔

......✷......

سیرتِ حضرت امامِ حسین علیہ السلام

ہماری گفتگو حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذات کے سلسلے میں ہو رہی تھی۔ جیسا کہ ہم اپنی گذشتہ تقریر کے اختتام پر بتا چکے ہیں کہ وہ حالات، وہ عوامل جن کی وجہ سے واقعہ کربلا وقوع پذیر ہوا اس قدر پیچیدہ حالات ہیں کہ اگر سرسری طور پر بالکل اس طرح سے جس طرح آپ مجالس کے اندر مصائب کے واقعات سنا کرتے ہیں واقعہ کربلا کو بیان کیا جائے تو شاید امامؑ کی مظلومیت تو واضح ہو جائے لیکن وہ مقصد واضح نہ ہو سکے جس کے تحت حضرت امام حسین علیہ السلام نے اتنی بڑی قربانی دی تھی۔ چوں کہ ہمارے سامنے وہ مقصد نہیں ہوتا جس مقصد کے تحت امامِ مظلوم علیہ السلام نے اتنی عظیم قربانی دی۔ اس لیے واقعہ کربلا نے جو اثرات تاریخ پر چھوڑے وہ بھی مکمل طور پر ہماری سمجھ میں نہیں آتے ہیں، لہٰذا اب ضروری ہے کہ اگر واقعہ کربلا کی تفصیل انسان سمجھنا چاہے بل کہ یہ دیکھنا چاہے کہ وہ کیا مقصد تھا کہ جس کے تحت کربلا کا سانحہ وقوع پذیر ہوا اور وہ کیا مقصد تھا کہ جس کے تحت ہمارے ائمہ طاہرینؑ نے سب سے زیادہ توجہ واقعہ کربلا کے فروغ پر دی۔ پھر سمجھ میں آئے گا کہ ہاں! وہ مقصد اتنا ہی اہم تھا اور حقیقتاً اس مقصد کا نتیجہ اتنا ہی مفید ثابت ہوا یعنی جتنا بھی زور دیا گیا وہ بالکل حق بجانب ہے۔

روایات میں آپ دیکھیں گے کہ زیارتِ حضرت امام حسین علیہ السلام پر اتنی شدت کے ساتھ زور دیا جاتا ہے کہ بعض مقامات پر حج سے زیادہ ہمیں زیارت کا ثواب نظر آتا ہے۔ یہاں پر زیارت کے حکم کی وجہ سے بعض ایسے حتمی قوانین اسلام کے تبدیل کر دیے گئے مثلاً جان کو بچانا واجب لیکن ائمہ علیہم السلام نے اتنی سختی اور شدت کے ساتھ زیارت کا حکم دیا کہ بعض اوقات یہ حکم بھی دے دیا گیا کہ اگر جان قربان کر کے بھی زیارت کا موقع مل رہا ہے تو زیارت انجام دیں۔ اتنی شدت کے ساتھ کہ ہر امامؑ کے وصیت نامے میں اور کوئی تذکرہ ہو یا نہ ہو لیکن یہ تذکرہ ضرور ہوتا تھا کہ ہمارے بعد ہمارے جدؑ کی مجالس عزا کا انعقاد کیا جائے۔

یہ تمام باتیں اس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتیں جب تک انسان یہ سمجھے کہ واقعہ کربلا

سے پہلے وہ کیا چیزیں تھیں؟ واقعہ کربلا سے پہلے وہ کیا منصوبہ بندی (planning) تھی، کیا سازش تھی؟ کیا منصوبہ تھا اور واقعہ کربلا نے مخالفوں کی ان تمام سازشوں، ان کی تمام منصوبہ بندیوں کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا۔

امیر المومنین علیہ السلام کے ہاتھ خلافت کا آنا، پانچ سال کے اندر مسلسل سازشوں کا ہوتے رہنا اس بات کا ثبوت بن رہا ہے کہ جو اس سے پہلے بیس سال جو پلاننگ کی گئی وہ کامیاب جا رہی تھی۔ لیکن ایک دن کے واقعہ کربلا نے بل کہ چند گھنٹوں کے واقعہ کربلا نے اس تمام کیے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ جو پیغمبرِ اسلام کی وفات سے لے کر ۶۰ ہجری تک مسلسل پچاس سال کی محنتوں کا نتیجہ تھا تو اس لیے ضروری ہے کہ واقعہ کربلا میں زیادہ سے زیادہ تفاصیل بتائی جائیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام ۴ ہجری میں پیدا ہوئے ہیں اور تین شعبان کی تاریخ کو تمام علمائے کرام نے متفقہ طور پر تسلیم کیا ہے۔ اگرچہ علما کے ایک چھوٹے سے گروہ کا خیال یہ بھی ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی ولادت ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی تھی اور اس کی وجہ وہ روایت ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا حمل مبارک صرف چھے مہینے کا تھا اور پوری دنیا میں دو ہی بچے ایسے گزرے ہیں جو صرف چھے مہینے تک ماں کے پیٹ میں رہے اور اس کے بعد انھوں نے زندہ رہ کر اپنی زندگی بسر کی۔ ایک حضرت یحییٰ علیہ السلام اور ایک حضرت امام حسین علیہ السلام اور کچھ روایتیں یہ بھی بتاتی ہیں کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کی ولادت کے فوراً بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کا حمل شروع ہو گیا تھا تو پندرہ رمضان کو اگر حضرت امام حسن علیہ السلام کی ولادت کی تاریخ مانی جاتی ہے تو ربیع الاول کے مہینے میں چھے مہینے پورے ہوتے ہیں۔ چناں چہ علما کے اس چھوٹے سے گروہ کا خیال یہ ہے کہ ربیع الاول کے مہینے میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی۔ لیکن گیارھویں امامؑ کی طرف سے جو توقیع شریف آئی تھی ان کے وزیر کے نام اس کے اندر انتہائی شدت کے ساتھ اور انتہائی یقین کے ساتھ یہ لکھا تھا کہ تین شعبان میرے جدؑ کی ولادت کی تاریخ ہے۔ تین شعبان کو ایک خاص دعا امامؑ نے بتائی اور کہا تھا کہ جو زندگی میں ایک مرتبہ یہ دعا خلوصِ دل سے پڑھے تو وہ یقین رکھے کہ وہ زندگی کے تمام گناہوں

سے اسی طرح پاک ہو جائے گا جس طرح اس وقت پاک تھا' جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام جس وقت مدینے میں زندگی گزار رہے ہیں تو یہ وہ دور تھا کہ جب حضرت امام حسن علیہ السلام کی عمر ایک سال کے قریب ہو چکی تھی۔ رمضان کے اندر حضرت امام حسن علیہ السلام کی ولادت ہے اور تین شعبان میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی ولادت' تو ایک سال کی عمر ہو چکی تھی اور ابتدائے عمر ہی کے اندر اسلام کا ایک اہم ترین مسئلہ ہمارے سامنے آ رہا تھا۔ یہ وہ مسئلہ ہے کہ جو آج ہمارے گھروں میں انتہائی شدت کے ساتھ پیدا ہو چکا ہے اور جو ہماری زندگی کے اندر اسلام کے احکامات کا کھلم کھلا مذاق اُڑایا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک یہ مسئلہ بھی ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی زندگی رسولؐ کے گھر میں کچھ اس طرح گزر رہی تھی' جس طرح سے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کے گھر میں بچے پار ہے تھے۔ حضرت سیدہؑ کے گھر میں تو اسلام کے ایک انتہائی اہم ترین مسئلے کو ہمارے سامنے پیش کیا جا رہا تھا۔

روایتیں آپ نے سنیں ہوں گی اور تواتر کے ساتھ سنی ہوں گی!

ایک مرتبہ دونوں بچوں میں خوش خطی کا مقابلہ ہوتا ہے اور دونوں اپنی اپنی خوش خطی کی مہارت کا مظاہرہ کرنے کے بعد اس کو دکھانے کے لیے کہ ہم میں سے کس نے بہتر لکھا ہے ایک مرتبہ اپنی ماںؑ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں: اے مادر گرامی! آپؑ یہ فیصلہ کریں کہ ہم میں سے کس کا خط زیادہ بہتر ہے؟

روایت میں ہے کہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے ایک مرتبہ کہا: میں فیصلہ نہیں کر سکتی تم اپنے باپ ابوالحسنؑ کے پاس جاؤ۔

دونوں بچے امیرالمومنین علیہ السلام کے پاس پہنچے اور مولاؑ یہ فرماتے ہیں کہ پیغمبرؐ اسلام کے ہوتے ہوئے میری کیا مجال کہ میں تم دونوں کے امتحان کا نتیجہ سناؤں؟ پیغمبرؐ اسلام کے پاس جاؤ وہ جو فیصلہ کریں وہی ہمیں قابل قبول ہوگا۔

چناں چہ روایت میں ہے کہ یہ بچے پیغمبرؐ اسلام کے پاس پہنچے۔ پیغمبرؐ اسلام کے پاس

پہنچتے ہیں تو پیغمبرؐ اسلام ایک مرتبہ پھر یہ جواب دیتے ہیں کہ اپنی بیٹی فاطمہ سلام اللہ علیہا کے ہوتے ہوئے تمھارے اس امتحان کا کیسے فیصلہ کر سکتا ہوں واپس جاؤ اپنی ماں فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے پاس اور انھیں کہو کہ میں نے حکم دیا ہے کہ وہ فیصلہ کریں کہ تم دونوں میں سے کس نے سب سے بہتر لکھا ہے۔

بچے واپس آتے ہیں ماں کے پاس اور کہتے ہیں: اے مادر گرامی! ناناؐ نے تو آپؑ کے پاس بھیج دیا ہے۔

روایت میں ہے کہ جنت سے سیب لایا گیا اور وہ سیب لانے کے بعد ایک مرتبہ دونوں تختیوں پر ڈالا گیا کہ جس تختی کی طرف سے یہ سیب جائے گا' وہ تختی زیادہ بہتر ہے۔

روایت میں ہے کہ جب سیب ڈالا گیا تو حکم الٰہی سے برابر کے بالکل دو حصے ہوئے' آدھا ایک تختی پر آیا اور آدھا دوسری تختی پر آیا۔

ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے ایک مالا توڑ کر ان بچوں کے حوالے کی جس میں سات دانے تھے اور یہ کہا کہ تم میں سے جو زیادہ دانے اُٹھائے گا اس کا خط زیادہ بہتر مانا جائے گا۔ اب تین تین دانے دونوں بچے اُٹھاتے ہیں اور ساتواں دانہ بچتا ہے تو بہ یک وقت دونوں کا ہاتھ اس دانے تک پہنچا اور یہ فیصلہ سنایا جاتا ہے کہ دونوں بچوں کا خط بالکل مناسب (بہترین اور ایک سا) ہے۔

اس طرح ایک اور واقعہ کہ ایک مرتبہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا اپنے باباؐ کے گھر میں آتی ہیں تو دیکھا کہ دونوں بچے کشتی لڑ رہے ہیں اور یہاں پر علمائے کرام کا جو فتویٰ ہے کہ بچوں کو کشتی سکھانا سنت ہے۔ اس کی بنیاد یہی فعل معصومؑ ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کشتی میں مصروف تھے۔ یہ والدین کی ذمہ داری ہے اولاد کا ایک حق پیغمبرؐ اسلام نے یہ بھی بتایا ہے کہ باپ کی ذمہ داری ہے کہ اگر وہ اپنی اولاد کے حق کو انجام دینا چاہتا ہے اور روزِ قیامت اس منظر سے اپنے آپ کو بچانا چاہتا ہے کہ جب ایک باپ کا گریبان ہوگا اور بیٹے کا ہاتھ ہوگا اور بہت سے باپ اپنے بیٹوں کا حق ادا نہ کرنے کی وجہ سے جہنم کی آگ میں ڈال

دیے جائیں گے تو اب ہر باپ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے بیٹے کا حق ادا کرے۔ ان حقوق میں سے ایک حق یہ ہے کہ نام اچھا رکھا جائے، تعلیم اچھی دی جائے اور ایک حق یہ بتایا گیا کہ کم از کم تین باتیں اسے سکھائی جائیں جن میں سے ایک گھڑ سواری، دوسرا تیر اکی اور تیسرا کشتی کا فن تھا، جس سے وہ اپنا ذاتی دفاع کر سکے۔

ایک مرتبہ یہ منظر دیکھا حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے کہ دونوں بچے باہم ایک دوسرے کے ساتھ کشتی میں مصروف ہیں اور اس وقت حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے یہ منظر دیکھا کہ پیغمبرؐ اسلام کھڑے ہیں اور بار بار اپنے بڑے بیٹے حضرت امام حسن علیہ السلام کو جوش دلا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں: بیٹا! اب حسینؑ کو اس طرح پکڑ کر گراؤ اور حسینؑ کو پکڑ کر یہ داؤ لگاؤ۔

حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا تھوڑی دیر تک یہ منظر دیکھتی رہیں۔ اس کے بعد اپنے بابا کی طرف متوجہ ہوئیں اور عرض کیا: بابا! یہ آپ کیا کر رہے ہیں، آپؐ بڑے بیٹے کو تو بار بار ہمت دلا رہے ہیں اور چھوٹے کی حوصلہ افزائی کے لیے آپؐ کوئی جملہ نہیں کہتے؟

پیغمبرؐ اسلام فرماتے ہیں: بیٹی فاطمہؑ! کیا تو نہیں دیکھ رہی کہ میرے سامنے جبرئیل امینؑ کھڑے ہیں جو بار بار حسینؑ کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں؟

یہ معروف واقعات ہیں جو آپ نے مجالس میں سنے ہوں گے لیکن یہ ایک بنیادی اسلامی حکم ہے اور یہ باپ اور ماں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس اسلامی حکم پر عمل کریں یعنی اپنی اولاد کے اندر مساوات پیدا کریں۔ اپنی بیٹیوں اور بیٹوں سے برابری کا سلوک کریں۔ یہ بنیادی اسلامی حکم ہے اور جو والدین اس کی پابندی نہیں کرتے روایتوں میں ہے کہ وہ جہنمی ہیں۔

روایت میں ہے کہ پیغمبرؐ اکرم کے پاس ایک مرتبہ ایک شخص آیا اور اس حالت میں آیا کہ اس کے ساتھ اس کے دو بیٹے بھی تھے وہ پیغمبرؐ اسلام کی خدمت میں آ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر تک مختلف موضوعات پر گفتگو ہوئی تو وہ ایک مرتبہ اپنے بیٹوں کو اٹھا کر چلنے لگا۔ لیکن چلتے چلتے اس نے یہ کیا کہ ایک بیٹے کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اس کو گود میں اٹھایا گیا۔ لیکن دوسرے بیٹے کو اسی طرح سے اٹھا کر اپنی گود میں بٹھا لیا اور وہ چلا گیا۔ اب اِدھر وہ گیا اور اُدھر پیغمبرؐ اسلام نے

فرمایا: تم نے دیکھا یہ جانے والا جو یہاں سے گیا ہے یہ جہنمیوں جیسا عمل کرتا ہوا گیا ہے۔

لوگ گھبرا کر سوال کرتے ہیں: یا رسولؐ اللہ! اس میں تو ہم نے کوئی ایسی بات نہیں دیکھی وہ تو آپؐ کے سامنے انتہائی ادب کے ساتھ، سلیقے کے ساتھ بیٹھا ہوا آپؐ کی گفتگو کو سن رہا تھا؟

پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا: کیا تم سب نے اس بات کا مشاہدہ کیا کہ اس نے اپنے ایک بیٹے کو تو پیار کیا تھا اور دوسرے بیٹے کو اسی طرح سے رکھا تھا۔

یاد رکھو! جس نے اپنے دو بیٹوں میں سے کسی ایک کے ساتھ بہتر سلوک کیا اور دوسرے کے ساتھ ویسا سلوک نہیں کیا تو اس نے اپنے دوسرے بیٹے پر ظلم کیا اور جس باپ نے اپنے بیٹے پر ظلم کیا حقیقتاً وہ اہل جہنم میں شامل ہے۔

اگر اولاد ہے اور اولاد کے ساتھ انسان برابر کا سلوک نہیں کرتا تو یہ اتنا نظر انداز کر دینے والا مسئلہ نہیں ہے بل کہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کے گھر میں حسن علیہ السلام اور حسین علیہ السلام کی پرورش اور تربیت ہمیں یہ بتا رہی ہے کہ والدین کو اپنی اولاد کی تربیت کس طرح سے کرنا چاہیے۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک عورت آئی۔ حضرت عائشہ کے پاس وہ اس حالت میں آئی کہ اس کے ساتھ اس کا ایک بیٹا تھا اور ایک بیٹی تھی اور وہ اپنے دونوں بچوں کو لے کر حضرت عائشہ کے سامنے بیٹھ گئیں تو جب وہ حضرت عائشہ کے سامنے بیٹھی تو حضرت عائشہ کھجوریں کھا رہی تھیں۔ کھجوریں کھاتے کھاتے تین کھجوریں اس کے حوالے کر دیں کہ ایک اس کے لیے، ایک بیٹے کے لیے اور ایک بیٹی کے لیے۔ اس نے ایک کھجور بیٹی کو دی، ایک کھجور بیٹے کو دی اور ایک کھجور اپنے ہاتھ میں لے لی۔ بیٹے نے اپنی کھجور کو ختم کر لیا اور بیٹی نے اپنی کھجور کو ختم کر لیا اور تیسری کھجور ماں کے ہاتھ میں ہے اور ماں حضرت عائشہ سے باتیں کر رہی ہے۔

ایک مرتبہ بیٹے نے ماں سے کہا: امی جان! مجھے اور کھجور دو۔

آدھی کھجور اس نے کاٹ کر اپنے بیٹے کے حوالے کی۔ لیکن روایت میں ہے کہ جو باقی آدھی کھجور اس کے ہاتھ میں بچی وہ فوراً اس نے اپنی بیٹی کے ہاتھ میں تھما دی، گفتگو چلتی رہی اور

وہ چلی گئی۔ جب وہ چلی گئی تو پیغمبرؐ اسلام جو اپنے حجرے کے اندر تشریف فرماتھے آپؐ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

آپؐ حضرت عائشہ سے فرماتے ہیں: اے عائشہ! ابھی ابھی تُو نے جنتی عورت کے ثواب کو حاصل کیا اور ابھی ابھی تُو نے جنتی عورت کی صحبت کے ثواب کو حاصل کیا۔

حضرت عائشہ نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! اس عورت کے بارے میں آپؐ نے کیسے کہہ دیا کہ یہ جنتی ہے؟

پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا: کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ اس نے کس طریقے سے اپنی بیٹی اور اپنے بیٹے کے درمیان برابر کا سلوک کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو مجھ پر ایمان لائے اور میری باتوں پر عمل کرے اور اپنی اولاد کے ساتھ برابری کا سلوک کرے تو حقیقت میں اس کے جنتی ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا۔

ایک طرف یہ کردار ہے حضرت سیدہ عالم سلام اللہ علیہا' حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کا کہ بیٹے ہیں تو برابری کا سلوک ہو رہا ہے اور بیٹیاں ہیں تو برابری کا سلوک کیا جا رہا ہے اور ایک ہمارا ماحول ہے' ایک ہمارے گھرانے ہیں کہ جن میں بیٹے کو ترجیح دی جاتی ہے بیٹی پر اور بیٹوں میں بھی فرق کیا جاتا ہے کہ کسی بیٹے کو زیادہ چاہا جاتا ہے اور کسی بیٹے کو کم چاہا جاتا ہے۔

پیغمبرؐ اسلام کی روایت ذہن میں رہے کہ یہ اہل جہنم کا فعل ہے۔ فقہ کا مسئلہ ہے' اکثر علما نے حرام قرار دیا ہے کہ اگر کوئی باپ گھر میں کھانے پینے کی چیز اپنے بیٹے کے لیے لے کر آ رہا ہے' کھیلنے کا کوئی کھلونا بیٹے کے لیے لے کر آ رہا ہے تو علما کا فتویٰ ہے کہ ایسا کرنا حرام ہے جب تک کہ دوسری اولادوں کے ساتھ بھی ایسا سلوک نہ کریں۔ اگرچہ آج کے علما نے اس کو مکروہ سمجھا ہے تو یہ حکم شریعت ہے جس کی بنیاد حضرت امام حسین علیہ السلام کی سیرت طیبہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی بچپنے کی عمر ہے لیکن بتایا جا رہا ہے کہ دیکھو! اگر تربیت کرنا ہے تو اس طریقے سے تربیت کرو جس طرح فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام

حسین علیہ السلام کی تربیت کی تھی۔ تربیت کرنا ہے تو اس طرح سے تربیت کرو جس طرح علی علیہ السلام نے اپنی اولاد کی تربیت کی تھی۔ تربیت کرنا ہے تو اس طریقے سے تربیت کرو جس طرح پیغمبرؐ اسلام نے اپنے نواسوں کی تربیت کی تھی۔

بہر حال!

وہ تو معصومؑ تھے۔ جب پیدا ہوئے تو عصمت کے ساتھ ''علم ماکان و مایکون'' کے ساتھ۔ لیکن ایسے ماحول میں اگر کوئی اور بھی تربیت پانے والا ہوتا تو وہ زینبؑ واُمّ کلثومؑ بن جاتا۔ وہ شہزادیاںؑ تو معصوم نہیں تھیں، یہ تربیت کا اثر تھا، یہ گھرانے کے ماحول کا اثر تھا کہ شہزادیاںؑ اتنے بڑے مقام اور مرتبے کو پہنچیں تو اس ماحول میں حضرت امام حسین علیہ السلام زندگی گزار رہے ہیں اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی زندگی میں ایک بات آپ کو بہت شدت کے ساتھ نظر آئے گی اور ہماری یہیں سے وہ تاریخی گفتگو شروع ہو جاتی ہے۔

ایک بات آپ کو حضرت امام حسین علیہ السلام کی سیرت میں بہت زیادہ شدت کے ساتھ نظر آئے گی اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے ماننے والوں کا فرض ہے کہ کسی اور بات کی پابندی کریں یا نہ کریں لیکن یہ ایک بات ان کی زندگی میں ضرور ہونی چاہیے اور وہ یہ ہے کہ حاجت مند کی مدد کی جائے اور مظلوم کو ظالم کے ظلم سے بچایا جائے۔ واقعہ کربلا کی بنیاد میں بھی یہ ایک جذبہ ہے کہ مظلوم کو ظالم کے ظلم سے بچایا جائے اور حاجت مند کی ہر شرعی حاجت کو پورا کیا جائے۔

روایتوں میں یہ واقعہ آپ نے سنا ہو گا کہ ایک مرتبہ ایک شخص حضرت امام حسن علیہ السلام کے پاس اس حالت میں آیا کہ میرے مولاؑ کمرے کے اندر بیٹھے ہوئے مہمانوں سے بات چیت میں مصروف تھے، آنے کے بعد اس نے امامؑ کو دیکھا اور دیکھنے کے بعد امامؑ کے پاس پہنچا اور پہنچنے کے بعد امامؑ کو سلام کرنے کے بعد کہتا ہے: یا ابن رسولؐ اللہ! میں اس وقت انتہائی پریشانی کی حالت میں ہوں، ایک انتہائی شدید حاجت ہے جو آپؑ کے علاوہ کوئی بھی حل نہیں کر سکتا۔ اگر آپؑ کو زحمت نہ ہو تو آپؑ میری اس حاجت کو پورا کر دیں۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے جوتیاں پہنیں اور اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ چلتے چلتے

راستے میں حضرت امام حسین علیہ السلام نظر آ گئے۔ ایک مرتبہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو حضرت امام حسن علیہ السلام نے دیکھا اور وہ گھر کے اندر بیٹھے ہوئے ہیں اور عبادت کے اندر مشغول ہیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کو حضرت امام حسن علیہ السلام نے جب اس حالت میں دیکھا تو اپنے ساتھی سے کہا: اے میرے ساتھی! کیا تُو میرے پاس اسی راستے سے آیا تھا؟

اس نے کہا: ہاں! یابن رسول اللہ! میں اسی راستے سے آیا تھا اور میں اسی راستے سے جا رہا ہوں۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے کہا: اے شخص! تیری حالت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تُو انتہائی پریشان ہے' جب تُو انتہائی پریشان ہے تو انتہائی پریشان شخص سب سے پہلے سہارے کو ڈھونڈتا ہے' راستے میں جب تجھے حسینؑ نظر آ گئے تھے تو تُو نے حسینؑ کو چھوڑ کر میرے پاس آنے کی زحمت کیوں گوارا کی؟ حسینؑ سے اپنی خواہش کیوں نہ بیان کر دی؟

وہ شخص حیران ہو کر حضرت امام حسین علیہ السلام کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا: مولاؑ! جب میں یہاں سے گزرا تو میں نے سنا لوگ کہہ رہے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اعتکاف کیا ہوا ہے یا یہ کہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام عہد کر کے بیٹھے ہیں کہ دس دن تک سوائے عبادت کے کوئی اور کام انجام نہیں دیں گے اور میں نے اپنے مولا حضرت امام حسین علیہ السلام کو مسلسل نمازیں پڑھتے ہوئے دیکھا تو مولاؑ! بھلا میری یہ کیا مجال کہ میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس جاتا اور نماز کے بیچ میں دخل دے کر ان کے سامنے اپنی خواہش کو بیان کرتا۔ اس لیے میں نے ان کو زحمت دینا مناسب نہ سمجھا۔ اس لیے میں آپؑ کے پاس آ گیا۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے فرمایا: اے شخص! یہ تیرا خیال ہے اور غلط خیال ہے۔

یاد رکھ! اگر تُو میرے بھائی کے پاس جاتا تو حسینؑ ایک لمحے کے لیے بھی توقف نہ کرتے اور حسینؑ اسی وقت اپنی سنت نماز کو چھوڑ دیتے اور باہر نکل کر پہلے تیری حاجت کو پورا کرتے پھر اپنی عبادت کے سلسلے کو جاری کرتے۔ اس لیے کہ میرے بھائی حسین علیہ السلام اس بات کو بہترین طریقے سے جانتے ہیں کہ ایک مومن کی مدد کرنا' ایک مظلوم کو ظالم کے ظلم سے بچانا یہ

ستر (۷۰) ہزار سنت نمازوں سے بہتر عبادت ہے اور اگر کوئی کسی مظلوم کی مدد کے لیے نکلتا ہے تو ہر ہر قدم پر اسے ایک ایسے حج اور عمرے کا ثواب ملتا ہے جو بارگاہِ الٰہی میں قبول ہو چکا ہو۔

یہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا کردار ہے جو حضرت امام حسن علیہ السلام ہمیں بتا رہے ہیں کہ مظلوم کی اور حاجت مند کی مدد کرو۔ اگرچہ ایک واقعہ کربلا پہلے ہی سے سب کو معلوم تھا کہ پیش آ کر رہے گا اور اس میں کسی قسم کا شک اور شبہ نہیں کہ واقعہ کربلا کی اطلاع پیغمبرؐ اسلام سے لے کر حضرت امام حسین علیہ السلام تک ہر امامؑ بلکہ ان کے ساتھ بنواُمیہ کو معلوم تھا کہ واقعہ کربلا پیش آ کر رہے گا۔ اس لیے کہ ہندہ جو امیر شام کی ماں ہے وہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ کے پاس آئی۔ آنے کے بعد اس نے کہا: اے اُمّ المومنین! میں نے کل رات کو ایک خواب دیکھا ہے اور میں چاہتی ہوں کہ آپ اس کی تعبیر پیغمبرؐ اسلام سے دریافت کر کے لے آئیں۔

حضرت عائشہ پوچھتی ہیں: تُو نے کیا خواب دیکھا ہے؟

اس نے کہا: میں نے رات کو یہ خواب دیکھا ہے کہ میرے سر پر ایک سورج نکلنے لگا ہے اور وہ سورج انتہائی روشن اور چمک دار سورج ہے۔ اس کی کرنیں تمام کائنات کے اندر پھیل رہی ہیں۔ اس کے بعد میں نے یہ منظر دیکھا کہ اس سورج کے مقابلے میں چاند نکلا لیکن ایک انتہائی کالا چاند ایک انتہائی تاریک چاند اور ایک انتہائی وحشت ناک چاند۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس چاند سے ایک چھوٹا سا ستارہ نکل کر آتا ہے۔ یہ نکلنے والا ستارہ بھی انتہائی تاریک ستارہ تھا اور انتہائی خوف ناک ستارہ تھا۔

جب یہ ستارہ نکلا تو اس نے نکلتے ہی سورج پر حملہ کیا اور اس وقت میں نے دیکھا کہ اس سورج میں سے ایک چھوٹا سا سورج نکل کر آیا جو تھا تو چھوٹا لیکن چمک میں، روشنی میں بالکل بڑے سورج کے مماثل تھا اور یہ چھوٹا سورج اس ستارے کے سامنے آ گیا۔

پھر میں نے یہ منظر دیکھا کہ وہ ستارہ اس سورج سے ٹکرایا اور اس ستارے نے اس سورج کو ختم کر دیا اور وہ ستارہ اس پر غالب آ گیا اور پھر میں نے یہ منظر دیکھا کہ ادھر وہ ستارہ

اس سورج پر غالب آیا کہ اُدھر آسمان پر چھوٹے چھوٹے بے شمار سورج نکل آئے اور زمین پر بے شمار سیاہ ستارے نمودار ہو گئے تھے۔ اتنے سیاہ ستارے کہ پوری زمین ان کی وجہ سے سیاہ ہو گئی۔

اے اُمّ المومنین! آپ میرے اس خواب کی تعبیر پیغمبرؐ اسلام سے معلوم کر دیجیے۔

روایت میں ہے کہ جب حضرت عائشہ پیغمبرؐ اسلام کے پاس پہنچیں اور ہندہ کا خواب سنایا تو پیغمبرؐ اسلام کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور پیغمبرؐ اسلام رونے لگے۔

حضرت عائشہ نے گھبرا کر عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! یہ خواب سن کر آپؐ کی آنکھوں میں آنسو کیوں آئے؟

پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا: اس خواب سے مراد میرے بیٹے حسینؑ کی شہادت ہے۔ اس کو تصور کر کے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ تُو جا کر ہندہ کو بتا دینا کہ وہ جو چمک دار سورج اس کے سر پر بلند ہوا تھا وہ میرا چچازاد بھائیؑ اور میرا داماد علیؑ ہے اور اس چمک دار سورج کے مقابلے میں ایک کالا تاریک اور خوف ناک چاند نکلا تھا یہ امیر شام کی ذات ہے اور پھر اس کالے چاند میں سے جو سیاہ ستارہ نکلا تھا یہ یزید ہے اور اس چمک دار سورج میں جو چھوٹا سورج نکلا تھا وہ میرا نواسہ حسینؑ ہے اور کالا ستارہ جو اس چھوٹے سے مقابلہ کرتا ہے اور اس چمک دار سورج کی چمک کو ختم کر دیتا ہے۔ اس سے مراد یزید ہے جو میرے بیٹے کو شہید کر کے عارضی طور پر کوشش کرے گا کہ اُس کا نام مٹ کر رہ جائے لیکن اس کے بعد آسمانوں پر ایسے بے شمار سورج جگمگا اٹھیں گے یعنی تمام آسمانوں پر حسینؑ کا نام ہو جائے گا۔ البتہ تمام زمین کالے کالے ستاروں سے بھر جائے گی۔ یہ کالے کالے ستارے بنواُمیہ ہیں تو یہ تمام زمین پر چھا جائیں گے۔

اس لیے اہل زمین نے میرے نواسے حسینؑ کی اس وقت مدد نہ کی جب ان پر واجب ہو چکا تھا کہ وہ حسینؑ کی مدد کرتے۔ تو اب چوں کہ ان کی مدد نہ کرنے کے نتیجے میں تمام

بنواُمیہ زمین پر پھیل جائیں گے جس طرح ہندہ نے دیکھا اور ہندہ نے یہ خواب امیر شام کو بتایا اور امیر شام سے یہ خواب یزید تک بھی پہنچا تھا۔ ان کو بھی معلوم تھا کہ واقعہ کربلا رونما ہونے والا ہے اور امامؑ کو بھی معلوم تھا کہ واقعہ کربلا ہونے والا ہے۔ لیکن اس کے باوجود جب بھی مظلوم و حاجت مند کی مدد کا وقت آیا تو کسی مقام پر بھی امامؑ نے قدم پیچھے نہیں ہٹایا اور ہر مقام پر آگے بڑھ کر مدد کی۔

امامؑ اس طرح سے مظلوموں اور حاجت مندوں کی مدد کر رہے ہیں جب امامؑ ایک ایک حاجت مند کی حاجتوں کو دور کرنے کے لیے تیار ہیں تو جب امامؑ یہ دیکھ رہے ہوں کہ پوری اُمت مسلمہ پر ظلم ہو رہا ہے اور پوری اُمت مسلمہ کے کاندھوں پر ایک ایسی حکومت سوار ہو جس نے اپنا کام اس طریقے سے نکالنا چاہا ہو کہ امیر شام کا واقعہ ملتا ہے کہ امیر شام کے پاس ایک مرتبہ کوئی شخص پہنچا اور کہا کہ آپ نے اتنی بڑی عوام کو اتنی بڑی سلطنت کو کیسے قابو میں رکھا؟

امیر شام نے ایک تختہ نیچے سے ہٹایا جس کے نیچے ایک تھیلی درہم و دینار کی بھری ہوئی تھی اور ایک تلوار رکھی ہوئی تھی۔

کہا: پہلے میں اس سے کام نکالتا ہوں اگر درہم و دینار سے کام نہ نکلے تو اس کے بعد میں تلوار کو ہاتھ میں لیتا ہوں اور بغیر دیکھے اس کو چلانے لگتا ہوں۔

ذرا دیکھیے!

وہ امامؑ جو ایک مظلوم پر بھی ظلم کو برداشت نہیں کر سکتے اور امامؑ اس پر ہونے والے ظلم کے خلاف حکومت شام سے ٹکرانے کو تیار ہو جاتے ہیں تو اس امامؑ نے جب یہ سارے مناظر دیکھے ہوں گے کہ پیغمبرؐ اسلام کی سنت اور سیرت کو مسخ کیا جا رہا ہے اور باقاعدہ ایک سازش کے تحت کوشش کی جا رہی ہے کہ اہل بیتؑ کا نام لوگوں کے دلوں سے نکال دیا جائے' تو کس طرح امامؑ اپنے مقام پر چپ اور خاموشی سے بیٹھ سکتے تھے۔

باقی تفصیل ان شاء اللہ آئے گی!

اب آپ نے شاید مشاہدہ کیا ہو گا کہ واقعہ کربلا بڑا طولانی واقعہ بھی ہے اور بڑا مختصر واقعہ بھی۔ اگر ہم مختصر طور پر ایک سرسری سا جائزہ بھی لیں تو ایک مکمل تقریر اس کے لیے درکار ہے۔ سیرت امامؑ کے سلسلے میں جتنا آج آپ کو بتا چکا' اسی پر اکتفا کریں باقی باتیں اگلی تقریر میں ہوں گی (ان شاء اللہ)۔

سیرتِ حضرت امام حسین علیہ السلام

ہماری آج کی گفتگو مکمل طور پر واقعہ کربلا کے بارے میں ہو گی۔ گزشتہ دو تقاریر میں بات اس مقام تک پہنچی تھی کہ واقعہ کربلا ایک منطقی نتیجہ ہے۔ ان تمام تاریخی واقعات کا جو خلافتِ اولیٰ، خلافتِ ثانیہ اور خلافتِ ثالثہ کے زمانے میں پیش آئے اور وہ تمام خلافتیں کچھ اس طریقے سے نظامِ مملکت کو چلا رہی تھیں کہ جس کے نتیجے میں واقعہ کربلا پیش آنا ہی تھا اور اس کا تذکرہ پیغمبرؐ اسلام بھی کرتے رہے تھے۔ اس کا تذکرہ مولائے کائنات علیہ السلام بھی کرتے رہتے تھے۔ اس کا تذکرہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی زبان سے بھی ہوا۔ اس کا تذکرہ حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی زبان پر بھی تھا اور مسلسل تاریخی واقعات ملتے ہیں کہ جہاں اُمت کو بھی بتایا گیا اور وہاں معصومین علیہم السلام نے بھی ایک دوسرے کے سامنے اس قسم کے واقعات کا تذکرہ کیا جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ معصومین علیہم السلام کا گروہ یا خاندانِ اہل بیتؑ کا گروہ واقعہ کربلا کے لیے بالکل تیار تھا۔

روایتوں میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام حسن علیہ السلام اپنے مکان میں تشریف فرما تھے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام آئے اور آنے کے بعد جیسے ہی ان کی نگاہ حضرت امام حسن علیہ السلام کے چہرہ پر پڑی۔

شیخ عباس قمی نے اپنی کتاب "منتہی الآمال" میں یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ جیسے ہی حضرت امام حسین علیہ السلام کی نگاہ اپنے بڑے بھائی حضرت امام حسن علیہ السلام کے چہرے پر پڑی، حضرت امام حسین علیہ السلام رونے لگے۔

حضرت امام حسن علیہ السلام سوال کرتے ہیں: بھائی حسینؑ! کیا بات ہے مجھے دیکھ کر آپؑ کی آنکھوں میں یہ آنسو کیوں آ گئے؟

حضرت امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں: میں اس وقت کو یاد کر کے رو رہا ہوں کہ جب ظالم آپؑ کو زہر دے کر شہید کر دیں گے اور آپؑ کے کلیجے کے ٹکڑے نکل نکل کر طشت میں جمع ہو

رہے ہوں گے۔

روایت میں ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے فوراً حضرت امام حسین علیہ السلام کو دیکھا۔ کہا: اے ابوعبداللہؑ! تم تو خالی میری مصیبت پر رو رہے ہو جب کہ میں اپنے گھر کے اندر بستر پر زہر دے کر شہید کیا جاؤں گا لیکن یہ بتاؤ کہ تمھاری کیا حالت ہو گی جب کہ تم تین دن کے بھوکے پیاسے' تیس ہزار کے لشکر کے سامنے کھڑے ہو گے اس حالت میں کہ چاروں طرف دوستوں' عزیز و اقارب اور رشتہ داروں کے لاشے ہی لاشے پڑے ہوں گے۔

روایت میں ہے کہ دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کی مظلومیت کا تذکرہ کرتے ہوئے ماتم کرنا شروع کر دیا۔ خاندانِ اہل بیتؑ تو پہلے ہی سے تیار تھا لیکن حکومتیں کچھ اس طریقے سے اپنے نظام کو چلا رہی تھیں کہ اس کا منطقی نتیجہ یہی نکلنا چاہیے کہ واقعہ کربلا پیش آ جائے اور جیسا کہ ہم نے بتایا کہ پہلی خلافت' دوسری خلافت اور تیسری خلافت کی حرکات و سکنات اُمتِ مسلمہ کو ایک ایسے مقام پر لے جا رہی تھی کہ جہاں اِسلام میں سے اہل بیتؑ کا نام بالکل ختم کر دیا جاتا جہاں اِسلام میں سے اہل بیتؑ کے لفظ تک کو نکال کر رکھ دیا جائے اور کوئی جاننے والا نہ ہوتا کہ اہل بیتؑ بھی کوئی ہستی ہوتی ہے اور کسی کو پتا نہ چلتا کہ اہل بیتؑ سے کیا مراد ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ پوری کوشش یہ کی جا رہی تھی کہ پیغمبرؐ اِسلام کے نام کو لوگوں کے ذہنوں سے مٹایا جائے اور پیغمبرؐ اِسلام کی ہستی کو لوگوں کے ذہنوں سے کھرچ کر نکالا جائے اور اسی عزم کے تحت پوری سازش مرتب کی گئی تھی۔ اسی کے تحت تمام تر نقشہ بنایا گیا تھا لیکن واقعہ کربلا وہ واقعہ ہے جس نے بنواُمیہ کے اس تمام مقصد کو ختم کر دیا اور خالی بنواُمیہ کے مقصد کو نہیں کیا بلکہ پیغمبرؐ اکرم کی وفات کے بعد جہاں سے اس سازش کا آغاز ہوا تھا وہ سازش پچاس یا ساٹھ سال میں اس انجام تک پہنچنے والی تھی کہ لوگ مکمل طور پر اہل بیتؑ سے نابلد ہو چکے تھے۔ جب شام میں اہل بیتؑ کا قافلہ پہنچا تو لوگوں نے اہل بیتؑ کو پہچاننے سے انکار کر دیا اور لوگوں کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ قافلہ کون سا قافلہ ہے تو اس طریقے سے مسلمانوں

کے ذہنوں کو تبدیل کر دیا گیا تھا کہ لوگ بالکل اہل بیتؑ، رسالتؐ کو فراموش کر چکے تھے اہل بیتؑ رسالتؐ کو بھلا چکے تھے۔

اس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے جہاد کی تیاری کر رہے تھے کہ پچاس سال کا طویل عرصہ جو خدا نے ان ظالموں کو دیا ہے جس میں ان کی رسّی کو دراز کر دیا گیا ہے۔ اب وقت آ گیا ہے اب وہ موقع آ چکا ہے کہ جب آگے بڑھ کر ان کا مقابلہ کرنا ہے اور اب تک انھوں نے جتنے مظالم کیے ہیں اور جتنی سازش تیار کی ہے سب کا ہمیں خاتمہ کرنا ہے۔

یہ خیال کر کے حضرت امام حسین علیہ السلام اپنی جگہ تیاری کر رہے تھے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی تیاری جاری ہے اور گذشتہ تقریر میں بھی یہ بات آئی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کسی ایک مظلوم کو بھی ظالم کے پنجے میں نہیں دیکھ سکتے تھے تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے کس طرح یہ مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے ہوں گے کہ پوری اُمتِ مسلمہ کو ظلم کے شکنجے میں کسا یا جا رہا ہے تو اس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام کی کیا حالت ہوئی ہوگی؟

ایک دو واقعات نہیں ہیں بلکہ بہت سی روایتوں میں یہ جملہ موجود ہے کہ عراق میں کوئی شیعہ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا تھا اس لیے کہ شیعہ اگر درختوں کی جڑوں کے نیچے جا کر بھی چھپے تو وہاں سے نکال کر انھیں قتل کیا گیا' شیعہ اگر جانوروں کے بلوں میں جا کر چھپے تو وہاں سے بھی نکال کر انھیں قتل کیا گیا اور پورے عراق کو مکمل طور پر شیعوں سے خالی کر دیا گیا۔

یہ جملے ذہن میں رکھیں!

۵۳ ہجری میں زیاد کا انتقال ہوتا ہے۔ وہ زیاد کہ جس سے بڑھ کر شیعہ کے حق میں کوئی ظالم نہیں گزرا ہے۔ اس لیے کہ ابتدا میں وہ خود اپنے آپ کو مولائے کائنات علیہ السلام کا محب ظاہر کیا کرتا تھا۔ لیکن بعد میں جب مولاؑ نے سختی کی' روک ٹوک کی' کچھ پابندیاں لگائیں تو زیاد مولاؑ سے علیحدہ ہو کر خراسان کے صوبے کی طرف چلا گیا۔ پھر امیر شام کی حکومت میں اس نے شرکت کر لی تو وہ خود ماضی میں شیعہ رہ چکا تھا۔ ایک ایک شیعہ کو پہچانتا تھا۔ چناں چہ اس نے ایک ایک شیعہ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر گھروں سے نکالا اور قتل عام کیا۔

یہ جملے ذہن میں رہیں تو پھر سمجھ میں آئے گا کہ کوفہ والے شیعہ تھے یا شیعہ نہیں تھے۔

۵۳ ہجری میں زیاد واصل جہنم ہو گیا تو ۵۳ ہجری تک زیاد نے کسی ایک شیعہ کو زندہ نہیں چھوڑا تھا اور ۵۳ ہجری سے ۶۱ ہجری تک سات سال مزید گزرتے ہیں جس میں بنو اُمیہ کی حکومت نے مکمل کر شیعوں کا قتل عام کیا۔ یہ پورے کا پورا عرصہ ظلم و ستم کا عرصہ چل رہا ہے اور امام حسین علیہ السلام اس پورے عرصے کو مکمل سکوت کے ساتھ دیکھ رہے ہیں کہ کیا ہونے والا ہے۔

لوگوں نے آ کر کہا: یا ابن رسولؐ اللہ! ظلم بڑھتے چلے جا رہے ہیں آپؑ ہمارے ساتھ ہماری قیادت کرتے ہوئے بنو اُمیہ کی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کریں۔

وعدہ، عہد اور زبان کی پابندی امامؑ کو کتنی عزیز تھی اور یہ وعدہ آج کی دنیا میں ایک ایسی ناپائیدار حقیقت ہے کہ اگر کسی سے یہ کہا جائے کہ جھوٹ بولنا حرام ہے یا وعدے کی خلاف ورزی کرنا گناہ کبیرہ ہے تو آج لوگوں کو یقین نہیں آتا اور لوگ یہ سوچتے ہیں کہ اس دور میں بھلا یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک انسان تمام زندگی سچ بولتا رہے۔ لیکن امامؑ کی سیرت کو دیکھئے کہ مسلسل بیس سال ہو گئے یہ مناظر برداشت کرتے ہوئے کہ ہر قسم کا ظلم روا رکھا گیا ہے۔ وہ ۵۰ ہجری کا ظلم تو آپ نے سنا ہے کہ جب بھائی (حسنؑ) کا جنازہ جا رہا ہے تو بھائیؑ کے جنازے کو روک کر اس پر تیروں کی بارش کی گئی۔ لیکن اس وقت امام حسین علیہ السلام نے صبر و ضبط کا مظاہرہ کیا اور جب کسی نے یہ کہا کہ یا ابن رسولؐ اللہ! اب آپؑ تلوار نکال کر جہاد شروع کر دیں۔

تو یہی جواب دیا کہ نہیں! ہم میں اور امیر شام میں ایک معاہدہ ہو گیا تھا، ہم میں اور امیر شام میں صلح نامہ ہو گیا تھا اور ہم اپنی طرف سے اس کی مخالفت نہیں کریں گے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ امامؑ کا مزاج جنگی مزاج ہے۔ امام حسین علیہ السلام میں جہاد کا پہلو زیادہ ہے یعنی تلوار والی شجاعت۔ لیکن ۵۰ ہجری میں آ کر دیکھئے کہ بھائیؑ کے جنازے پر تیر برس رہے ہیں اور امام حسین علیہ السلام نے اب تک تلوار نیام سے باہر نہیں نکالی، کوئی یہ سوچ سکتا ہے کہ اس وقت امام حسین علیہ السلام مجبور ہوں گے۔ دوستوں کی جماعت ساتھ نہ ہو گی لیکن اگر آپ واقعہ کربلا کو دیکھیں تو کربلا کے مقابلے میں مدینے میں لڑنا آسان تھا، کربلا میں کم سے کم یزید کے لشکر کی

تعداد تیس ہزار بتائی گئی ہے اور مدینے میں زیادہ سے زیادہ پانچ سو کی جماعت بتائی گئی ہے جنھوں نے امام حسین علیہ السلام کا راستا روکا تھا تو کربلا میں تو حسینؑ ایک مختصر سی جماعت لے کر تیس (۳۰) ہزار کی فوج سے ٹکرا جاتا ہے وہی امامؑ جب مدینے کے اندر موجود ہے لیکن امامؑ یہ کہہ رہے ہیں کہ نہیں! ہم نے ایک عہد نامے پر دستخط کر دیے ہیں۔ ہم نے ایک وعدہ کر لیا ہے۔ اس کی پابندی کریں گے تو کہاں امامؑ کا یہ کردار کہ دشمن سے معاہدہ کیا جائے تو اس کی بھی پابندی کی جائے گی اور کہاں امامؑ کے ماننے والے کا یہ کردار کہ اگر اپنے قریبی دوست سے بھی وعدہ کر لیتا ہے تو اس وعدے کو توڑنے میں کوئی عار نہیں سمجھتا ہے۔

بہر حال!

۵۰ ہجری سے ۵۷ ہجری آتی ہے۔ امام حسین علیہ السلام بالکل ساکت اور صامت ہیں۔ لیکن اب امامؑ کو معلوم ہو گیا کہ عن قریب وہ زمانہ آنے والا ہے جب حاکم شام اس معاہدے کو توڑے گا۔ اس معاہدے کی ایک شرط یہ تھی کہ امیر شام اپنے بعد کسی کو اپنا جانشین قرار نہیں دے گا لیکن امامؑ کو اپنے علم امامت سے بھی پتا چل گیا اور ظاہری سیاست سے بھی پتا چل گیا کہ حاکم شام اب جلد ہی اپنے بیٹے کی ولی عہدی کا اعلان کرنے والا ہے۔

روایت میں ہے کہ ۵۷ ہجری یا ۵۸ ہجری کا حج تھا امامؑ نے اپنے تمام ماننے والوں کو خطوط لکھے اور خطوط لکھ کر ان کو مکہ میں منیٰ کے میدان میں بلایا اور کہا کہ اس سال منیٰ کے میدان میں ضرور آنا کیوں کہ تم سے ایک اہم ترین مشورہ کرنا ہے۔

چناں چہ ۵۷ ہجری میں منیٰ کے میدان میں اس دور کو دیکھتے ہوئے کہ جب عراق سے چن چن کر شیعوں کا خاتمہ کر دیا گیا' ایک ہزار کے قریب لوگ امامؑ کے ساتھ منیٰ کے مقام پر امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ روایت میں ہے کہ کچھ علما نے منیٰ کے اس اجتماع کو مجلس مکہ کا نام دیا ہے اور کہا گیا ہے کہ امامؑ نے اس وقت ایک مجلس یا ایک پارٹی تشکیل دی اور اس وقت منیٰ کے میدان میں امامؑ نے ایک خطبہ دیا اور اس خطبے میں شروع سے لے کر آخر تک امامؑ نے وہی جملے کہے کہ جو آج اگر ہم یا کوئی اور کہتا تو آپ حضرت کے ماتھوں پر بل پڑ

جاتے ہیں۔ آپ حضرات کے دلوں میں اس قسم کے خیالات آنے لگتے ہیں کہ یہ تو ہمیں گم راہ کیا جا رہا ہے۔

شروع سے آخر تک امامؑ نے یہی کہا کہ خبردار! یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ بس! اللہ اور رسولؐ پر ایمان لے آئے تو بخشش ہو جائے گی۔ نہیں! اللہ کی نگاہ میں تمھارا مقام بہت بڑا ہے چوں کہ تم ہمارے شیعہ ہو اور ہمارے شیعوں کا مقام بہت بڑا ہوتا ہے لیکن یاد رکھو کہ جتنا بڑا تمھارا مقام ہے اتنا ہی بڑا تمھیں امتحان بھی دینا پڑے گا اور جتنا بڑا درجہ ہے۔ اتنی ہی بڑی مصیبتیں تمھیں برداشت کرنا پڑیں گی۔

اسی خطبے کا ایک فقرہ ہے کہ خبردار! کبھی یہ نہ سوچنا کہ ایمان لا کر بیٹھ گئے تو نجات ہو جائے گی، نہیں! تمھیں رسولؐ اکرم کی سیرت کی پیروی کرنا ہی پڑے گی اور رسولؐ اکرم کی سیرت کا اتباع کرنا ہی ہوگا۔ اس دور میں امامؑ اپنے شیعوں سے کہہ رہے ہیں جب کہ اس دور میں تو ضرورت یہ تھی کہ ایک ایک شیعہ کو زیادہ سے زیادہ لالچ دیا جاتا تاکہ کہیں کوئی گم راہ ہو کر چلا نہ جاتا۔ کہیں کوئی امامؑ کا ساتھ نہ چھوڑ دیتا لیکن امامؑ نے بتا دیا کہ ہمیں نام نہاد شیعوں سے زیادہ ایسے شیعہ چاہئیں کہ جتنا زبان سے اپنے آپ کو شیعہ کہتے ہیں۔ اس سے زیادہ عمل میں اپنے آپ کو شیعہ ثابت کر کے دکھا دیں۔

بہرحال!

۵۷ ہجری میں امامؑ نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ مکہ میں تمام قریبی شیعوں کو جمع کیا گیا اور ان کے سامنے ان کو خطبہ دے کر تیار کر دیا گیا کہ اب وہ موقع آنے والا ہے کہ جب تمھیں قربانیاں دینا پڑیں گی۔ ایک ہزار مکہ میں تعداد تھی اور کربلا میں جو زیادہ سے زیادہ تعداد بتائی گئی وہ ایک سو پینتالیس کی بتائی گئی تو جنھیں امامؑ خطبہ دے رہے، امامؑ جنھیں تعلیم دے رہے ہوں ان کی یہ حالت ہے کہ ایک ہزار ایسے کہ جنھیں امامؑ نے خط لکھ کر بلایا ہے ان میں سے ہمیں صرف پینتالیس میدانِ کربلا کے اندر نظر آتے ہیں۔

ہمیشہ سے یہ اصول رہا ہے کہ جب بھی امامؑ عمل کی بات کریں تو اکثریت دور بھاگ

جایا کرتی ہے اور امامؑ تک کو نظر انداز کر دیا کرتی ہے۔

خیر!

۵۷ ہجری میں امامؑ تیاری کر رہے ہیں اور اِدھر دوسری طرف ہوا یہ کہ مغیرہ ابن شعبہؓ کوفہ کا گورنر جس کی امیر شام سے ناراضگی ہو جاتی ہے اور امیر شام اسے کوفہ کی گورنری سے معزول کرنے والے ہیں۔ اب یہ پریشان ہوئے کہ میں آخر کیا کروں؟

بیٹھے بیٹھے ذہن میں خیال یہ آیا کہ کسی طریقے سے امیر شام کے سامنے کوئی ایسا مقصد رکھ دیا جائے کہ جس میں میری انتہائی شدید ضرورت ہو تو یقیناً اس کے بعد امیر شام مجھے اپنے سے کبھی دور نہیں کریں گے چناں چہ سیدھے یزید کے پاس پہنچے۔ یزید امیر شام کی ایک عورت کے بطن سے تھا جس کا تعلق حجاز کے ایک بدو قبیلے سے تھا اور اگر چہ اس کی ماں نکاح کر کے محل کے اندر آ گئی تھی۔ لیکن اسے محل کی زندگی محبوب نہیں تھی چناں چہ کچھ تاریخوں میں یہ ہے کہ یزید کی ولادت کے فوراً بعد اس نے اپنے بیٹے کو محل سے نکال کر اپنے اسی بدو قبیلے کے اندر بھیج دیا اور کچھ تاریخوں میں ہے کہ خود بھی اپنے بیٹے کے ساتھ رہنے لگی۔ اب جس قبیلے سے اس کا تعلق تھا یہ پورا کا پورا قبیلہ عیسائی تھا۔ صرف چند مسلمان گھرانے اس قبیلے کے اندر موجود تھے اور اس قبیلے کے اندر کثرت سے شراب پی جاتی تھی تو یزید کی ابتدائی تعلیم عیسائیوں کے ماحول میں اور شراب کے ماحول میں ہوئی اور ابتدا سے لے کر جوانی کی عمر تک وہ اسی ماحول کے اندر رہا۔ پھر امیر شام اپنی مصلحتوں کے تحت اسے اپنے محل کے اندر لے آیا۔

مغیرہ ابن شعبہ فوراً یزید کے پاس جاتا ہے اور جانے کے بعد ایک مرتبہ اسے پٹی پڑھاتا ہے کہ تُو اپنے باپ کے پاس جا اور جا کر کہہ دے کہ وہ اپنے بعد تجھے ولی عہد بنا دے۔ چناں چہ یزید کے دماغ میں یہ بات آ گئی اور وہ اپنے باپ کے پاس گیا اور سارا ماجرا بیان کیا۔ جب یزید نے اپنے باپ کو واقعہ سنایا تو وہ راضی تو ہو گیا لیکن راضی ہونے کے بعد گھبرایا۔ اس لیے کہ امیر شام جانتا تھا کہ لوگوں نے میرا ہر ظلم برداشت کر لیا ہے لیکن یزید کی ولی عہدی ایک ایسا خطرناک جرم ہے اور یزید کی ولی عہدی ایک ایسی غیر متوقع بات ہے کہ اُمتِ مسلمہ اس کو

برداشت نہیں کر سکے گی اور یہ بھی روایت میں ہے کہ جب یزید خلیفہ بنا اور مدینے میں خط لکھا تو مروان بن حکم کی حضرت امام حسین علیہ السلام سے مدینے کے بازار میں ملاقات ہوئی اور ایک مرتبہ مروان بن حکم نے امامؑ کو دیکھا۔ اس وقت مروان نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے کہا کہ میں آپؑ کو ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ یزید خلیفۃ المسلمین بن گیا ہے' آپؑ اس کا مقابلہ کرنے کی کوشش نہ کریں۔

اس وقت امامؑ کی زبان سے یہ جملہ نکلا:

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ

وَالسَّلَامُ عَلَى الْإِسْلَامِ

"ہمارے اللہ کی طرف سے آئے ہیں اور اسی کی طرف پلٹ کر جائیں گے۔"

پھر امامؑ نے کہا:

وَالسَّلَامُ عَلَى الْإِسْلَامِ......

"ایسے اسلام کو میرا سلام ہو کہ جس میں یزید جیسے شخص کو خلیفہ بنایا جاتا ہے۔"

اب یزید کے کردار کے بارے میں اسی سے اندازہ کر لیجیے کہ امام حسین علیہ السلام جیسی صابر ہستی یہ کہہ رہی ہے کہ ایسے اسلام پر میرا سلام ہو تو امیر شام سمجھ گیا کہ اتنی آسانی سے لوگ میرے اس قدم کو قبول نہیں کریں گے۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا کہ کس سے مدد لوں۔

مغیرہ ابن شعبہ' عرب کے تین انتہائی ہوشیار آدمیوں میں شمار ہوتا ہے۔

امیر شام نے مغیرہ کو دیکھا کہ میرے محل میں موجود ہے تو ایک مرتبہ اسی کو بلایا اور کہا کہ میرے بیٹے نے یہ خواہش ظاہر کی ہے اب تم بتاؤ کہ میں اپنے بیٹے کی خواہش کس طرح پوری کروں؟

مغیرہ خود اپنے جملے یزید کے ذریعے امیر شام تک پہنچا چکا تھا۔ اب اس وقت اس نے دیکھا کہ امیر شام میرے قابو میں آ گیا۔

اس نے کہا: کوئی مشکل کام نہیں ہے عراق میں دو ہی شہر ایسے ہیں جو خطرناک ہیں ایک

بصرہ کا شہر اور ایک کوفہ کا شہر۔ آپ بصرہ کا شہر ابن زیاد کے حوالے کر دیں اور کوفہ کا شہر میرے حوالے کر دیں تو پھر آپ دیکھیں کہ ہم کتنی آسانی سے لوگوں سے یزید کو خلیفہ منواتے ہیں۔

امیر شام نے جب یہ سنا تو مغیرہ ابن شعبہ کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے کہا: ہم نے تجھ سے کوفہ کی گورنری چھینی تھی لیکن اب تُو دوبارہ کوفہ کا گورنر بن کر جا اور جا کر اپنے فرائض انجام دے۔

مغیرہ ابن شعبہ صرف اپنی گورنری کو بچانے کے لیے سبب بنا۔ اتنے بڑے واقعے کا جسے واقعہ کربلا کہا جاتا ہے۔ لیکن اگر یہ نہ بھی ہوتا تب بھی حالات یہ بتا رہے تھے کہ واقعہ کربلا کو پیش آنا ہی تھا۔

اب مغیرہ ابن شعبہ جاتا ہے اور مہم شروع کر دیتا ہے۔ اب مغیرہ ابن شعبہ نے اپنی کوششیں شروع کر دیں اور ابن زیاد نے اپنی کوششیں شروع کر دیں اور امیر شام نے اپنی کوششیں شروع کر دیں۔ اس طرح یہ سازش چلی جا رہی تھی یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا کہ جب امیر شام اس دنیا سے رُخصت ہوا تو یزید کو حاکم شام مقرر کر دیا گیا۔

بس!

یہیں سے واقعہ کربلا کا آغاز ہوتا ہے!

واقعہ کربلا کو کثرت کے ساتھ آپ نے مجالس میں سنا ہو گا بل کہ پوری زندگی ایک مومن کی گزر جاتی ہے واقعہ کربلا کو سنتے ہوئے اور ہمارے ائمہ علیہم السلام نے واقعہ کربلا کو ذہنوں میں رکھنے کے لیے انتہائی تاکید کی ہے اور بار بار تذکرہ کیا ہے اور ایک نہیں دو نہیں، قریب قریب حضرت امام حسین علیہ السلام کے بعد ہر امامؑ سے مروی ہے یہ حدیث:

''جس نے چند شعر میرے جدؑ کے بارے میں پڑھے اور کسی ایک مومن کو رُلایا بل کہ اگر پڑھ کر خود رویا تو اس پر جنت واجب ہو جائے گی۔''

روایتوں میں کثرت سے یہ واقعات ملتے ہیں کہ اگر امامؑ کے پاس کوئی شاعر آ جاتا تھا تو امامؑ اس وقت تک اسے نہیں جانے دیتے تھے جب تک کہ اس سے کوئی نہ کوئی نوحہ یا مرثیہ

حضرت امام حسین علیہ السلام کے بارے میں نہ سن لیں اور اکیلے نہیں سنا کرتے تھے بل کہ روایتوں میں یہ ہے کہ پردے کے پیچھے امامؑ کا تمام گھرانہ بیٹھ جایا کرتا تھا اور اس کے بعد جب بھی مرثیہ پڑھا جاتا تھا تو اتنی شدت سے گریہ ہوتا تھا کہ سیدانیوںؑ کے رونے کی آواز محفل میں آیا کرتی تھی۔ گویا انتہائی شدت سے ہمارے ائمہ علیہم السلام نے کربلا کے تذکرے کو رائج کیا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی وصیت میں تو یہ موجود تھا کہ میری شہادت کے بعد میری ایک تہائی دولت کو صرف اس کام میں خرچ کیا جائے کہ ہر سال منیٰ کے میدان میں میرے جدؑ کی ایک مجلس قائم کی جائے جس میں میرے جدؑ کی مظلومیت کا تذکرہ ہو اور پھر بار بار روایت میں ملتا ہے کہ ائمہ علیہم السلام نے زیارت امامؑ کی بار بار تاکید کی۔ حج جیسی عظیم ترین عبادات اس میں بھی یہ حکم تھا کہ اگر بھی جان کا یا مال کا خطرہ ہو تو حج واجب نہیں رہتا۔

لیکن زیارت کے بارے میں امامؑ نے یہاں تک کہا کہ اگر جان کا خطرہ ہے تب بھی زیارت پر جاؤ' عزت جا رہی ہے تب بھی زیارت پر جاؤ اور کوئی مومن اگر امامؑ کے پاس آتا اور امامؑ کو معلوم ہو جاتا کہ یہ قدرت رکھتا ہے اور میرے جدؑ کی زیارت کے لیے نہیں گیا تو امامؑ اس سے بات کرنا گوارا نہ کرتے تھے۔ تو بار بار واقعہ کربلا کو قائم کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا۔

اس کی بنیاد صرف اور صرف یہ ہے کہ پچاس سال تک دشمنوں نے جو اہل بیتؑ کے نام کو اسلام سے نکالنے کی کوشش کی تھی' اس چند گھنٹوں کے واقعہ کربلا نے دشمنوں کی پچاس سالہ محنت پر پانی پھیر دیا۔ نہ صرف یہ کہ گذشتہ پچاس سال کی بل کہ اس کے بعد بھی لاکھوں سال تک جتنی کوشش کی جاتی رہے گی' یہ واقعہ جب تک زندہ رہے گا اس وقت تک دشمنوں کی ہر سازش ناکام رہے گی۔

لیکن ضروری یہ ہے کہ واقعہ کربلا کی جزئیات ہمارے ذہنوں میں رہیں اور ہم دیکھتے چلیں کہ کیا صرف اسی چیز کا نام واقعہ کربلا ہے کہ امامؑ مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کربلا پہنچے۔ تین دن کی بھوک اور پیاس کی حالت میں شہید ہو گئے یا واقعہ کربلا میں ایک ایک قدم پر امامؑ نے کوئی نہ کوئی اخلاقی و دینی درس دیا اور کسی نہ کسی عمل کی ترغیب اور نصیحت ہمارے سامنے پیش

کی ہے۔

واقعہ کربلا کو آج اسی نقطہ نظر سے دیکھتے چلیں!

۲۸ رجب ۶۰ ہجری کو امام حسین علیہ السلام مدینہ سے روانہ ہوتے ہیں اور اس سے پہلے اٹھائیسویں شب تک جو واقعات گزر گئے تھے وہ آپ مجالس میں سنتے رہتے ہیں کہ حاکم مدینہ نے بلایا۔ یزید کی بیعت کا امامؑ کے سامنے خط رکھا۔ امامؑ نے انکار کر دیا اور ۲۸ رجب کو امامؑ مدینے سے نکلے۔

تین شعبان ۶۰ ہجری کو امامؑ مکہ میں داخل ہوئے اور امامؑ کی مکہ میں داخلے کی خبر پا کر حاکم مکہ، مکہ کا گورنر جو امیر شام کی طرف سے مقرر تھا وہ مکہ کو چھوڑ کر چلا گیا۔ امامؑ تین شعبان سے لے کر آٹھ ذوالحجہ تک مکہ میں مقیم رہتے ہیں اور جس وقت امامؑ مدینے سے نکل رہے تھے اس وقت خواب میں آپؑ کی ملاقات اپنے ناناؐ سے ہو چکی تھی اور وہ تمام تفاصیل پیغمبرؐ اسلام امامؑ کو بتا چکے تھے جو کربلا میں ہونے والی تھیں۔

واقعہ کربلا ظاہری اعتبار سے مدینے سے شروع ہوتا ہے اور اس میں ہمیں ایک بات معلوم ہوتی ہے کہ مدینے میں بھی جب امامؑ نے مکہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو امامؑ کے قریبی دوستوں تک نے مخالفت کی، مکہ سے بھی جب امامؑ نے رُخصت ہونے کا ارادہ کیا تو عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عبداللہؓ ابن جعفر طیار علیہ السلام جیسی ہستیوں نے آ کر امامؑ کو مشورہ دیا کہ آپؑ مکہ چھوڑ کر نہ جائیں لیکن امامؑ نے کسی کی بات نہ مانی اور کربلا کی طرف روانہ ہو گئے اور کربلا جا کر ہی اتنا بڑا انقلاب قائم ہو سکا۔

یہ تاریخ کی حقیقت ہے جو ہمیشہ دُہرائی جاتی ہے۔ لوگ کسی زمانے میں امامؑ کو مشورے دیتے تھے آج کے دور میں لوگ نائب امامؑ کو مشورے دیتے ہیں۔ کثرت سے یہ مشورے دیے گئے لیکن امامؑ نے تمام لوگوں کے مشوروں کو ٹھکرا کر یہ بتا دیا کہ امامؑ یا نائب امامؑ کسی کے مشوروں کا محتاج نہیں ہوتا ہے۔ اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ شریعت کے مطابق حکم دے اور اسی حکم کی لوگوں سے پابندی کروائے، چاہے لوگ پابندی کریں یا نہ کریں۔

آٹھ ذوالحجہ تک امامؑ مکہ کے اندر رہے۔ اب روایتیں یہ بتاتی ہیں کہ دو سازشیں کی گئیں۔ ایک سازش تو یہ کی گئی تھی کہ تیس آدمیوں کی جماعت تیار کی گئی تھی۔ اس جماعت کو اس مقصد کے لیے مکہ میں بھیجا گیا تھا کہ نو ذوالحجہ کو جب حاجیوں کا ہجوم ہوگا تو ہجوم سے فائدہ اُٹھا کر حضرت امام حسین علیہ السلام پر حملہ کر کے ان کو شہید کر دینا۔

دوسری کوشش یہ کی جا رہی تھی کہ امامؑ اگر کسی وجہ سے مکہ سے نکل آئیں تو ایسا نہ ہو کہ امامؑ ہمارے قابو میں نہ رہیں۔ چناں چہ روایت میں ہے کہ کوفہ والوں کے خطوط آئے لیکن کوفہ والوں کے خطوط کم تھے اور حاکم شام کے جاسوسوں کے خطوط زیادہ تھے جنھوں نے کوفہ میں بیٹھ کر امامؑ کو خط لکھے اور کوفہ کے انتہائی مخلص مومنین کا نام استعمال کرتے ہوئے خط لکھے حالاں کہ ان مومنین کو پتا تک نہیں تھا کہ ہماری طرف سے امامؑ کو خط لکھا گیا ہے۔

یقیناً!

کچھ کوفہ والوں نے بھی خط لکھے تھے لیکن جدید تحقیقات یہ بتاتی ہیں کہ کوفہ والوں کا نام استعمال کرتے ہوئے حاکم شام کی طرف سے مسلسل یہ خط لکھے گئے تھے تا کہ امامؑ اگر مکہ میں رہیں تب بھی ہمارا مقصد حاصل ہو جائے اور اگر مکہ میں نہ رہیں تو امامؑ مکہ سے نکل کر کسی ایسے علاقے میں نہ چلے جائیں کہ ہمارے اختیار سے باہر نکل جائیں بل کہ مکہ سے نکل کر کوفہ کی طرف آئیں جہاں پر ہم امامؑ پر قابو پا لیں گے اور امامؑ کو بھی اس حقیقت کا علم تھا لیکن امامؑ مصلحتِ الٰہی کے تحت حرکت کرتا ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام کو پتا ہے کہ آج مسجد میں جانا خطرناک ہے لیکن حکمِ الٰہی یہی ہے تو گئے مسجد کی طرف' تو امامؑ کو بھی معلوم تھا کہ کوفہ والوں کی طرف سے آنے والے کتنے خط اصلی ہیں اور کتنے خط نقلی ہیں لیکن پھر بھی حکمِ الٰہی یہی تھا کہ امامؑ اس کے مطابق عمل کریں۔

چناں چہ آٹھ ذوالحجہ کو حج کو عمرے میں تبدیل کر کے چلتے ہیں کوفہ کی طرف اور منازل کو طے کر جاتے ہیں۔ یہاں تک یکم محرم کو منزلِ شراف پر امامؑ کی ملاقات حر رضی اللہ عنہ کے لشکر سے ہوتی ہے۔ امامؑ کی ملاقات جب حر رضی اللہ عنہ کے لشکر سے ہوئی تو عجیب حالت میں ہوئی کہ حرؓ کا تمام لشکر

پیاسا تھا اور امامؑ نے حُر ریاحیؒ کے تمام لشکر کو پانی پلایا تھا' یہاں تک کہ حُر ریاحیؒ کے لشکر میں موجود گھوڑوں کو بھی پانی پلایا تھا تو پہلی محرم کو حُر ریاحیؒ سے ملاقات ہوئی تھی اور دوسری محرم کو امامؑ' حُر ریاحیؒ کے ساتھ ساتھ میدانِ کربلا میں پہنچے۔ اب حُر ریاحیؒ سے امامؑ کی یہ ملاقات تاریخ کا ایک انتہائی عجیب وغریب واقعہ ہے اور اس کے بعد امامؑ کی دوسری ملاقات حُر ریاحیؒ سے میدانِ کربلا میں ہوئی اور دس محرم کو جب حُر ریاحیؒ لشکر یزید کو چھوڑ کر امامؑ کی طرف آیا تھا تو اس وقت امامؑ نے حُر ریاحیؒ سے ایک عجیب جملہ کہا تھا لیکن امامؑ کے اس جملے کو سمجھنے کے لیے ذرا تاریخی پس منظر دیکھیں!

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد جب چوتھے امامؑ اپنے بابا! کی لاش کو دفن کرنے کے لیے آئے تو روایت میں ہے کہ قبیلہ بنی اسد نے دیکھا کہ امامِ مظلوم علیہ السلام کے جسم پر تیروں' تلواروں اور نیزوں کے نشان تھے اور جو جگہ خالی بچ گئی ہے اس پر کچھ عجیب وغریب نشانات ہیں اور ایسا لگ رہا ہے کہ امامؑ نے کوئی بھاری بوجھ اُٹھایا تھا۔

کسی نے سوال کیا: یا بن رسولؐ اللہ! یہ آپؑ کے بابا! کے جسم پر وزن اُٹھانے کے نشانات کیسے ہیں؟

امامؑ نے جواب دیا: میرے بابا! ہر رات کو ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے اور نماز کے دوران میں جب بھی وقت ملتا تھا تو میرے بابا! گندم اور کھجور وغیرہ کی بوریاں اُٹھا اُٹھا کر نکلا کرتے تھے اور مدینے کے ہر غریب کے گھر میں جایا کرتے تھے اور رات کو چپکے سے اس کے سرہانے اس کی خوراک رکھ آیا کرتے تھے تو اتنی سخاوت تھی امامؑ کی کہ خود اناج پہنچایا کرتے تھے اور جب حُر ریاحیؒ سے ملاقات ہوئی تھی تو ایک عجیب فقرہ امامؑ نے کہا تھا: اے حُرؒ! تم دشمن کی فوج سے نکل کر ہمارے پاس آ گئے ہو ہم اس وقت انتہائی خوش بھی ہیں اور انتہائی شرمندہ بھی ہیں۔ خوشی اس بات کی ہے کہ تم باطل کو چھوڑ کر حق کی طرف آ گئے ہو اور شرمندگی اس بات کی ہے کہ جب تم ہمارے دشمن بن کر آئے تھے تو ہم نے تمھاری پیاس بجھائی تھی یہاں تک کہ تمھارے گھوڑوں کو پانی پلایا تھا اور آج جب تم دوست بن کر آ رہے ہو تو ایک قطرہ پانی کا ہم

تمھیں پیش نہیں کر سکتے۔

کتنا مشکل ہے امامؑ جیسے سخی کا یہ جملہ کہنا جس کی تمام زندگی سخاوت میں گزری ہے اور امامؑ نے کس طریقے سے اس چیز کو ضبط کیا ہوگا، برداشت کیا ہوگا۔

ابن زیاد کوفہ کی جامع مسجد میں روزانہ تقریر کرتا تھا خاص طور پر اس کی تین محرم کی تقریر تاریخ کی کتابوں میں رقم ہے۔ تین محرم کو جمعہ کا دن تھا اور اس نے کوفہ کی جامع مسجد میں جمعہ کے دن انتہائی جذباتی انداز میں تقریر کی تھی جس کے نتیجے میں لوگ ہزاروں کی تعداد میں کھڑے ہو گئے تھے اور کہا تھا کہ ہم خلیفۃ المسلمین یزید کی طرف سے باغیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے جائیں گے۔

اسی تین محرم کو ابن زیاد کی تقریر کے نتیجے میں تین سے چھے محرم تک میدان کربلا میں مسلسل فوجیں آتی چلی گئیں اور سات محرم کو دریا پر پہرے بٹھا دیے گئے اور پانی بند کر دیا گیا۔

آٹھ محرم کے بارے میں روایت میں ہے کہ جب پیاس کی شدت میں اضافہ ہوا تو امامؑ نے حضرت عباس علیہ السلام کو پانی کا ایک کنواں کھودنے کا حکم دیا تھا۔ حضرت عباس علیہ السلام نے کنواں کھودا لیکن اس کے باوجود اس کے اندر سے پانی نہ نکل سکا اور آٹھویں محرم کی شب کو پہلے پانی لینے کے لیے بُریر ھمدانی رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا۔ بُریر ھمدانی رضی اللہ عنہ پانی لینے کے لیے گئے لیکن جب نہر فرات کے کنارے پہنچے تو دشمنوں کی فوج نے حملہ کر دیا اور اس کے فوراً بعد حضرت عباس علیہ السلام کو بھیجا گیا تاکہ وہ بُریر ھمدانی رضی اللہ عنہ کی مدد کریں۔

چناں چہ حضرت عباس علیہ السلام گئے اور روایتوں میں ہے کہ وہ پانی لے کر آئے لیکن جب پانی خیمے کے اندر پہنچا اور بچوں کے سامنے پانی گیا تو چھوٹے چھوٹے بچے معصوم بچے جنھوں نے پہلی مرتبہ پیاس کی مصیبت کا سامنا کیا تھا وہ اتنی تیزی کے ساتھ پانی پر ٹوٹے کہ مشک کا منھ کھل گیا اور تمام پانی وہیں بہہ گیا۔ اسی وجہ سے حضرت عباس علیہ السلام کا نام ''سقاء'' رکھا گیا۔

اس کے بعد نو محرم کا دن آتا ہے اور نو محرم کے بارے میں روایت ہے کہ امامؑ نے حضرت عباس علیہ السلام سے پانچ کنویں کھدوائے اور جب پہلا کنواں کھودا اور پانی نکلنے کے قریب

ہوا تو عمر ابن سعد کی فوج آگے آئی' آنے کے بعد اس کنویں کو بند کر دیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباس علیہ السلام کو منع کیا کہ اس وقت جنگ نہ کرنا اس لیے کہ ہم پہل نہیں کرنا چاہتے ہیں۔

دوسرا کنواں کھودا' پانی نکلنے کے قریب تھا تو دوسرے کنویں کو بھی بند کرا دیا گیا۔ تیسرا کنواں کھودا' چوتھا کنواں کھودا اور پانچواں کنواں کھودا اور پانچویں کنویں کھودنے کے بعد یہی کچھ ہوا۔ اس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام نے منع کر دیا کہ اب پانی کے حصول کی کوشش بند کر دی جائے۔

اب نو محرم کی عصر آتی ہے ایک مرتبہ یزید کی فوج نے حملہ کر دیا اور امامؑ نے حضرت عباس علیہ السلام کو بھیجا کہ جاؤ اور ان سے ایک رات کی مہلت مانگ کر آؤ۔ حضرت عباس علیہ السلام گئے اور مہلت مانگ کر واپس آئے۔ اس کے بعد عاشور کی رات آ گئی۔ شبِ عاشور عجیب طریقے سے امامؑ کے صحابیوں نے گزاری۔ امامؑ کے تمام ساتھیوں نے ساری رات شب بیداری میں گزاری۔ رات کی ابتدا میں امامؑ نے اپنے ساتھیوں کو بلایا اور ان سے اپنی بیعت کو اُٹھا کر اُنھیں جانے کی اجازت دے دی۔

بہرحال!

روایت میں ہے کہ ایک صحابی نے بھی اس وقت امامؑ کا ساتھ نہ چھوڑا اور دس محرم تک ساتھ رہے۔

جب شبِ عاشور آ چکی اور امامؑ اپنے ساتھیوں کا امتحان لے چکے تو خیموں کی ترتیب کو تبدیل کیا گیا اور خیموں کے پیچھے خندق کھودی گئی تاکہ دشمن پیچھے سے حملہ نہ کر سکیں۔ بعض روایات میں ہے کہ اس خندق میں آگ لگا دی گئی۔

شبِ عاشور اس انداز سے گزری کہ تمام خیموں سے اس طرح کی آواز آ رہی تھی جس طرح شہد کی مکھیوں کے چھتے سے بھنبھناہٹ کی آواز آتی ہے۔ امامؑ کے تمام ساتھی امامؑ کے ساتھ تسبیح و تہلیل میں مصروف تھے۔ یہاں تک کہ شبِ عاشور ختم ہوئی اور عاشور کا دن نمودار ہو گیا۔

اب رواتیوں میں ہے کہ دس محرم کو جنگ شروع ہوئی اور خیموں کے پیچھے خندق میں آگ لگائی اور جس وقت آگ لگائی گئی تو اس وقت شمر نے یہ منظر دیکھا اور امامؑ کو دیکھتے ہوئے ایک فقرہ کہا کہ بہت اچھا ہوا کہ تم نے جہنّم کی آگ سے پہلے ہی خود کو آگ لگالی اور مرنے کے بعد بھی تم ایسی ہی آگ کے اندر جاؤ گے (معاذ اللہ)۔

حضرت مسلم بن عوسجہ رضی اللہ عنہ اس وقت کھڑے تھے اور جس جگہ پر کھڑے تھے اگر اس جگہ سے تیر چھوڑتے تو سیدھا شمر کو جا کر لگتا۔

ادھر مسلم ابن عوسجہ رضی اللہ عنہ نے کمان میں تیر لگایا اور شمر کا نشانہ لے کر تیر کو چھوڑنا چاہا لیکن ایک مرتبہ امامؑ کی طرف دیکھا اور امامؑ نے منع کیا کہ خبردار جب تک پہل سامنے سے نہ ہو ہم تمھیں پہل کرنے کا اختیار نہیں دیں گے۔

بہرحال!

اب جنگ کا آغاز ہوا۔ جب جنگ کا آغاز ہوا تو روایت میں ہے کہ پہلے امامؑ کی طرف سے مقابلہ کرنے کے لیے دو آدمی نکلے اور وہ دو آدمی اپنے مخالف دو آدمیوں کو مار دیتے ہیں تو اب عمر ابن سعد نے حکم دیا کہ پورے کا پورا لشکر حملہ کرے۔ چناں چہ پہلا حملہ ہوا جسے تاریخ میں حملہ اولیٰ کہا جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں امامؑ کے پچاس کے قریب بزرگ صحابیؓ شہید ہو گئے۔ اب صرف بتیس (۳۲) صحابیؓ امامؑ کے پاس رہ گئے اور ان بتیس (۳۲) صحابیوںؓ میں سے اکثریت بارہ بجے تک شہید ہو چکی تھی۔ چناں چہ آٹھ یا دس صحابیؓ ہیں جو بارہ بجے سے لے کر تین یا ساڑھے تین بجے تک اس جنگ میں شریک رہے۔ گویا بہت ہی مختصر صحابیوںؓ کو جنگ کرنے کا موقع ملا تھا تو سارا دن یہی جہاد ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ امامؑ کی نسل کا سلسلہ شروع ہو گیا اور یہاں پر علما کے درمیان اختلاف ہے کہ کربلا کے پہلے شہید کون تھے؟

علما کے ایک بڑے گروہ کا خیال ہے کہ سب سے پہلے شہید کا نام علی اکبر علیہ السلام ہے۔

بہرحال!

واقعہ کربلا جاری رہا اور اب ایک ایک کر کے بنو ہاشمؓ شہید ہونے لگے۔ یہاں تک کہ

حضرت عباس علیہ السلام کی شہادت کا موقع آیا۔ حضرت عباس علیہ السلام کی شہادت سے پہلے حضرت عباس علیہ السلام نے اپنے تین بھائیوں کو شہید ہوتا دیکھا۔ اس کے بعد حضرت عباس علیہ السلام نے شہادت کا درجہ حاصل کیا۔ اب آخر میں امامِ مظلوم علیہ السلام کی باری آئی۔

اس موقع پر ایک چیز کا تذکرہ کر دیا جائے کہ کتنا نازک مقام ہے کہ تمام عزیز و اقارب کے لاشے کربلا کی جلتی ہوئی زمین پر پڑے ہیں۔ اس وقت میرے مولاؑ خیمے میں آتے ہیں اور خیمے میں آنے کے بعد سب سے پہلے اپنی بڑی صاحب زادی حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو بلاتے ہیں اور بلانے کے بعد ان کو اسرارِ امامت پر مشتمل ایک کتاب دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ میرے بیٹے علیؑ کو دے دینا اور اس کے بعد چوتھے امامؑ کے پاس آئے۔ سید سجاد علیہ السلام کو ہوش میں لاتے ہیں۔ سید سجاد علیہ السلام کی آنکھ کھلی تو اپنے بابا! کو سر سے پاؤں تک خون میں ڈوبا ہوا دیکھا اور پہلا جملہ یہی کہا: بابا! میرے چچا عباسؑ کہاں گئے؟ جو آپؑ کی یہ حالت ہوگئی؟ چوتھے امامؑ ایک ایک شہید کا نام لینے لگے۔ اس کے بعد امامؑ نے چوتھے امامؑ کو گلے لگایا اور کہا:

"بیٹا! میں جا رہا ہوں لیکن ایک اہم ترین امانت ہے اس کا خیال رکھنا اور وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ میرے نانا نے میری مادرِ گرامی کو ایک دعا تعلیم فرمائی تھی اور یہ کہا تھا: بیٹی فاطمہؑ! جب کسی دعا سے کام نہ چلے تو اس وقت اس دعا کو پڑھنا تو خدا تمھاری ہر مشکل کو دور کر دے گا۔ اے میرے بیٹے! اب یہ دعا میں تمھیں تعلیم کر رہا ہوں۔"

وہ دعا کتابوں میں موجود ہے جس کے بیان کرنے کا مقام نہیں ہے (دعا کی اہمیت واضح ہوگئی)۔

اس کے بعد میرے مولاؑ چلے اور میدانِ جنگ میں پہنچ گئے۔ امامؑ نے جہاد شروع کیا اور اس جہاد کا انجام یہ ہوا کہ وہ وقت آ گیا کہ جس کا وعدہ امامؑ سے لیا گیا تھا۔

پانچویں امامؑ کی روایت میں ہے کہ جب میرے جدؑ گھوڑے سے گرے تو سامنے کے حصے پر اتنے تیر تھے کہ جسم نظر ہی نہیں آتا تھا اور اس وقت سنان ملعون آگے بڑھا' آگے بڑھ کر

امامؑ کے سینے میں نیزہ مارا اور یہ نیزہ دوسری طرف سے نکل گیا۔ امامؑ نے اس نیزے کو کھینچا تو خون کا فوارہ بلند ہوا۔ امامؑ نے خون کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اپنے چہرۂ اقدس پر ملا۔ اِدھر امامؑ (گھوڑے کی زین سے) زمین کربلا پر آئے' اُدھر تمام فوج یزید آگے بڑھی لیکن کسی میں ہمت نہ تھی کہ قریب آسکے۔ آخرکار تین ملعون آگے بڑھے' ایک نے اپنی تلوار کو استعمال کیا' سنان نے اپنے نیزے کو استعمال کیا اور شمر نے اپنے خنجر کو استعمال کیا اور روایت میں ہے کہ شمر وہ خنجر لے کر آیا تھا جسے زنگ لگا ہوا تھا۔ اٹھارہ مرتبہ امامؑ کی گردن پر وہ خنجر چلایا گیا اور امامؑ کا سر قلم کیا گیا اور امامؑ کی شہادت واقع ہوئی۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ

چھٹے معصومؑ

حضرت امام علیؑ ابن الحسین علیہ السلام

مشخصات

اسم مبارک	:	علیؑ
لقب	:	زین العابدینؑ، سید الساجدین وغیرہ
کنیت	:	ابو محمد
والد ماجد	:	حضرت امام حسین علیہ السلام
والدہ ماجدہ	:	حضرت شہربانو سلام اللہ علیہا
ولادت باسعادت	:	۱۵ جمادی الاول یا ۱۵ جمادی الثانی ۳۸ ہجری
ازواج	:	حضرت فاطمہؑ بنت امام حسنؑ
اولاد	:	گیارہ فرزند، چار دختر
شہادت	:	۲۵ محرم ۹۵ ہجری
عمر مبارک	:	۵۷ سال
قبر مطہر	:	جنت البقیع، مدینہ منورہ

سیرتِ حضرت امام علی ابن الحسین علیہ السلام

پنج تن پاک علیہم السلام کی سیرت پر گفتگو کے بعد آج سے چہاردہ معصومین علیہم السلام کی سیرت کے دوسرے حصے کا آغاز ہو رہا ہے اور اگر باقی ائمہ علیہم السلام کی سوانح اور باقی ائمہ علیہم السلام کے زمانے کے وہ حالات جن میں ہمارے ائمہ علیہم السلام نے صحیح دین کو پہنچانے کی کوشش کی تھی، کسی بھی طریقے سے ان حالات سے کم وقت نہیں چاہتے ہیں جو پنج تن پاک علیہم السلام کے زمانے میں تھا لیکن اب چوں کہ یہ سلسلہ بہت زیادہ طولانی ہو چکا ہے۔ اس لیے سوچا یہی گیا ہے اب بقیہ معصومین علیہم السلام کی سیرت پر صرف ایک ایک تقریر کی جائے اور آج ہماری گفتگو چوتھے امامؑ کے بارے میں ہے۔

ہمارے چوتھے امامؑ کہ جن کا نام اپنے دادا کے نام پر علیؑ تھا مشہور القاب زین العابدینؑ، سید الساجدینؑ اور سجادؑ تھے۔ مشہور کنیت اپنے بیٹے محمد باقر علیہ السلام کے نام پر ابو محمدؑ تھی۔ والد کا نام امام حسین علیہ السلام تھا اور والدہ کا نام حضرت شہر بانوؑ تھا۔

پندرہ جمادی الاول ۳۸ ہجری کو مدینہ منورہ میں اس دور میں پیدا ہوئے کہ جب مولائے کائنات علیہ السلام کی خلافتِ ظاہری کا دور چل رہا تھا اور روایات کے مطابق ۲۵ محرم ۹۵ ہجری کو ولید ابن عبدالملک کے زمانے میں اسی کے زہر دینے کی وجہ سے آپؑ کی شہادت واقع ہوئی اور اسی جنت البقیع میں مدفون ہوئے کہ جہاں پر حضرت امام حسن علیہ السلام کی قبر موجود ہے۔

چوتھے امامؑ کے بارے میں یہ ہے کہ اولاد کی تعداد پندرہ تھی جس میں گیارہ لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں۔ چوتھے امامؑ کے والد ماجدؑ کا تعارف اس سے پہلے کی تین تقاریر میں ہو چکا ہے۔ اب اس سے پہلے کہ ہم چوتھے امامؑ کے زمانے کے حالات اور چوتھے امامؑ کی سیرت پر گفتگو کا آغاز کریں تھوڑا سا تذکرہ چوتھے امامؑ کی والدہؑ کا، جن کا نام حضرت شہر بانوؑ ہے۔

روایات اس مقام پر تھوڑی مختلف ہیں کہ حضرت شہر بانوؑ کس دور میں مدینے لائی گئیں؟

اتنی بات تو بہر حال متفق علیہ ہے کہ حضرت شہر بانوؑ آخری ایرانی بادشاہ کی بیٹی تھیں۔ یہ دو بہنیں تھیں:

① گیہان بانوؑ ② شہر بانوؑ

یہ دونوں بہنیں گرفتار کر کے مدینے کی طرف بھیجی گئی تھیں۔ کچھ روایات کہتی ہیں کہ یہ واقعہ خلیفہ ثانی کے زمانے میں پیش آیا اور صحیح روایات یہ بتاتی ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام ہی کے زمانے میں جب ایران کے صوبے میں بغاوت ہوئی تھی تو مولائے کائنات علیہ السلام نے بغاوت کے خاتمہ کے لیے اپنی فوج کے سپاہ سالار کو بھیجا تھا۔ اس نے بغاوت کا خاتمہ کیا تھا اور اس کے بعد حضرت شہر بانوؑ اور حضرت گیہان بانوؑ کو گرفتار کر کے مدینہ منورہ کی طرف بھیجا گیا تھا۔

جس طرح گیارھویں امامؑ کی زوجہ حضرت نرجس خاتونؑ کے سلسلے میں روایات ہیں کہ ایک خواب کی حالت میں اِسلام لا چکی تھیں۔ حضرت شہر بانوؑ کے سلسلے کی بھی مشہور روایت یہی ہے کہ حضرت شہر بانوؑ بھی اگرچہ ایرانی بادشاہ کی بیٹی تھیں لیکن اسی دوران حالتِ خواب میں پیغمبرؐ اِسلام کی زیارت سے مشرف ہو چکی تھیں اور پیغمبرؐ اِسلام کے بعد حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی زیارت کو پا چکی تھیں اور حالتِ خواب ہی میں حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کے ہاتھ اِسلام قبول کر چکی تھیں اور خواب ہی میں ان کا عقد حضرت امام حسین علیہ السلام سے ہو چکا تھا۔

چناں چہ روایت کے مطابق جب وہ مدینے آئیں اور امیر المومنین علیہ السلام نے انھیں اختیار دیا کہ وہ اہل مدینہ میں سے جس کا چاہے انتخاب کریں اور جس کے ساتھ چاہیں زندگی گزاریں، حکومتِ وقت خود ان کا نکاح کرائے گی تو حضرت شہر بانوؑ نے پہچان کر فوراً حضرت امام حسینؑ کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور اس کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ زندگی گزارنے لگیں۔

حضرت گیہان بانوؑ جو اُن کی دوسری بہن تھیں، بعض روایات کے مطابق وہ حضرت امام حسن علیہ السلام کی زوجہ بنیں اور بعض روایات کے مطابق محمدؓ بن ابی بکر کی زوجہ بنیں۔

محمدؓ بن ابی بکر وہ ہستی ہیں کہ جن کے بارے میں مولائے کائنات علیہ السلام کا ارشاد ہے:

"محمدؓ میرا بیٹا ہے مگر ابوبکر کی صلب سے ہے۔"

حضرت گیہان بانوؓ کا نکاح محمدؓ ابن ابی بکر کے ساتھ ہوا تھا۔

روایات میں ہے کہ حضرت شہر بانوؓ کا انتقال اسی زمانے میں ہو گیا تھا جب چوتھے امامؑ کی عمر دس دن کی بھی نہیں تھی اور حضرت شہر بانوؓ انتقال کر گئی تھیں۔

اب تو یہ روایت پڑھنا لوگوں نے بالکل ختم کر دی ہے لیکن ایک زمانے میں یہ واقعہ بہت مشہور و معروف تھا کہ حضرت شہر بانوؓ کو واقعہ کربلا میں دکھایا جاتا تھا اور اب بھی کچھ مرثیے اور نوحے ہیں جن میں حضرت شہر بانوؓ کا تذکرہ آتا ہے کہ وہ کربلا میں موجود تھیں۔ لیکن تمام علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت شہر بانوؓ کربلا میں موجود نہیں تھیں اور ۳۸ ہجری میں ان کا انتقال ہو گیا تھا کہ جب چوتھے امامؑ کی عمر دس دن سے بھی کم تھی۔

حضرت شہر بانوؓ کے بارے میں ایک روایت بہت زیادہ مشہور تھی جہال کے درمیان ایک زمانے میں کہ واقعہ کربلا کے بعد امامؑ نے اپنی شہادت سے کچھ دیر پہلے حضرت شہر بانوؓ کو ایک اُونٹ پر بٹھا کر روانہ کر دیا تھا اور حضرت شہر بانوؓ کا اُونٹ ایران میں پہنچا تھا۔ وہاں ایک مقام ہے جہاں ایک پہاڑی ہے۔ اس پہاڑی کے قریب جب یہ اُونٹ گیا تھا تو پہاڑی شق ہوئی تھی اور حضرت شہر بانوؓ اپنے اُونٹ سمیت اس پہاڑی کے اندر چلی گئی تھیں اور ایک طویل عرصہ تک اس پہاڑی کو لوگوں نے زیارت گاہ بنائے رکھا تھا۔ لیکن اب بہرحال یہ بات ثابت ہے کہ ان کا انتقال تو پہلے ہی ہو چکا تھا اور حضرت شہر بانوؓ کے انتقال کے بعد چوتھے امامؑ نے ساری زندگی ایک کنیز کے ساتھ گزاری تھی۔

وہ کنیز حضرت شہر بانوؓ کے ساتھ ایران سے گرفتار کر کے لائی گئی تھی اور اسی کنیز سے منسلک وہ واقعہ ہے کہ اس کنیز نے چوتھے امامؑ کی اس وقت سے پرورش کی جب چوتھے امامؑ کی عمر مبارک دس دن سے کم تھی اور تمام زندگی چوتھے امامؑ نے اسی کے ساتھ گزاری اور گھر والوں نے ایک عجیب بات کا مشاہدہ کیا تھا کہ چوتھے امامؑ جب کبھی دسترخوان پر بیٹھتے تھے چوتھے امامؑ کی خاص الخواص عادت یہ تھی کہ بغیر مہمان کے ان کا دسترخوان نہ رہنے پائے جب

دوپہر اور شام کے کھانے کا وقت آتا تو ملازم رکھے گئے تھے جن کا کام یہ تھا کہ وہ تمام مدینے کی گلیوں اور بازاروں میں یہ اعلان کرتے ہوئے گھومیں پھریں کہ اے مدینے میں باہر سے آنے والے مسافرو! علیؑ ابن حسین علیہ السلام کا دسترخوان تمہارے لیے حاضر ہے۔

چناں چہ دس دس' پندرہ پندرہ ہزار افراد ایک وقت میں چوتھے امامؑ کے دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھایا کرتے تھے تو چوتھے امامؑ جو انتہائی کوشش یہ کرتے تھے کہ دسترخوان پر کوئی نہ کوئی مہمان ان کے ساتھ ضرور ہو۔

لیکن ایک عجیب واقعہ جس کا مشاہدہ کیا گیا تھا۔ وہ یہ تھا کہ چوتھے امامؑ ہر ایک کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھانے کے لیے تیار ہو جایا کرتے تھے۔ البتہ جب بھی وہ کنیز آتی تھی کہ جس کنیز نے چوتھے امامؑ کی انتہائی بچپنے سے پرورش کی تھی تو اس دسترخوان پر بیٹھ کر چوتھے امامؑ کبھی کھانا نہیں کھایا کرتے تھے۔

جب گھر والوں نے ایک مرتبہ یہ واقعہ دیکھا' دو مرتبہ دیکھا لیکن جب روزانہ کا طریقہ بن گیا کہ جس دن وہ کنیز دسترخوان پر آتی تھی اس دن چوتھے امامؑ دسترخوان پر نہیں بیٹھا کرتے تھے تو ایک دن گھر والوں نے سوال کیا: یا بن رسولؐ اللہ! یہ کتنی عجیب بات کا ہم مشاہدہ کر رہے ہیں کہ آپؑ ہر ایک کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے کو تیار ہیں لیکن اس کنیز کے ساتھ کہ جس نے پوری زندگی آپؑ کا خیال رکھا' اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے کو تیار نہیں؟

چوتھے امامؑ نے یہی جواب دیا تھا کہ میں اس کنیز کے ساتھ اس کے ادب' احترام اور مقام کی وجہ سے بیٹھ کر کھانا نہیں کھاتا۔ صرف اس لیے کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو روٹیوں میں سے کسی اور روٹی پر میری اس ماں کی نگاہ پڑ جائے اور اس سے پہلے کہ وہ اس روٹی کو اُٹھائے اور میرا ہاتھ آگے بڑھ جائے اور میں اس روٹی کو اُٹھا کر کھا لوں۔ میں ڈرتا ہوں کہ اس روٹی کی وجہ سے جس پر میری اس ماں کی نگاہ پڑ گئی ہو اور وہ جلدی میں مَیں نے اُٹھا لی ہو' اس کی وجہ سے میں خدا کے غضب کا نشانہ نہ بن جاؤں۔

یہ ماں نہیں تھیں' اصلی اور حقیقی ماں کا انتقال تو کم سنی میں ہو گیا تھا' یہ ماں نہیں ہیں بل کہ

ماں کے مقام پر آنے والی ایک کنیز ہیں جن کا اتنا احترام اور عزت چوتھے امامؑ بتا رہے ہیں تو پھر حقیقی ماں کا جس کا انسان سے خونی رشتہ ہے کیا مقام اور مرتبہ ہونا چاہیے؟

چوتھے امامؑ کی سیرت میں یہی دو باتیں ہمیں بہت نمایاں نظر آتی ہیں: ایک ماں کا مقام اور ایک باپ کا مقام۔

چوتھے امامؑ کی تمام زندگی ماں اور باپ کے مقام کو ہم تک پہنچانے میں گزر گئی۔ ایک تو وہ معروف واقعہ جو پانچویں امامؑ سے مروی ہے کہ جب مدینے والے میرے والد کے پاس آیا کرتے تھے تو میرے والد ہر مدینے والے سے گفتگو کیا کرتے تھے صرف ایک شخص سے گفتگو نہیں کیا کرتے تھے اور جب لوگوں نے مجھ سے سوال کیا تو میں نے ان کو بتایا کہ یہ وہ شخص ہے کہ ایک دن اپنے باپ کے ساتھ جا رہا تھا یہ جوان آدمی تھا' لہٰذا اس کا یہ حق تھا کہ اپنے بوڑھے باپ کو سہارا دیتے ہوئے لے جاتا لیکن جب یہ اپنے باپ کے ساتھ مدینے کی گلیوں اور بازاروں سے گزر رہا تھا تو اپنے باپ کے جسم پر اپنا تمام وزن ڈالے ہوئے' مذاق کرتے ہوئے جا رہا تھا۔

اگرچہ بوڑھا باپ جوان بیٹے کے بدن کو نہیں اُٹھا پا رہا تھا لیکن بیٹے سے کہتا تو کیا کہتا۔ جب میرے باباؑ نے یہ منظر دیکھا تو ایک مرتبہ میرے باباؑ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور انھوں نے مجھے دیکھ کر کہا کہ دیکھو اس جوان بیٹے کو کہ اس کا فرض تو یہ ہے کہ اپنے باپ کے بوجھ کو اُٹھائے نہ کہ اُلٹا اپنا بوجھ اپنے باپ پر ڈالے۔ جب کوئی بیٹا اپنے باپ کا اتنا نافرمان اور اپنے باپ کو اتنی مصیبت میں ڈالے ہوئے ہوتا ہے تو ہم گروہ اہل بیتؑ کبھی اس سے بات چیت نہیں کیا کرتے ہیں اور چوتھے امامؑ نے تمام زندگی اُس سے کبھی بات چیت نہیں کی۔

یہ تو عام والدین کا تذکرہ تھا لیکن چوتھے امامؑ کی تمام کی تمام زندگی ماں اور باپ کے حق کی معرفت کراتے ہوئے گزری ہے۔ اسی لیے تو واقعہ کربلا کے بعد بقیہ عمر چوتھے امامؑ نے اپنے باپؑ کے سلسلے کو جاری رکھا' صرف یہ جتانے کے لیے کہ دیکھو! والدین کا حق کیا ہے' والدین کا مقام کیا ہے' والدین کا مرتبہ کیا ہے۔

ٹھیک ہے!

چوتھے امامؑ کے والد امامِ معصومؑ تھے۔ انھوں نے ایک بلند مقصد کے لیے جان قربان کی اور چوتھے امامؑ کا فرض تھا اپنے باپؑ کے مقصد کو آگے بڑھانا۔ لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا جا رہا ہے کہ دیکھو! والدین کا یہ مقام اور مرتبہ ہوتا ہے کہ پینتیس (۳۵) سال اگر باپ کے انتقال کو گزر جائیں تو انسان کسی وقت بھی اپنے باپ کو فراموش نہ کرے اور کسی وقت بھی اپنے باپ کی یاد کو اپنے ذہن سے نہ مٹنے دے، ہر وقت اپنے باپ کا تذکرہ کرتا رہے۔ چوتھے امامؑ کی زندگی ابتدا سے انتہا تک ہمیں اپنے باپ کے تذکرے میں نظر آ رہی ہے۔

امامؑ نے اپنے باپؑ کے مقصد کو آگے بڑھایا، اپنے باپؑ کے مقصد کو زندہ رکھا اور اس کا آغاز واقعہ کربلا کے اندر شامِ غریباں سے ہوا۔

واقعہ کربلا ظاہری اعتبار سے اختتام تک پہنچا اور اب یہاں سے ذمہ داریاں حضرت زینب سلام اللہ علیہا اور چوتھے امامؑ کو منتقل ہوگئیں۔ حضرت زینب سلام اللہ علیہا اور چوتھے امامؑ نے ان ذمہ داریوں کو نبھایا اور تمام عمر ان ذمہ داریوں کو ادا کرتے رہے۔

اب کربلا سے کوفہ تک کیا ہوا اور کوفہ سے شام تک کیا ہوا؟

یہ تاریخ کا ایک انتہائی دردناک موضوع ہے اور بہت زیادہ تفصیل طلب موضوع ہے۔

بہرحال!

اتنا ذہن میں رکھتے ہوئے چلیں کہ کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک ایک مقام بھی ہمیں ایسا نظر نہیں آتا کہ جہاں امامؑ کو یا شہزادیؑ کو خطاب کا موقع ملا ہو اور امامؑ نے یا شہزادیؑ نے کسی ایک مقام پر لوگوں کے ذہنوں کو جھنجوڑا نہ ہو۔ ہر مقام پر حضرت زینبؑ، حضرت رقیہؑ بنت علیؑ، حضرت فاطمہؑ بنت علیؑ اور چوتھے امامؑ مسلسل لوگوں کو جھنجوڑتے ہوئے چلے۔ یہاں تک کہ یہ قافلہ شام میں پہنچ گیا اور شام کے اندر بھی باوجود یہ کہ یزید کے دربار میں پہنچے جب ایک ایک رسی سے بارہ بارہ قیدیوں کے گلے باندھ دیے گئے تھے، چوتھے امامؑ اور شہزادیؑ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے اہم ترین فریضے کو ادا کیا اور ہر ہر مقام پر چوتھے

امامؑ اپنا تعارف کراتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک اہم ترین واقعہ پیش آیا اور یہی اہم ترین واقعہ کربلا والوں کی رہائی کا سبب بنا۔

آپ محسوس کر رہے ہوں گے کہ کربلا سے شام تک کے واقعات جو بڑی اہمیت کے حامل ہیں ہم نے نظر انداز کر دیے۔ اس کی وجہ صرف وقت کی کمی ہے۔

بتانا صرف یہ تھا کہ چوتھے امامؑ شام کو ہلا کر آئے۔ جب ایک موقع آیا اور ہماری تاریخ کے اعتبار سے یہ ایک بہت اہم موقعہ ہے اس لیے کہ مشہور کچھ یوں ہو گیا ہے اور اس میں تھوڑی بہت حقیقت بھی ہے کہ اہل بیتؑ کس طریقے سے رہا ہوئے؟

یہ بڑا اہم سوال لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے کہ اہل بیتؑ کو آخر یزید نے کیوں رہا کیا تھا؟

اسی ایک واقعہ کی وجہ سے یزید کے حامی لوگ یہ دلیل لے کر آئے کہ یزید اگر پہلے مجرم بھی تھا تو بعد میں توبہ کر لی تھی' بعد میں اس نے معافی مانگ لی تھی اور تمام کے تمام اہل بیتؑ کو عزت و احترام کے ساتھ رہا کر دیا تھا۔ لیکن سبب یہ نہیں ہے کہ واقعہ آپ نے سنا ہوگا اور تاریخی اعتبار سے اس میں زیادہ حقیقت نہیں ہے کہ رات کو ہندہ نے دیکھا کہ میرا شوہر یزید رات کی تنہائیوں میں بیٹھ کر اپنی ڈاڑھی کو ہاتھ میں تھام کر روتا ہے اور کہتا ہے: جب بھی میں بستر پر لیٹتا ہوں خدا کا رسولؐ میری آنکھوں کے سامنے آتا ہے اور مجھ سے کہتا ہے: اے یزید! میرے بیٹے حسینؑ نے تیرا کیا بگاڑا تھا؟

اس طرح کے واقعات تاریخ میں ہیں۔ لیکن یہ واقعات اصل سبب نہیں ہیں بل کہ اصل سبب چوتھے امامؑ کا وہ خطبہ ہے جو چوتھے امامؑ نے دمشق کی جامع مسجد میں دیا تھا اور یہ خطبہ بھی آپؑ نے کثرت کے ساتھ سنا ہوگا۔ اس خطبے کی مناسبت سے صرف ایک بات آپ کو بتانا ہے جو ہماری بھی ذمہ داری ہے۔ آپ کی بھی ذمہ داری ہے اور چوتھے امامؑ کو ماننے والے ہر مومن کی ذمہ داری ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب دمشق کی جامع مسجد میں لوگوں کا اجتماع ہو گیا اور چوتھے امامؑ کو بھی بلا لیا گیا۔

کیوں؟

صرف اس لیے کہ آج یزید یہ چاہتا ہے کہ چوتھے امامؑ کے سامنے ایک مرتبہ ان کے بابا؟ کو ذلیل کرنے کی آخری کوشش کی جائے۔ چناں چہ ایک خطیب کو مقرر کیا گیا۔ چوتھے امامؑ مجلس میں آ کر بیٹھے اور خطیب منبر پر گیا اور تذکرہ شروع کر دیا کہ آج ہمارے لیے روز عید ہے اس لیے کہ خلیفۃ المسلمین نے ایک باغی کے خلاف فتح حاصل کی ہے اور اس باغی کو اس کے جرم کی سزا مل گئی ہے۔ اس کے بعد یزید کی تعریف اور امامؑ کی شان میں گستاخیاں شروع ہو گئیں۔

روایت میں ہے کہ چوتھے امامؑ نے ایک مرتبہ اس خطیب کو دیکھا اور دیکھنے کے بعد کہا:

اے خطیب! تُو نے مخلوق کو راضی رکھنے کے لیے اپنے خالق کی ناراضگی مول لی ہے۔

چوتھے امامؑ بھری محفل میں، دشمنوں کا مجمع ہے، یہاں سے وہاں تک شامی بھرے ہوئے ہیں، یہاں سے وہاں تک یزیدی بیٹھے ہیں لیکن جب خطیب نے غلط انداز سے اسلام کو پیش کیا تو چوتھے امامؑ اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے۔

اب ہماری تمام گفتگو کو سنتے ہوئے ایک چیز ذہن میں رہے کہ کبھی آپ اس شیطانی خیال میں نہ آئیں کہ وہ تو ایک امامؑ تھے وہ جو کچھ بھی کرتے کم تھا، بھلا ہم کیسے ان کی سیرت پر عمل کر سکتے ہیں۔

قرآن پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ ان کی سیرت تمہارے لیے اُسوۂ حسنہ ہے۔ ہماری ذمہ داری ہے ان کی سیرت پر عمل کرنا، یہ بہانا بنا کر ہم بچ نہیں سکتے۔

چوتھے امامؑ کی سیرت یہ ہے کہ اگر ایک ذاکر، ایک خطیب منبر رسولؐ پر جا کر غلط بیانی سے کام لے، منبر رسولؐ پر جا کر غلطی کرے، ایسی غلطی جو عقیدے کے خلاف ہو تو ایک مومن حقیقی کے لیے ضروری ہے کہ اگر وہ اس محفل میں بیٹھا ہے تو کھڑا ہو جائے اور کھڑا ہونے کے بعد اعلان کرے کہ تم نے غلط کہا ہے۔

یہ چوتھے امامؑ بتا رہے ہیں۔ اس حالت میں بتا رہے ہیں کہ گلے میں طوق ہے، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہیں، پاؤں میں بیڑیاں ہیں، ابھی تک پشت مبارک پر کوڑوں کے وہ نشانات ہیں

جو کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک راستے میں چوتھے امامؑ نے برداشت کیے تھے۔

روایت میں ہے کہ جس وقت دمشق کی جامع مسجد میں چوتھے امامؑ آئے تھے تو اس قید خانے میں ایک سال تک رہنے کی وجہ سے چوتھے امامؑ کے چہرے کی رنگت بدلنے لگی تھی اس لیے کہ دن بھر سورج کی گرمی کو برداشت کرتے کرتے اور رات کی اوس کو برداشت کرتے کرتے چوتھے امامؑ اتنے کمزور ہو گئے تھے۔ روایتوں میں ہے کہ اگر کبھی تیز ہوا چلتی تھی تو چوتھے امامؑ لڑکھڑا کر زمین پر گر جایا کرتے تھے۔

ان مصائب کے باوجود دشمنوں کے درمیان بیٹھے ہوئے ہیں اور سامنے تمام یزیدی' تمام شامی' دمشق کی جامع مسجد میں بیٹھے ہیں۔ لیکن وہاں بھی چوتھے امامؑ کھڑے ہو گئے اور اس خطیب کو ٹوکا۔ تو ہر مومن کا یہ فریضہ ہے کہ اگر کوئی خطیب' اگر کوئی ذاکر واقعات کو غلط انداز میں پیش کرے جیسا کہ آج کل یہ سلسلہ بہت عام ہوتا چلا جا رہا ہے' یہاں تک کہ اُصولوں کو پامال کیا جا رہا ہے۔

وہ واقعہ کربلا جس کے بارے میں چوتھے امامؑ فرماتے ہیں کہ واقعہ کربلا نماز کو قائم کرنے کے لیے پیش آیا۔

پانچویں امامؑ کی روایت آپ نے سنی ہو گی کہ چوتھے امامؑ رات کو ہزار ہزار رکعات نماز پڑھا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ چھٹے امامؑ کی روایت میں ہے کہ میرے بابا مجھ سے بیان کرتے ہیں کہ جب میں اپنے بابا کو یعنی چوتھے امامؑ کو عبادت کرتے ہوئے دیکھتا تھا تو میں گھبرا جاتا تھا اور ایک مرتبہ میں نے گھبرا کر کہا: بابا! آپؑ اللہ کی اتنی عبادت کرتے ہیں؟

میرے بابا نے مجھے حکم دیا: اے میرے بیٹے! جاؤ اور جا کر میرے جدؑ کی کتاب ''کتابِ علیؑ'' لے کر آؤ۔

''کتابِ علیؑ'' لائی گئی' کھولی گئی تو میرے بابا نے ایک نگاہ ڈالی اور ایک نگاہ ڈالتے ہی میرے بابا کانپ اُٹھے۔

کہا: اے میرے بیٹے! تو مجھ سے کہتا ہے کہ میں اتنی عبادت کرتا ہوں' ارے! میں کہاں

اور میرے دادا علی علیہ السلام کی عبادت کہاں۔ میں ان کے برابر عبادت کیسے انجام دے سکتا ہوں۔

یہ نماز کی شدت اور کیفیت ہے اور آج ایک خطیب منبر پر جا کر کہتا ہے: نماز کی ضرورت نہیں خالی رولو تو نمازیں معاف ہو جائیں گی' خالی آنسو بہالو تو نمازیں معاف ہو جائیں گی تو اس قسم کی بات اس لیے کی جاتی ہے کہ مجمع خوش ہو جاتا ہے' نعرے لگتے ہیں' لوگوں کو جنت سامنے نظر آتی ہے اور جب لوگ موجود ہوتے ہیں تو پڑھنے والا لوگوں کو خوش کرنے کے لیے سناتا ہے۔ چوتھے امامؑ نے بتا دیا کہ اے خطیب! تُو نے لوگوں کو خوش کرنے کے لیے اپنے خدا کو ناراض کر دیا۔

جب بیٹھنے والے کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس خطیب کو روکے' اگر کوئی مجلس کرانے والا ایسے ہی خطیب کو لا رہا ہے۔

امامؑ نے بتایا کہ دیکھو! غلط بیانی کرنے والا ایسا خطیب ہے تو (اس کی مجلس سے) اُٹھنے والا امامؑ کی سیرت پر عمل کرے گا اور ایسے خطیب کو لانے والا یزید کی سیرت پر عمل کرے گا کیوں کہ ایسے خطیب کو منبر پر یزید نے چڑھایا ہے۔

اب اس کے بعد جب وہ خطیب اُتر آیا تو دربار میں ایک آواز گونجی کہ اب دربار کے منبر پر امامؑ کو بھی گفتگو کا موقع دیا جائے۔ امامؑ منبر پر گئے اور جانے کے بعد امامؑ نے گفتگو شروع کی۔ پہلے اپنے باباؑ کا تعارف کرایا' اپنے داداؑ کا تعارف کرایا اور بتایا کہ میں کس کا بیٹا ہوں۔ امامؑ کا پورا ایک مرثیہ ہے اپنے باپؑ کے حالات پر کہ

> ''میں اس کا بیٹا ہوں جو تین دن کا بھوکا اور پیاسا ذبح کیا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں کہ جس کی گردن کو اس کے جسم سے جدا کیا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں کہ جس کا لاشہ تین دن تک خاکِ نینوئی پر تڑپتا رہا۔ میں اس کا بیٹا ہوں کہ جس پر آسمان کے پرندوں نے آنسو بہائے۔ میں اس کا بیٹا ہوں کہ جس کے غم میں جنگل کے جانور جنگلوں میں جا کر روتے رہے۔''

امامؑ نے ایک پورا مرثیہ اپنے باباؑ کا پڑھا تو روایت میں ہے کہ مسجد میں کہرام مچ گیا۔

یہاں تک کہ اذان کے ذریعے سے امامؑ کو خاموش کرایا گیا۔

یزید جیسا شخص بھی یہ جانتا ہے کہ امامؑ کو اتنا احترام شریعت ہے کہ اپنے باباؑ کا ماتم کر رہے ہیں لیکن اذان کی آواز آئے گی تو امامؑ اپنی گفتگو کے سلسلے کو منقطع کر دیں گے۔

امامؑ کی تو اتنی احتیاط اور امامؑ کے ماننے والوں کی یہ حالت کہ اذانوں پر اذانیں ہوتی رہتی ہیں' نمازوں پر نمازیں قضا ہوتی رہتی ہیں' کبھی ایک مرتبہ پلٹ کر بھی توجہ نہیں دی جاتی کہ امامؑ نے دربار یزید تک کے اندر کتنا اہم پیغام ہم تک پہنچایا تھا۔

روایت میں ہے کہ اذان کے ذریعے امامؑ کی گفتگو کے سلسلے کو منقطع کرایا گیا اور اس کے بعد یزید نے امامؑ کے قتل کی سازش کی۔ جلاد کو بلایا اور کہا کہ امامؑ کو اپنے ساتھ خیابان میں لے جاؤ اور وہاں جا کر امامؑ کو قتل کر دینا۔

یزید کا بیٹا خالد نقل کرتا ہے: جب جلاد امامؑ کو لے کر چلا تو میں بھی جلاد کے پیچھے چھپ کر چلا۔ جب میں پہنچا اس مقام پر کہ جہاں جلاد امامؑ کو لایا تھا تو میں نے دیکھا کہ جلاد نے چوتھے امامؑ کو رسّی کے ذریعے ایک درخت کے تنے کے ساتھ باندھ دیا اور زمین پر ایک قبر کھودنے لگا۔ قبر کو کھودنے کے بعد اس نے رسّی سے چوتھے امامؑ کو کھولا اور قبر کے قریب لایا۔ قبر کے قریب لا کر بٹھایا اور بٹھانے کے بعد یہ چاہا کہ تلوار سے امامؑ کی گردن کاٹ دے۔

یہ اس خطبہ کا نتیجہ ہے جو امامؑ نے دمشق کی جامع مسجد میں دیا۔

خالد ابن یزید کہتا ہے: اس وقت میں نے دیکھا کہ قبر سے کوئی ہاتھ برآمد ہوا اور ایک مرتبہ اس نے اس طرح سے جلاد کی گردن پر وار کیا کہ جلاد کی تڑپتی ہوئی لاش قبر کے اندر جا گری۔ میں بھاگا بھاگا اپنے باپ یزید کے پاس آیا اور اسے پورا واقعہ بتایا تو یزید نے حکم دیا: جلدی جلدی مٹی ڈال کر قبر کو برابر کر دو اور خبردار! کسی کو یہ بات پتا نہ چلنے پائے۔

یعنی اس خطبے کے بعد چوتھے امامؑ کو قتل کرنے کی سازش کی گئی' مگر خدا نے بچالیا۔

البتہ!

اس خطبہ کے نتیجے میں ہوا کیا؟

ہوا یہ کہ اہل شام کو پہلی مرتبہ یہ معرفت ہوئی کہ امامؑ کون تھے اور کن کو شہید کیا گیا۔ تو پہلی مرتبہ اہل شام کے جلوس نکلے۔ روایتیں یہ ہیں کہ شام میں جلسے ہوئے' شام میں جلوس نکلے۔ یہاں تک کہ لوگوں نے کئی مرتبہ آ کر یزید کے محل کا گھیراؤ کر لیا اور کہا: اے یزید! اب تمھیں آلِ رسولؐ کو رہا کرنا پڑے گا۔

جب یزید نے دیکھا کہ اب بغاوت کے آثار نظر آ رہے ہیں تو مجبور ہو کر اس وقت اس نے اہل بیتؑ کو رہا کیا اور اہل بیتؑ کو واپس مدینہ بھجوایا۔ یزید نے اپنی کسی ندامت اور پشیمانی کی وجہ سے رہا نہیں کیا بل کہ یزید نے صرف اپنے ملک کی عوام کی بغاوت کے خوف سے اہل بیتؑ کو رہا کیا۔

جب امامؑ چلے تو روایت میں ہے کہ چلتے چلتے امامؑ نے یزید سے کہا: اے یزید! ہمیں کچھ نہیں چاہیے' بس! دو یا تین چیزیں واپس کر دو۔

سب سے پہلے تو اپنے مظلوم بابا! کا سر مانگا کہ میرے بابا! کا سر واپس کر دو اور اس کے بعد حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا برقع' حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا چرخہ' حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی چادر۔ یہ چار چیزیں امامؑ نے طلب کیں۔

روایات بتاتی ہیں کہ چوتھے امامؑ اپنے باپ کے آخری حق کو ادا کرنے کے لیے اپنے مظلوم بابا! کا سر لے کر آئے اور کربلا میں بیس (۲۰) صفر کو پہنچے تو امامؑ کی قبر مبارک میں اس سر کو دفن کر دیا۔

البتہ!

روایات میں کچھ اور اختلافات بھی ہیں' چوں کہ ہماری گفتگو چوتھے امامؑ کے بارے میں ہے۔

کچھ روایات یہ بتاتی ہیں کہ جب سر امامؑ شام میں تھا تو ایک مومن حقیقی نے سر مبارک کو یزید سے چرا لیا تھا اور وہ بھی بڑا عجیب واقعہ ہے کہ یزید کے محل میں جانا اور اس طریقے سے چرا کر لے آنا۔ لیکن یہ اس کا ایمان تھا کہ وہ یزید کے محل میں گیا اور سر اطہر کو چرا کر لایا اور لا کر

نجف اشرف میں امیرالمومنین علیہ السلام کے سرہانے دفن کر دیا۔ اس لیے علمائے کرام نے اس چیز کو مستحب کہا ہے کہ نجف اشرف کے اندر بھی حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت اس مقام پر پڑھی جائے کہ جس کے بارے میں احتمال ہے کہ سر وہاں دفنایا گیا۔

تیسری روایت میں ہے اور یہ روایت اس شخص نے نقل کی ہے جو چوتھے امامؑ کے زمانے میں تھا اور یہ چوتھے امامؑ کے ایک صحابی طاؤس یمانی ہیں۔ یہ چوتھے امامؑ کے انتہائی قریبی ساتھی تھے۔ انھوں نے نقل کیا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ یہ منظر دیکھا کہ لوگ خانہ خدا کا طواف کر رہے ہیں ایک شخص طواف کرتا جاتا ہے اور روتا جاتا ہے اور روتے روتے کہتا جاتا ہے کہ خداوندا! میں جانتا ہوں کہ تو مجھے کبھی نہیں بخشے گا لیکن پھر بھی میں تجھ سے بخشش کی دعا کر رہا
ہوں۔ جب میں نے یہ عجیب و غریب جملہ سنا تو گھبرا کر اس سے سوال کیا: اے شخص! تو کس وجہ ١
سے کہہ رہا ہے کہ خدا تجھے نہیں بخشے گا؟

اس نے جواب دیا: میں ان چالیس آدمیوں میں سے تھا جو سر امامؑ کو کربلا سے شام لے کر آئے تھے اور جب یہ سر شام پہنچا تو یزید نے ایک کمرے میں اس سر کو رکھوا دیا اور ہم چالیس آدمیوں کو یہ حکم دیا کہ ہم لوگ اسی کمرے کے اندر رہیں اور اس سر کی حفاظت کریں۔ ایک رات میں سو رہا تھا کہ یکایک عجیب و غریب قسم کی آوازوں سے میری آنکھ کھل گئی اور آنکھ کھلتے ہی میں نے یہ منظر دیکھا کہ جیسے کمرے میں نور ہی نور پھیلا ہوا ہے۔ اس کے بعد ایک مرتبہ آواز آئی: اے آدمؑ! زمین پر اتر آ۔ میں نے دیکھا کہ ایک سواری آئی اور اس پر سے حضرت آدم علیہ السلام اترے۔

پھر آواز آئی: اے ابراہیمؑ! زمین پر اتر آؤ۔ میں نے دیکھا کہ ایک سواری آئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے اترے۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آنے کی آواز آئی۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کی آواز آئی اور اس کے بعد ہمارے پیغمبرؐ اسلام کے آنے کی آواز آئی۔ جب پیغمبرؐ اسلام اپنی سواری سے اترے تو سب سے پہلے اس مقام پر گئے جہاں ان کے نواسےؑ کا سر رکھا

تھا آپ نے سر امامؑ کو اپنی گود میں لیا اور روتے ہوئے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئے۔

کہا: اے آدمؑ! آپؑ دیکھئے کہ آپؑ کی نسل نے کس طریقے سے میرے نواسےؑ کو کربلا میں تین دن کا بھوکا پیاسا شہید کیا ہے۔

پھر اپنے نواسے کا سر لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے۔ ان کے سامنے اپنے نواسےؑ کا ماتم کیا۔ اس کے بعد ایک ایک پیغمبر کے پاس آئے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فارغ ہو چکے تو جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے۔ ان کی حالت یہ تھی کہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور یہ کہہ رہے تھے: یا رسولؐ اللہ! آپؐ حکم دیجیے ابھی زمین کو حکم دیتا ہوں' ابھی ساری زمین زلزلہ براندام ہو جائے گی۔

وہ شخص کہتا ہے: میں نے سنا کہ پیغمبرؐ اسلام نے منع کیا۔ لیکن جبرئیل علیہ السلام نے ہاتھوں کو جوڑ کر کہا: یا رسولؐ اللہ! آپؐ کوئی اور حکم دیں یا نہ دیں ایک اجازت ضرور دیجیے وہ یہ کہ یہ چالیس جو لوگ ہیں جو تمام راستے اس سر اقدس کو ہنسی اور مذاق کا نشانہ بناتے آئے۔ یا رسولؐ اللہ! مجھے کم از کم اتنی اجازت دیجیے کہ میں ان کو قتل کر دوں۔

روایت میں ہے کہ پیغمبرؐ اسلام نے اجازت دے دی۔

انتالیس (۳۹) آدمیوں پر بجلی گری' لیکن جب میری طرف بجلی بڑھی تو میں پیغمبرؐ اسلام کے دامن سے چمٹ گیا۔

کہا: یا رسولؐ اللہ! میری بخشش کرا دیجیے۔

پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا: تُو نے مجھ سے شفاعت چاہی میں دنیا کا عذاب تجھ سے برطرف کرتا ہوں لیکن آخرت کا عذاب تجھ پر ضرور ہو گا۔

اسی لیے میں خانۂ خدا میں کھڑا ہو کر یہ دعا مانگ رہا ہوں اور اس کے بعد میں نے دیکھا کہ پیغمبرؐ اسلام وہ سر لے کر آسمان کی طرف چلے گئے۔

علامہ محمد باقر مجلسی رحمۃ اللہ علیہ ان تین روایتوں کو لکھتے ہیں کہ یا یہ سر اقدس آسمانوں کی طرف چلا گیا یا نجف اشرف میں لا کر دفن کیا گیا یا چوتھے امامؑ اپنے ساتھ اس سر مقدس کو لے کر آئے

اور کربلا میں آ کر بابا کی قبر میں سرِ اقدس کو دفن کر دیا۔

اس کے بعد مدینے پہنچے۔ مدینے پہنچنے کے بعد امامؑ نے اہل مدینہ کے دو حصے کر دیے۔ تمام مرد امامؑ کے پاس آتے تو امامؑ اپنے بابا کا نوحہ کرتے۔ حضرت زینب سلام اللہ علیہا عورتوں کے لیے روزانہ ایک مجلس منعقد کرتیں۔

روایت میں ہے کہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا اپنے بھائی کا ذکر کیا کرتی تھیں۔ پہلی ذاکرہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا ہیں جو روزانہ مجلس حسینؑ کا انعقاد کرتیں۔ یہاں تک کہ حکومت وقت گھبرا گئی اور حضرت زینب سلام اللہ علیہا کو مدینہ بدر کر دیا گیا۔

روایت میں ہے کہ تین چار سال تک شہزادیؑ مختلف شہروں میں گھومتی رہی۔ لیکن کسی بھی مقام پر اطمینان سے رہنے نہیں دیا گیا۔ شہزادیؑ جہاں جاتی تھیں وہاں پہلا کام یہ کرتی تھیں کہ اپنے مظلوم بھائیؑ کی مجلس منعقد کیا کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ اس شہر سے نکالا جاتا تو دوسرے شہر میں جاتیں۔ یہاں تک کہ مصر میں پہنچیں اور پھر مصر سے ہو کر شام میں آئیں اور وہیں ان کی شہادت واقع ہوئی۔

دوسری طرف چوتھے امامؑ جو مردوں میں آہستہ آہستہ اپنے مظلوم بابا کا پیغام پہنچا رہے ہیں چناں چہ ۶۲ ہجری میں اہل مدینہ میں مسلسل دو سال تک تعلیمات دیں۔ چناں چہ ۶۲ ہجری میں مدینہ میں ایک انقلاب آیا۔ مدینہ والوں نے اپنا ایک وفد شام کی طرف بھیجا۔ جب واپس آیا تو واپس آ کر انھوں نے اہل مدینہ کو اطلاع دی کہ اے مدینے والو تم کسے اپنا خلیفہ مان رہے ہو؟ یزید تو دربار میں علی الاعلان شراب پیتا ہے، بندروں کو اپنے ساتھ بٹھاتا ہے، ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح کرتا ہے اور ہر حلالِ محمدؐ کو حرام اور ہر حرامِ محمدؐ کو حلال کرتا ہے۔ یہ سنتے ہی مدینے والوں میں جوش پیدا ہوا۔ انھوں نے یزید کے گورنر کو مدینے سے باہر نکال دیا۔ اس بات کی اطلاع یزید کو ملی تو یزید نے مسلم ابن عقبہ کو مدینہ بھیجا اور کہا کہ جاؤ مدینے پر حملہ کرو۔ مسلم ابن عقبہ نے مدینے پر حملہ کر دیا۔

روایات میں ہے کہ اتنا خون بہایا کہ مدینے والوں کا خون قبرِ رسولؐ تک پہنچ گیا۔ پھر

مسجد نبویؐ کی توہین کی گئی۔ اس کے بعد مسلم ابن عقبہ مدینے سے ہو کر مکہ کی طرف چلا' راستے میں فالج ہوا اور انتہائی اذیت ناک موت کا شکار ہو کر مر گیا۔

حُصین بن نُمیر نے سپاہ سالاری کو سنبھالا۔ مکہ پر حملہ کیا' خانہ کعبہ کی توہین کی گئی۔ اسے میں یزید کے جہنم واصل ہونے کی اطلاع ملی۔ ایک مرتبہ حُصین بن نُمیر گھبرا کر بھاگا' ایک مرتبہ بھاگتے بھاگتے مدینے کے قریب پہنچا تو اس نے یہ دیکھا کہ کوئی شخص آ رہا ہے جس کے ساتھ اُونٹوں کی ایک قطار ہے جس پر غلہ لدا ہوا ہے۔

حُصین بن نُمیر نے دیکھا تو کہا: اے شخص! کیا یہ غلہ ہمارے ہاتھ فروخت کرتا ہے؟

اس آنے والے نے کہا: نہیں! یہ غلہ فروخت کے لیے نہیں اگر بغیر قیمت لینا چاہتے ہو تو میں دے سکتا ہوں۔

اس نے کہا: ٹھیک ہے پھر مجھے غلہ بغیر قیمت کے دو۔

جب غلہ حوالے کیا گیا تو ایک مرتبہ حُصین بن نُمیر نے سوال کیا کہ اے شخص! تُو کون ہے؟

امامؑ نے اپنا تعارف کرایا' میں حسینؑ کا بیٹا علیؑ ہوں۔ یہ سنتے ہی حُصین بن نُمیر گھبرا گیا۔

کہا: مولاؑ! کیا آپؑ نے مجھے نہیں پہچانا؟

امامؑ نے کہا: اے حُصین بن نُمیر! میں نے تجھے فوراً پہچان لیا تھا لیکن کم زوروں اور ضعیفوں پر ہاتھ اُٹھانا ہم اہلِ بیتؑ کا شعار نہیں ہے۔ ہاں! اگر تُو اپنی پوری طاقت کے ساتھ آتا تو میں تیرا مقابلہ کرتا۔

اس وقت حُصین بن نُمیر نے کہا: آپؑ ہاتھ بڑھایئے میں آپؑ کی بیعت کرتا ہوں۔ میں چند دنوں میں آپؑ کو خلیفہ وقت بنا دوں گا۔

امامؑ نے کہا: تُو مجھے خلافت کا لالچ دے رہا ہے جب کہ میرے ہاتھ میں تمام کائنات کی حکومت و ملکیت ہے۔

بہر حال!

امامؑ نے اپنی تبلیغ کے لیے تین ذریعے اختیار کیے تھے۔ ان میں سب سے پہلا ذریعہ

اپنے مظلوم باپؑ کا ماتم تھا' تمام زندگی میرے مولاؑ اپنے بابا کو روتے رہے اور روتے روتے ہی اس دنیا سے رُخصت ہو گئے۔

معروف واقعات آپ نے سنے ہوں گے!

جب بھی چوتھے امامؑ مدینے کے بازار میں داخل ہوتے تھے تو قصاب اپنی دُکانوں پر پردے ڈال دیا کرتے تھے۔ اس لیے کہ اگر کبھی چوتھے امامؑ کی نگاہ کسی ذبح کیے ہوئے بکرے پر پڑ جاتی تو ایک مرتبہ چوتھے امامؑ آگے بڑھ کر یہی سوال کیا کرتے تھے: اے جانوروں کے فروخت کرنے والے! یہ تُو نے بکرا تو ذبح کیا ہے لیکن اتنا بتا دے کہ کیا تُو نے ذبح کرنے سے پہلے اسے پانی بھی پلایا تھا یا نہیں؟

قصاب عرض کرتا: مولاؑ! مسلمان ہوں سنتِ رسولؐ کا اتنا خیال تو رکھتا ہوں بھلا کبھی کسی جانور کو پانی پلائے بغیر بھی ذبح کیا جاتا ہے؟

امامؑ ایک مرتبہ کربلا کا رُخ کر کے سلام کرتے تھے:

اَلسَّلَامُ عَلَیکُم یَا اَبَا عَبدِاللّٰہ

بابا! آپؑ پر جوان بیٹے کا سلام۔ مدینے کے قصاب بھی جانور تک کو پیاسا ذبح نہیں کرتے لیکن ایک آپؑ تھے کہ تین دن کے بھوکے پیاسے میدانِ کربلا میں ذبح کیے گئے۔ تمام زندگی چوتھے امامؑ روتے رہے ایک لمحے کے لیے بھی رونے کا سلسلہ منقطع نہ ہوا۔ ایک طرف تو رونے کی یہ حالت اور دوسری طرف عبادت کا سلسلہ بھی چل رہا ہے۔

کس شان سے عبادت کا سلسلہ چلا ہے؟

جب چوتھے امامؑ کی کنیز سے کوئی سوال کرتا ہے کہ آپ ہمیں اتنا بتا دیں کہ ہمارے مولاؑ نے زندگی کس طرح گزاری؟

کنیز گھبرا کر سوال کرتی کہ مجھے اتنا بتاؤ کہ میں تفصیلی جواب دوں یا مختصر؟

سوال کرنے والوں نے کہا: مختصر طور پر بتائیں۔

وہ کنیز کہتی ہے: ۲۰، ۲۵ سال امامؑ کی خدمت میں گزر گئے۔ مجھے ایک ایسا دن یاد نہیں

کہ جب امامؑ کے لیے کھانا تیار کرنا پڑا ہو اس لیے کہ میرے مولاؑ نے تمام زندگی روزے کی حالت میں گزار دی، مجھے ایک ایسی رات یاد نہیں کہ جب اپنے مولاؑ کے لیے بستر بچھانا پڑا ہو، اس لیے کہ میرے مولاؑ تمام رات عبادتِ الٰہی میں گزار دیا کرتے تھے اور اتنی عبادت کرتے تھے کہ علیؑ کی بیٹی (جو چوتھے امامؑ کی پھوپھی ہیں) ایک مرتبہ وہ مولاؑ کی عبادت کو دیکھتے ہوئے گھبرا گئیں اور گھبرا کر جابر ابن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا: اے جابرؓ! تو میرے بھتیجے سید سجاد علیہ السلام کو سمجھا کہ اب ہمارے خاندان میں ایک ہی تو جوان رہ گیا ہے، جس سے نسل امامت کو آگے بڑھنا ہے، وہ اتنی عبادت کر رہا ہے کہ مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں وہ عبادت کرتے کرتے اس دنیا سے رُخصت نہ ہو جائے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ، مولاؑ کے پاس جاتے ہیں اور جانے کے بعد کہتے ہیں: یا بن رسول اللہؐ! جنت آپؑ کے دوستوں کے لیے، جہنم آپؑ کے دشمنوں کے لیے، پھر اتنی عبادت کا سبب کیا ہے؟

امامؑ نے فرمایا: اے جابرؓ! کیا تو نے میرے جد پیغمبرِ اسلامؐ کو نہیں دیکھا کہ وہ اتنا کھڑے رہا کرتے تھے کہ راتوں کو پاؤں سوج جاتے تھے اور یہاں تک خالقِ کائنات کو کہنا پڑا کہ اے میرے بندے! بس! اب اس سے زیادہ رات کو نہ کھڑا ہو۔ لوگوں نے میرے جدؐ سے کہا تھا: یا رسول اللہؐ! اللہ نے اتنی نعمتیں آپؐ کو دی ہیں پھر آپ اتنی عبادت کر رہے ہیں؟

میرے ناناؐ نے جواب دیا تھا: اے میرے صحابیو! جب اللہ نے مجھے اتنی نعمتیں دی ہیں تو کیا میرا یہ فرض نہیں ہے کہ میں اس کا شکر ادا کروں؟

ارے! یہ تو خدا کے شکر کا طریقہ ہے اور شکرِ الٰہی کا طریقہ یہی سجدہ ہے۔ اس لیے چوتھے امامؑ کا لقب ''سجادؑ'' پڑا۔

پانچویں امامؑ ارشاد فرماتے ہیں: میرے بابا کو ''سجادؑ'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ میرے بابا! جب کسی نعمت کو پاتے تھے تو فوراً شکرِ الٰہی بجا لانے کے لیے سجدے میں چلے جایا کرتے تھے، جب کوئی مصیبت اللہ ان سے دور کرتا تھا تو فوراً سجدہ کرتے تھے، جب دو مومنوں کے درمیان صلح کراتے تھے تو فوراً سجدہ کرتے تھے، جب قرآن کی کسی آیت کی تلاوت کرتے اور

سجدہ کا لفظ آتا تو میرے بابا سجدے میں گر جاتے تھے۔

امامؑ اتنی عبادت کیا کرتے تھے کہ زین العابدینؑ قرار پائے' سید الساجدینؑ قرار پائے۔

سید الساجدینؑ چوتھے امامؑ ہی کو بننا چاہیے تھا اس لیے کہ سجدہ کرنے والے اور ہوتے ہیں' سید الساجدینؑ اور ہوتے ہیں۔ گھر کے اندر' اہل وعیال کے ساتھ سجدہ کرنا بڑا آسان کام ہے۔ پیٹ بھی بھرا ہوا ہو' پیاس بھی بجھ چکی ہو' ننھے ننھے بچے آرام سے بستروں پر سوئے ہوئے ہوں' ایک طرف گھر والے چادر کو اوڑھے ہوئے محو خواب ہوں' آرام واطمینان کے ساتھ انسان سجدہ کرے تو وہ ساجد بن جاتا ہے۔ لیکن اگر تین دن کی بھوک اور پیاس کی حالت ہو' ننھے ننھے بچوں کے لاشے گھوڑوں کے سُموں تلے پامال ہوتے نظر آ رہے ہوں' مظلوم باپؑ کربلا کی تپتی ریت پر تیروں اور تلواروں کے وار کھائے ہوئے بے گور وکفن پڑا ہو' گھر والوں کے پاس چادر تک نہ ہو' رات آ چکی ہو' مدینہ گھر نہ ہو اور اس وقت کوئی اس بھوک پیاس اور پریشانی کے عالم میں کربلا کی ریت پر سجدے کے لیے اپنی پیشانی رکھے اور شکر الٰہی بجا لائے تو اس کا نام سید الساجدینؑ ہو جاتا ہے۔

زین العابدینؑ کس طرح سے بنے؟

روایت میں ہے کہ رات کی تاریکی میں میرے مولاؑ نماز پڑھ رہے تھے کہ اتنے میں شیطان آیا۔ شیطان نے سوچا کہ کسی طریقے سے امامؑ کو عبادت سے ہٹا دینا چاہیے۔ چناں چہ شیطان ایک سانپ کی شکل میں تبدیل ہوا' آگے بڑھا اور چوتھے امامؑ کے پاؤں کے انگوٹھے کو اپنے منھ سے ڈسنا شروع کیا۔ لیکن چوتھے امامؑ عبادت میں محو رہے' نماز میں مشغول رہے یہاں تک کہ نماز ختم ہوئی اور ایک لحہ کے لیے پتا نہ چلا کہ کون میرے قریب آیا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ انگوٹھے سے خون بہہ رہا ہے اور شیطان سانپ کی شکل میں اس کو چبا رہا ہے' امامؑ نے ایک مرتبہ ہاتھ مارا اور کہا دور ہو جا۔ اِدھر امامؑ یہ کہتے ہیں اور اُدھر آواز آتی ہے تین مرتبہ:

أَنْتَ زَيْنُ الْعَابِدِيْنَ

"آپؑ واقعی زین العابدینؑ ہیں۔"

اسی طرح پیغمبرِ اسلام سے منقول ہے کہ روزِ قیامت پورا میدانِ محشر لوگوں سے بھرا ہوگا ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام ہوں گے' چہاردہ معصومین علیہم السلام موجود ہوں گے۔ ایک مرتبہ آواز لگائی جائے گی:

اَینَ زَینُ العَابِدِینَ

"کہاں ہے زین العابدینؑ آگے آئیں۔"

اس وقت میری نسل میں سے میرے حسینؑ کا بیٹا آگے بڑھے گا اور میدانِ قیامت میں منادی آواز دے گا کہ بے شک یہی زین العابدین ہیں (صلواۃ)۔

ہمارا کردار اپنے مولاؑ کے کردار سے کتنا مختلف ہے اور ہمارا اندازِ زندگی مولاؑ کے اندازِ زندگی سے کتنا مختلف ہے۔ پوری زندگی میرے مولاؑ نے مظلومیت میں گزاری اور ہر وقت مظلومیت کا تذکرہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ میرے مولاؑ کا وقتِ آخر آیا' ولید ابن عبدالملک نے زہر دیا' زہر کے اثر سے تڑپتے ہوئے میرے مولاؑ نے دن رات گزارے۔ یہاں تک کہ وہی محرم کا مہینہ آ گیا کہ جب مولاؑ کی شہادت سے ۳۵ سال پہلے خاندانِ اہل بیتؑ پر مصیبت ڈھائی تھی اور آج میرے مولاؑ کی شہادت کا وقت قریب آ رہا ہے۔

سید سجاد علیہ السلام کا آخری وقت آیا اور مولاؑ نے اپنے بیٹے امام محمد باقر علیہ السلام کو بلایا اور بلا کر سینے سے لگایا اور ارشاد فرمایا: اے میرے بیٹے! میں دنیا سے جا رہا ہوں' جاتے جاتے تجھے ایک وصیت کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ خبردار! کبھی ایسے شخص پر ظلم نہ کرنا جس کی فریاد کو سننے والا سوائے خدا کے اور کوئی نہ ہو۔

ساتویں معصومؑ

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

مشخصات

اسم مبارک	:	محمدؑ
لقب	:	باقرؑ، شاکرؑ، ہادیؑ، امین
کنیت	:	ابو جعفر
والد ماجد	:	حضرت امام زین العابدین علیہ السلام
والدہ ماجدہ	:	امّ عبداللہؑ حضرت فاطمہؑ بنت امام حسنؑ
ولادت باسعادت	:	یکم رجب ۵۷ ہجری بروز جمعہ مدینہ منورہ
ازواج	:	دو
اولاد	:	سات
شہادت	:	۷ ذوالحجہ ۱۱۴ ہجری دوشنبہ
عمر مبارک	:	۵۷ سال
قبر مطہر	:	جنت البقیع

سیرتِ حضرت امامِ محمد باقر علیہ السلام

سیرت چہاردہ معصومین علیہم السلام کے سلسلے میں آج کی ہماری گفتگو حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے بارے میں ہے۔

گذشتہ تقریر میں ہماری بات چوتھے امامؑ کے حالات کے بارے میں ہو رہی تھی۔ چوتھے امامؑ تک تاریخ اس موڑ پر آ چکی تھی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت نے ایک مرتبہ منافقین کی تمام سازشوں کا خاتمہ کر دیا جو پیغمبرؐ اسلام کے ساتھ ان منافقین کی صحبت سے شروع ہوئیں اور ۶۰ ہجری تک اپنے تسلسل کے ساتھ باقی رہیں۔ ایک تواتر اور تسلسل کے ساتھ منافقوں کی یہ سازش آگے بڑھ رہی تھی اس کی بنیاد دو باتیں ہیں:

پہلی بات تو یہ تھی کہ اہل بیتؑ کے نام کو اسلام اور اسلامی تاریخ سے مٹا دیا جائے۔

دوسری بات یہ تھی کہ جس دین کو پیغمبرؐ اسلام لائے تھے اس دین کو اپنے ذاتی مقاصد کے تحت اپنی ذاتی مصلحتوں کے تحت تبدیل کیا جائے۔

یہی بنیادی فرق ہمیں اہل بیتؑ اور غیر اہل بیتؑ میں نظر آتا ہے۔ اہل بیتؑ نے بھی مسائل فقہ ہم تک پہنچائے اور اہل بیتؑ کے علاوہ دوسرے لوگوں نے بھی مسائل فقہ ہم تک پہنچائے۔ لیکن ان میں ایک بنیادی فرق آپ کو نظر آئے گا وہ یہ کہ اہل بیتؑ نے جب بھی کوئی مسئلہ فقہ کا بتایا اور امام پنجمؑ ہی کے زمانے میں فقہ کی اصل ترقی ہوئی اور وہ امامؑ جن کے بارے میں ہماری گفتگو آگے بڑھے گی اسی امامؑ نے سب سے زیادہ فقہ کو پھیلایا۔ اتنا پھیلایا، ہم تو ہیں ہی امامؑ کی فقہ کو ماننے والے۔ وہ لوگ کہ جو بظاہر امامؑ کی فقہ کو قبول نہیں کرتے بل کہ وہ دوسرے فقہا کی طرف رجوع کرتے ہیں ان کی بھی تمام فقہوں کی بنیاد امامؑ ہی کی ذات ہے۔

امامؑ نے جب فقہ کو آگے بڑھایا تو امامؑ کی ایک بنیادی حدیث ہمیں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ امامؑ نے فرمایا: دیکھو! جب میں تمھارے سامنے کسی چیز کو کہوں کہ یہ حلال ہے اور جب میں تمھارے سامنے کسی چیز کو کہوں کہ یہ حرام ہے تو فوراً مجھ سے سوال کرنا کہ قرآن میں کہاں

اس کو حلال کہا گیا ہے یا قرآن میں کہاں اسے حرام کہا گیا ہے۔

امامؑ ایک اصول بتا رہے ہیں۔ امامؑ ہمیں ایک بنیاد دے رہے ہیں کہ اگر میں امامِ زمانہؑ بھی تم سے کہوں کہ فلاں چیز حلال ہے یا فلاں حرام ہے تو فوراً یہ سوال کرو کہ قرآن میں کہاں ہے؟ امامؑ کا اصل مقصد یہ نہیں تھا کہ ان کے ماننے والے ان پر اعتراض کریں تو اسی روایت کا آخری جزو یہ تھا کہ تین چیزوں سے خدا جتنا ناراض ہوتا ہے اتنا کسی اور چیز سے نہیں ہوتا۔ ان میں پہلی چیز یہ کہ انسان اپنے مال کو فضول ضائع کرے۔

دوسری یہ کہ انسان بغیر کسی وجہ کے کسی عالم سے سوال کرے، اسے اس بات پر عمل نہیں کرنا ہے، اسے اس بات کی پابندی نہیں کرنا ہے، بس! بحث برائے بحث کے لیے عالم سے سوالات کرے۔

امامؑ نے بتایا، ایک طرف یہ کہا کہ قرآن سے حلال و حرام میرے ذریعے دریافت کرو۔ دوسری طرف یہ کہا کہ بلاوجہ کسی عالم کے پاس بیٹھ کر اس کا وقت برباد نہ کرو اور بے سبب و بغیر ضرورت کے اس سے سوال نہ کرو۔ امامؑ درحقیقت یہ بتا رہے ہیں کہ ہمارا قاعدہ یہ ہے کہ ہر حلال کو اور ہر حرام کو ہم قرآن سے نکالا کرتے ہیں۔

بہرحال!

اس سے پہلے کہ ہم تاریخ کی گفتگو کو چھیڑیں تھوڑا سا تذکرہ پانچویں امامؑ کا ہم کرتے ہیں۔

نام سے تو آپ واقف ہیں کہ پانچویں امامؑ کا نام وہی نام تھا جس کے بارے میں پیغمبرؐ اسلام نے حضرت جابر ابن عبداللہ انصاریؓ سے کہا تھا کہ جب حضرت جابرؓ پیغمبرؐ اسلام کی خدمت پہنچے، دیکھا کہ پیغمبرؐ اسلام اپنے چھوٹے نواسے حسینؑ کو پیار کر رہے ہیں۔ جابرؓ، پیغمبرؐ اسلام کے پاس گئے اور پیغمبرؐ اسلام نے کہا: اے جابرؓ! تو میرے نواسے حسینؑ کو دیکھ رہا ہے اس کا ایک پوتا ہوگا جس کا وہی نام ہوگا جو میرا نام ہے، اس کا کام وہی ہوگا جو میرا کام ہے، اس کی سیرت وہی ہوگی جو میری سیرت ہے اور اس کی چال ڈھال وہی ہوگی جو میرے چلنے کا طریقہ ہے۔ جب تیری ملاقات اس سے ہو تو اسے میرا اسلام پہنچانا۔ نام تو وہ نام

کہ جس کے بارے میں پیغمبرؐ اسلام پیشین گوئی کر گئے تھے کہ جو میرا نام ہے وہی اس امامؑ کا نام ہوگا یعنی محمدؐ۔

مشہور ترین القاب امامؑ کے تین ہیں:

① باقر ② شاکر ③ ہادی

باقر لقب کی علمائے کرام نے دو وجوہ لکھی ہیں ان میں سے ایک وجہ کا تعلق فقہ سے ہے اور دوسری وجہ کا تعلق عبادت سے ہے۔

امامؑ کا لقب باقر ہے۔ ایک تو اس لیے باقر کہ باقر العلوم یعنی علم کو پھیلانے والے علم کو تمام دنیا والوں کے سامنے ظاہر کرنے والے ایک چھپی ہوئی چیز کو ظاہر کرنے والے باقر العلوم یعنی وہ علوم جو پیغمبرؐ اسلام کے بعد آلؑ رسولؐ کے دروازے پر نہ جانے کی وجہ سے لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہو گئے تھے۔ امام باقر علیہ السلام ان علوم کو پھیلانے والے تھے۔

سبط ابن جوزی نے دوسرا سبب یہ لکھا ہے کہ امام باقر علیہ السلام اتنی کثرت سے سجدے کیا کرتے تھے اتنے سجدے کیا کرتے تھے ہمارے پانچویں امامؑ کہ سجدوں کی کثرت کی وجہ سے امامؑ کی پیشانی کشادہ ہو گئی تھی۔ امامؑ کی پیشانی مبارک پھیل گئی تھی اور عربی میں پھیلی ہوئی پیشانی والے کو باقر کہا جاتا ہے۔ امامؑ کا لقب باقر ان کی عبادت کی وجہ سے پڑا اور امامؑ کا لقب باقر ان کے علم کو پھیلانے کی وجہ سے پڑا۔

امامؑ کے دوسرے القاب شاکر اور ہادی ہیں۔

امامؑ کی ولادت یکم رجب ۵۷ ہجری بروز جمعہ مدینہ منورہ میں ہوئی اور سات ذوالحجہ ۱۱۴ ہجری کو مدینہ ہی میں امامؑ کی شہادت ہشام ملعون کے دیے ہوئے زہر کی وجہ سے ہوئی۔ جس کی تفصیل عن قریب بیان کی جائے گی۔

امامؑ کے والد چوتھے امامؑ تھے جن کی سیرت کے بارے میں ہماری گفتگو گذشتہ تقریر میں ہو چکی ہے اور امامؑ کی والدہ محترمہ امام حسن علیہ السلام کی صاحب زادی حضرت اُمّ عبداللہ فاطمہؑ بنت امام حسنؑ تھیں۔ فاطمہؑ ان کا نام تھا اور اُمّ عبداللہؑ ان کی کنیت تھی۔ ہمارے یہ

پانچویں امامؑ وہ ہستی ہیں کہ جن کے والد بھی امیرالمومنین علیہ السلام کی نسل سے تعلق رکھنے والے ہیں اور والدہ بھی امیرالمومنین علیہ السلام کی نسل سے تعلق رکھنے والی ہیں۔ امامؑ کے دادا بھی امام تھے یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام اور امامؑ کے نانا بھی امام تھے یعنی حضرت امام حسن علیہ السلام تو خدا نے دونوں بھائیوں سے نسل امامت کو چلایا۔

آج کل ایک اعتراض کیا جا رہا ہے کہ شیعہ حضرات امامت میں حضرت امام حسن علیہ السلام کو نہیں مانتے اور حضرت امام حسن علیہ السلام کا تذکرہ نہیں کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے جو امامت کا سلسلہ چلا ہے اس میں حضرت امام حسن علیہ السلام کی بیٹی ہے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کا بیٹا ہے اور انھی سے امامت کا سلسلہ آگے بڑھا ہے۔

حضرت فاطمہؑ امام حسن علیہ السلام کی بیٹی، چوتھے امامؑ کی زوجہ، پانچویں امامؑ کی والدہ۔

راوی کہتا ہے: ایک دن میں چھٹے امامؑ کے پاس بیٹھا تھا۔ بیٹھے بیٹھے چھٹے امامؑ نے کہا: اے میری محفل میں بیٹھنے والے! میں تجھے اپنی دادیؑ کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔ میری دادیؑ حضرت سیدہ زہرا سلام اللہ علیہا کے بعد اس اُمت میں سب سے بڑی صدیقہ ہیں۔ اس اُمت میں سب سے بڑی صابرہ ہیں۔ میری دادیؑ کا وہ مقام اور وہ مرتبہ ہے کہ ایک مرتبہ میری دادیؑ دیوار کے سائے میں بیٹھی تھی۔

یہ روایت پانچویں امامؑ سے بھی ہم تک پہنچی ہے کہ ایک دن میری والدۂ ماجدہؑ دیوار کے سائے میں بیٹھی تھیں، دھوپ انتہائی تیز تھی۔ اچانک تیز ہوا چلی اور دیوار ہلنے لگی۔ دیوار گرنے کے قریب ہوئی کہ میری والدہؑ نے دیوار پر ہاتھ رکھا اور کہا: اے دیوار! تجھے پیغمبرِؐ اسلام کے حق کی قسم! اسی حالت میں یہیں پر رُک جا، جب تک کہ میں یہاں سے نہ اُٹھ جاؤں۔

امام پنجمؑ یہ فرما رہے ہیں کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ دیوار ہوا میں معلق ہے اور دیوار زمین پر اس وقت تک نہ آئی جب تک کہ میری والدہؑ دیوار کے نیچے سے نکل کر دوسری طرف نہ گئیں۔ میری والدہؑ دیوار کے سائے سے نکل آئیں اور اس کے بعد دیوار زمین پر گری۔ جب چوتھے امامؑ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو چوتھے امامؑ نے صدقہ دیا۔ اب سنتِ امامؑ یہ قرار پائی کہ جب

کبھی تم کسی مصیبت سے بچو یا تمھارے گھر والے کسی آفت سے بچیں تو فوراً صدقہ نکالا کرو۔

دو کام سنتِ امامؑ ہیں جو ہمارے ذہنوں میں رہنا چاہئیں: ایک یہ کہ جب پریشانی نازل ہو تو منت مانو اور ایک یہ کہ جب پریشانی دور ہو جائے تو فوراً خدا کی راہ میں صدقہ دو۔

پہلی سنت سیدہ سلام اللہ علیہا اور امیر المومنین علیہ السلام نے قائم کی۔ ایک مرتبہ حضرت حسنینؑ بیمار ہوئے تو انھوں نے منت مانی کہ جب یہ صحت مند ہو جائیں گے تو ہم روزے رکھیں گے۔

دوسری سنت چوتھے امامؑ نے قائم کی کہ جب بھی گھر والے کسی مصیبت سے بچیں تو فوراً فرض یہ بنتا ہے کہ صدقہ دو اور فوراً راہِ خدا میں ہدیہ اور تحفہ دو۔

امام پنجمؑ کی سیرت میں یہ عادت نمایاں طور پر موجود ہے کہ امامؑ کثرت سے خیرات کیا کرتے تھے۔ یہاں تک لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں یاد نہیں کہ کبھی کسی سائل نے امامؑ کے دروازے پر جا کر سوال کیا ہو اور ایک مرتبہ بھی اسے بغیر کچھ دیے واپس پلٹایا گیا ہو۔ امامؑ کثرت سے صدقہ دیا کرتے تھے اور جمعہ کے دن امامؑ کے صدقہ میں اور بھی اضافہ ہو جاتا تھا۔

ایک مرتبہ لوگوں نے سوال کیا: مولاؑ! آپؑ جمعہ کے دن زیادہ صدقہ دیا کرتے ہیں' اس کا سبب کیا ہے؟

امامؑ نے جواب دیا: تمھیں نہیں معلوم کہ جمعہ کے دن ایک درہم صدقہ کرنے کا سات گنا زیادہ ثواب ملتا ہے تو میں جمعہ کے دن صدقہ کرتا ہوں تاکہ ثواب زیادہ ملے۔

دوسری امامؑ کی عادت یہ تھی کہ امامؑ اہلِ علم کو زیادہ صدقہ دیا کرتے تھے۔

کسی نے سوال کیا: یا ابن رسول اللہؐ! یہ کیا بات ہے آنے والے آپؑ کے پاس دونوں مومن آتے ہیں' آنے والے دونوں (ایک سے) ضرورت مند آتے ہیں' آنے والے دونوں (ایک سے) محتاج آتے ہیں۔ لیکن آپؑ ایک کو کم دیتے ہیں اور ایک کو زیادہ دیتے ہیں۔ اس کا کیا راز ہے؟

امامؑ نے جواب دیا: تمھیں نہیں معلوم کہ اگر ایک جاہل کو ایک ہزار درہم صدقہ دیے جائیں اور ایک عالم کو صرف ایک درہم دیا جائے تو اس عالم کو دیے گئے ایک درہم صدقہ کا

ثواب اللہ کے ہاں اس جاہل کو دیے گئے ستر (۷۰) ہزار درہم سے زیادہ ہے۔

بہرحال!

امامؑ کا اسم مبارک : محمدؑ

لقب : باقرؑ شاکرؑ ہادی

ولادت : یکم رجب ۵۷ ہجری

شہادت : سات ذوالحجہ ۱۱۴ ہجری

امامؑ نے اٹھارہ سال اپنی امامت میں گزارے ۳۵ سال اپنے والد کے ساتھ گزارے اور چار سال اپنے دادا کے ساتھ گزارے۔ امامؑ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

امامؑ کا زمانہ انتہائی نازک زمانہ تھا اس لیے کہ امامؑ کے زمانے میں اسلامی حکومت بہت وسیع ہو چکی تھی۔ تمام ایشیا اور تمام افریقہ حکومت اسلامیہ کے قبضہ میں آ چکا تھا۔ اس سے زیادہ وسیع حکومت مسلمانوں کے کسی بادشاہ کو نہیں ملی جتنی وسیع حکومت ۱۰۵ ہجری میں امامِ پنجمؑ کے دور میں ہمیں نظر آتی ہے۔ نئے نئے ملکوں کو فتح کرنے کے نتیجے میں مسلمانوں کو ایک فائدہ یہ حاصل ہوا کہ اسلام دور دور تک پھیلنے لگا۔ لیکن اس کے مقابلے میں نقصانات ہوئے اور اتنے بڑے بڑے نقصانات ہوئے کہ اگر اس امامِ پنجمؑ کی ذات موجود نہ ہوتی تو شاید آج اسلام ہماری آنکھوں کے سامنے موجود نہ ہوتا۔ اس لیے کہ جن جن ملکوں پر حملہ کیا گیا' ایک طرف خاندانِ بنواُمیہ کے دلوں میں دشمنی اہل بیتؑ اور خاندانِ بنواُمیہ کا ظلم وستم اپنے مقام پر تھا اور دوسری طرف وہ دوسرے ملکوں کو فتح کر رہے تھے اور تیسری طرف بیت المال کی دولت کو لوٹایا جا رہا تھا۔

آج چوں کہ خاندانِ بنواُمیہ کے بارے میں پوری تفصیل میں جانے کا وقت نہیں ہے اس لیے ہماری گفتگو جو چھٹے امامؑ کے بارے میں ہوگی اس میں خاندانِ بنواُمیہ کی تفصیل آپ کے سامنے آئے گی۔ پانچویں امامؑ کا سب سے پہلا ٹکراؤ ان علما سے ہوا جو عالم نہیں تھے بل کہ صرف اور صرف مالِ دنیا کو حاصل کرنے کی خاطر اپنے آپ کو عالم کے نام سے مشہور کر دیا تھا۔

روایت میں ہے کہ پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا: عالم اگر صحیح ہو جائے تو امت صحیح ہو جاتی ہے اور اگر عالم فاسد ہو جائے تو امت فاسد ہو جاتی ہے۔

ولید ابن عبدالملک پہلا حاکم اور اس کے بعد سلیمان ابن عبدالملک اس کے بعد عمر ابن عبدالعزیز' عمر ابن عبدالعزیز کے بعد ان کے بھائی تختِ خلافت پر بیٹھے۔ روایت میں ہے کہ انھوں نے انیس (۱۹) دن تک عمر ابن عبدالعزیز کے طریقے سے خلافت کی۔

عمر ابن عبدالعزیز کا طریقہ کیا ہے؟

ہمارے علما کہتے ہیں کہ پورے خاندانِ بنو اُمیہ میں صرف دو ہی شخص ایسے آئے ہیں کہ جن پر فخر کیا جا سکتا ہے: ایک یزید کا بیٹا معاویہ اور ایک عمر ابن عبدالعزیز۔ عمر ابن عبدالعزیز وہ شخص ہے کہ جب وہ مدینہ میں خلیفہ بننے کے بعد پہنچا تو اس نے پہلا کام یہ کیا کہ پانچویں امامؑ کو بلایا۔ پانچویں امامؑ کو بلانے کے بعد کہا کہ یابن رسولؐ اللہ! مجھے کوئی نصیحت کریں۔

امامؑ نے تین باتوں کی نصیحت کی کہ خبردار! کبھی ایسا نہ ہو کہ تم خوشی مناؤ۔ ایسی خوشی کہ جس میں تم جائز حقوق کو ختم کر ڈالو اور حرام کو حلال کر دو۔

دوسری نصیحت یہ کی کہ دیکھو! دنیا میں کبھی اتنے بے قابو نہ ہونا کہ تمھارے ذہن سے حلال وحرام کی تمیز ختم ہو جائے۔

عمر ابن عبدالعزیز بڑی مشکل سے (اس طرف) آیا تھا۔ امامؑ کو چاہیے تھا کہ اس کو کچھ نرم نرم باتیں کرتے' ذرا جنت کے جلوے دکھاتے' اسے اپنی طرف کھینچتے لیکن پہلے ہی امامؑ نے کہا کہ دیکھو! نہ اتنی خوشی میں آ جاؤ کہ حلال وحرام کو چھوڑ دو اور نہ اتنے غصّے میں آ جاؤ کہ حلال و حرام کو چھوڑ دو۔ اور (تیسری نصیحت یہ تھی کہ) خبردار! ایسا نہ ہو کہ تمھیں موقع ملے اور موقع ملتے ہی تم پہلا کام یہ کرو کہ غیروں کے مال کو اپنے قبضے میں لینے لگو۔

عمر ابن عبدالعزیز ایک ذہین انسان تھا۔ روایات میں ہے کہ جب اس نے امامؑ کا تیسرا فقرہ سنا کہ خبردار! جب تمھارے پاس طاقت آ جائے تو غیروں کے حق کو غصب نہ کرنا تو اس نے یہ سن کر فوراً کہا: یابن رسولؐ اللہ! میں ابھی آپؑ کو آپؑ کا حق واپس کرتا ہوں۔

یہ کہہ کر اس نے فوراً کاتب کو بلا کر حکم نامہ لکھوایا کہ باغ فدک جو اس سے پہلے کے زمانے میں غصب کیا گیا تھا امام پنجمؑ کو واپس کیا جائے۔

لوگوں نے کھڑے ہو کر کہا: یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ اگر آپ نے اس باغ کو واپس کیا تو آپ کو پتا ہے اس کے بعد کتنی بڑی خرابی آ جائے گی؟

عمر ابن عبدالعزیز نے کہا: نہیں! میں ایسا کر کے رہوں گا۔

یہ کہہ کر اس نے باغ فدک امام پنجمؑ کے حوالے کر دیا۔

اب ذرا دیکھیں!

امام پنجمؑ نے پہلی نصیحت خلیفہ کو کیا کی؟

پہلی نصیحت یہ کی کہ غیر کے حق کو غصب نہ کرو۔

خلیفہ مومن نہیں تھا غیر مومن تھا۔ یہاں تک کہ ہمارے علما کہتے ہیں کہ اس نے آلؑ رسولؐ پر دو بڑے احسانات کیے لیکن ان احسانات کے باوجود وہ سب سے بڑا گناہ گار تھا۔ اس لیے کہ اگر اس نے امام پنجمؑ کے حق کو واپس ہی کرنا تھا تو باغ فدک کو واپس نہ کرتا بلکہ تخت خلافت واپس کر دیتا۔

دیکھیے!

وہ غیر مومن ہے لیکن اس کے باوجود بھی اس کے دل میں اتنا ایمان موجود ہے کہ امامؑ کا حق اگر غصب کیا جائے تو میں برداشت نہیں کر سکتا۔ ایک غیر مومن میں تو اتنی حس موجود ہو اور ایک امامؑ کا ماننے والا اس کی یہ حالت ہے کہ اس پر خمس واجب ہو رہا ہے لیکن کبھی وہ اس طرف متوجہ ہی نہیں ہوتا کہ اس کو نکالا جائے۔

عمر ابن عبدالعزیز کا پہلا احسان آلؑ رسولؐ پر یہ مانا جاتا ہے کہ اس نے فدک کو لوٹایا اور دوسرا احسان اس نے یہ کیا کہ ننانوے سال سے جو امیر المومنین علیہ السلام پر سب و شتم کا سلسلہ جاری تھا' دو سال تک وہ سلسلہ رُک گیا۔ اس کے بعد روایات میں ہے کہ اس کا بھائی خلافت پر بیٹھا اور اس نے انیس (۱۹) دن تک عمر ابن عبدالعزیز کے طریقے پر حکومت کی۔ جب اُنیس

دن گزر گئے تو علما نے یہ دیکھا کہ اگر یہ اس طرح خلافت کرتا رہا تو ہماری روزی کا دروازہ تو بند ہو جائے گا اس وقت مسلمانوں کے چالیس مستند علما وفد بنا کر خلیفہ وقت کے پاس گئے اور جا کر کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ پیغمبرؐ اسلام کی روایت میں ہے کہ خلیفہ وقت سے روز قیامت کوئی حساب وکتاب نہیں کیا جائے گا۔

اس کے بعد یہی شخص جو انیس (۱۹) دن سے اس طریقے سے حکومت چلا رہا تھا جب اس نے یہ سنا تو اب وہ راستے سے ہٹا۔

اس وقت امامؑ اپنی سب سے بڑی ذمہ داری یہ سمجھ رہے تھے کہ اس قسم کے علما کا خاتمہ کیا جائے جو اپنے ذاتی مفاد کی خاطر شریعت کو تبدیل کر دیتے ہیں' جو اپنے ذاتی مفاد کی خاطر ظالم کی حمایت کرنے لگتے ہیں' جو اپنے ذاتی مفاد کی خاطر اگر دنیا کا دورہ کر کے آتے ہیں تو بدترین مملکت کے بارے میں یہ بیان دیتے ہیں کہ بہت فعال ہستی وہاں پر حکومت کر رہی ہے اور بڑے مذہبی کام وہاں انجام دیے جا رہے ہیں۔

امامؑ کی سب سے پہلی ذمہ داری یہ تھی کہ ان علما کے خلاف جہاد کریں اور اس وجہ سے امامؑ کا لقب باقر العلوم ہو گیا۔ امامؑ نے علم پھیلایا اور علم کو پھیلانا اس وقت تک ناممکن تھا جب تک ان نام نہاد علما کا خاتمہ نہ کیا جائے۔ اس لیے کہ اس وقت کثرت سے ملک میں پھیل گئے تھے' نئے نئے مسئلے سامنے آ رہے تھے۔ یونان کا فلسفہ اُونٹوں پر لد لد کر دمشق میں پہنچ رہا تھا اور عربی میں ترجمہ کیا جا رہا تھا' روم سے انگریزی (رومن) قانون کی کتابیں مسلمان ملکوں میں آ رہی تھیں' انگریزی (رومن) کتابوں کا عربی میں ترجمہ ہو رہا تھا۔ عرب اہل بیتؑ کے دَر کو چھوڑ دینے کی وجہ سے اس نہایت تھوڑے سے فلسفے اور قانون کے اندر پھنس چکے تھے۔

اب جب یونان کا فلسفہ آیا اور روم کا قانون آیا تو ان کی عقلیں دنگ رہ گئیں۔ یہ سیدھے راستے سے ہٹنے لگے اور یونان کے فلسفے نے عربوں کے سادہ ذہنوں کو غلط راستے پر لے جانا شروع کر دیا اور اسی مقام پر امامِ پنجمؑ کو آگے بڑھنا پڑا کہ نہیں! یونان کے فلسفے کا مقابلہ ہم کریں گے' روم کے قانون کا مقابلہ ہم کریں گے' یونانی فلسفے کے مقابلے میں اسلامی فلسفہ ہم

پیش کریں گے۔

امامؑ کا سب سے بڑا کام یہ تھا کہ یونان کے فلسفے کا خاتمہ کیا جائے اور روم کے انگریزی (رومن) قانون کو لوگوں کے ذہنوں سے کھرچ کھرچ کر نکالا جائے۔ لیکن اس کے لیے ان لوگوں کا مقابلہ کرنا ضروری تھا کہ جن کا علم جواب دے گیا' یونان کے فلسفے کے سامنے ان کا علم جواب دے گیا تھا' روم کے قانون کے سامنے ان کا علم جواب دے گیا تھا تو انھوں نے اپنے قیاسات کے ساتھ شریعت کے احکامات کو بیان کرنا شروع کر دیا۔ کتاب خدا کو ترک کر دیا' حدیث رسولؐ کو ترک کر دیا' اپنے قیاس کے ساتھ انھوں نے فتوے دینا شروع کر دیے۔

اس وقت لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ یونان کا فلسفہ آیا' روم کا قانون آیا۔ مراکش سے لے کر چین تک لوگ مسلمان ہو رہے ہیں' ان کے نئے نئے مسئلے ہمارے سامنے آئے' ان کی نئی نئی پریشانیاں ہمارے سامنے آئیں اور اب اس کا جواب ہمارے پاس موجود نہیں۔ جب ان لوگوں سے ان مسائل کا کوئی جواب نہ بنا تو انھوں نے شریعت کے مسائل کو قیاس سے حل کرنا شروع کر دیا۔

قیاس کے معنی ہیں اپنی عقل سے شریعت کے مسئلے میں فتویٰ دے دینا۔ یہ بہت ہی خطرناک چیز ہے جو امام پنجمؑ کے زمانے میں پیدا ہوئی۔ لیکن امامؑ نے اس کا بھرپور مقابلہ کیا۔

بہرحال!

امامؑ کا دور وہ دور تھا کہ جس میں علم کی کمی کی وجہ سے لوگوں نے اپنے قیاس اور اپنی مرضی سے شریعت کے مسائل میں فتوے دینا شروع کر دیے۔ ان میں خاص طور پر برادران کے بہت بڑے امام کا نام سرفہرست ہے چوں کہ علامہ شبلی نعمانی نے اپنی کتاب ''علم الکلام اور کلام'' میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

وہ ایک مرتبہ پانچویں امامؑ کے پاس آئے اور آپؑ نے دیکھا تو کہا: اے شخص! تم کس طرح سے فتویٰ دیا کرتے ہو؟

اس نے جواب دیا: یا بن رسول اللہ! میں سب سے پہلے کتاب خدا میں مسئلے کو دیکھتا

ہوں۔ اگر مسئلہ کتابِ خدا میں مل گیا تو اس کے مطابق فتویٰ دیتا ہوں۔

امامؑ نے فرمایا: اگر کتابِ خدا میں تمھیں وہ مسئلہ نہ ملے تو تم کیا کرتے ہو؟

اس نے کہا: پھر میں سنتِ رسولؐ کو دیکھتا ہوں۔

امامؑ نے فرمایا: اگر سنتِ رسولؐ کے اندر بھی تمھارے اس مسئلے کا حل نہ ہو تو پھر تم کیا کرتے ہو؟

اس نے کہا: پھر میں اپنی عقل سے کام لے کر قیاس کیا کرتا ہوں۔

امامؑ نے فرمایا: اگر تم قیاس کرتے ہو تو مجھے اتنا بتاؤ کہ تمھاری نگاہ میں قتل بڑا گناہ ہے یا زنا بڑا گناہ ہے؟

اس نے کہا: یا بن رسولؐ اللہ! قتل بڑا گناہ ہے۔

امامؑ نے فرمایا: اگر قتل بڑا گناہ ہے تو پھر کیا سبب ہے کہ شریعت نے یہ حکم دیا کہ قتل کے لیے دو گواہ کافی ہیں اور زنا کے لیے کم از کم چار گواہ طلب کیے جائیں۔ جب کہ ظاہری عقل یہ کہتی ہے کہ جو گناہ بڑا ہے اس کے گواہ بھی زیادہ ہوں۔

اس نے سر کو جھکا لیا۔

پھر امامؑ نے فرمایا: اچھا! تم یہ بتاؤ کہ تمھارے نزدیک نماز کی اہمیت زیادہ ہے یا روزے کی اہمیت زیادہ ہے؟

اس نے کہا: نماز کا مرتبہ روزے سے کئی گنا زیادہ ہے۔

آپؑ نے فرمایا: اگر نماز کا مقام و مرتبہ روزے سے زیادہ ہے تو پھر مجھے یہ بتاؤ کہ شریعت نے یہ حکم کیوں لگایا ہے کہ جب عورت اپنی ماہانہ نجاست سے پاک ہو جائے تو روزوں کی قضا کرنا تو واجب اور نماز کی قضا کرنا اس کے لیے معاف ہے۔

اس نے ایک مرتبہ پھر سر جھکا لیا۔

کہا: یا بن رسولؐ اللہ! میرے پاس اس مسئلے کا کوئی حل نہیں ہے۔

امامؑ نے فرمایا: مجھے تو صرف اتنا بتا کہ تیری نگاہ میں عورت زیادہ کم زور ہے یا مرد زیادہ کم زور ہے؟

اس نے کہا: مولاؑ! عورت زیادہ کم زور ہے اور مرد زیادہ طاقت ور ہے۔

امامؑ نے فرمایا: تم یہ بتاؤ پھر شریعت نے یہ حکم کیوں لگایا کہ عورت کو میراث میں آدھا حصّہ ملے اور مرد کو میراث میں دوگنا حصّہ ملے جب کہ ظاہری عقل تو یہ کہتی ہے کہ جو کم زور ہو اسے زیادہ حصّہ ملنا چاہیے اور جو طاقت ور ہو اسے زیادہ حصّہ ملنا چاہیے۔

اس نے سر کو جھکا کر کہا: یا بن رسولؐ اللہ! مجھے اس مسئلے کا جواب بھی معلوم نہیں۔

امامؑ نے فرمایا: مجھے اتنا بتاؤ کہ منی کی نجاست زیادہ ہے یا پیشاب کی نجاست زیادہ ہے؟

اس نے جواب دیا: یا بن رسولؐ اللہ! پیشاب کی نجاست منی سے کئی گناہ زیادہ ہے۔

امامؑ نے فرمایا: تم یہ بتاؤ کہ شریعت نے پیشاب کے لیے تو یہ حکم رکھا کہ پیشاب کے مقام کو پانی سے صاف کر لیا جائے جب کہ منی کے لیے حکم یہ رکھا کہ تمام جسم کو غسل دیا جائے۔

اس نے پھر سر کو جھکا لیا۔

کہا: یا بن رسولؐ اللہ! مجھے اس مسئلے کا جواب بھی نہیں آتا۔

اس قسم کا شخص کہ جس کے پاس کسی مسئلے کا جواب بھی نہیں تھا اس نے اس کے باوجود بھی کہا کہ ہم اپنی عقل استعمال کریں گے۔

امامؑ نے بعد میں اس کی تشریح کی۔

امامؑ نے فرمایا: اے شخص! سنو! ظاہری اعتبار سے انسان کی عقل یہ کہتی ہے کہ قتل بڑا گناہ ہے اور زنا چھوٹا گناہ ہے۔ پھر قتل میں دو گواہ اور زنا میں چار گواہ کیوں ہیں؟ اس لیے کہ قتل میں ایک آدمی مجرم ہے جس نے قتل کیا ہے اس کے جرم کو ثابت کرنا ہے اس لیے دو گواہ کافی ہیں اور زنا میں دو آدمی مجرم ہوتے ہیں ایک زنا کرنے والا اور دوسرا جس کے ساتھ زنا کیا جائے۔ یہاں دونوں آدمیوں کے جرم کو ثابت کرنا ہے اس لیے چار گواہوں کی ضرورت ہے۔

اے شخص! سن! اگرچہ شریعت میں روزے کی اہمیت سے نماز کی اہمیت زیادہ ہے لیکن ایک عورت کے لیے روزے کی قضا کرنا آسان ہے اور نماز کی قضا کرنا مشکل ہے۔ اس اعتبار سے شریعت نے نماز کی قضا معاف رکھی ہے اور روزے کی قضا باقی رکھی ہے۔

اے شخص! سن' جہاں تک میراث کا مسئلہ ہے تو ظاہری اعتبار سے عورت کم زور ہے اور مرد طاقت ور ہے تو عورت کو دوگنا حصہ ملنا چاہیے اور مرد کو آدھا حصہ ملنا چاہیے۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے اس لیے کہ حقیقی اعتبار سے عورت کی کوئی مالی ذمہ داری نہیں ہے۔ عورت کو خرچ لینا ہے لیکن خرچ دینا نہیں۔ مرد پر بیوی کا نان ونفقہ ہے' اس کے بچوں کا نان ونفقہ ہے اس پر دوسروں کا نان ونفقہ ہے اور عورت پر کسی کا نان ونفقہ واجب نہیں۔ اس اعتبار سے شریعت نے اسے آدھا حصہ دلوایا اور مرد کو دوگنا حصہ دلوایا۔

سن! منی اور پیشاب میں یقیناً پیشاب کی نجاست زیادہ ہے اور منی میں کم ہے۔ پیشاب دن میں کئی مرتبہ انسان کو کرنا پڑتا ہے اور منی مہینے میں دو' تین یا دس بارہ دفعہ سے زیادہ نہیں خارج ہوسکتی۔ اس لیے اگر خدا ہر مرتبہ پیشاب کے بعد غسل واجب قرار دے دیتا تو انسانوں کے لیے اس پر عمل کرنا انتہائی مشکل ہو جاتا۔ سارا دن سوائے نہانے کے اور کوئی کام نہ ہو پاتا۔ دوسرا پیشاب جو ہے وہ صرف اپنے مقام سے برآمد ہوتا ہے لیکن منی پورے بدن کا نچوڑ ہوتا ہے اس لیے منی کے لیے پورے جسم کا غسل کرنا ضروری قرار دیا گیا۔

اس طرح امام محمد باقر علیہ السلام نے علوم محمدؐ وآلِ محمدؐ کو پھیلایا۔

بہرحال!

امامؑ ایک طرف اسلام کے اندر داخل ہونے والے دوسرے نظریات کا مقابلہ کر رہے تھے۔ یونان کا فلسفہ آئے گا تو مقابلہ امامؑ کریں گے' روم کا قانون آئے گا تو مقابلہ امامؑ کریں گے' لوگوں کے ذہنوں میں علم کلام کے مسئلے پیدا ہوں گے تو مقابلہ امامؑ کریں گے' معتزلہ اپنے اعتراضات لائیں گے تو مقابلہ امامؑ کریں گے' خارجی لوگ امامؑ کے پیچھے پڑیں گے تو جواب

امامؑ دیں گے۔

ایک طرف تو امامؑ اتنی زحمتیں برداشت کر رہے تھے لیکن اس کے ساتھ امامؑ کو سب سے بڑی فکر یہ تھی کہ ایسا نہ ہو کہ میرے ماننے والے ایسا نہ ہو کہ میرے شیعہ جو ہیں وہ سیرت امامؑ کو بھلا بیٹھیں۔ اس لیے امامؑ نے ہر مقام پر اپنے شیعوں کو ٹوکا' ہر مقام پر اپنے ماننے والوں کو متنبہ کیا کہ خبردار! ہمارا شیعہ بننے کا مطلب یہ نہیں کہ جہنم تم پر حرام ہے بلکہ تمھارے لیے ضروری ہے کہ عمل کرو اور تمام زندگی امامؑ نے یہی پیغام ہمیں دیا۔

کسی نے امامؑ سے پوچھا: یا بن رسولؐ اللہ! جنتی کی نشانی کیا ہے اور جہنمی کی نشانی کیا ہے؟

امامؑ نے فرمایا: چار باتوں کو دل میں رکھنا یہ جنتی کی نشانی ہے اور چار باتوں سے رُوگردانی کرنا یہ جہنمی کی نشانی ہے۔

سب سے پہلی چیز یہ کہ اللہ سے حُسنِ ظن رکھنا چاہیے یعنی ہمیشہ یہ یقین رکھنا چاہیے کہ اگر خدا کی طرف سے کوئی بیماری آ گئی تو اس میں ہمارے لیے کوئی فائدہ ہوگا' خدا کی طرف سے اگر ہماری ملازمت چھوٹ گئی ہے تو اس میں ہمارا کوئی فائدہ ہوگا' رشتہ دار ہم سے ناراض ہو گئے ہیں تو اس میں ہمارا کوئی فائدہ ہوگا۔ اس لیے خدا پر ہمیشہ حُسنِ ظن رکھنا چاہیے اس لیے کہ خدا کبھی اپنے بندے پر بلاوجہ کوئی مصیبت نازل نہیں کرتا۔ اگر کرتا ہے تو اس میں بندے کی کوئی بہتری ہوتی ہے۔

دوسری بات یہ کہ خدا کی رحمت سے اُمید رکھنا' یہ جنتی کی نشانی ہے کہ بڑے سے بڑا گناہ کر کے آ جائے گا لیکن صرف یہی خیال ہوگا کہ خدا بڑا غفور و رحیم ہے اس کی رحمت بڑی وسیع ہے اس لیے وہ ہمیں معاف کر دے گا تو خدا کی رحمت کا خیال دل میں رکھنا۔

تیسری بات یہ کہ کسی مومن کی اُس کی غیر موجودگی میں کبھی برائی نہ کرنا۔

چوتھی بات یہ ہے کہ مومن کے حقوق کو ادا کرنا' یہ جنتی کی نشانی ہے۔

جہنمی کی نشانی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ سے سوئے ظن رکھے گا۔ جب کوئی مصیبت آئے گی

تو وہ کہے گا: یا اللہ! دوسروں کو تو تُو بہت کچھ دے رہا ہے اور ساری مصیبتیں میرے گھر پر نازل کر رہا ہے تو جب بھی کوئی مصیبت آئے گی تو ہمیشہ خدا کے بارے میں سوئے ظن رکھے گا۔

جہنمی کی دوسری نشانی خدا کی رحمت سے مایوس ہونا۔

تیسری بات جہنمی میں یہ ہے کہ جہاں بیٹھے گا وہاں مومن کی غیر موجودگی میں اس کی برائی کرے گا۔

چوتھی بات یہ کہ وہ کسی مومن کا حق ادا نہیں کرے گا۔

ایک عام مومن کے حق کو ادا کرنے والا جنتی اور ایک عام مومن کے حق کو ادا نہ کرنے والا جہنمی تو اگر ایک نائب امامؑ کی قیادت ہو جائے تو اس کے حق کو ادا کرنے کا مقام اور اس کے حق کو ادا نہ کرنے کی وجہ سے ہمارا مقام کیا ہونا چاہیے۔ یہ حقیقت ہمارے ذہنوں میں بیٹھ جانی چاہیے۔

آج ہماری بات اس مقام پر پہنچی کہ پانچویں امامؑ نے جب یہ دیکھا کہ عقیدے کو گم راہ کرنے والے عقیدے کو بگاڑنے والے غلط نظریات مسلمانوں میں آ رہے ہیں تو امامؑ نے ان تمام چیزوں کا مقابلہ کیا۔

بہر حال!

ولید ابن عبد الملک جو انتہائی ظالم بادشاہ تھا اس کے ظلم کی انتہا اس کا بھائی سلیمان بتاتا ہے۔

جب ولید ابن عبد الملک کا انتقال ہو گیا اور اس کا بھائی سلیمان ابن عبد الملک تخت پر بیٹھا تو لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تمھارے بھائی کی کیا حالت تھی؟

اس نے کہا: تم مجھ سے میرے بھائی کے بارے میں پوچھتے ہو ارے! میرا بھائی تو وہ تھا جو میرے ساتھ فعل حرام کرنا چاہتا تھا اور اس نے میرے اوپر حملہ کر دیا تھا۔

یہ بھائی اپنے سگے بھائی کے بارے میں تخت خلافت پر بیٹھ کر کہہ رہا ہے کہ وہ اس قسم کا آدمی تھا تو جن کا کردار اس قسم کا ہو اور وہ خلیفۃ المسلمین بھی کہلائیں اور ظل الٰہی بھی کہلائیں۔

جو خلیفے اپنے خاندان والوں کے لیے اتنے بدترین کردار کے حامل ہوں انھوں نے اہل بیتؑ پر کیا کیا مظالم نہ ڈھائے ہوں گے۔

اس کی تفصیل اِن شاء اللہ آئندہ آئے گی!

پانچویں امامؑ کی پوری کوشش یہ تھی کہ اس دور میں علم کو اتنا پھیلا دیا جائے کہ اس کے بعد گم راہی کا نام ونشان باقی نہ رہے۔اس کے ساتھ ہی آج کی ہماری گفتگو اختتام کو پہنچی (اللہ حافظ)۔

.......✱.......

سیرت حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

آج کی ہماری گفتگو پانچویں امامؑ کے بارے میں ہوگی۔ لیکن آج کی جو گفتگو ہے وہ بظاہر آپ کو امامؑ کی سیرت سے زیادہ اس زمانے کے سیاسی حالات کے متعلق محسوس ہوگی۔ جیسا کہ اس سے پہلے بھی ہم بتا چکے ہیں کہ ہمارے ائمہؑ کی سیرت کو اس وقت تک صحیح طور پر نہیں سمجھا جا سکتا جب تک کہ ان حالات و واقعات کا مشاہدہ نہ کیا جائے، جن حالات کے تحت ائمہؑ نے زندگی گزاری۔

اس لیے کہ ہمارے تمام ائمہؑ کی زندگیاں اس مربوط سلسلے سے چل رہی ہیں اور بعض اوقات تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے خاص منصوبہ بندی کے ساتھ ہر امامؑ کو خدا نے ایک خاص وقت پر ایک خاص مقصد کے تحت نازل کیا تھا۔

اس اعتبار سے کہ سازشوں کا وہ سلسلہ جو پیغمبرؐ اسلام کی بعثت کے فوراً بعد شروع ہو گیا تھا۔ منافقین عرب، منافقین مکہ پیغمبر اسلامؐ کے دور میں تو اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت کی وجہ سے اپنے آپ کو بالکل مجبور پا کر ظاہری طور پر اپنے اسلام کا اعلان کر چکے تھے۔

لیکن موقع کے منتظر تھے اور پہلے ہی سے مکمل تیاری کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ پیغمبرؐ اسلام کی آنکھیں بند ہوں، ہم پیغمبرؐ اسلام کو تو ختم نہ کر سکے، لیکن پیغمبرؐ اسلام کے مقصد کا خاتمہ کر دیں۔ اس لیے بعض روایات میں تو یہاں تک ہے کہ جب انھوں نے یہ دیکھا کہ پیغمبرؐ اسلام مسلسل اسی کوشش میں لگے ہیں کہ اپنے بعد اسلام کی اور اپنے مقصد کی حفاظت کے لیے اہل بیتؑ کے سلسلے کو قائم کر جائیں، انھوں نے پیغمبرؐ اسلام پر بھی وہی حربہ آزمایا جو پیغمبرؐ اسلام کے بعد ائمہؑ پر آزمایا گیا۔

صحیح بخاری کی وہ روایت جو اس سے پہلے پیغمبرؐ اکرم کے حالات کی تقریر میں آ چکی ہے کہ پیغمبرؐ اسلام کو بھی زہر دے کر شہید کر دیا گیا۔ پیغمبرؐ اسلام کی شہادت ہوئی اور اس کے بعد منافقین نے اپنی سازشوں کا آغاز کیا اور مسلسل پچاس سال تک سازشوں کا یہ سلسلہ چلتا رہا۔

آج کے دور میں واقعات ہماری آنکھوں کے سامنے سے اوجھل ہیں۔ ہمیں بعض اوقات یقین کرنے میں پریشانی ہو جاتی ہے لیکن اس دور کے عربوں کی نوعیت ' ان کا مزاج کچھ اس قسم کا تھا جیسا کہ آج بھی ہمارے کچھ قبائلی علاقوں میں ہوتا ہے کہ اگر پردادا کے خلاف کسی نے کچھ کیا ہوگا تو چار چار پانچ پانچ پشتیں اس کا انتقام لینے کی فکر کیا کرتی تھیں۔ یہاں تو بات صرف اتنی تھی کہ انھی عربوں کے جو آج اپنے کو مسلمان کہہ رہے ہیں باپ بھی' بیٹے بھی' بھائی بھی' قریبی رشتہ دار بھی مسلمانوں کے خلاف جنگوں میں حصّہ لینے کی وجہ سے امیر المومنین علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے۔ اس لیے وہ موقع کے منتظر بیٹھے تھے کہ جیسے ہی ہمیں موقع ملے ہم خاندانِ اہل بیتؑ سے اپنے گھر والوں کا انتقام لیں اور پھر کچھ لوگ اسلام لائے بھی اس لیے تھے تاکہ موقع ملتے ہی اسلام کا خاتمہ کیا جائے۔

پیغمبرؐ اسلام کی آنکھیں بند ہوتے ہی ان تمام لوگوں نے انتہائی چالاکی اور ہوشیاری کے ساتھ آپس میں متفق ہو کر اہل بیتؑ کے نام کو اسلام سے رفتہ رفتہ ختم کرنا شروع کر دیا۔ لیکن انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ ہم اہل بیتؑ کے نام کو اس وقت تک نہیں مٹا سکتے ہیں جب تک کہ اہل بیتؑ کا جو اصل مقام ہے' جب تک کہ اہل بیتؑ کا جو اصل کام ہے' جب تک کہ اہل بیتؑ کی جو اصل اہمیت یعنی پیغمبرؐ اسلام کے پیغام کو لوگوں کے سامنے وضاحت کے ساتھ پیش کرنا اور علومِ اسلام کو پھیلانا جب تک کہ ہم ان علوم کے سلسلے کو اہل بیتؑ سے ہٹا کر دوسروں کی طرف نہ کر دیں اس وقت تک اہل بیتؑ کا نام لوگوں کے ذہنوں سے مٹانا بہت مشکل ہے۔

چناں چہ کوششیں شروع کر دی گئیں اور ابتدائے اسلام ہی سے' پیغمبرؐ اسلام کی آنکھیں بند ہوتے ہی اس قسم کی سازشیں کی گئیں کہ نئے نئے لوگ جنھوں نے بالکل آخری وقت میں اسلام قبول کیا تھا ان لوگوں کو مدینے جیسے شہر کا قاضی مقرر کیا گیا۔ قرآن کو جمع کیا گیا تو بجائے اہل بیتؑ یا خاندانِ بنی ہاشمؑ کے کسی شخص کی مدد لینے کے ایک ایسے شخص کی مدد لی گئی جس نے اپنی تمام زندگی یہودیت میں گزاری تھی۔

غرض یہ کہ اہل بیتؑ کے نام کو مٹانے کے لیے مختلف قسم کے لوگوں کو سامنے لایا گیا اور

اس کے ساتھ ساتھ کوشش یہ کی گئی کہ علوم کو اہل بیتؑ سے لینے کا سلسلہ بند کر دیا جائے۔ چناں چہ ان کی یہ سازش پچاس سال تک چلتی رہی اور اسی عرصہ میں امیرالمومنین علیہ السلام اور امام حسن علیہ السلام کی پوری کوشش یہ رہی کہ کسی طریقے سے اسلام کو اتنا مضبوط اور مستحکم بنا دیا جائے کہ اس کے بعد اہل بیتؑ آگے بڑھ کر اگر کوئی قدم اُٹھائیں تو انھیں کوئی فائدہ حاصل نہ ہو۔ چناں چہ امیرالمومنین علیہ السلام اور امام حسن علیہ السلام دو اماموںؑ نے اپنی تمام زندگی صبر سے اسی انتظار میں گزاری کہ ان کے لوگوں کے دلوں میں اسلام کو مستحکم طور پر بٹھا دیں تاکہ بعد میں جب اسلام مستحکم ہو جائے تو پھر ہم اپنے مقصد کو پورا کریں۔

چناں چہ امیرالمومنین علیہ السلام اور حضرت امام حسن علیہ السلام گوشہ نشینی میں بیٹھ گئے۔ اس کے بعد جب پچاس سال کا عرصہ گزر گیا' جب اسلام کی بنیادیں واقعاً مستحکم ہو چکی تھیں تو پھر حضرت امام حسین علیہ السلام اور چوتھے امامؑ آگے بڑھے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی جان کی قربانی دے کر اور چوتھے امامؑ نے تمام زندگی اپنے بابا کے پیغام کو وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے اہل بیتؑ کے بھولے ہوئے نام کو دوبارہ لوگوں کے ذہنوں میں بٹھا دیا۔

اب اس کے بعد پانچویں' چھٹے' ساتویں اور آٹھویں امامؑ یعنی ان چار ائمہؑ نے سازش کے اس دوسرے حصے کا خاتمہ کیا یعنی جب لوگوں کو اہل بیتؑ سے علوم حاصل کرنے سے روک دیا گیا تو تیسرے اور چوتھے امامؑ نے لوگوں کو دوبارہ یاد دلایا کہ اہل بیتِ رسالتؑ کون ہیں' اہل بیتؑ سے مراد کون سی ہستیاں ہیں۔

اب جب لوگوں کے ذہنوں میں اہل بیتؑ کا مقام دوبارہ بیٹھ گیا تو پانچویں' چھٹے' ساتویں اور آٹھویں امامؑ نے ایک مرتبہ پھر علومِ اسلام کی تبلیغ کرنا شروع کر دی۔ پانچویں امامؑ سے آٹھویں امامؑ کی زندگی تک مسلسل آپ کو یہی ملے گا کہ وہ علوم پھیلاتے رہے۔ جب علم بھی پھیل گیا تو دشمنوں نے پہلی مرتبہ سنجیدگی کے ساتھ یہ کوشش کی کہ جو اہل بیتؑ نے اتنے علم کو پھیلایا ہے اب انھوں نے دیکھا کہ اہل بیتؑ کے علم پھیلانے کی وجہ سے ہماری گدی' ہمارا تخت و خلافت خطرے میں پڑ گیا ہے۔ انھوں نے نویں' دسویں اور گیارھویں امامؑ کو گرفتار کرا کر

دارالفلاقہ میں رکھا۔ لیکن ہمارے ائمہؑ نے بھی اس موقع سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب ائمہؑ نے شیعوں کو اتنا مضبوط کر دیا کہ اب دنیا کے مختلف علاقوں میں چھوٹی چھوٹی شیعہ سلطنتیں قائم ہونے لگیں۔ ایسی سلطنتیں کہ جن کو شیعہ سلطنتیں تو کہنا مناسب نہ ہوگا بل کہ صاحبانِ ایمان کی سلطنتیں کہ جہاں محمدؐ اور آلِ محمدؐ کے پیغام کو صحیح طور سے نافذ کر دیا گیا۔ پہلے امامؑ سے لے کر گیارھویں امامؑ تک ایک سلسلہ آپ کو اس طرح ملے گا کہ پہلے اور دوسرے امامؑ نے گوشہ نشینی کی حالت میں اسلام کو مضبوط کیا۔

تیسرے اور چوتھے امامؑ نے اہل بیتؑ کے بھولے ہوئے علوم کو یاد دلایا۔ پانچویں، چھٹے ساتویں اور آٹھویں امامؑ نے علومِ اہل بیتؑ کو لوگوں تک پہنچایا اور پھر نویں، دسویں اور گیارھویں امامؑ جب علومِ اہل بیتؑ لوگوں تک پہنچ چکے اور اہل بیتؑ کی عظمت لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گئی تو اب ہمارے ان ائمہ کرام علیہم السلام نے سیاسی طور پر اہل بیتؑ کے ماننے والوں کو منظم کیا اور اس طرح سے منظم کرنا شروع کیا کہ انھوں نے خلافتِ بنو عباس کے اندر بہت آگے بڑھ کر اقتدار کو حاصل کر لیا، جس کے نتیجے میں ایمان والوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں وجود میں آ گئیں۔ اسی کے نتیجے میں مذہب اہل بیتؑ اتنی تیزی سے پھیلنے لگا۔

یہ ہمارے ائمہ کرام علیہم السلام کی سوانح کا ایک مختصر سا جائزہ ہے۔ پانچویں امامؑ کا مشن وہاں سے شروع ہوا جہاں چوتھے امامؑ نے اپنے مشن کو پہنچایا تھا۔ اب اہل بیتؑ کا نام لوگوں کے دلوں میں بیٹھ چکا ہے۔ اب اہل بیتؑ کے اصل مقصد کو لوگوں کے ذہنوں میں بٹھانا ہے۔ اب پانچویں اور چھٹے امامؑ اپنے کاموں میں مصروف ہو چکے ہیں۔

دوسری طرف بنوامیہ کے خلفا ہیں۔ اتفاق سے اس دور میں بنوامیہ کے جتنے خلفا تھے اگر چہ وہ انتہائی ظالم تھے، اگر چہ وہ انتہائی سنگ دل تھے انھیں کسی انسان کو قتل کرنے میں اتنی دیر بھی نہ لگتی تھی کہ جتنی مچھر کو یا مکھی کو مارنے میں دیر لگتی ہے لیکن اس کے باوجود ان کی زیادہ تر توجہ اپنی عیاشیوں کی طرف ہو گئی تھی، ان کی زیادہ تر توجہ دولت کو اور خزانے کو لٹانے کی طرف ہو گئی تھی اور وہ اپنی ہر قسم کی خواہشات کو پورا کرنے میں لگ گئے تھے۔

چناں چہ پانچویں امامؑ اور چھٹے امامؑ کو اتنا موقع مل گیا کہ حکومت وقت کی توجہ اپنی عیاشیوں کی وجہ سے تھوڑی سی ائمہ کرام علیہم السلام سے ہٹ گئی۔ اسی کے نتیجے میں پانچویں، چھٹے اور ساتویں امامؑ نے اپنے اپنے دور میں علوم کو پھیلایا۔

اسی دور میں خوشامدی لوگوں کا ایک ایسا ٹولہ پیدا ہو گیا تھا جو اپنے آپ کو عالم کہا کرتا تھا اور وہ اپنے آپ کو عالم کہہ کر خلیفہ وقت کے دربار میں پہنچ جاتا تھا اور خلیفہ کی مرضی کے مطابق دین و شریعت کو موڑ دیا کرتا تھا۔ جیسا خلیفہ کے ذہن میں خیال پیدا ہوتا اسی خیال کے مطابق دین کا فتویٰ تیار ہو جاتا۔ یہ اس زمانے کے کچھ ایسے لوگوں کی حالت تھی جو عالم نہیں تھے لیکن اپنے آپ کو عالم کہلوا رہے تھے۔

پانچویں امامؑ کا جب زمانہ گزرا تو ایک طرف بنو اُمیہ کے عیاش خلیفے تھے دوسری طرف ان مختصر سے لوگوں کا گروہ تھا جو اپنے آپ کو علما کہا کرتا تھا اور تیسری طرف امامؑ کی نگاہ میں اپنے ماننے والوں کی وہ چھوٹی سی جماعت تھی جو کربلا کے واقعہ کے بعد بظاہر منتشر اور پریشان ہو گئی تھی۔ اس دور میں پانچویں امامؑ اور اُن کے فوراً بعد چھٹے امامؑ کی شخصیت آگے بڑھتی ہے اور اس دور کو تاریخ کی کتابوں میں دورِ صادقینِ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

پانچویں اور چھٹے امامؑ کا دور ملا یئے!

اس لیے کہ پانچویں اور چھٹے امامؑ نے قریب قریب ایک ہی قسم کے حالات میں زندگی گزاری۔

پانچویں امامؑ کو عجیب صورتِ حال کا سامنا تھا۔ خلیفہ کی عیاشی اور خلیفہ کے تختِ خلافت پر اور رسولؐ کی نیابت کے عہدے پر فائز ہونے کے بعد جس قسم کے وہ کام کر رہا تھا عام لوگ جو گروہ در گروہ مسلمان ہوتے چلے جا رہے تھے، وہ لوگ مسلمان ہونے کے بعد جب خلیفہ وقت کو دیکھتے تھے کہ یہ اپنے آپ کو مسلمانوں کا خلیفہ کہتا ہے، یہ اپنے آپ کو رسولؐ کا نائب قرار دیتا ہے اور اس کے اعمال اس قسم کے ہیں کہ اسے سوائے پیٹ بھرنے کے، سوائے بہتر لباس پہننے کے اور سوائے اپنی جنسی خواہشات کو پورا کرنے کے اور کوئی کام نہیں تو لوگوں کے ذہنوں میں پیغمبرؐ اسلام کے بارے میں وہ تصور بگڑتا چلا جا رہا تھا۔

ایک سازش کے تحت خلیفہ وقت کوئی گناہ کا کام کرتا تھا تو فوراً اس گناہ کے سلسلے میں کوئی روایت گھڑ لی جاتی تھی اور روایت گھڑنے کے بعد وہ روایت پیغمبرؐ اسلام سے منسوب کر دی جاتی تھی کہ پیغمبرؐ اسلام نے بھی تو یہی کام انجام دیا تھا تا کہ خلیفہ وقت کے کسی کام پر کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی موقع نہ رہے اور احادیث کی کتابوں میں ایک ترتیب کے ساتھ اس قسم کے واقعات آتے گئے۔

اسی چیز کو اپنے ذہن میں رکھ کر اس گفتگو کو سنیں!

اس گفتگو کا مقصد صرف یہ ہے کہ امامؑ کو اس وقت دکھانا تھا کہ جن لوگوں کو تم خلیفہ رسولؐ سمجھ رہے ہو وہ حقیقت میں رسولؐ کے خلیفہ نہیں ہیں بل کہ رسولؐ کے حقیقی جانشین ہم ہیں۔

امامؑ کو پہلا مقابلہ تو یہ کرنا تھا کہ ان کے مقابلے میں اپنی سیرت کو نئے اسلام لانے والوں کے سامنے پیش کرنا تھا کیوں کہ امامؑ کو پتا تھا کہ خلیفہ کی غلطیوں میں جتنا ان کا ہاتھ ہے اتنا ہی ہاتھ ان علمائے سُو کا بھی ہے جو ہر خلیفہ کے منتخب ہونے کے بعد اپنا بہترین لباس زیب تن کر کے دربار خلافت میں حاضر ہوتے تھے۔ حاضر ہونے کے بعد قرآن کریم اور رسولؐ کی قسمیں کھا کر یقین دلایا کرتے تھے کہ ہم نے پیغمبرؐ اسلام سے اس حدیث کو مسلسل سند کے ساتھ سنا ہے کہ جب کوئی شخص خلیفہ بنتا ہے تو حساب کتاب اس سے اُٹھا لیا جاتا ہے اور اس کے کسی گناہ کے کام کو نہیں لکھا جاتا ہے اور اس کا ہر ہر لمحہ عبادت کے اندر شامل کیا جاتا ہے۔ امامؑ کو دوسرا مقابلہ ان نام نہاد علما سے کرنا تھا۔

تیسرا کام امامؑ کا یہ تھا کہ وہ شیعہ جو منتشر ہو چکے ہیں' وہ شیعہ جو واقعہ کربلا اور اس کے بعد مسلسل ہونے والے مظالم کی وجہ سے نڈھال ہو چکے ہیں اور وہ شیعہ کہ باقاعدہ منصوبے کے تحت جن کی نسل کشی کی جا رہی ہے' ان کا خاتمہ کیا جا رہا ہے' ان کو منظم کیا جائے۔ اگر ابھی وہ اس قابل نہیں کہ حکومت سے ٹکرا سکیں تو کم از کم ان کو اتنی ہمت اور اتنی طاقت دے دی جائے کہ وہ اپنا وجود برقرار رکھ سکیں۔

اس کے ساتھ ایک چوتھا کام خود بہ خود امامؑ کے ذمہ آ گیا تھا کہ اگر ان غلط علما کی میں

نے برائیاں کیں، اگر ان غلط علما کے کردار کو میں نے لوگوں کے سامنے پیش کیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ جو صحیح عالم ہیں، جو میرے مقصد کو پہنچانے والے عالم ہیں، لوگ یہ سمجھیں کہ امامؑ نے تو ان علما کی مخالفت کی ہے تو سارے علما ایسے ہی ہوتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ برے علما کی مخالفت کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں اچھے علما کے خلاف بھی نفرت بیٹھ جائے تو چوتھا کام امامؑ کا یہ ہو گیا کہ اچھے علما کی، صالح علما کی، اللہ سے ڈرنے والے علما کی فضیلت لوگوں کے ذہنوں میں بٹھائی جائے۔ یہ چار مقاصد تھے جن کو پانچویں، چھٹے، ساتویں اور آٹھویں امامؑ نے اپنے اپنے دور میں پورا کیا۔

اب سب سے پہلے امامؑ کا مقصد کیا تھا کہ ایک طرف خلفائے بنواُمیہ ہیں جن کو سوائے عیاشیوں کے اور زکوٰۃ، خمس اور اس قبیل کے محاصل جن سے مسلمانوں کا خزانہ بھر رہا تھا اپنی ضروریات پر لٹانے کے کوئی کام نہ تھا۔ بنواُمیہ کے پہلے خلیفہ امیر شام سے یہ سلسلہ چلتا ہے اور آخری خلیفہ مروان تک یہ سلسلہ اختتام تک پہنچتا ہے۔

بیچ میں جتنے خلفائے بنواُمیہ آئے وہ سارے کے سارے تھے جن کو سوائے اپنی ذاتی خواہشات کے نہ اسلام سے کوئی مقصد تھا، نہ مسلمانوں سے کوئی مطلب تھا اگر وہ اپنے آپ کو بادشاہ کہتے تو شاید ہم پلٹ کر ان سے سوال نہ کرتے۔ اگر وہ اپنے آپ کو حاکم وقت کہتے تو شاید آج ہم اُن کو زیر بحث نہ لاتے۔

لیکن وہ اپنے آپ کو خلیفۃ المسلمین کہا کرتے تھے، وہ اپنے آپ کو ظلِ الٰہی یعنی خدا کا سایہ کہا کرتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو نائب رسولؐ کہا کرتے تھے اور وہ اپنے آپ کو اولی الامر قرار دیا کرتے تھے۔ اس لیے ضروری تھا کہ اس غلط فہمی کا پردہ چاک کیا جائے اور اگر آپ ان خلفا کے حالات پر نگاہ ڈالیں تو عجیب عجیب قسم کے خلیفہ آپ کی نگاہ میں آ جائیں گے، عجیب عجیب کردار کے حاکمانِ وقت آپ کے سامنے ہوں گے۔

سب سے پہلے امیر شام اس کے بعد اس کا بیٹا یزید، یزید کے بعد یزید کا بیٹا معاویہ تختِ خلافت پر بیٹھا۔ یزید کے بیٹے معاویہ ثانی کے بارے میں آپ بہ خوبی واقف ہوں گے کہ جب

اس کے پاس خلافت پہنچی تو اس نے دمشق کی جامع مسجد میں ایک بہت ہی معرکۃ الآراء خطبہ دیا۔ جس میں اس نے تفصیل سے بتایا کہ خلافت نہ میرا حق ہے' نہ میرے باپ کا حق تھا اور نہ ہی میرے دادا کا حق تھا۔ میں ایسی خلافت کو نہیں لینا چاہتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے خلافت سے دست برداری کا اعلان کیا اور اپنے گھر چلا گیا۔

اب یہ تاریخ کے بڑے اہم واقعات ہیں لیکن چوں کہ وقت بڑا محدود ہوتا ہے ہم نے اصل میں امامؑ کی سیرت کو بیان کرنا ہوتا ہے۔

جس وقت وہ اپنے گھر جا بیٹھا تو اس وقت تک گھر سے باہر نہ نکلا جب تک کہ اس کا انتقال نہ ہو گیا۔

تاریخ کی روایتیں تو یہ بتاتی ہیں کہ جب اس نے اپنے بزرگوں کے تمام کے تمام افعال کو حرام قرار دیا تھا تو اس کے بعد اس کے خاندان کے لوگوں نے اس کو زہر دے کر شہید کر دیا تاکہ ایسا نہ ہو کہ یہ زندہ رہے اور خلافت کو اُٹھا کر اہل بیتؑ کو لوٹا دے۔ چناں چہ اسے زہر دے کر شہید کر دیا گیا۔

اس کے بعد تھوڑا عرصہ افراتفری کا گزرا۔ جب یہ خلیفہ نہ بن سکا تو مروان ابن حکم آگے بڑھا اور اس نے اپنی سازش کے ذریعے خلافت پر قبضہ کر لیا۔ خلافت سنبھالتے ہی اس نے ظلم و ستم کا سلسلہ شروع کر دیا۔ لیکن بڑا مختصر وقت اسے ملا تھا اور اس مختصر سے وقت میں بھی ایک طرف عبداللہ ابن زبیر نے مکہ میں اپنی حکومت قائم کر لی اور ایک طرف مختارؓ ابن ابی عبیدہ ثقفی رحمۃ اللہ علیہ نے کوفہ میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ بہت انتشار کے عالم میں اس کی حکومت کا وقت گزرا اور آخر میں اس کی بیوی نے اسے زہر دے کر مار دیا' اس لیے کہ اس نے اپنے بعد اپنے بیٹے کو خلیفہ بنا دیا۔ اعلان کر دیا کہ میرے بعد میرا بیٹا خلیفہ ہو گا' جب اس کے گھر میں اس کی اطلاع پہنچی تو اس کی بیوی کو اس پر بڑا غصہ آیا کہ مجھ سے وعدہ کیا گیا تھا کہ اس کے بعد میرا بیٹا خالد خلیفہ بنے گا۔ لیکن وہ کیا کر سکتی تھی بس رات کو جب یہ سونے کے لیے آیا تو اس نے اس کے منہ پر تکیہ رکھا اور تکیہ رکھ کر بیٹھ گئی۔ چناں چہ جب خالد کی ماں اس پر بیٹھی تو اس کا دم گھٹنے لگا

اور دم گھٹنے کی وجہ سے یہ واصل جہنم ہوا۔

اب یہاں سے خلفائے بنو امیہ کا سلسلہ شروع ہوا۔

عبدالملک خلیفہ بنا' عبدالملک کا بیٹا ولید خلیفہ بنا' ہشام خلیفہ بنا' سلیمان خلیفہ بنا' یزید خلیفہ بنا۔ اب ان کے تفصیلی حالات میں جانے کا موقع بالکل نہیں ہے لیکن مختصراً یہ کہ جب اس کا بیٹا عبدالملک خلیفہ بنا' عبدالملک وہ شخص تھا کہ جو اتنی کثرت کے ساتھ مسجد میں بیٹھ کر عبادت کیا کرتا تھا کہ اس کا نام پڑ گیا "حمامۃ المسجد"، یعنی مسجد کی کبوتری۔ لوگوں نے اسے مسجد کا کبوتر کہنا شروع کر دیا تھا اس لیے کہ سوائے مسجد میں بیٹھنے کے اسے کوئی کام نہیں تھا۔

جس وقت اسے یہ اطلاع ملی کہ تیرے باپ کا انتقال ہو گیا ہے خلافت تیرے پاس آ گئی ہے اس وقت وہ قرآن کی تلاوت میں مشغول تھا۔ لیکن جیسے ہی اسے یہ اطلاع ملی کہ تجھے خلافت مل گئی ہے اور اب تُو خلیفۃ المسلمین بن گیا ہے تو اس نے ایک مرتبہ یہ کہتے ہوئے قرآن کو بند کیا کہ اے قرآن! تجھ پر میرا سلام ہو۔ پس اب یہ خلافت تیرے اور میرے درمیان جدائی ہے۔ اتنے زور سے اس نے قرآن کو ٹھوکر ماری کہ اللہ کی کتاب مسجد کے دروازے سے باہر جا گری۔

کل تک وہ شخص جو حمامۃ المسجد یعنی مسجد کا کبوتر کہلاتا تھا' لیکن آج خلافت کا نام سنا' آج دنیا کا نام سنا تو ایک مرتبہ قرآن کو ٹھوکر مارتا ہوا یہ کہہ کر کھڑا ہو گیا: اے قرآن! تجھ پر میرا سلام' اب مجھ میں اور تجھ میں جدائی ہو گئی اور اتنی کثرت سے جدائی ہوئی کہ ایک مرتبہ حسن بصری اس کے پاس پہنچے۔

اس نے کہا: اے حسن بصری! جب میں اپنے پرانے وقت کو یاد کرتا ہوں تو مجھے تعجب ہوتا ہے وہ اس طرح کہ ایک وقت وہ تھا کہ جب مچھر یا کھٹمل میرے سامنے آتا تھا تو اسے مارتے ہوئے میرا دل کڑھتا تھا' میرے دل میں خیال پیدا ہوتا تھا کہ یہ چھوٹی سی چیز ہے مگر ہے تو خدا کی مخلوق اگر میں اسے ماروں گا تو ایک جان دار مارا جائے گا تو ایک وہ زمانہ تھا کہ کھٹمل کو مارتے ہوئے تکلیف ہوتی تھی اور آج یہ حالت ہے کہ ہزاروں انسانوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کر

دیتا ہوں اور ذہن میں ذرہ برابر بھی خیال نہیں ہوتا۔

حسن بصری نے اس کی شکایت سنی تھی کہ یہ کثرت سے شراب پیتا ہے تو اس کے پاس اس کو نصیحت کرنے آئے تھے کہ شراب پینا چھوڑ دے۔ جب اس کی گفتگو سن لی تو کہا: میں تجھے ایک فعل حرام سے روکنے آیا ہوں تو خلیفۃ المسلمین ہے نائب رسولؐ ہے تخت خلافت پر بیٹھا ہے اتنی کثرت کے ساتھ شراب نہ پیا کر۔

اس نے جواب دیا تھا: تو مجھے شراب پینے سے روکتا ہے لیکن تجھے شاید نہیں پتا کہ جتنی میں شراب پیتا ہوں اس سے زیادہ میں انسانوں کا خون پیتا ہوں۔ اس لیے کہ اب میری محبوب غذا انسانی خون کا پینا رہ گیا ہے۔

یہ خلیفۃ المسلمین ہے یہ نائب رسولؐ ہے یہ ظل الٰہی اپنے آپ کو کہلوانے والا شخص ہے۔ اس قسم کا ایک نہیں بلکہ بے شمار خلفا گزرے ہیں کہ جن کا کام یا انسانوں کا قتل عام تھا یا اپنی جنسی خواہشات کو پورا کرنا تھا یا اپنے پیٹ کو بھرنا ہوتا تھا' اس کے علاوہ آپ کو خلفائے بنوامیہ میں اور کوئی چیز نظر نہیں آئے گی۔

ایک طرف یہ اور اس کے بعد اس کا بیٹا تخت خلافت پر بیٹھا جس کا نام سلیمان تھا۔ سلیمان کے بارے میں مشہور ہے کہ اس شخص کو سوائے کھانے پینے کے اور کوئی کام نہیں تھا۔ اس کا مشغلہ صرف کھانا ہی کھانا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی ایک وقت کی خوراک جو تاریخ نیشاپوری میں مسعودی نے لکھی ہے: وہ ہر دن' ہر وقت کھانے کے اندر کم از کم سو سیر کے قریب غذا کھایا کرتا تھا۔ اُسے اتنی شدت سے کھانے کا انتظار رہتا تھا کہ خلیفہ ہارون الرشید نے جب بنوامیہ کے تمام خلفا قتل کرا دیے۔ (یہ روایتیں سننا اس لیے بھی ضروری ہیں کہ جب آپ ان حالات کو دیکھیں گے اور نئے نئے مسلمان ہونے والے جب دربار خلافت میں آ کر دیکھتے ہوں گے کہ رسولؐ کے خلیفہ کی زیارت تو کریں' جب اس قسم کے لوگ ملتے ہوں گے تو ان کے دل پر کیا اثر ہوتا ہو گا۔ پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اتنے بُرے کردار کے مالک خلفا کو دیکھنے کے باوجود مسلمانوں کی تعداد اتنی شدت سے کیوں بڑھی؟)

وہ کون سی ہستیاں تھیں کہ جن کے کردار کی وجہ سے لوگوں نے باوجودیکہ اس قسم کے خلیفے دیکھے لیکن پھر بھی ان کے دلوں میں خلیفہ کی برائی تو پیدا ہوئی لیکن اسلام کی برائی پیدا نہ ہوئی۔ کوئی تو اس کا سبب ہوگا؟

تاریخ جواب نہیں دے گی لیکن ہمارے پاس بھی عقل ہے کہ اگر ایک شخص نئے نئے جوش سے مسلمان ہوتا ہے اور مسلمان ہونے کے بعد اس کی نگاہ کے سامنے اس قسم کے نمائندے آئیں تو ذہن انسانی یہ کہتا ہے کہ ایک یہودی' ایک مجوسی' ایک عیسائی جو نیا نیا مسلمان ہوا ہے تو اس کے دل میں خود بہ خود نفرت پیدا ہو جائے گی کہ کیا اسی کا نام اسلام ہے تو پھر کیا سبب تھا کہ خلفا سے نفرت ہوتی تھی لیکن کسی وقت بھی ہمیں یہ منظر نظر نہیں آتا کہ اسلام سے لوگوں کو نفرت ہوئی ہو۔

یقیناً کچھ ایسی ہستیاں تھیں جو اپنے کردار کو ان کے مقابلے میں پیش کر رہی تھیں۔ ایک طرف تو آپ کو مولائے کائنات علیہ السلام کا یہ کردار نظر آئے گا' ہمارے ائمہ کرام علیہم السلام کا چوتھے امامؑ کا کردار' چوتھے امامؑ اور سلیمان دونوں کا زمانہ ساتھ ساتھ تھا۔ چوتھے امامؑ کا یہ کردار کہ کنیز یہ کہتی ہے کہ میں نے تمام زندگی اپنے امامؑ کے لیے دن کے وقت کبھی کھانا تیار نہیں کیا۔ اس لیے میرے امامؑ تمام دن کو روزے کی حالت میں گزارتے تھے اور دوسری طرف سلیمان ابن عبدالملک۔

واقعات بتاتے ہیں کہ جب خاندانِ بنواُمیہ کی حکومت ختم ہو گئی اور خاندانِ بنوعباس خلیفہ بنے تو ہارون الرشید کے پاس گذشتہ خلفا کے لباس پہنچے تو اس نے دیکھا کہ سلیمان ابن عبدالملک کے جبے ہیں' عبائیں ہیں ہر ایک کی آستینوں کے اندر چربی کثرت کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ اس نے لوگوں سے دریافت کیا کہ کیا کوئی اس کا سبب بتانے والا موجود ہے؟

ایک آدمی نے بتایا کہ ہاں اس کا سبب یہ تھا کہ اسے اتنی شدت کے ساتھ' اتنی کثرت کے ساتھ' اتنا زیادہ کھانے کا شوق ہوتا تھا کہ لوگ گرم گرم سیخوں پر لے کر آ رہے ہوتے ہیں' اس کے سامنے وہ گوشت پہنچتا ہے اور گوشت سامنے پہنچ چکا ہے لیکن اس کو اتنی شدت کے ساتھ

کھانے کا شوق تھا' اتنی شدت کے ساتھ بھوک لگا کرتی تھی کہ وہ گوشت کے ٹھنڈے ہونے کا انتظار بھی نہ کرتا تھا بلکہ گرم گرم سیخ کو اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر جبے کی آستینوں سے کھینچ کھینچ کر گوشت اُتارا کرتا تھا اور اسی گوشت کے گرم گرم ٹکڑے کو منہ میں رکھ کر کھایا کرتا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک دن صبح کو یہ ذرا جلدی بیدار ہو گیا۔ آنکھ اس کی ذرا جلدی کھل گئی۔ جب جلدی آنکھ کھلی تو جلدی سے غسل خانے میں گیا۔ جب واپس آیا تو سوال کیا کہ ناشتا تیار ہے؟

ملازموں نے ڈرتے ڈرتے کہا: آج آپ ذرا جلدی اُٹھ گئے ہیں اس لیے ناشتا تیار نہیں ہو سکا۔

کہا: اچھا جو کچھ تیار ہے وہی لے آؤ۔ چناں چہ چالیس ہرن رکھے ہوئے تھے جن کو ابھی ابھی بھونا گیا تھا' وہ چالیس کے چالیس ہرن لائے گئے اور چالیس روٹیوں کے ساتھ اس نے وہ چالیس ہرن کھا لیے۔ کھانے کے بعد کہا کہ ہاں اب پیٹ کے اندر کچھ پہنچا ہے۔ اب ذرا جلدی سے ناشتا لے کر آؤ۔ مجھے بڑی بھوک لگ رہی ہے اور وقت گزرا جا رہا ہے' اس کے بعد ناشتا کیا اور اتنے اطمینان کے ساتھ کہ جیسے اس سے پہلے اس نے کچھ کھایا ہی نہ تھا۔

اس کا ناشتا کیا ہوتا تھا؟

اس کے ناشتے کے اندر چالیس مرغے' چار سو انڈے اور چوراسی کڑاہی گوشت کے ٹکڑے ہوا کرتے تھے۔ یہ اس کا ناشتا ہوا کرتا تھا۔ اب اسی کے تناسب سے دوپہر کا کھانا اور رات کے کھانے کا اندازہ آپ خود ہی کر سکتے ہیں۔ تاریخ خمیس میں ہے کہ اس کی موت کا سبب بھی کثرت سے کھانا ہوا تھا اس لیے کہ ایک مرتبہ پتا نہیں کس جوش میں تھا کہ چار سو مرغے بیٹھے بیٹھے کھا گیا۔ آٹھ سو انڈے ایک ہی مقام پر بیٹھے بیٹھے کھا گیا اور چالیس سالم بکرے اور بیس سالم اُونٹ اس نے ایک ہی محفل میں کھا لیے۔ اس کے بعد بھی جب پیٹ نہ بھرا تو آٹھ سو انجیریں منگوائیں اور ان کو کھایا۔ جس کے نتیجے میں اس کو بدہضمی ہوئی' بخار ہوا اور اسی بخار کی حالت میں یہ اس دنیا سے رُخصت ہو گیا۔

ایک طرف امامؑ کا کردار دیکھیں اور ایک طرف اس خلیفہ کا کردار دیکھیں اور ایک نئے اسلام لانے والے یہودی کو دیکھیں۔ جب وہ دارالخلافہ میں آ کر یہ منظر دیکھے گا تو اس کے دل میں اسلام سے نفرت بڑھنا چاہیے' اسی کے دل میں مسلمانوں سے نفرت بڑھنا چاہیے تو کس کا کردار اس کو سہارا دے رہا تھا؟ کس کا کردار اس کو بتا رہا تھا کہ نہیں وہ اصل اسلام نہیں ہے۔ اصل اسلام یہ ہے کہ تمام زندگی اس حالت میں گزاری کہ روزہ رکھتے ہوئے اور تمام راتیں اس طرح گزاریں کہ نمازیں پڑھتے ہوئے تو ایک طرف چوتھے امامؑ اور پانچویں امامؑ کا کردار دیکھیں اور دوسری طرف خلفائے بنوامیہ کے حالات دیکھئے۔

یزید ابن عبدالملک ایک کنیز سے انتہائی محبت کرتا تھا جس کا نام حبابہ تھا۔ روایت میں ہے کہ اتنی شدت کے ساتھ محبت کہ جب تخت خلافت پر جا کر بیٹھتا تو دائیں ہاتھ اپنی اس کنیز کو بٹھاتا اور ہر مسئلے پر کنیز کی جو رائے ہوتی اسی کے مطابق عمل کرتا لیکن ایک دن اس کی کنیز انتقال کر گئی۔ جب اس کی کنیز انتقال کر گئی تو اس نے حکم جاری کیا کہ کوئی میری کنیز کو دفن نہ کرے بلکہ میں اسے اپنے ساتھ تخت خلافت پر بٹھاؤں گا۔ مردہ کنیز کے ساتھ ایک ہفتے تک اس نے زندگی گزاری' بوس و کنار کرتے ہوئے اور ہر وہ کام کرتے ہوئے کہ جو رشتہ نکاح کا سبب اور بنیاد ہے' اس نے مردہ کنیز کے ساتھ ایک ہفتہ اس حالت میں زندگی گزاری۔

اس کے بعد جب کنیز کے جسم سے بدبو نکلنے لگی تو لوگوں نے مجبوراً چھین کر اس کی کنیز کو دفن کیا لیکن دو دن سے زیادہ چین سے نہ بیٹھ سکا' لہٰذا حکم دیا کہ قبر کو کھودا جائے' قبر کو کھود کر دوبارہ اس کنیز کی لاش کو نکلوایا اور پندرہ دن تک اس کی لاش سے چمٹا رہا اور بالکل اسی طرح سے زندگی گزارتا رہا جس طریقے سے کوئی اپنی بیوی کے ساتھ زندگی گزارتا ہے۔ یہاں تک کہ پندرہ دنوں کے بعد اس کنیز کا جسم تو ختم ہوا لیکن اسی کے غم میں گھل گھل کر یہ بھی بیمار ہو کر اس دنیا سے رُخصت ہو گیا۔

کون؟

خلیفۃ المسلمین جو اپنے آپ کو نائب رسولؐ کہتا ہے جو اپنے آپ کو ظل الٰہی قرار دیتا ہے۔

یہ کردار دیکھنے چلیں خلفائے بنواُمیہ کا تو آپ کی سمجھ میں آئے گا کہ امامؑ کے کردار نے اسلام کے تحفظ کے لیے کتنا اہم کام سرانجام دیا۔ اس طریقے سے نئے نئے لوگ مسلمان ہو رہے ہیں چوں کہ ایسا بھی نہیں تھا کہ اسلام پھیلنا بند ہو گیا ہو بل کہ لوگ کثرت سے مسلمان ہو رہے تھے۔

پھر ولید ابن یزید ابن عبدالملک ابن مروان تختِ خلافت پر بیٹھتا ہے اس نے اپنے محل میں شراب کا حوض بنوایا تھا ایک بڑا وسیع و عریض تالاب بنوایا تھا جو ہر وقت شراب سے بھرا رہتا تھا اور دن میں ایک مرتبہ یہ اس شراب سے بھرے تالاب میں ضرور غوطے لگایا کرتا تھا اور غوطہ لگانے کے بعد یہ شراب پیتا تھا۔

روایات میں ہے کہ اتنا پیار کرتا تھا شراب سے اتنی کثرت سے شراب پیا کرتا تھا کہ کوئی اس کے غوطہ لگانے سے حوض کو دیکھ کر گیا ہو اور بعد میں آ کر دیکھے تو ایک مرتبہ چیخ اُٹھتا تھا کہ حوض کی شراب کم ہو چکی ہے تو حوض میں جا کر اتنی کثرت کے ساتھ شراب پیا کرتا تھا کہ ہر دیکھنے والا یہ کہہ دیتا تھا کہ اس کی شراب کم ہو گئی ہے۔ اسی حالت میں شراب پینے کے بعد تختِ خلافت پر جا کر بیٹھ جاتا تھا۔

اب آپ خود اندازہ کریں کہ جب اس قسم کے خلفا پانچویں امامؑ کے زمانے میں تھے تو وہ کون سی چیز ہے کہ ایک طرف اتنا بدترین کردار ایک طرف اتنا غلط کردار آج کے دور میں مسلمان کتنا اسلام سے دور ہو چکے ہیں۔ آج کے دور میں کسی ایسے شخص کے بارے میں جس کے برسرِاقتدار کے زمانے میں یہ کہہ دیا جائے کہ وہ فارغ وقت میں بیٹھ کر تھوڑی سی شراب پی لیتا ہے تو پورے ملک کو اس کے خلاف بھڑکایا جا سکتا ہے۔ لیکن اس دور میں تو لوگوں کو رسولؐ کا زمانہ دیکھے ہوئے نوے سال بھی نہیں گزرے تھے اور اتنی کثرت کے ساتھ بُرے اعمال سرانجام دیے جا رہے ہیں اور لوگ نہایت سکون کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ آج کے لوگ تو پھر بھی تعلیم یافتہ ہیں اُس زمانے کے لوگ تو ویسے ہی جاہل تھے کہ ذرا سا ان کے ذہن کو بدل لیں تو ان کو گھر کی فکر ہوتی تھی نہ بچوں کی۔ ایک دفعہ لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو جائیں تو کون سی چیز تھی کہ جس

کی وجہ سے لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے رہے؟

دو چیزیں ہمارے سامنے آئیں: ایک علمائے سُو کا کردار اور ایک امامؑ کا کردار۔

جتنی خلفائے وقت نے بداعمالیاں کیں' ان کے مقابلے میں امامؑ کا کردار ہمارے سامنے ہے۔ اب آپ کے لیے امامؑ کے کردار کی عظمت کو محسوس کرنا آسان ہو گیا ہو گا' یوں سننا بڑا آسان ہے کہ امامؑ نے تمام رات نمازیں پڑھیں' امامؑ نے تمام زندگی خیرات کی مگر یہ دیکھیے کہ کس ماحول میں امامؑ نے یہ کردار دکھایا' یہ دیکھیے کہ کس معاشرے میں یہ سب اعمال بجا لائے گئے۔ جب خلیفہ کی یہ حالت اور خلیفہ کی وجہ سے خلیفہ کے آس پاس کے لوگوں کی یہ حالت ہے اس وقت امامؑ اپنے کردار کو پیش کر رہے ہیں اور پھر صرف اپنے ہی کردار کو پیش نہیں کر رہے بل کہ اپنے ماننے والوں کو بھی حکم دے رہے' اپنے شیعوں کو بھی حکم دے رہے کہ دیکھو اس کردار کی طرف نہ چلے جانا اور یہ مت سمجھنا کہ ہم اپنے آپ کو شیعہ کہہ دیں گے تو ہماری بخشش ہو جائے گی۔

امام پنجمؑ کی مشہور روایت!

حضرت جابر ابن یزید جُعفی نقل کرتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے پانچویں امامؑ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ پتا نہیں کیا سبب تھا کہ میرے امامؑ انتہائی جلال کی حالت میں تشریف فرما تھے۔ امامؑ نے مجھے دیکھا اور دیکھ کر کہا: کیا کسی شخص کے لیے اتنا کہنا جائز ہے کہ میں علیؑ کا شیعہ ہوں۔ یاد رکھو! اس وقت تک کوئی ہمارا شیعہ ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ اللہ کا تقویٰ اختیار نہ کرے اور اللہ کی اطاعت نہ کرے۔

اس کے بعد امامؑ نے ایک اور جملہ تفصیل کے ساتھ ارشاد فرمایا: اے جابرؓ! ہمارے شیعہ نہیں پہچانے جا سکتے جب تک کہ ان کے اندر یہ باتیں موجود نہ ہوں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس میں تواضع ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ ہمارا شیعہ عبادتِ الٰہی انتہائی خشوع کے ساتھ انجام دیتا ہے۔ تیسری چیز امامؑ نے یہ بتائی کہ ہمارے شیعہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ امانت کو ادا کرتا ہے اور چوتھی چیز یہ ہے کہ ہمارا شیعہ کثرت سے اللہ کا ذکر

کیا کرتا ہے۔ پانچویں یہ کہ وہ روزہ رکھتا ہے۔ چھٹی چیز یہ کہ وہ نماز ادا کرتا ہے۔ ساتویں چیز یہ کہ وہ والدین کے ساتھ نیکی کرتا ہے۔ آٹھویں چیز یہ کہ وہ اپنے پڑوسی کے حق کو انجام دیتا ہے۔ نویں چیز یہ کہ وہ یتیموں اور بیواؤں کے کام آتا ہے۔ دسویں چیز یہ کہ وہ قرض داروں کے قرضے کو ادا کرتا ہے۔ گیارھویں چیز یہ کہ وہ وعدہ کرے تو پورا کرتا ہے اور آخر میں امامؑ نے بتایا کہ وہ کثرت سے تلاوت قرآن کیا کرتا ہے۔

امام پنجمؑ نے یہ ایک مومن کی علامتیں بتائی تھیں اور اس لیے بتائی تھیں کہ اس زمانے میں لوگ کثرت سے خلفا کے کردار کو دیکھ کر بہک رہے تھے۔ یہی امامؑ کی تمام زندگی کا مشن تھا اور اسی ایک مقصد کے تحت حکومت وقت نے جب دیکھا کہ امامؑ اپنے اس مشن میں کامیاب ہو رہے ہیں۔ حکومت وقت نے دیکھا کہ ہماری نوے سال کی محنت پر پانی پھرتا چلا جا رہا ہے تو حکومت وقت نے سازباز کی۔ امامؑ کے خاندان کے ایک شخص سے' زید ابن حسن کو دمشق میں بلایا گیا۔ دمشق میں زید کی ملاقات حکومت وقت کے کارندوں سے ہوئی اور وہاں سے مذاکرات کر کے زید مدینے آیا اور مدینے آنے کے بعد اپنے بھتیجے پانچویں امامؑ کے پاس پہنچا۔

کہا: خلیفہ وقت نے آپؑ کے لیے ایک تحفہ بھجوایا ہے۔

یہ کہہ کر ایک زین امامؑ کے سامنے رکھ دی۔ امامؑ نے اس زین کو دیکھا۔

کہا: میں نے اس تحفے کو قبول کر لیا ہے۔

زید نے کہا: نہیں' خلیفہ نے کہا ہے کہ آپؑ اس کے تحفہ کی قدر کریں اور جیسے ہی زین آپؑ کے پاس پہنچے آپؑ اس پر بیٹھ کر سواری کریں۔

امامؑ نے کہا: اے زید! میں جانتا ہوں کہ یہ زین کس لکڑی کی بنی ہوئی ہے' میں جانتا ہوں کہ اس لکڑی میں کیا ملایا گیا ہے۔ لیکن میں اپنے خدا کے حکم پر راضی ہوں۔

یہ کہہ کر امامؑ نے اس زین کو گھوڑے پر کسوایا اور زین پر سوار ہو کر چلے۔ روایت میں ہے کہ امامؑ کی ران جو گھوڑے کی پیٹھ سے ٹکرا رہی تھی زین میں وہاں پر ایک چھوٹی سی کیل تھی اس نے خراش ڈالی۔ اس خراش سے وہ خطرناک زہر امامؑ کے جسم اطہر میں داخل ہوا جس کو

خلیفہ وقت نے امامؑ کو شہید کرنے کے لیے بھجوایا تھا۔ امامؑ کے تمام جسم میں زہر کا اثر ہو گیا' چند لمحے امامؑ گھوڑے کی پشت پر رہے اور اس کے بعد واپس آئے۔ گھوڑے سے اُترے۔

زید نے کہا: اے میرے بھتیجے! آپؑ اتنی جلدی گھوڑے سے اُتر آئے؟

آپؑ نے فرمایا: ہاں! اپنے خلیفہ سے کہہ دینا کہ اس کا مقصد پورا ہو گیا۔

اس کے بعد امامؑ گھر میں آ کر بستر پر دراز ہو گئے۔

روایت میں ہے کہ امامؑ کا آخری وقت قریب آیا۔ ۸ ذوالحجہ ۱۱۴ ہجری' ستاون سال کی عمر مبارک' ایک مرتبہ چھٹے امامؑ کو بلایا' بلانے کے بعد کہا کہ ابھی میرے بابا! (امام زین العابدینؑ) آئے تھے اور مجھے شربت پلا گئے ہیں۔

اس کے بعد فوراً یہ کہا: میرے سرہانے وضو کا برتن رکھا ہے' اس برتن کو خالی کرو۔

چھٹے امامؑ نے وضو کے برتن کو خالی کیا۔ جب خالی کیا تو دیکھا کہ ایک مرا ہوا چوہا اس میں سے گرا ہے۔

امامؑ نے کہا: اب اس میں نیا اور صاف پانی بھرو۔ پانی بھرا گیا۔ اس کے بعد امامؑ کی شہادت ہو گئی اور چھٹے امامؑ نے اپنے والد گرامیؑ کو امام حسن علیہ السلام کی قبر کے نزدیک دفن کر دیا۔

......✷......

آٹھویں معصومؑ

حضرت امامِ جعفر صادق علیہ السلام

مشخصات

اسم مبارک	:	جعفرؑ
لقب	:	صادق، صابر، فاضل، طاہر وغیرہ
کنیت	:	ابوعبداللہ
والد ماجد	:	امام محمد باقر علیہ السلام
والدہ ماجدہ	:	اُمّ فروہؑ بنت قاسم ابن محمد ابن ابی بکر
ولادت باسعادت	:	۱۷ ربیع الاول سن ۸۳ ہجری مدینہ منورہ
ازواج	:	فاطمہ بنت حسین، حمیدہ مصفاۃ
اولاد	:	دس (سات لڑکے، تین لڑکیاں)
شہادت	:	۱۵ شوال ۱۴۸ ہجری مدینہ منورہ
عمر مبارک	:	۶۵ سال
قبر مطہر	:	جنت البقیع

سیرتِ امامِ جعفر صادق علیہ السلام

سیرت چہاردہ معصومین علیہم السلام کے سلسلے میں آج ہماری گفتگو چھٹے امامؑ کے بارے میں ہوگی۔ اگرچہ اس سے پہلے والی تقریر بھی پانچویں اور چھٹے امامؑ کے حالات پر مشتمل تھی۔ چناں چہ مختصر سا تذکرہ چھٹے امامؑ کا گذشتہ تقریر میں شروع ہو چکا تھا۔ البتہ آج کچھ تفصیل اور وضاحت کے ساتھ ذکر ہوگا۔ امامِ صادقؑ کے بارے میں۔ گفتگو کو آگے بڑھانے سے پہلے تھوڑا سا امامؑ کی زندگانی کا خاکہ ہم آپؑ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

امامؑ کے اسم مبارک سے آپ لوگ واقف ہیں کہ امامؑ کا نام جعفرؑ تھا۔ مشہور القاب میں صادق، صابر اور طاہر۔ یہ امامؑ کے مشہور القاب تھے۔ امامؑ کی دو یا تین کنیتیں ہیں لیکن مشہور کنیت ابوعبداللہ ہے۔ امامؑ کے والد ماجد ہمارے پانچویں امامؑ اور والدۂ ماجدہ حضرت اُمّ فرویؓ بنت قاسم ابن محمد ابن ابی بکر ہے۔ امامؑ کی ولادت ۱۷ ربیع الاول ۸۳ ہجری مدینہ منورہ میں ہوئی کہ جب آپؑ کے دادا چوتھے امامؑ حیات تھے اور امامؑ کی شہادت ۱۵ شوال یا ۱۵ رجب یا ۲۰ شوال ۱۴۸ ہجری کو منصور دوانیقی کے دیے ہوئے زہر کی وجہ سے مدینہ منورہ ہی میں ہوئی۔

آپ کو جنت البقیع کے قبرستان میں اسی مقام پر دفن کیا گیا جہاں حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا، امام حسن علیہ السلام، امام زین العابدین علیہ السلام اور امام محمد باقر علیہ السلام کے روضہ ہائے مبارک موجود تھے۔ امامؑ کی کل دس اولادیں تاریخ میں مذکور ہیں، سات لڑکے اور تین لڑکیاں۔ امامؑ کی والدۂ ماجدہ حضرت اُمّ فرویؓ ہیں۔ والد کے بارے میں تو مسلسل ہماری گفتگو ہو چکی ہے۔ امامؑ کی والدہ حضرت اُمّ فرویؓ ہیں جو پانچویں امامؑ کی زوجہ ہیں۔ اُمّ فرویؓ کی دادی اور پانچویں امامؑ کی دادی دونوں سگی بہنیں تھیں۔ شاید آپ کے ذہن میں وہ واقعہ موجود ہو کہ ایران کے بادشاہ کی دو بیٹیاں شہر بانوؑ اور کیہان بانوؓ مدینہ منورہ میں لائی گئیں۔ شہر بانوؑ کا نکاح حضرت امام حسین علیہ السلام سے ہوا اور کیہان بانوؓ کا نکاح محمدؓ بن ابی بکر سے ہوا۔ چناں چہ کیہان بانوؓ کی

نسل میں حضرت اُمّ فرویؑ ان کی پوتی ہیں اور شہر بانوؑ کی نسل میں سے پانچویں امامؑ ان کے پوتے ہیں اور ان دونوں بہنوں کی نسل کا آپس میں رشتہ قائم ہوا جس کے نتیجے میں ہمارے چھٹے امامؑ اس دنیا فانی میں تشریف لائے۔

حضرت اُمّ فرویؑ جو ہمارے چھٹے امامؑ کی والدۂ ماجدہ تھیں ان کے بارے میں خود چھٹے امامؑ نے ان کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: میری والدہؑ ان مومنات میں سے ایک مومنہ ہیں کہ جو خدا پر ایمان لائیں اور تمام زندگی تقویٰ اور پرہیزگاری کے ساتھ گزاری۔

چھٹے امامؑ کا یہ مختصر سا تعارف حضرت اُمّ فرویؑ کی پوری زندگی کا ایک انتہائی دل آویز نقشہ ہمارے سامنے کھینچ دیتا ہے کہ اُمّ فرویؑ نے تقویٰ کے ساتھ زندگی گزاری۔ پرہیزگاری کے ساتھ زندگی گزاری اور نیکی کے ساتھ زندگی گزاری۔

روایات اور واقعات اس قسم کے ہیں جو ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ حضرت اُمّ فرویؑ کا علم فقہ اور علم دین اتنا زیادہ تھا کہ بعض اوقات مدینہ و مکہ کے فقہا کو حضرت اُمّ فرویؑ مسئلے بتایا کرتی تھیں۔ خاص طور پر تاریخوں میں ایک واقعہ موجود ہے کہ مکہ میں حضرت اُمّ فرویؑ نے حجر اسود کو اپنے بائیں ہاتھ سے بوسہ دیا تھا تو اس وقت مکہ کے کچھ فقہا نے اعتراض کیا تھا کہ یہ آپؑ غلط کام سرانجام دے رہی ہیں، آپؑ کو سیدھے ہاتھ سے بوسہ دینا چاہیے تو اس وقت حضرت اُمّ فرویؑ نے ان سے ایک مناظرہ کیا تھا اور وہ تاریخ میں ایک بہت اہم مناظرہ ہے۔ لیکن وقت محدود ہے اور گفتگو بہت طویل ہے اس لیے حضرت اُمّ فرویؑ کے تذکرے کو موخر کرتے ہوئے امامؑ کے حالات پر بات کرتے ہیں۔

اب چھٹے امامؑ کو جو دور ملا، جو زمانہ ملا اس زمانے کو ہم نے گذشتہ تقریر میں تفصیل سے بیان کر دیا تھا لیکن یہاں مختصر طور پر بیان کرتے ہوئے کہ وہ زمانہ اس قسم کا تھا کہ خاندانِ اہل بیتؑ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی سیرت پر چلتے ہوئے جو قربانی دی تھی اس قربانی کے بعد اب وہ دور ختم ہو گیا کہ جب لوگ سوال کیا کرتے تھے کہ علیؑ کس کا نام ہے؟

وہ سازش کہ جس کا آغاز کچھ اس طرح سے ہوا تھا کہ خاندانِ اہل بیتؑ کے نسب کو

چھپایا جائے اس کی انتہا اس مقام تک پہنچ گئی تھی کہ شام کے لوگ یہ سوال کیا کرتے تھے کہ یہ علیؑ رسولؐ کے بیٹے ہیں یا رسولؐ کے باپ ہیں (استغفر اللہ)؟

وہ حالت، وہ نوبت کہ جہاں اہل بیتؑ کے نام کو اس طرح سے چھپایا گیا تھا، حضرت امام حسین علیہ السلام کی قربانی اور امام زین العابدینؑ کی تبلیغ کے نتیجے میں اب وہ حالت نہ تھی کہ لوگ خاندانِ اہل بیتؑ سے بالکل واقف نہ ہوتے۔ اس لیے کہ اب لوگوں کو پتا چل گیا تھا کہ خاندانِ اہل بیتؑ موجود ہے اور لوگوں کے ذہن میں یہ بات بھی آ رہی تھی کہ خاندانِ اہل بیتؑ ہی اصلاً مستحق خلافت ہے۔ اس مقام پر پانچویں امامؑ آگے بڑھے اس لیے کہ چوتھے امامؑ نے لوگوں کے ذہن میں اہل بیتؑ کا تصور بٹھایا اور پانچویں امامؑ کو ثابت کرنا تھا کہ اہل بیتؑ کے بارے میں جو کچھ رسولؐ نے کہا وہ بالکل صحیح ہے۔ چناں چہ پانچویں امامؑ نے اپنی تمام زندگی بھی جہاد کرتے ہوئے گزاری۔ جس وقت پانچویں امامؑ ۱۱۴ ہجری میں کو شہید کیا گیا تو اس وقت زمانے کی حالت اس لحاظ سے بہت بہتر تھی کہ اہل بیتؑ کا نام لوگوں کے ذہنوں میں بیٹھا ہوا تھا۔

پانچویں امامؑ کی تمام زندگی کی تبلیغ کے نتیجے میں لوگوں کے ذہن میں یہ خیال بھی بیٹھ گیا تھا کہ اہل بیتؑ زمانے کے سب سے عالم ہیں اس لیے ایک طرف حکومت وقت کے تمام تر مظالم کہ لوگوں کو اہل بیتؑ سے دور کیا جائے لیکن دوسری طرف تیسرے، چوتھے اور پانچویں امامؑ کی قربانیوں کے نتیجے میں اب لوگ اہل بیتؑ کے اتنے گرویدہ ہو چکے تھے۔ دشمنی بھی اہل بیتؑ سے رکھتے تھے لیکن علمی مسائل کو حل کرنے کے لیے بھی درِ اہل بیتؑ پر آنے پر مجبور تھے اور یہ وہ دور بھی نہیں تھا جو اس سے پہلے گزرا تھا کہ ایک مسئلہ پوچھا علی علیہ السلام سے اور اس کے بعد نظر انداز کر دیا۔

نہیں!

اب گروہ در گروہ لوگ دنیا کے کونے کونے سے کھنچ کھنچ کر آ رہے تھے اور چھٹے امامؑ مدینے میں قائم مدرسہ سے کہ جس کے بارے میں یورپ کے مؤرخین نے لکھا کہ افلاطون اور

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام یہ دو ہستیاں ہمیں ایسی نظر آتی ہیں کہ یورپ نے جب سے سائنس میں ترقی کی ہے اس کے بعد تو علم بڑھا ہے لیکن اس سے پہلے آدم علیہ السلام سے لے کر یورپ کی سائنسی ترقی تک جتنا دور گزرا ہے اس میں ہمیں صرف دو ہستیاں نظر آتی ہیں جنھوں نے علم کو صحیح معنوں میں پھیلایا' ایک یونان کا فلسفی افلاطون' جس نے اپنی اکیڈمی قائم کی تھی اور دوسرے شیعوں کے امامؑ حضرت جعفر صادق علیہ السلام کہ جنھوں نے مدینے میں اپنا مدرسہ قائم کیا تھا۔ اس کے بعد ان کی کتاب کہ جس کا اُردو ترجمہ ہونے والا ہے۔ اس میں انھوں نے یہ لکھا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی محنتیں افلاطون سے زیادہ تھیں۔ اس لیے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس علمؑ افلاطون سے زیادہ تھا۔

اس چیز کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ جو یورپ کے مؤرخین لکھ رہے ہیں جو امامؑ کو امام نہیں مانتے۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ تاریخ میں سب سے بڑے عالم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام تھے اس لیے کہ چھٹے امامؑ کو جو دور ملا تھا وہ دور بڑا نازک دور تھا۔ بنوامیہ کے تمام تر خلفا اپنی عیاش طبیعتوں کی وجہ سے اپنے پیٹ کی آگ کو بجھا رہے تھے یا اپنی جنسی خواہشات کو پورا کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ ان کا کوئی اور کام نہ تھا۔ اسی دور میں چوتھے امامؑ اور پانچویں امامؑ کی تبلیغات کے نتیجے میں لوگوں کے دلوں میں سادات کی عظمت پیدا ہو رہی تھی۔ لوگ تلاش کر رہے تھے کہ اہل بیتؑ نظر آئیں تو ہم اہل بیتؑ سے متمسک ہو جائیں۔

۹۵ ہجری میں چوتھے امامؑ کی شہادت ہوئی اور ۱۱۴ ہجری میں پانچویں امامؑ کی شہادت ہوئی۔ اس مقام پر چھٹے امامؑ امامت کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ہمارے جتنے ائمہ علیہم السلام گزرے ہیں بل کہ معصومین علیہم السلام کے پورے سلسلے میں سب سے زیادہ طویل عمر یعنی پینسٹھ سال ہمارے چھٹے امامؑ کی تھی۔ اس لیے چھٹے امامؑ کو سب سے زیادہ کام کرنے کا موقع ملا اور چھٹے امامؑ کو زمانہ بھی وہ زمانہ ملا کہ چوتھے امامؑ اور پانچویں امامؑ اس مقام تک مسلمانوں کو پہنچا کر گئے تھے کہ جب مسلمانوں کے دلوں میں اہل بیتؑ کی عظمت اور اہل بیتؑ کی عزت بیٹھنے لگی تھی اس وقت چھٹے امامؑ آگے آتے ہیں اور اب مذہب شیعہ پر لوگوں کی تحقیق کہ چھٹے

امامؑ کے سامنے دو راستے تھے: ایک راستا سیاست کا تھا اور ایک راستا ثقافت کا تھا۔

چھٹے امامؑ کے سامنے ایک راستا تو یہ تھا کہ وہ اس ماحول کو دیکھتے۔ اس منظر کو دیکھتے کہ لوگ آلِ محمدؐ کے ساتھ ہو رہے ہیں۔ وہ بھی اپنی فوج اکٹھی کرتے' وہ بھی کوئی پارٹی بناتے' وہ بھی کوئی جماعت بناتے اور آلِ محمدؐ کا نعرہ لگا کر کھڑے ہوتے تو لوگ جتنا ان کا ساتھ دیتے اتنا کسی کا ساتھ نہ دیتے۔

جب مختار رضی اللہ عنہ جیسے شخص کو صرف امامؑ کے قاتلوں سے بدلہ لینے کے نعرے کی وجہ سے حکومت مل گئی' جب بنو عباس کو صرف آلِ محمدؐ کے خون کے انتقام کا نعرہ لگانے کی وجہ سے حکومت مل گئی۔ حالاں کہ ان کا آلِ محمدؐ سے کوئی قریبی تعلق نہ تھا تو اس دور میں اگر چھٹے امامؑ امام حسینؑ کے پوتے کھڑے ہو کر یہ نعرہ لگاتے کہ ہم کربلا والوں کے خون کا انتقام لیں گے تو یقیناً تمام لوگ امامؑ کے پاس آ جاتے اور چھٹے امامؑ کو موقع بھی ملا تھا بنو عباس کا خاندان جو ظلم میں خاندانِ بنو اُمیہ سے کسی طرح کم نہیں تھا۔

۱۳۲ ہجری میں بنو اُمیہ کا آخری بادشاہ مروان مارا گیا تھا اور اب تاریخوں میں لکھا ہے کہ جتنے مظالم خاندانِ بنو اُمیہ نے کیے تھے بنو عباس نے ہر ایک ظلم کا بدلا بنو اُمیہ سے لیا اور ابو العباس بنو عباس کا پہلا خلیفہ بن گیا۔

جس زمانے میں بنو اُمیہ اور بنو عباس کی جنگ جاری تھی تو دو لوگوں نے بنو عباس کو خلافت دلوائی: ایک کا نام ابو سلمہ ہے' ایک کا نام ابو مسلم ہے۔

ابو سلمہ محبِ اہل بیتؑ تھا۔ اتنا محبِ اہل بیتؑ تھا کہ اس کا نام ہی وزیر آلِ محمدؐ تھا۔ ابو سلمہ نے جب یہ دیکھا کہ بنو اُمیہ کی حکومت ختم ہونے والی ہے اور ہم آگے بڑھ کر معمولی سی جنگ کر کے خلافت کو اپنے قبضے میں لے سکتے ہیں تو ابو سلمہ نے چھٹے امامؑ کے نام ایک خط لکھا۔ اس خط میں چھٹے امامؑ سے درخواست کی کہ خلافت ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ایک آخری معرکہ ہونے والا ہے اور ہمیں یقین ہے کہ ہم خاندانِ بنو اُمیہ کا خاتمہ کر دیں گے۔ آپ اس خلافت کو قبول کر لیجیے۔ اس سے بہتر کوئی موقع آپ کو نہ ملے گا۔

چھٹے امامؑ کے پاس خلافت کا پروانہ پہنچتا ہے۔ ابوسلمہ کا قاصد پہنچا۔ پہنچنے کے بعد یہ خط چھٹے امامؑ کے حوالے کیا۔ اب روایتیں یہ بتاتی ہیں کہ امامؑ نے اس خط کو لیا اور کھول کر پڑھنے کی زحمت بھی گوارا نہ کی بلکہ اس خط کو آگ میں جلا دیا۔

کہا: جا کر ابوسلمہ سے کہہ دے کہ یہی تیرے سوال کا اور یہی تیرے خط کا جواب ہے۔

امامؑ نے خلافت کو ٹھکرا دیا۔

کیوں؟

اب اس موضوع پر عیسائی مؤرخین کی یہ تحقیق ہے کہ اگر امامؑ اس وقت اس خلافت کو قبول کر لیتے تو اسی مقام پر مذہب شیعہ کا خاتمہ ہو جاتا اور پانچ اماموںؑ نے مذہب شیعہ کو جو ترقی دی تھی اگر چھٹے امامؑ اس وقت خلافت کو قبول کر کے ایک عام دنیاوی خلیفہ بن جاتے تو اس کے نتیجے میں مذہب شیعہ کا خاتمہ ہو جاتا تو امامؑ نے سیاست میں آنے کی بجائے یہ مناسب سمجھا کہ میں اپنے مذہب کو اتنا طاقت ور کر جاؤں کہ کوئی مٹانے والا اسے مٹا نہ سکے۔ اس کے بعد اس قسم کے (سیاسی) معاملات میں ہاتھ ڈالا جائے۔

چناں چہ ایک طرف بنوعباس آلِ محمدؐ کا نام لے کر ائمہ علیہم السلام کا نام لے کر بنواُمیہ کے خلاف لڑ رہے ہیں اور دوسری طرف چھٹے امامؑ مدینے میں اپنا مدرسہ کھول کر بیٹھے ہوئے تھے اور یہ اس شان کا مدرسہ تھا کہ جس کے اندر تمام مسلمان درس لینے آتے تھے۔ مسلمان تو مسلمان غیر مسلمان بھی درس لینے آتے تھے اور کچھ ایسی شان تھی اس مدرسے کی کہ حکومت وقت کو اس مدرسے سے حسد پیدا ہو گیا تھا۔

اب روایتیں بتاتی ہیں کہ ابوالعباس خلیفہ بنا اور چار سال بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد منصور دوانیقی خلافت پر بیٹھا۔ جو انتہائی ظالم شخص تھا۔ انتہائی جابر شخص تھا۔ سات مرتبہ اس نے چھٹے امامؑ کو شہید کرنے کے واسطے اُن پر حملہ کیا تھا لیکن خدا کی مصلحت اور مدد تھی کہ ساتوں مرتبہ اس کا حملہ ناکام ہو گیا اور اس وقت کہ جب چھٹے امامؑ اپنے مشن کو کامیابی کے ساتھ مکمل کر سکے تو اس وقت اس کا حملہ کامیاب ہوا۔

روایت میں ہے کہ ایک دن اس کے درباریوں نے دیکھا کہ یہ سر کو جھکائے ہوئے بیٹھا ہے اور بہت پریشانی اور غم گین حالت میں ہے۔

درباریوں نے ہاتھ جوڑ کر سوال کیا: اے خلیفہ وقت! خدا نے آپ کو دولت دی ہے' خدا نے آپ کو ہر نعمت دی ہے اس کے بعد بھی آپ اتنے غم گین' اس کے بعد بھی آپ اتنے اُداس سر کو جھکائے بیٹھے ہیں؟

اُس نے جواب دیا: ہاں! میں اپنی صحت کو' اپنی طاقت کو دیکھتا ہوں لیکن دوسری طرف جب میں مدینہ میں دیکھتا ہوں کہ یہ جعفر صادقؑ اپنا مدرسہ لگائے ہوئے بیٹھے ہیں اور لوگ دُور دُور سے اس کے پاس آ رہے ہیں تو ایک مرتبہ میرے دل میں خیال پیدا ہوتا کہ یہ تمام تر دولت اور صحت و طاقت بے کار ہے۔ انسان کے پاس مقام ہو تو ایسا مقام ہو کہ جیسا امامِ جعفر صادقؑ کے پاس ہے۔

یہ سننا تھا تو ایک مرتبہ درباریوں نے کہا: یہ کون سی مشکل چیز ہے کل سے ہم آپ کے لیے بھی ایک مدرسے کا انتظام کریں گے۔ اسی طرح آپ بھی درس دینا شروع کر دیجیے۔ ہم پورا پورا انتظام کریں گے۔

چناں چہ آئندہ روز وزیروں نے انتظام کیا کہ جتنے امیر زادے تھے' جتنے وزیر زادے تھے' جتنے رئیسوں کے بیٹے تھے سب کو چھانٹ چھانٹ کر بھیجا گیا کہ خلیفہ وقت امامؑ کی طرح درس دینا چاہتے ہیں۔ تم لوگ حاضر ہو جانا۔ وہ دن آیا تو خلیفہ کے لیے چاندی کی مسند بچھائی گئی۔ اس پر خلیفہ وقت بیٹھا۔ سامنے تمام درباری وزیر' مشیر' وزیرزادے' مشیرزادے' امیرزادے' رئیسوں کے بیٹے بیٹھے ہر ایک کے ہاتھ میں چاندی کا قلم دوات ہے۔

خلیفہ وقت نے درس دینا شروع کیا اور سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں نے اسے سننا شروع کیا اور وقتاً فوقتاً اپنی جگہ تحریر کرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ درس ختم ہو گیا۔ جب درس ختم ہو گیا تو اس کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ آج خلیفہ وقت نے امامؑ کی طرح درس بھی دے دیا۔ لیکن چہرہ اسی طرح سے اُترا ہوا' پریشانی کے آثار اسی طرح چہرے پر طاری ہیں۔

وزیروں نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا: خلیفۃ المسلمین! اب تو آپ اپنے مقصد میں کام یاب ہو گئے ہیں' آپ کے پاس بھی لوگ سبق پڑھنے کے لیے آنے لگے ہیں۔ آپ کا مدرسہ بھی جعفر صادقؑ کی طرح سے کام یاب مدرسہ ہے' تو خلیفہ وقت نے پُر درد آہ بھر کر کہا: میں اپنے ان تمام شاگردوں کو دیکھتا ہوں اور میں نے جعفر صادقؑ کے شاگردوں کو بھی دیکھا ہے جب میں اپنے شاگردوں کو دیکھتا ہوں تو ہر ایک کے چہرے پر خوشی ہے' ہر ایک کے چہرے پر اطمینان ہے' ہر ایک کی حالت یہ بتا رہی کہ وہ انتہائی دولت کے ساتھ' انتہائی آرام اور اطمینان کے ساتھ یہاں پر آیا ہے۔

میں سبق دے رہا تھا لیکن ہر ایک کے بیٹھنے کے طریقے سے' ہر ایک کے سننے کے طریقے سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ یہ لوگ یہاں پر صرف ڈرامے کے لیے آتے ہیں۔ پڑھنا ان کا مقصد نہیں' مجھے ایسے شاگرد نہیں چاہئیں مجھے تو ایسے شاگرد چاہئیں جیسے اُس مدرسے میں ہیں کہ جن کی پیشانیوں پر گرد و غبار ہوتا تھا' جن کا لباس پھٹا ہوا ہوتا ہے' جن کے پاؤں تلے چھالے ہوتے تھے' جن کی آنکھوں کے گرد حلقے ہوتے تھے۔

مجھے یہ چاندی کا قلم دوات لیے ہوئے' بہترین لباس پہنے ہوئے' اطمینان اور سکون کی مسکراہٹ لیے ہوئے شاگرد نہیں چاہئیں۔ لیکن ایسے شاگرد تو سوائے امامؑ کے کہیں موجود نہ تھے اور امامؑ نے اس مدرسے کو صرف اور صرف اس لیے قائم کیا تھا کہ ایک طرف تو حکومت وقت جتنا ظلم کر رہی ہے' جتنا تشدد کر رہی ہے اس کے مقابلے میں امامؑ کا یہ مدرسہ ہر مسلمان ہونے والے کو بتائے کہ اسلام یہ ہے' وہ نہیں ہے۔

منصور دوانیقی کے ظلم کے بارے میں تاریخوں میں لکھا ہے کہ اس کا ظلم کسی لحاظ سے بھی بنواُمیہ کے ظلم سے کم نہ تھا بلکہ بنواُمیہ سے بھی زیادہ تھا اس لیے کہ بنواُمیہ کے خلفا کے پاس ظلم کے علاوہ اور بھی مصروفیات تھیں' عیش و آرام بھی کرتے تھے' عورتوں کی صحبت میں بھی زندگی گزارتے تھے' کھانے اور پینے کی طرف بھی توجہ دیا کرتے تھے۔

لیکن منصور دوانیقی کے بارے میں یہ تھا کہ وہ ایک انتہائی بخیل اور انتہائی کنجوس شخص

تھا۔ یہ کھانے کے نام پر یا کسی عورت کے نام پر ایک درہم بھی خرچ کرنے پر تیار نہ ہوتا تھا۔ اس کا ایک ہی شوق تھا' ایک ہی مشغلہ تھا اور وہ یہ کہ ظلم کرے اور ظلم بھی جتنی کثرت سے ہو سکے اتنی کثرت سے کرے۔

چناں چہ اس نے ظلم کیا اور اپنی پوری شدت کے ساتھ ظلم کیا کہ جس کے نتیجے میں بغداد کی تعمیر ہوئی اور آپ کے علم میں ہے کہ بغداد کی تعمیر کس طریقے سے ہوئی؟ وہ اس طرح کہ بغداد کی تعمیر میں پانی کم استعمال کیا گیا اور سادات کا خون زیادہ استعمال کیا گیا۔

جس وقت دیوار کے لیے گارا تیار کیا جاتا تھا اور مزدور پانی کی تلاش میں نکلتے تھے تو ان کو روک دیا جاتا تھا کہ اس گارے میں پانی ملانے کی ضرورت نہیں ہے اور اس کے بعد قید خانے کے داروغے کو حکم دیا جاتا تھا کہ جاؤ اور جا کر دیکھو قید خانوں میں آلِ محمدؐ سے تعلق رکھنے والے جتنے ہیں صرف انھیں کو چھانٹ چھانٹ کر لانا۔ انھیں لایا جاتا تھا اور لانے کے بعد ان کو ذبح کر کے ان کا خون مٹی میں ملایا جاتا تھا اور اس گارے سے بغداد کی چار دیواری کی تعمیر ہوئی۔

صرف بغداد کی چار دیواری ہی نہیں بل کہ بغداد کی جتنی بھی عمارتیں بنائی گئیں وہ تمام کی تمام سادات کرام کے خون سے تیار کی گئیں۔ اتنی شدت کے ساتھ منصور دوانقی نے مظالم کیے کہ تاریخ کا جملہ ہے' تاریخ ابن خلدون میں یہ واقعہ موجود ہے کہ جب منصور کا آخری وقت قریب آیا تو وہ اپنے بیٹے مہدی کو اپنی جگہ خلیفہ بنانا چاہتا تھا جب کہ مہدی شکار کے لیے باہر گیا ہوا تھا۔ اس نے اپنے ملازموں کو حکم دیا کہ جلدی مجھے بغداد سے مکہ لے چلو۔ میں چاہتا ہوں کہ مجھے مکہ کی مقدس سرزمین میں موت آئے۔

اس نے جاتے جاتے اپنی بہو کو بلوایا اور بہو کو بلانے کے بعد ایک چابی اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا: اس چابی کو احتیاط سے رکھ لو جب مہدی میرے مرنے کے بعد شکار کھیل کر واپس آئے تو یہ چابی اسے دینا اور اس سے یہ کہنا کہ اس چابی کے ذریعے سے محل کا فلاں کمرہ کھول لے اس کمرے میں جانے کے بعد اسے پتا چل جائے گا کہ اس کے باپ کی حکومت کا

راز کیا تھا۔ اگر وہ چاہتا ہے کہ اپنے باپ کی طرح حکومت کر جائے تو یہ راز اس کو اس کمرے میں ملے گا لیکن ایک بات کا خیال رکھنا کہ تمھارے شوہر اور تمھارے علاوہ کسی اور کو اس کمرے میں نہیں جانا چاہیے۔

روایت میں ہے کہ جب مہدی شکار کھیل کر واپس آیا اور اسے اپنے باپ کا یہ پیغام ملا تو اس کے دل میں تجسس پیدا ہوا کہ پتا نہیں اس میں میرے باپ نے قوانین کا کوئی مجموعہ چھپا رکھا ہے' کوئی بڑا خزانہ اس کے اندر چھپا رکھا ہے جس کی مدد سے میرے باپ نے حکومت کی تھی چناں چہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ چلا۔ کمرے کے پاس پہنچا' چابی لگائی اور دروازے کو کھول کر کمرے میں داخل ہوا۔ تھوڑی دیر تک تاریکی کی وجہ سے اُسے کچھ نظر نہ آسکا لیکن جب نظر آیا تو اتنا خوف ناک منظر تھا کہ وہ اور اس کی بیوی دونوں چیخیں مارتے ہوئے باہر نکل آئے۔

تھوڑی دیر کے بعد جب غلام اکٹھے ہو گئے تو یہ لوگ پھر کمرے میں داخل ہوئے۔ انھوں نے یہ دیکھا کہ ایک بڑا وسیع و عریض کمرہ ہے اور وہ کمرہ شروع سے لے کر آخر تک اور نیچے سے لے کر اوپر تک لاشوں سے بھرا پڑا ہے۔ اس میں لاشیں ہی لاشیں موجود ہیں۔ یہ اور آگے بڑھے' قریب جا کر دیکھا تو ہر لاش کے گلے میں ایک پٹہ ہے اور اس پٹے کے اندر ایک کاغذ ہے' اس کاغذ کے اندر لکھا ہے کہ یہ کون تھا' کس کا بیٹا تھا اور اس کو کیوں قتل کیا گیا تو ہر کاغذ پر اس کا جرم یہ لکھا گیا تھا کہ یہ ہمارے خاندان کی بجائے جعفر صادقؑ کے خاندان سے محبت کرتا تھا۔ صرف یہی جرم ہر ایک کے پٹے پر لکھا ہوا تھا۔

اب جب اس نے دیکھا تو پتا چلا کہ وہ پورا وسیع و عریض کمرہ وہ جتنی لاشوں سے بھرا ہوا ہے۔ وہ ساری کی ساری سادات کی لاشیں ہیں۔ اُس نے کتنے سید قتل کیے' اپنے محل کی تعمیر کے لیے اور اس کے بعد پورے کے پورے کمرے لاشوں سے بھر دیے۔

اب آپ خود اندازہ لگائیے کہ کتنی شدت کے ساتھ چھٹے امامؑ کے زمانے میں قتل عام ہو رہا تھا اور چھٹے امامؑ جب چاہتے اپنی فوج جمع کر سکتے تھے۔ لیکن چھٹے امامؑ نے ان تمام موقعوں پر صبر کیا۔ صرف اس لیے صبر کیا کہ اگر اس وقت ہم نے تلوار نکالی تو تلوار نکالنے کے بعد حکومت تو

وقت مکمل کر ہمارے مقابلے میں آ جائے گی اور جتنی ہم محنتیں یا کوششیں کر رہے ہیں رسولؐ کے پیغام کو پہنچانے کی وہ ختم ہو جائیں گی۔ یہ وہ وقت ہے کہ جب ہمیں مذہب کی بنیاد کو مضبوط کرنا ہے اسی لیے چھٹے امامؑ کی روایت ہے کہ ہم اپنے ماننے والے شیعوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

امامؑ شیعوں کا شکریہ ادا کر رہے ہیں' کیوں شکریہ ادا کر رہے ہیں؟

امامؑ جواب دیتے ہیں: عیسیٰ علیہ السلام کے بھی حواری تھے' ہمارے بھی حواری ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بھی صحابی تھے' ہمارے بھی صحابی ہیں۔ لیکن خدا کی قسم! جب عیسیٰ علیہ السلام پر وقت آیا تو عیسیٰ علیہ السلام کے شیعہ منہ موڑ گئے۔ لیکن جب ہم پر وقت آیا تو ہماری خاطر ہمارے ان شیعوں نے ہم سے زیادہ قربانی دی۔

ایک طرف تو مظالم کی یہ شدت جو آپ نے سنی اور پھر چھٹے امامؑ پر بھی آخر کے تین سالوں میں کتنی شدید پابندی لگائی گئی۔

کوفہ میں کسی شخص نے کسی بات پر اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ طلاق تو دے دی لیکن طلاق دینے کے بعد دل میں پچھتاوا پیدا ہوا۔ اُس نے تین طلاقیں دی تھیں کہ میں تجھے تین طلاقیں دیتا ہوں۔ جب اس کو اس بات کا احساس ہوا کہ میں نے غلط کیا ہے تو وہ کوفہ کے فقہا کے پاس گیا۔ ایک ایک فقیہ سے' ایک ایک عالم سے دریافت کیا کہ میں نے تین طلاقیں اپنی بیوی کو دے دیں۔ اب میرے لیے کیا حکم ہے تو تمام فقہائے کوفہ نے جواب دیا کہ شریعت میں تین طلاقوں کے بعد اب قطعاً نکاح کی گنجائش نہیں ہے' جب تک کہ تیری بیوی پہلے کسی اور کے ساتھ نکاح نہ کرے اور وہ شخص تیری بیوی کو طلاق نہ دے دے۔ اس کے بعد تو اپنی بیوی سے نکاح کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی راستا نہیں۔

چناں چہ یہ شخص بڑا پریشان ہوا' بڑا گھبرایا کہ یہ تو میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ آخر کار کوفہ کے فقہا سے پوچھتے پوچھتے ابوبصیرؓ کے پاس پہنچ گیا جو چھٹے امامؑ کے بڑے قریبی صحابی اور کوفہ کے اندر نائب امامؑ تھے۔ جب حضرت ابوبصیرؓ کے پاس پہنچا اور ان کے سامنے مسئلہ رکھا تو ابوبصیرؓ نے جواب دیا: گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں اس لیے کہ شریعت کے مطابق ایک وقت

میں تین طلاقیں نہیں دی جاتی ہیں۔ تین نہیں بل کہ اگر تمیں ہزار مرتبہ بھی کوئی طلاق طلاق کہے تو وہ ایک ہی طلاق شمار ہو گی۔ اب تیرے پاس موقع ہے کہ اتنے وقت میں چاہے تو رجوع کر لے۔ اگر وقت گزر گیا ہے تو دوبارہ نکاح کر لے۔ کسی دوسرے کے پاس اپنی بیوی کو بھیجنے کی ضرورت نہیں۔

اب جو اس نے سنا تو ایک طرف خوشی تو بہت ہوئی کہ میرا مسئلہ حل ہو گیا۔ لیکن دوسری طرف یہ بھی پریشانی ہے کہ معاملہ بڑا نازک ہے' وہ اس طرح کہ تمام کوفہ کے فقہا تو یہ کہتے ہیں کہ اب یہ شادی نہیں ہو سکتی اور ایک ابوبصیرؒ کہہ رہے ہیں کہ شادی ہو سکتی ہے۔ بڑا گھبرایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ابوبصیرؒ نے غلط مسئلہ بتایا ہو۔ اگر میں عمل کروں تو زنا نہ بن جائے۔ تمام نسل حرام کی نسل قرار پائے گی۔

چناں چہ بڑا گھبرایا' گھبرا کر کہا: مسئلہ مجھے اپنی پسند کا لگ رہا ہے لیکن دل نہیں مانتا۔ اس لیے کہ بہت ہی نازک مسئلہ ہے۔ کوفہ کے تمام فقہا کے برخلاف آپ نے جو مسئلہ بیان کیا ہے۔ اس کا ثبوت کیا ہے؟

ابوبصیر نے کہا: اگر جعفرؑ ابن محمدؑ یعنی چھٹے امامؑ گواہی دے دیں اور اسی طرح بتائیں تو پھر تو مانے گا؟

اس نے کہا: ہاں! اگر چھٹے امامؑ کہہ دیں تو پھر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔

ابوبصیرؒ کہنے لگے: مدینہ جا اور جا کر امامؑ سے ملاقات کر' وہ تجھے یہی مسئلہ بتائیں گے۔

روایت میں ہے کہ وہ شخص مدینہ میں آیا' مدینہ میں آنے کے بعد وہ چھٹے امامؑ کے گھر کی طرف چلا۔ جب وہ اس گلی میں داخل ہوا کہ جس گلی میں چھٹے امامؑ کا قیام تھا تو اس کا ایک پرانا دوست مل گیا۔ اس نے دیکھا کہ میرا دوست بھی کوفہ سے آیا ہے تو وہ خوشی سے اس سے لپٹ گیا۔

اس نے کہا: کیا سبب ہے کہ تُو اتنا فاصلہ طے کر کے یہاں مدینے میں آیا ہے؟

اس نے جواب دیا: مجھے ایک مسئلہ معلوم کرنا تھا اس لیے میں چھٹے امامؑ کے پاس جا رہا ہوں۔

جب اس کے دوست نے یہ بات سنی تو ایک مرتبہ گھبرا گیا۔

اس نے کہا: آہستہ بول اور ذرا جلدی یہاں سے چل؛ اگر کسی کو پتا چل گیا کہ تو امامؑ کے پاس آیا ہے تو فوراً قتل کر دیا جائے گا اور تیرا لاشہ تک کسی کو نظر نہیں آئے گا۔

اُس نے جو یہ بات سنی تو گھبراہٹ بڑھی۔ اب وہ آگے بڑھا' اس کو پتا چلا کہ امامؑ کے گھر کے سامنے خلیفہ وقت کے جاسوسوں نے ایک مکان کرائے پر لیا ہوا ہے اور جاسوس ہر وقت اس مکان میں بیٹھ کر دیکھتے رہتے ہیں کہ کون کون امامؑ کے پاس آ رہا ہے اور جو جو امامؑ کے پاس آئے اس کا نام لکھ لیا جاتا ہے اور اس کے بعد وہ شخص کسی مدینے والے کو نظر نہیں آتا جو بھی ایک مرتبہ امامؑ کے گھر کے دروازے میں داخل ہو کر باہر نکلے' اس کو حکومت گرفتار کر کے فوراً ختم کر دیتی ہے۔

اب جو اس نے سنا تو پریشان ہو گیا' گھبرا گیا۔ گھبرا کر سوچنے لگا کہ جان بھی بڑی قیمتی چیز ہے اور مسئلہ بھی بڑا اہم ہے۔ سوچتے سوچتے مدینے سے باہر نکل آیا۔ جب وہ مدینے سے باہر آیا تو اس نے ایک سبزی فروش کو دیکھا جو مدینے میں داخل ہو رہا تھا' اس کے پاس ایک ٹوکرہ تھا جو اس نے سر پر رکھا ہوا تھا جس میں تازہ سبزیاں تھیں۔ سبزیاں فروخت کرنے کے لیے مدینے میں داخل ہو رہا تھا۔ جب اس نے دیکھا تو فوراً اس کے دل میں ایک خیال آیا' سبزی فروش کے پاس گیا اور کہا: کیا تُو مجھے اپنی ساری سبزیاں فروخت کرنے کے لیے تیار ہے؟

سبزی فروش کے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کی اور کیا بات ہو سکتی تھی کہ کھڑے کھڑے بغیر محنت کے تمام سبزیاں فروخت ہو جائیں۔

اس نے انتہائی خوشی کے عالم میں اقرار کیا کہ ٹھیک ہے۔

اس نے کہا: ایک شرط پر خریدوں گا وہ شرط یہ ہے کہ چند لمحوں کے لیے تجھے یہ اپنا لباس اور یہ ٹوکرہ بھی مجھے دینا پڑے گا۔

وہ سبزی فروش راضی ہو گیا۔

اب اس شخص کو ٹوکرہ مل گیا۔ سبزیاں مل گئیں اور لباس بھی مل گیا۔ اب اس نے لباس

پہنا' ٹوکرہ اپنے سر پر رکھا اور مدینے کی گلیوں میں داخل ہوا۔ یہ دیکھ رہا ہے کہ حکومت کے جاسوس میرے پیچھے لگ گئے ہیں۔ چناں چہ یہ ایک ایک گلی میں ایک ایک محلے میں گیا' ہر جگہ سبزیاں فروخت کرتا ہوا چلا اور جب حکومت کے جاسوسوں نے اس کو سبزیاں فروخت کرتے ہوئے دیکھا تو ان کو یقین ہو گیا کہ یہ ایک سبزی فروش ہے اس کا پیچھا چھوڑ کر چلے گئے۔ اب یہ امامؑ کے محلے میں آیا لیکن ایک ایک گھر کے سامنے سبزی کو فروخت کرتا ہوا امامؑ کے گھر کے دروازے پر پہنچا' جب دروازے پر پہنچا' سبزی فروخت کرنے کی آواز لگائی تو دروازہ کھلا' امامؑ کا غلام باہر آیا۔

کہا: اے سبزی فروش! گھر کے اندر چل ہمارے آقا و مولاؑ خود دیکھ کر تیری سبزیاں خریدنا چاہتے ہیں۔ اتنی بلند آواز سے غلام نے یہ جملہ کہا کہ سامنے یقیناً یہ آواز پہنچ گئی ہوگی۔ یہ کہہ کر اسے بازو سے تھام کر اندر لایا' جب اندر لایا گیا تو ایک مرتبہ امامؑ نے مسکرا کر فرمایا: پوچھ تیرا کیا مسئلہ ہے جس کی خاطر تجھے سبزی فروش بننا پڑا۔

ایک طرف تو اس کی حیرت بڑھ گئی کہ ابھی تو میں نے امامؑ سے کچھ کہا نہیں' اپنا تعارف نہیں کرایا اور امامؑ نے فوراً مجھ سے یہ سوال کر دیا۔ لیکن ذہن میں یہ بھی آیا کہ یہی تو سبب ہے کہ میں کوفہ چھوڑ کر مدینے میں امامؑ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔

اس نے مسئلہ پیش کیا' امامؑ نے وہی جواب دیا جو ابوبصیرؓ کا جواب تھا۔

امامؑ نے فرمایا: جیسا ابوبصیرؓ نے بتایا اسی پر عمل کر اور خبردار! اگر ہمارا کوئی نائب تجھے کوئی مسئلہ بتائے تو پھر اعتراض مت کیا کر' اس پر شک نہ کیا کر' اس لیے کہ جو ہمارا نائب بتاتا ہے وہی ہم بتائیں گے۔ جو ہم بتائیں گے وہی خدا بتائے گا اور جس نے ہمارے کسی نائب کے بتائے پر شک کیا' اس نے ہم پر شک کیا اور جس نے ہم پر شک کیا اس نے خدا پر شک کیا اور جس نے خدا پر شک کیا تو اس کا ٹھکانا سوائے جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ کے سوا کچھ نہیں ہے۔

امامؑ نے یہ کہہ کر اسے رخصت کیا۔

اب ذرا دیکھیں کہ سب سے پرسکون زمانہ چھٹے امامؑ کا ہے اور اس پرسکون زمانے کی

یہ حالت ہے کہ ایک مسئلہ پوچھنے والے کو کس طرح زحمت برداشت کر کے امامؑ کی خدمت میں حاضر ہونا پڑا تو ایسے دور میں جو امامؑ کے شیعہ ہوں گے تو امامؑ کو ان کی کتنی قدر کرنا چاہیے۔ امامؑ کو تو چاہیے کہ ان کو تسلی دیں' اگر وہ کچھ غلطیاں کریں تو ان کی غلطیوں کو نظرانداز کر دیں۔ لیکن نہیں امامؑ کسی شیعہ کے کردار کی غلطی کو نظرانداز کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

چھٹے امامؑ کا ارشاد ہے:

شِیعَتَنَا کُونُوا لَنَا زَیناً

''اے ہمارے شیعو! ہمارے لیے باعث زینت بنو۔''

وَلَا تَکُونُوا عَلَینَا شَیناً

''ہمارے لیے بدنامی کا سبب نہ بنو۔''

کتنی دل سوزی کے ساتھ' کتنی دردمندی کے ساتھ امامؑ ہم سے درخواست کر رہے ہیں کہ ہم اپنے عمل کو صحیح کریں' اپنے عمل کو درست کریں۔

بہرحال!

اس مقام پر چھٹے امامؑ کی سیرت ختم ہوتی ہے کہ چھٹے امامؑ نے منصور کے دور میں اپنا مدرسہ قائم کیا۔ تمام زندگی شیعوں کو شیعہ بنانے کی فکر رہی اور ذہن میں یہ خیال بٹھاتے رہے کہ تمھیں عمل والا مومن بننا ہے۔ ایسا مومن نہیں بننا ہے کہ زبان پر تو علیؑ کا نام ہے اور باقی کردار دشمن علیؑ والا ہے بل کہ ایسا مومن بننا ہے کہ تمھیں دیکھ کر لوگ چھٹے امامؑ کی عزت کریں۔ اس مقام پر اپنے کردار کو لے کر جانا ہے کہ جس مقام پر ہمارا کردار امامؑ سے مل جائے اور ہمارے کردار سے امامؑ کی معرفت ہو۔ یہی چھٹے امامؑ کی سیرت پاک کا خلاصہ ہے۔

......*......

نویں معصومؑ

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

مشخصات

اسم مبارک	:	موسیٰ
لقب	:	کاظمؑ، عبد صالح، نفس زکیہ، صابر، امین، باب الحوائج وغیرہ
کنیت	:	ابو ابراہیم، ابو الحسن، ابو علی، ابو عبداللہ
والد ماجد	:	حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام
والدہ ماجدہ	:	حضرت حمیدہ خاتون سلام اللہ علیہا
ولادت باسعادت	:	۷ صفر ۱۲۸ ہجری مقام ابواء (جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے)
ازواج	:	متعدد بیویاں
اولاد	:	اٹھارہ فرزندان، اُنیس دختران
شہادت	:	۲۵ رجب ۱۸۳ ہجری بروز جمعہ بمقام بغداد
عمر مبارک	:	۵۵ سال
قبر مطہر	:	کاظمین

سیرتِ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

سیرتِ چہاردہ معصومین علیہم السلام کے سلسلے میں ہماری آج کی گفتگو ہمارے ساتویں امامؑ کے بارے میں ہے۔ اگرچہ گفتگو کا سلسلہ اسی مقام سے آگے بڑھے گا جہاں گذشتہ گفتگو کا سلسلہ (۱۴۸ ہجری تک) پہنچا تھا۔ البتہ براہِ راست امام کے زمانۂ امامت پر گفتگو کرنے سے پہلے تھوڑا امام کا تعارف جو ابتدا میں کرایا جانا ضروری ہے۔

امامؑ کی ولادتِ باسعادت ۷ صفر ۱۲۸ ہجری میں ہوئی اور شہادت ۲۵ رجب ۱۸۳ ہجری میں واقع ہوئی۔ مقامِ ولادت' مدینے سے کچھ فاصلے پر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس کا نام "ابواء" ہے اور مقامِ شہادت بغداد ہے' جہاں سے امامؑ کے جسدِ مبارک کو منتقل کر کے کاظمین میں دفن کیا گیا۔

امامؑ کی ولادت کے وقت بنوامیہ کا آخری بادشاہ مروان الحمار اُموی تختِ حکومت پر بیٹھا تھا اور امامؑ کی شہادت کے وقت ہارون رشید کی حکومت کا دور دورہ تھا۔

امامؑ کا نام وہی نام ہے جو اللہ کے اولوالعزم نبی حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا ہے یعنی موسیٰؑ ۔ اور امامؑ کی کنیت ابوابراہیم ہے۔ امامؑ کے مشہور القاب میں سب سے زیادہ مشہور لقب کاظم ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ زمانے کے حالات کی وجہ سے جس طریقے سے امیرالمومنین علیہ السلام کے حالات میں یہ بات آ چکی ہے کہ مولائے کائنات علیہ السلام کی کنیت ابوالحسن یا ابوتراب تھی لیکن جب تقیہ کا زمانہ آیا تھا اور امامؑ کا نام زبان پر لینا جرم بن گیا تھا تو علمائے اِسلام یا شیعہ محدثین امیرالمومنین علیہ السلام کو ابوزینبؑ کہہ کر متعارف کرایا کرتے تھے' بالکل اسی طریقے سے اگرچہ امام ہفتمؑ کا لقب کاظم ہے اور یہ کاظم لقب کیوں پڑا؟

اس کی وجہ کیا تھی؟ اس کی تاریخ کیا تھی؟

وہ بات گفتگو کے درمیان آ جائے گی لیکن جب تقیہ کا زمانہ تھا اور بڑا سخت زمانہ تھا۔ خاص طور پر ہارون رشید عباسی کا' جسے اِس دور میں مسلمانوں کا سب سے بڑا خلیفہ بنا کر پیش

کرنے کی کوشش کی گئی اور اسے ایک محسن اسلام کہا گیا۔ لیکن اس کے دور میں تقیہ کا اتنا سخت دور دورہ تھا کہ امام ہفتمؑ کا نام زبان پر لانا بہت بڑا جرم تھا۔ چناں چہ کتابوں میں امامؑ کا نام عبدالصالح، فقیہ یا عالم ملتا ہے۔

روایات میں مجبوراً تقیہ کی وجہ سے لوگ چھپا نام استعمال کرتے تھے تو یا فقیہ یا عالم یا عبدالصالح اس کے بعد جب امامؑ کا روضۂ مبارک لوگوں کی حاجتیں پوری کرنے کا مرکز بنتا چلا گیا تو امامؑ کا لقب باب الحوائج مشہور ہوتا گیا۔

یہاں تک پانچویں صدی ہجری میں اہل سنت کے مؤرخین اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں خصوصاً خطیب بغدادی اپنی کتاب تاریخ بغداد میں لکھتا ہے: مجھے بھی جس وقت کوئی حاجت پیش آتی ہے، کوئی ضرورت پیش آتی ہے اور دنیا میں کہیں سے مجھے اپنی حاجت کے پورا ہونے کا کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا تو میں بغداد سے کاظمین آتا ہوں اور باب الحوائج کے روضے پر جا کر اپنی حاجت پیش کرتا ہوں تو فوراً میری حاجت پوری ہو جاتی ہے اور علمائے کرام نے کہا کہ بیماریاں خاص طور پر جسمانی بیماریاں، پھر جسمانی بیماریوں میں خاص طور پر آنکھ کی بیماری میں اگر کوئی ساتویں امامؑ سے متوسل ہے اور ساتویں امامؑ کے حوالے سے خدا سے دعا مانگے تو جسمانی بیماریوں خاص طور پر آنکھ کی بیماریوں کے لیے ساتویں امامؑ کا وسیلہ، ساتویں امامؑ کا توسل، ساتویں امامؑ کا حوالہ انسان کی ان حاجات کو پورا کرنے کے لیے انتہائی مفید ثابت ہوگا۔

امامؑ کی اولاد میں سینتیس (۳۷) ہستیوں کا پتا ہمیں چلتا ہے جس میں اُنیس (۱۹) لڑکیاں تھیں اور اٹھارہ لڑکے تھے۔ امامؑ کی والدۂ ماجدہ حضرت حمیدہؑ تھیں اور حضرت حمیدہؑ بربر کی رہنے والی ایک خاتون تھیں جنھیں کچھ بردہ فروشوں نے وہاں سے اغوا کیا تھا اور اس کے بعد مدینہ میں فروخت کرنے کے لیے لائے تھے۔

ایک راوی نقل کرتا ہے کہ ایک مرتبہ میں پانچویں امامؑ کے پاس پہنچا اور پہنچتے ہی میں نے پانچویں امامؑ سے کہا: مولاؑ! اب تو آپؑ کے بیٹے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی عمر بہت زیادہ ہو چکی ہے، شادی کے قابل ہو چکے ہیں اور آپؑ نے اب تک شادی نہیں کی۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے جواب دیا: ابھی اس امر کا خدا کی جانب سے کوئی حکم نہیں آیا۔ اس کی ایک امانت محفوظ ہے جب وہ امانت مدینہ میں منتقل ہو گی تو اس کے بعد ہم اس کی شادی کا اہتمام کریں گے۔

ابن عکاشہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے یہ تذکرہ نہیں کیا۔ لیکن ایک مرتبہ جب میں امامؑ کے پاس پہنچا تو پانچویں امامؑ نے مجھ سے کہا: اے ابن عکاشہ! آج تو میرا ایک کام کر دے فلاں محلے میں کنیزوں کو فروخت کرنے والے آ کر اترے ہیں ایسا کر کہ یہ تھیلی لے جا ان کے پاس چلا جا اس وقت تک ان کے پاس بچی ہوئی دو ہی کنیزیں ہوں گی ان دو کنیزوں میں ایک کنیز جس کی کچھ علامتیں امامؑ نے بتائیں۔ یہ علامتیں جس کے اندر پائی جائیں اس کو تو خرید کر لے آ۔ یہ تھیلی تیرے کام آئے گی۔

ابو عکاشہ کہتے ہیں: میں امامؑ کے بتائے ہوئے پتا کے مطابق چلا اس محلے میں داخل ہوا اس بردہ فروش کے پاس پہنچا جس کا حوالہ امامؑ نے دیا تھا۔ جب میں اس کے پاس گیا اور کہا کہ میں کنیزیں خریدنے آیا ہوں تو اس نے کہا: تو نے آنے میں بڑی تاخیر کر دی ہے جتنی کنیزیں تھیں ساری فروخت ہو گئیں صرف دو کنیزیں رہ گئی ہیں۔

میں نے سوال کیا کہ انھیں دو کنیزوں کو لے آؤ میں انھی دو میں سے کسی ایک کو خرید لوں گا۔
جب وہ دونوں کنیزیں لائی گئیں تو میں نے امامؑ کی بتائی ہوئی علامتوں کے مطابق ان سے سوال کیا۔ اس لیے کہ جو حقیقتاً امامؑ کی والدہ بننے والی تھیں ان کا چہرہ تو بالکل چھپا ہوا تھا۔ میں نے سوال و جواب کیے۔ سوال و جواب کے بعد مجھے پتا چل گیا کہ امامؑ کا اشارہ کس کی جانب تھا۔ میں نے اس بردہ فروش سے کہا: میں اس کنیز کو خریدنا چاہتا ہوں۔

اس نے کہا: اس کی قیمت ستر (۷۰) درہم ہو گی۔

چناں چہ وہ تھیلی جو امامؑ نے مجھے دی تھی میں نے اسے اس کے سامنے رکھا۔ کہا کہ اسے قبول کر لے اس نے صاف انکار کر دیا۔

وہ کہنے لگا: مجھے ستر (۷۰) درہم چاہئیں۔

میں نے کہا: اس تھیلی کو کھول کر دیکھ لو جتنے درہم نکلیں اتنے درہموں سے سودا کر لینا۔

اس نے عذر کر دیا کہ میں اس تھیلی کو کھولنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اس میں سے اگر ستر سے ایک درہم بھی کم نکلا تو میں سودا نہیں کروں گا۔ میں نے اللہ کا نام لے کر اس تھیلی کی مہر کو توڑا۔ اس میں سے پورے ستر (۷۰) درہم نکلے نہ ایک کم' نہ ایک زیادہ۔ امامؑ کی امامت کا اعتقاد تو پہلے ہی تھا لیکن میرے یقین میں اور اضافہ ہو گیا کہ امامؑ نے تھیلی کے اندر پہلے سے ہی ستر (۷۰) درہم رکھے ہوئے تھے۔ بہر حال میں نے رقم بردہ فروش کے حوالے کی اور امامؑ کی امانت کو لے کر امامِ پنجمؑ کے پاس پہنچا۔ جب یہ مخدرہؑ' یہ معظمہؑ امامؑ کے پاس پہنچیں تو امامؑ نے ان سے پوچھا: آپؑ کا نام کیا ہے؟

انھوں نے اپنا بتایا کہ میرا نام حمیدہؑ ہے۔

امامؑ نے فرمایا:

اَنتِ حَمِیدَةٌ فِی الدُّنیَا المَحمُودَةُ فِی الآخِرَةِ

"یقیناً تم دنیا میں اس قابل ہو کہ تمھاری تعریف کی جائے اور آخرت میں بھی تم بہت زیادہ قابلِ تعریف قرار پاؤ گی۔"

یہ امامِ ششمؑ کی زوجہ اور امامِ ہفتمؑ کی والدہ کا پہلا تعارف ہے جو امامِ پنجمؑ کرا رہے ہیں۔

حضرت حمیدہؑ کے بارے میں امامِ ششمؑ کی روایت میں ہے کہ جس طریقے سے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا ہر قسم کی آلائشوں اور نجاستوں سے پاک تھیں جو ایک عام عورت کا خاصہ ہوتی ہیں اسی طرح حضرت حمیدہؑ ان تمام آلائشوں اور تمام نجاستوں سے پاک تھیں اور چھٹے امامؑ کی روایت کہ یہ میری امانت تھی کہ جسے خدا نے ابتدا سے ملائکہؑ کے دامن میں محفوظ کیے رکھا تھا اور تمام زندگی انھوں نے ملائکہؑ رحمت کے ساتھ گزاری تھی۔

چھٹے امامؑ کو ان پر اتنا اعتماد اور بھروسا تھا کہ روایات میں ہے کہ جب عورتیں چھٹے امامؑ کے پاس کوئی مسئلہ پوچھنے آتی تھیں تو امامؑ نے مدینے کی تمام عورتوں کو حکم دے دیا تھا کہ تم حمیدہؑ سے مسائل فقہ پوچھا کرو' حلال و حرام کے مسائل حمیدہؑ سے دریافت کیا کرو' اس لیے کہ

جو حمیدہؑ بتائیں گی یقیناً وہی میرا جواب ہو گا اور جس سوال کا جو حل حمیدہؑ پیش کریں گی وہی امامؑ کا جواب ہو گا تو اتنا اعتماد تھا چھٹے امامؑ کو حضرت حمیدہؑ پر۔

یہی حضرت حمیدہؑ ہیں کہ جنھوں نے ایک عجیب روایت ہمارے سامنے پیش کی۔ ان سے ابو بصیرؓ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں: جب میں چھٹے امامؑ کی شہادت کی خبر پا کر کوفہ سے مدینہ پہنچا' اس لیے کہ مومن کے جو سات حق چھٹے امامؑ نے بتائے تھے ان میں آخری حق یہ تھا کہ جیسے ہی کسی مومن کے انتقال کی خبر ملے تو فوراً اس کے گھر والوں کو تعزیت کے لیے اور پُرسے کے لیے جاؤ۔ چناں چہ ابو بصیرؓ جب حضرت حمیدہؑ کے پاس پہنچے درمیان میں پردہ تھا حضرت حمیدہؑ اپنے کمرے میں اور ابو بصیرؓ باہر کے کمرے میں تھے' ایک مرتبہ ابو بصیرؓ نے کہا: شہ زادیؑ! میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وقتِ آخر میرے مولاؑ کی کیا کیفیت اور حالت تھی؟

روایت میں ہے کہ حضرت حمیدہؑ جو امامؑ کا ماتم کر رہی تھیں ایک مرتبہ روتے روتے رُکیں اور ارشاد فرمایا: ابو بصیرؓ! وقتِ آخر میں نے ایک عجیب بات کا مشاہدہ کیا۔

اس کے بعد حضرت حمیدہؑ نے ابو بصیرؓ کو پورا واقعہ بتایا کہ منصور دوانیقی نے کس طریقے سے امامؑ کو زہر دیا کہ امامؑ زہر کے اثر سے لڑکھڑاتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے اور داخل ہوتے ہی بستر پر گر کر بے ہوش ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو مجھے حکم دیا کہ میں تمام گھر والوں کو امامؑ کے بستر کے چاروں طرف جمع کروں۔ تمام گھر والے امامؑ کے چاروں طرف جمع ہو گئے۔

ابو بصیرؓ حضرت حمیدہؑ سے نقل کرتے ہیں: ایک مرتبہ امامؑ نے آنکھوں کو کھولا ہم سب کو دیکھا اور ایک جملہ کہا اور ایک جملہ کہنے کے ساتھ ہی امامؑ اِس دنیا سے اُس دنیا (عقبیٰ) کی طرف تشریف لے گئے۔ یہ چھٹے امامؑ کا آخری جملہ تھا۔ یہاں چھٹے امامؑ کی امامت اختتام تک پہنچ رہی ہے اور ساتویں امامؑ کی امامت کا آغاز ہے تو ایک امامؑ کی امامت اِس جملے پر اختتام کو پہنچی اور اگلے امامؑ کی امامت کا آغاز بھی اسی جملے پر ہوا۔ یہ ایک اہم ترین پیغام حضرت حمیدہؑ نے ہمارے سامنے بیان کیا ہے اور وہ اہم ترین پیغام کیا ہے؟

حضرت حمیدہؒ کہتی ہیں کہ وقتِ آخر امامؑ نے دیکھا اور ارشاد فرمایا:

إِنَّ شِفَاعَتَنَا لَا تَنَالُ مُسْتَخِفًّا بِالصَّلٰوةِ

ذرا آپ اپنے ذہنوں کے اندر تصور کریں کہ امامؑ کو کیا کہنا چاہیے تھا جو امامؑ نے کہا وہ تو ابھی آپ کے سامنے آئے گا لیکن امامؑ کو کیا کہنا چاہیے تھا؟

امامؑ کو کہنا یہ چاہیے تھا کہ عقیدۂ توحید کو اپنے دلوں میں رکھو۔ امامؑ کو کہنا تو یہ چاہیے تھا کہ دیکھو رسالت کا اعتقاد دلوں میں رہے۔ امامؑ کو تو یہ کہنا چاہیے تھا کہ دیکھو محبتِ اہل بیتؑ کو کبھی نظر انداز نہ کرنا۔ امامؑ کو کہنا تو یہ چاہیے تھا کہ دیکھو ہمیشہ قیامت سے اور قبر سے ڈرتے رہنا۔ امامؑ کو کہنا تو یہ چاہیے تھا کہ دیکھو ہمیشہ ہماری مجلسوں اور ماتم میں شرکت کرنا۔ لیکن حضرت حمیدہؒ نقل کرتی ہیں۔ جہاں ایک امامؑ کی امامت اختتام کو پہنچ رہی ہے' جہاں سے ساتویں امامؑ کی امامت کا آغاز ہے تو چھٹے امامؑ کی امامت کی انتہا اور ساتویں امامؑ کی امامت کی ابتدا نہ توحید ہے' نہ رسالت ہے' نہ امامت ہے' نہ محبتِ اہل بیتؑ ہے' نہ قیامت' نہ کلمہ توحید ہے' نہ کلمہ رسالت بلکہ یہ عجیب فقرہ ہے:

إِنَّ شِفَاعَتَنَا لَا تَنَالُ مُسْتَخِفًّا بِالصَّلٰوةِ

"اے حمیدہؒ! یہ پیغام میرے ایک ایک مومن تک پہنچا دو کہ روزِ قیامت ہم ہر ایک کی بخشش کریں گے' ہر ایک کی شفاعت کریں گے' ہر ایک کی سفارش کریں گے' ہر ایک کو جہنم کی آگ سے جنت کے باغات میں لے جائیں گے۔ لیکن اس شخص کو ہماری سفارش کبھی نہیں پہنچ سکتی کہ جو نماز کو حقیر سمجھتا ہے' نماز کو پوری اہمیت نہیں دیتا۔"

گویا امامؑ نے بتایا کہ عقیدۂ توحید کو اگر بچانا ہے تو یہی نماز ہے جو بچانے والی ہے۔ رسالت کو بچانا ہے تو یہی نماز بچائے گی۔ محبتِ اہل بیتؑ کو دل میں رکھنا ہے تو نماز اس کا واحد طریقہ ہے۔ قیامت کا عقیدہ رکھنا ہے تو نماز ہی کے ذریعہ سے قیامت پر اعتقاد رکھا جا سکتا ہے تو کتنا اہم پیغام حضرت حمیدہؒ نے ہم تک پہنچایا۔ یہ حضرت حمیدہؒ کی اہم ترین حدیثوں میں

سے ایک حدیث ہے اور یہی حضرت حمیدہؑ پر چھٹے امامؑ کو اعتماد تھا کہ جب اپنی شہادت کے بعد جو چھٹے امامؑ نے اپنے پانچ نائب مقرر کیے تو ان میں سے ایک نائبہ یہ حضرت حمیدہؑ تھیں تو یہ ہیں وہ خاتون جو ساتویں امامؑ کی والدۂ ماجدہ ہیں۔

روایت میں ہے کہ یہ قافلہ حج پر جا رہا تھا یا کچھ روایات میں ہے کہ حج سے آ رہا تھا۔ سات صفر کی تاریخ سے ذہن میں یہی تصور بیٹھتا ہے کہ غالباً یہ حج سے واپس آ رہے تھے یعنی امامؑ تھے' حضرت حمیدہؑ تھیں اور امامؑ کے ساتھی تھے۔ یہ سارے کے سارے مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام ابواء پر پہنچے۔ یہ وہ مقام ہے کہ جہاں پیغمبرؐ اسلام کی والدہ حضرت آمنہؑ کا انتقال ہوا تھا۔ اس گاؤں میں یہ قافلہ پہنچا۔ قافلہ ٹھہرایا گیا' تمام کے تمام قافلے والے اُترے۔

ابو بصیرؒ نقل کرتے ہیں: میں چھٹے امامؑ کے پاس پہنچا اتنے میں ایک کنیز آئی اور بعد از سلام کہنے لگی کہ حضرت حمیدہؑ نے بھجوایا ہے اور کہا ہے کہ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے میرے شکم میں کوئی بچہ موجود ہے۔

یہ بھی اس سے پہلے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی تقریر میں آ چکا ہے کہ امامؑ جب اپنی ماں کے شکم میں ہوتے ہیں تو ایک دن سے زیادہ امامؑ کا حمل محسوس نہیں ہوتا ہے۔

چناں چہ حضرت حمیدہؑ کی جانب سے کنیز آئی۔ آنے کے بعد چھٹے امامؑ سے عرض کیا: یا بن رسولؐ اللہ! حضرت حمیدہؑ نے کہلوایا ہے کہ مجھے اپنے بطن میں بچے کے آثار محسوس ہو رہے ہیں۔

روایت میں ہے کہ اچانک امامؑ کے چہرۂ اقدس پر مسکراہٹ آ گئی۔ امامؑ نے کہا: اے کنیز! تو جا کر حمیدہؑ سے یہ کہہ دے کہ گھبرائیے مت! میں جلد ہی پہنچ رہا ہوں۔ امامؑ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آ کر ابو بصیرؒ کے پاس بیٹھ گئے' تھوڑی دیر گزری۔ (ابو بصیرؒ یہ کہتے ہیں کہ جب امامؑ واپس آ کر بیٹھے) تو میں نے دیکھا کہ امامؑ کے چہرۂ اقدس پر مسکراہٹ ہے۔

میں نے عرض کیا: یا بن رسولؐ اللہ! آج آپؑ بہت خوش نظر آ رہے ہیں۔ جواب دیا: اے ابو بصیرؒ! اس وقت میرے اس بیٹے کی ولادت ہو چکی ہے جو میرے بعد اس زمین پر خدا کی

حجت اور خدا کا نائب ہوگا۔

اے ابوبصیرؒ! جب میں حمیدہؑ کے پاس سے آیا تو حمیدہؑ نے مجھے ایسی بات کی اطلاع دی کہ جو ہمارے علم میں پہلے ہی سے ہوتی ہے۔ ابوبصیرؒ کہتے ہیں: مولاؑ! حضرت حمیدہؑ نے کس بات کی اطلاع دی؟

امامؑ جواب دیتے ہیں: حمیدہؑ نے مجھے یہ اطلاع دی کہ بچے نے پیدا ہوتے ہی سب سے پہلے زمین پر اپنے ہاتھ ٹیکے' اپنی پیشانی کو زمین پر رکھ کر خدا کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد آسمان کی طرف نگاہ کی' سب سے پہلے کلمہ توحید پڑھا پھر اپنے جدؐ کی رسالت کی گواہی دی' پھر اپنے آباؤ اجدادؑ کی امامت کی گواہی دی' اس کے بعد اپنی امامت کا تذکرہ کیا۔

یہ امامؑ کی ولادت کی کیفیت ہے! چھٹے امامؑ کہہ رہے ہیں کہ ہاں! ہر امامؑ کے ساتھ ایسے ہی ہوتا ہے۔ ہر امامؑ دنیا میں آ کر پہلا کام یہ کرتا ہے کہ زمین پر اپنی پیشانی رکھ کر سجدہ انجام دیتا ہے۔

یہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ولادت کی کیفیت تھی اور امامؑ اس طریقے سے اس دنیا میں آئے اور ایک عجیب بات ہمیں نظر آتی ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرح سے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے بچپنے کے بے شمار واقعات ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اتنے واقعات کسی اور امامؑ کے ہمارے سامنے نہ آئے۔ امامؑ نے تمام بچپنا معجزات میں یا علم امامت کی تبلیغ کرتے ہوئے گزارا اور اس کی ایک بنیادی وجہ تھی اور وہ بنیادی وجہ یہ تھی کہ ائمہ کرام علیہم السلام کو معلوم تھا کہ چھٹے امامؑ کی شہادت کے فوراً بعد حکومت وقت کی باگ ڈور منصور کے ہاتھ میں تھی۔

امامؑ کے علم میں تھا (اور یہ تاریخ کا بڑا اہم مسئلہ ہے) کہ امامؑ کی شہادت کے فوراً بعد حکومت وقت لوگوں کو صحیح راستے سے ہٹائے گی۔ نئے نئے فرقوں کو ایجاد کیا جائے گا اور کوشش یہ کی جائے گی کہ لوگ اس سلسلۂ امامت کو چھوڑ بیٹھیں۔ اس لیے کہ اب سے پہلے کی حکومتوں میں چھٹے اماموںؑ کے زمانوں میں پوری کوشش کی کہ لوگ ائمہ علیہم السلام کے در تک نہ آئیں۔

لیکن جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے بتایا تھا کہ پہلی تمام حکومتوں کو اور ان کی تمام کوششوں کو میدانِ کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی قربانی نے ناکام بنا دیا تھا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد لوگ درِ اہل بیتؑ پر آنے کے لیے مجبور ہو گئے۔ اگرچہ یہ اپنی جگہ ہے کہ اس وقت بھی یہ کوشش کی جا رہی تھی کہ لوگوں کے ذہنوں سے اہل بیتؑ کے نام کو مٹایا جائے۔ لیکن یہ تمام سازشیں چوتھےؑ، پانچویںؑ اور چھٹے امامؑ نے ناکام بنا دیں۔

اب لوگوں کے ذہنوں میں تڑپ پیدا ہوئی۔ لوگوں کے ذہنوں میں خیال پیدا ہوا کہ اب اہل بیتؑ ہی کی طرف جانے میں ہماری نجات ہے اور ابھی جب تاریخ کا سلسلہ آگے بڑھے گا تو آپ یہ دیکھیں گے کہ ہارون الرشید نے جب ساتویں امامؑ کو گرفتار کیا تھا تو کس طریقے سے گرفتار کیا تھا۔

ایک گرفتاری آپ کو چوتھے امامؑ کی نظر آئے گی' ایک گرفتاری پانچویں امامؑ کی تاریخ نے بتائی۔ ہمارے ہر امامؑ کو گرفتار کر کے شام کی طرف بلایا لیکن بعد میں آزاد کر دیا گیا۔ صرف ایک مثال ساتویں امامؑ کی ملتی ہے کہ جب ساتویں امامؑ کو گرفتار کیا گیا اور ہارون الرشید نے گرفتار کیا۔ جس کی حکومت اتنی مستحکم حکومت تھی جو اسلام کا سنہرا دور کہلاتا ہے۔ لیکن اتنا اسے خوف تھا کہ لوگ ہنگامہ کھڑا کر دیں گے' اتنا اسے خطرہ تھا کہ لوگ بغاوت کر دیں گے۔ اس نے جب امامؑ کو گرفتار کیا تو گرفتار کر کے دو قافلے تیار کیے' ایک بصرے کی طرف اور ایک اپنے دارالخلافہ بغداد کی طرف۔ دو اُونٹ تیار کیے۔ دونوں اُونٹوں پر ایک جیسے محمل رکھے' ایک جیسی فوج کے دستے اُونٹوں کے ساتھ کیے۔ ایک محمل میں امامؑ کو بٹھایا اور ایک محمل کو خالی رکھا اور دونوں قافلوں کو چلایا۔ جس قافلے میں امامؑ نہیں تھے اس قافلے کو بغداد لے گیا اور جس قافلے میں امامؑ موجود تھے اسے بصرے جیسے شہر کی طرف لے گیا۔ لیکن کسی کے ذہن میں بھی نہیں آ سکتا کہ امامؑ وہاں جا سکتے ہیں۔

جب لوگوں نے پوچھا: اس کا سبب کیا تھا؟

اس نے کہا: مجھے ڈر تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ راستے کے لوگ حملہ کریں اور حملہ کر کے

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو ہمارے ہاتھ سے بچا کر لے جائیں۔

کتنے تعجب کی بات ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا واقعہ نظر آتا ہے چوتھے امامؑ کا واقعہ نظر آتا ہے حضرت زینبؑ کا واقعہ نظر آتا ہے اور پانچویں امامؑ کی گرفتاری تو بڑی مشہور ہے اس لیے کہ شام کے دربار میں جب پانچویں امامؑ گئے تھے تو ان سے تیراندازی کا مقابلہ کرایا گیا۔ کسی خلیفہ کو خطرہ محسوس نہیں ہوا کہ گرفتار شدگان کو رہا کرانے کے لیے اُمتِ مسلمہ ہم پر حملہ کر سکتی ہے۔ لیکن ساتویں امامؑ کے دور میں اب اہل بیتؑ کی محبت اور اہل بیتؑ کا نام لوگوں کے ذہن میں اتنا بیٹھ چکا تھا کہ ہارون جیسا ظالم و جابر بادشاہ بھی پریشان ہو گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ اہل بیتؑ کی گرفتاری کا سن کر ہمارے خلاف بغاوت کر دیں۔

اس کا سبب کیا تھا؟

اس کا سبب پانچویںؑ اور چھٹے امامؑ کی وہ جدوجہد ہے جس کا تذکرہ آ چکا ہے تو اب ساتویں امامؑ کی امامت کا زمانہ شروع ہوا تو لوگ اہل بیتؑ کے راستے پر چلنے کے لیے قریب قریب تیار ہو چکے تھے اور اگر اس وقت دو یا تین تحریکیں کھڑی نہ ہو جاتیں تو شاید جو کام امام زمانہؑ کو کرنا ہے وہ اسی دور میں انجام پا جاتا۔ لیکن اس وقت حکومت نے اپنی سیاست کے تحت اور حکومت نے اپنی مکاری سے کام لے کر ایک عجیب و غریب قسم کی سازش کی اور وہ سازش یہ کی گئی کہ اسماعیلیہ فرقے کو وجود میں لایا گیا۔

اسماعیلیہ فرقہ کے بارے میں مکمل طور پر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ خلافتِ بنوعباس نے اسماعیلیہ فرقے کی بنیاد رکھی تھی۔ یہ مشہور کر کے خلافت ان کے بعد ان کے بیٹے اسماعیل کا حق تھی تو ہمارے ائمہ علیہم السلام کو بھی پتا تھا کہ خلافت یا امامت امامؑ کی شہادت کے بعد ایک متنازعہ مسئلہ بنے گی۔ چناں چہ چھٹے امامؑ نے اپنی زندگی میں دو کوششیں کیں۔

پہلی کوشش تو یہ کی اور یہ بھی مصلحتِ الٰہی تھی کہ چھٹے امامؑ کے سب سے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل تھے۔ ان سے چھوٹے عبداللہ تھے اور ان سے چھوٹے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ تو چھٹے امامؑ اگرچہ حضرت اسماعیل سے بہت محبت کرتے تھے لیکن مصلحتِ الٰہی کے تحت چھٹے

امامؑ کی شہادت سے تیس (۳۰) سال پہلے حضرت اسماعیل کا انتقال ہو گیا تھا۔

روایت میں ہے کہ کبھی اتنی شان و شوکت کے ساتھ اہل بیتؑ نے اپنا کوئی جنازہ نہیں اُٹھایا' بڑی شان و شوکت کے ساتھ حضرت اسماعیل کا جنازہ اُٹھا تھا۔ مدینہ سے چار میل پر ایک گاؤں تھا وہاں ان کا انتقال ہوا۔

شریعت کا ایک حکم ہے کہ جہاں جس کا انتقال ہو وہیں اس کو دفن کرنا بہتر ہے۔ لیکن صرف اس چیز کو دکھانے کے لیے کہ دیکھو اسماعیل انتقال کر گئے ہیں۔ اب ان کی امامت کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا' چھٹے امامؑ چار میل کے فاصلے سے جنازے کو چلاتے ہوئے مدینے تک لائے اور مدینے میں لانے کے بعد بھی فی الفور دفن نہیں کیا بل کہ جنازے کو رکھ کر لوگوں کو اذنِ عام دیا کہ آئیں اور آ کر حضرت اسماعیل کی زیارت کریں۔

زیارت کا مقصد یہ اطمینان کرانا تھا کہ حضرت اسماعیل کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد چھٹے امامؑ نے اتنے اہتمام اور اتنے اعلان کے بعد حضرت اسماعیل کو دفن کیا۔ تیس (۳۰) سال پہلے ان کا انتقال ہو رہا ہے اور چھٹے امامؑ مکمل طور پر دکھا رہے ہیں اس لیے کہ اسماعیلیوں کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت اسماعیل غائب ہو گئے تھے' غیبت میں چلے گئے تھے۔ انتقال نہیں ہوا ہے اور چھٹے امامؑ کے بعد امامت ان کا حق تھی اور چھٹے امامؑ کے بعد ان کا انتقال ہوا۔ ان کے بعد ان کا بیٹا محمد ابن اسماعیل جو ساتویں امامؑ کو شہید کرانے میں برابر کا حصہ دار ہے۔

ان لوگوں نے کہا کہ اسماعیل تو غائب ہو گئے تھے اور ساتویں امامؑ جس وقت امامؑ بنے اس وقت اسماعیل صحیح امام تھے' وہ غیبت کی حالت میں تھے ان کے بعد امامت ان کے بیٹے محمد کو ملی۔

اب چھٹے امامؑ نے اتنے اعلان کے ساتھ صرف اس لیے جنازے کی زیارت کرائی تا کہ کسی کو اعتراض کا موقع نہ ملے بل کہ یہ خیال بھی ذہن میں پیدا نہ ہونے پائے۔ یہ چھٹے امامؑ کی پہلی کوشش تھی تا کہ اسماعیلیہ فرقہ وجود میں نہ آنے پائے۔ اس لیے کہ اسماعیلیہ فرقے ہی کی وجہ سے وہ کام جو ساتویں امامؑ کے دور میں مکمل ہو جانا چاہیے تھا وہ کام بارھویں امامؑ

کے دور تک مؤخر ہو گیا اور اگر یہ فرقہ وجود میں نہ آتا تو بہت پہلے ہی حکومتِ عدل قائم ہو جاتی۔

دوسری کوشش یہ کی گئی کہ ساتویں امامؑ کی امامت کو بچپنے ہی سے ثابت کیا جانے لگا۔ بار بار اس طرح کے واقعات پیش آئے کہ لوگ چھٹے امامؑ کے پاس مسئلہ پوچھنے آتے تو چھٹے امامؑ ان کو ساتویں امامؑ کے پاس بھیج دیتے کہ جاؤ اور جا کر انھی سے مسئلہ پوچھو۔ یہ سب صرف اس لیے کیا جاتا تھا کہ بچپنے ہی میں ان کی امامت ثابت ہو جائے۔

ایک شخص چھٹے امامؑ کی خدمت میں پہنچا جب کہ ساتویں امامؑ کی عمر مبارک صرف ایک ہفتہ تھی اور آپؑ ایک گہوارے میں لیٹے ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ وہ شخص چھٹے امامؑ کے پاس پہنچا اور چھٹے امامؑ کے پاس جا کر سلام کیا۔ امامؑ نے سلام کا جواب دیا۔ امامؑ نے جب یہ دیکھا کہ اب وہ شخص سامنے بیٹھ رہا ہے تو امامؑ نے کہا: اے شخص! تُو نے مجھے تو سلام کیا ہے لیکن جو میرے بعد امامؑ ہے، اللہ کی حجت ہے اسے سلام نہیں کیا۔

اُس نے گھبرا کر عرض کیا: مولاؑ! آپؑ کے بعد کے امامؑ کہاں ہیں؟

امامؑ نے فرمایا: گہوارے میں جا کر دیکھو۔

وہ گہوارے کے پاس گیا تو اس نے دیکھا کہ ساتویں امامؑ گہوارے میں اطمینان و سکون کی حالت میں لیٹے ہیں۔ وہ ساتویں امامؑ کو سلام کرتا ہے، ساتویں امامؑ سلام کا جواب دیتے ہیں۔ یوں ایک ہفتے کا بچہ گہوارے سے اپنی امامت کو ثابت کرتا ہے۔

ایک مرتبہ ساتویں امامؑ نے ارشاد فرمایا: اے شخص! تُو میرے پاس آ کر مجھے سلام تو کر رہا ہے لیکن تیری ایک بات مجھے انتہائی بری لگی ہے اور وہ یہ کہ تیرے گھر ایک بیٹی ہوئی ہے اور تُو نے اپنی بیٹی کا نام اچھا نہیں رکھا۔ کیا تمھیں خاندانِ اہلِ بیتؑ میں سے کوئی نام نہیں ملا تھا؟

وہ شخص شرمندہ ہو کر پیچھے آیا اور آنے کے بعد چھٹے امامؑ سے عرض کیا: یا بن رسولؐ اللہ! یہ ایک ہفتے کے بچے نے گہوارے میں موجود، سلام کا جواب بھی دیا اور یہ بھی جان لیا کہ میری بیٹی پیدا ہو چکی ہے، میں نے بیٹی کا نام رکھا اور وہ نام رکھا جو کبھی ایک محبِ اہلِ بیتؑ نہیں رکھ سکتا۔

یا بن رسولؐ اللہ! اس کا کیا سبب ہے؟

چھٹے امامؑ نے مسکرا کر فرمایا:

صَغِیرُنَا وَ کَبِیرُنَا سِوَاءٌ

"ہمارے چھوٹے اور بڑے سب برابر ہوتے ہیں۔ جو مقام بڑے کا ہے وہی مقام چھوٹے کا ہے۔"

اب یہ روایت آگے چلتی ہے کہ وہ شخص گھر جاتا ہے اور اپنی بیٹی کا نام تبدیل کرتا ہے چوں کہ اس نے اپنی بیٹی کا نام "حمیرا" رکھا تھا جو کم سے کم ایک محبّ اہل بیت "نہیں رکھ سکتا ہے۔

اتنی شدت کے ساتھ ساتویں امامؑ کی امامت کو بچپنے ہی میں ثابت کیا جا رہا ہے لیکن اس تمام تر کوشش کے باوجود حکومتِ وقت نے سازش تیار کر رکھی تھی۔ ۱۵ شوال ۱۴۸ ہجری میں چھٹے امامؑ کو شہید کیا اور یہاں سے ساتویں امامؑ کی امامت کا زمانہ شروع ہوا۔ اس وقت حکومتِ وقت نے دو فتنے کھڑے کیے۔ پہلے فتنے کا نام اسماعیلیہ ہے اور دوسرے فتنے کا نام افطحیہ ہے۔

ساتویں امامؑ کے دو بڑے بھائی تھے:

① اسماعیل ② عبداللہ

ایک طرف اسماعیل کی امامت کا فتنہ پیدا کیا گیا تو دوسری طرف عبداللہ نے بھی اپنی امامت کا دعویٰ کر دیا۔ لیکن مصلحتِ الٰہی یہ کہ وہ صرف سترہ (۱۷) دن زندہ رہا۔ اس کی امامت کی گاڑی تو آگے نہ چل سکی لیکن اِدھر محمد ابن اسماعیل کی وجہ سے حکومتِ وقت اسماعیلیہ فرقے کو فروغ دے رہی تھی۔ تیسری کوشش یہ کی کہ ساتویں امامؑ کو ابتدا ہی سے قتل کر دیں۔ لیکن ذرا دیکھیں چھٹے امامؑ اس کا کیسا انتظام کر گئے تھے۔ ۱۵ شوال ۱۴۸ ہجری کو چھٹے امامؑ کی شہادت ہوئی اور چھٹے امامؑ نے اپنے وصیت نامہ میں جایداد کے اور تمام مال اور روپے پیسے کی دیکھ بھال کے لیے پانچ آدمیوں کو اپنا نائب مقرر کیا تھا۔

سب سے پہلا نام منصور دوانیقی کا تھا' وہی قاتل۔ امامؑ نے اس کا نام سب سے پہلے رکھا تھا۔

دوسرا نام مدینے کے گورنر سلیمان کا تھا۔

تیسرا نام حضرت حمیدہؑ کا تھا۔

چوتھا نام عبداللہ افطح کا تھا۔

پانچواں نام ہمارے ساتویں امامؑ کا تھا۔

روایت میں ہے کہ جس وقت ہمارے چھٹے امامؑ کی شہادت کی اطلاع بغداد پہنچی' منصور کو اطلاع ملی کہ چھٹے امامؑ شہید ہو گئے ہیں تو وہ بہت خوش ہوا لیکن سیاسی آدمی تھا اس کو جیسے ہی یہ خبر ملی تو پہلے اس کے منھ سے یہ جملہ نکلا:

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

پھر وہ کہتا ہے کہ اب اس قسم کی کوئی ہستی پیدا نہیں ہو سکتی۔ بہت بڑا ہمارا نقصان ہو گیا اور تیسرا جملہ اس کے منھ سے کیا نکلا؟

فوراً اپنے کاتب کو بلا کر کہا کہ حاکم مدینہ کے نام خط لکھو اور خط لکھ کر یہ کہو کہ چھٹے امامؑ شہید ہو گئے ہیں' بڑا اچھا موقع ہے' چھٹے امامؑ نے جسے اپنا نائب بنایا ہے اسے قتل کر کے اس کا سر فوراً میرے پاس پہنچا دو تا کہ ابھی یہ معاملہ امامت ختم ہو جائے۔

حاکم مدینہ کے پاس یہ خط گیا۔ حاکم مدینہ نے جو جواب لکھا وہ اس خلیفہ کے خط سے زیادہ لائق توجہ ہے۔

حاکم مدینہ نے لکھا کہ چھٹے امامؑ کی شہادت ہو گئی' آپ کا حکم میرے پاس پہنچا کہ چھٹے امامؑ کا جو نائب ہے اس کا سر قلم کروا کر آپ کے پاس بھجوا دوں لیکن چھٹے امامؑ کے نائبوں میں سب سے پہلا نام آپ ہی کا ہے۔ اب آپ بتایئے کہ کیا حکم دیا جائے؟

اب جو منصور دوانیقی نے سنا کہ سب سے پہلا نام میرا ہے تو سر جھکا کر بیٹھ گیا اور کہا کہ اچھا اس معاملے کو جانے دو۔

اب دیکھئے!

اسی طریقے سے چھٹے امامؑ نے کم از کم نسل امامت (سلسلۂ امامت) کا تحفظ کر لیا ورنہ

وہ منصور دوانیقی جس نے ہزاروں سادات کو شہید کیا ہے اور یہ بھی آپ کو بتا دیا جائے کہ ائمہ علیہم السلام میں جتنے امامؑ گزرے ہیں سب سے آسان موقع ساتویں امامؑ کو شہید کرنے کا تھا۔ آسان موقع سے ہماری مراد حکومت وقت کی نگاہ میں اتنا آسان موقع کسی اور امامؑ کو شہید کرنے کا نہ تھا۔ چھٹے امامؑ کی وہی دُور اندیشی تھی جس کی وجہ سے ساتویں امامؑ اس وقت شہید نہ ہو سکے۔ اس لیے کہ اِن سے پہلے اور ان کے بعد (ساتویں امامؑ سے پہلے اور ساتویں امامؑ کے بعد) جتنے امامؑ تھے کم از کم مومنین ان پر متفق ہوئے تھے۔ کسی اور کے ہنگامے کا خطرہ ہو یا نہ ہو لیکن مومنین کی جانب سے ہنگامے کا خطرہ ہوتا تھا۔

ساتویں امامؑ وہ امامؑ ہیں کہ جن کے دور میں تین گروہ ہو گئے تھے بل کہ چار گروہ ہو گئے تھے۔ ایک وہ چھوٹا سا گروہ جو ساتویں امامؑ کو امام مان رہا تھا۔ ایک گروہ اسماعیلیہ کا' ایک عبداللہ افطح کا ماننے والا اور چوتھا گروہ واقفین کا تھا' جو گھبرا گئے تھے۔ وہ کہنے لگے کہ ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا کہ یہ امامؑ ہیں یا وہ امامؑ ہیں ہم توقف کرتے ہیں' انتظار کرتے ہیں۔ حالات کو دیکھتے ہیں بعد میں فیصلہ کریں گے۔

اب یہاں وہ نوبت آ گئی کہ خود امامؑ کو ماننے والے شیعہ بھی متحد نہ رہے۔ صرف چوتھا حصہ ساتویں امامؑ کو مل سکا اور باقی تین حصے ان کے خلاف ہو گئے۔ اس سے آسان تر موقع اور کون سا حکومت وقت کے پاس ہو سکتا تھا۔ لیکن چھٹے امامؑ کی یہ دُور اندیشی یا چھٹے امامؑ کا حکم الٰہی کے تحت یہ عمل کہ سب سے پہلا نام منصور کا رکھ کر اس فتنے کا خاتمہ کرا دیا اور پھر اس کے بعد منصور اپنا دارالخلافہ تیار کرنے لگا اور اس کی توجہ ساتویں امامؑ کی طرف سے ہٹ گئی اور ساتویں امامؑ کو موقع مل گیا۔

ہمیں یہ ایک بات نظر آتی ہے کہ پانچویں اور چھٹے امامؑ کے بارے میں ہمارے ہاں تو یہ بہت مشہور ہے کہ پانچویں اور چھٹے امامؑ نے بہت علم پھیلایا۔ لیکن ساتویں امامؑ کے بارے میں ہمارا ذہن کچھ یہ تصور پیش کرتا ہے کہ ساتویں امامؑ نے تمام زندگی قید خانے میں گزار دی۔ اس لیے انھیں کسی کام کا موقع نہ مل سکا۔

لیکن یہ حقیقت نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ ساتویں امامؑ کے آخری اُنیس (۱۹) سال قید خانے میں گزرے۔ پچپن (۵۵) سال کی عمر مبارک تھی اس میں سے آخری اُنیس (۱۹) سال قید خانے میں گزرے۔ اب ابتدائی چھتیس (۳۶) سال تک ساتویں امامؑ نے اپنی امامت کے تحت مقصد امامت کو آگے بڑھایا تھا اور ہر ہر مقام پر وہ بنیادیں قائم کر گئے جن کی وجہ سے آٹھویں امامؑ کو ایک مرتبہ پھر دین کو نیا رُخ دینے کا موقع ملا۔ اس لیے کہ وہ زمانہ بہت نازک زمانہ تھا۔

منصور دوانیقی ۱۵۸ ہجری میں چل بسا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا مہدی' اس کے بعد اس کا بھائی ہادی اور اس کے بعد اس کا بھائی ہارون الرشید خلیفہ بنا۔ یہ چاروں خلفا انتہائی ظالم تھے' انتہائی سنگ دل تھے' منصور سے لے کر ہارون تک یہ چاروں خلیفے ظلم کی آخری حدوں کو پہنچے ہوئے تھے۔ یہ دشمنی اہل بیتؑ میں انتہائی حد تک چلے گئے تھے۔ ان کی ہر ممکن کوشش تھی کہ اہل بیتؑ کے نام کو مٹا دیا جائے۔

اس کی صرف ایک وجہ تھی اور وہ یہ کہ انھوں نے حکومت آلِ محمدؑ کا نام لے کر حاصل کی تھی۔ اب جب تک آلِ محمدؑ زندہ تھے اس وقت تک انھیں کھٹکا تھا کہ کہیں آلِ محمدؑ کھڑے ہو کر یہ دعویٰ نہ کر دیں کہ تم نے ہمارا نام لے کر حکومت حاصل کی ہے اس لیے ہمیں حکومت واپس کرو۔ چناں چہ یہ ہر وقت آلِ محمدؑ کے خاتمہ کے لیے تیار رہتے تھے۔

۱۷۴ ہجری میں ہارون الرشید نے امامؑ کو مدینے سے گرفتار کیا۔ گرفتار کرنے کے بعد پہلے بصرہ میں رکھا۔ جب حاکم بصرہ امامؑ کو بصرہ کے قید خانے میں نہ رکھ سکا تو فضل ابن ربیع کے حوالے کیا وہ بھی امامؑ کی قید کو دیکھ کر قریب قریب شیعہ ہو گیا تو ہارون نے اس سے لے کر یحییٰ کے حوالے کیا۔ یحییٰ نے بھی جب امامؑ کے تقوے اور عبادت کو دیکھ کر کچھ نہ کیا تو آخر میں ہارون نے سندی کے حوالے کیا جس نے امامؑ کو زہر سے شہید کیا۔

روایت میں ہے کہ امامؑ کو جس قید خانے میں رکھا گیا تھا۔ چودہ سال امامؑ نے قید خانے میں گزارے ہیں اور جس قید خانے میں رکھا گیا تھا وہ اتنا تنگ قید خانہ تھا کہ امامؑ اگر

کبھی کھڑے ہونا چاہتے تھے تو صحیح طور پر کھڑے نہیں ہو سکتے تھے۔ چھت اتنی نیچی تھی کہ امامؑ کا سر چھت سے ٹکرا جایا کرتا تھا۔ یہ وہ قید خانہ تھا جس میں تازہ ہوا کا گزر نہیں ہوتا تھا۔ سورج کی روشنی کی ایک کرن نہیں پہنچ پاتی تھی۔

روایت میں ہے کہ بیس شوال ۱۷۵ ہجری کی تاریخ تھی کہ جب ہارون نے اپنے فوجیوں کو بھیجا اور اس وقت امامؑ روضۂ رسولؐ کے قریب نماز پڑھ رہے ہیں۔ اسی حالت میں فوجی آگے بڑھے امامؑ کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالیں اور امامؑ کو حالت نماز میں مصلّے پر سے ہٹا کر لے گئے اور امامؑ آخر کار بغداد میں پہنچ گئے۔

بغداد میں پہنچنے کے بعد رجب کی درمیانی تاریخیں آئیں تو ہارون نے یہ سوچا کہ اب وجودِ امامؑ میرے لیے خطرناک ہے اس نے اپنے ایک غلام کو بلایا اور کہا کہ امامؑ کے پاس یہ تحفہ لے جاؤ۔ اُدھر امامؑ اپنے ایک ساتھی سے کہتے ہیں کہ ابھی میرے لیے خلیفہ کا تحفہ آئے گا' میں اسے کھاؤں گا' تین دن کے بعد میرے ہاتھ اور پاؤں پر ورم آ جائیں گے' میرے چہرے کا رنگ پہلے زرد پڑے گا' اس کے بعد ہرا ہو جائے گا' اس کے بعد مزید بدل جائے گا۔ جس وقت میری یہ حالت ہو جائے تو سمجھ لینا کہ یہ میرا وقت آخر ہے۔ اس وقت میرا بیٹا مدینے سے آئے گا جو مجھے غسل و کفن دے گا۔ تم دروازہ بند کر کے چلے جانا۔

روایت میں ہے کہ ابھی گفتگو ہو رہی تھی کہ خلیفہ کا غلام انگور یا سیب لے کر پہنچا۔ اس وقت امامؑ نے دو یا تین انگور کھائے اور اُدھر ہارون کا کتا بھی وہاں آ نکلا۔ ایک انگور امامؑ نے اس کتے کے سامنے رکھا۔ روایت میں ہے کہ وہ ایک انگور کتے کے پیٹ میں گیا تو تڑپ تڑپ کر کتے نے وہیں جان دے دی۔

اب امامؑ کی حالت بگڑنے لگی۔ یہاں پر تاریخ ہمیں ایک عجیب بات بتاتی ہے کہ جب ہارون کو اطلاع ملی کہ میرا کتا مر گیا تو اس نے اپنے غلام کو سخت ترین سزا دی کہ میرا کتا تیری آنکھوں کے سامنے مر گیا۔

ذرا دیکھیں!

ہارون کی حالت یہ ہے کہ ایک کتا مارا جا رہا ہے تو ہارون کو تکلیف ہو رہی ہے اور فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا فرزندؑ شہید کیا جا رہا ہے تو ہارون کتنا مسرور اور خوش ہے۔

اس کے بعد اسی حالت میں آٹھویں امامؑ نے غسل و کفن دیا۔

آٹھویں امامؑ کے دل پر کیا گزری ہوگی جب غسل و کفن دیا ہوگا اپنے باپ کو کہ جس کے ہاتھوں میں اب تک ہتھکڑی موجود ہے، جس کے پاؤں میں اب تک بیڑیاں موجود ہیں۔ امامؑ ہتھکڑی اور بیڑی اُتار نہیں سکتے ہیں اس لیے کہ حکم اِلٰہی کا تقاضا ہے۔ اس کے بعد جنازہ اسی حالت میں لے جا کر بغداد کے پل پر رکھا گیا۔ اس کے بعد کاظمین میں لے جا کر امامؑ کو وہیں پر دفن کر دیا گیا۔ امامؑ شہید ہو گئے اور اسی مقام سے آٹھویں امامؑ نے اپنے مشن کو آگے بڑھایا۔

دسویں معصومؑ

حضرت امام علی رضا علیہ السلام

مشخصات

اسم مبارک	:	علیؑ
لقب	:	رضا، ضامن، زکی، ولی، رضی، وصی
کنیت	:	ابوالحسنؑ
والد ماجد	:	حضرت امام موسیٰ کاظمؑ
والدہ ماجدہ	:	حضرت نجمہ خاتون سلام اللہ علیہا
ولادت باسعادت	:	۱۱ ذیقعدہ ۱۵۳ ہجری جمعہ بمقام مدینہ منورہ
شہادت	:	۲۳ ذیقعدہ ۲۰۳ ہجری طوس
عمر مبارک	:	۵۰ سال
زوجہ	:	حضرت سبیکہ خاتونؑ
اولاد	:	امام محمد تقیؑ
قبر مطہر	:	مشہد مقدس ایران

سیرتِ حضرت امامِ علی رضا علیہ السلام

ہماری آج کی گفتگو آٹھویں امامؑ کی سیرت کے بارے میں ہے اور جیسا کہ منتظمین سے گفتگو ہو رہی تھی کہ آج یہ گفتگو نہ ہی ہوتی تو زیادہ بہتر تھا اس لیے کہ جلوس کافی تاخیر سے اختتام تک پہنچا ہے اور لوگوں کو واپس آتے آتے بھی کچھ وقت لگے گا۔ لیکن ہماری اس کے ساتھ ساتھ ایک مجبوری یہ بھی ہے کہ ماہِ رمضان سے پہلے اس سلسلے کو اختتام تک پہنچانا ہے۔

گفتگو ہو رہی تھی ساتویں امامؑ کی سیرت پر اور بات یہاں تک پہنچی تھی کہ ہارون الرشید عباسی بنوعباس کا خلیفہ بن چکا ہے کہ جس نے کاملتاً عباسی سلطنت کی بنیادوں کو مستحکم کیا تھا اور خلیفہ بننے کے بعد اگرچہ تمام عباسی خلفا اہل بیتؑ نبوت سے مسلسل نفرت و دشمنی کا اظہار کر رہے تھے کیوں کہ ہر ایک انھیں آلِ محمدؐ کا نام لگا کر تختِ حکومت پر قابض ہوا تھا لیکن ہارون الرشید کے زمانے میں ہارون کی نفرت' ہارون کا بغض' ہارون کی دشمنی' ہارون کا کینہ آلِ محمدؐ کے ساتھ حد سے زیادہ بڑھ گیا تھا اور اس کی دو وجوہات ہیں:

پہلی وجہ تو وہی تھی جو تمام خلفا میں مشترک چلی آ رہی تھی۔ وجہ مشترک یہ تھی کہ ہم نے آلِ محمدؐ کے نام کا نعرہ لگایا ہے اور آلِ محمدؐ کا نعرہ لگا کر لوگوں کو اپنے چاروں طرف اکٹھا کیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ آلِ محمدؐ اب ہم سے اپنے حق کا مطالبہ کریں۔ یہ تشویش اور یہ خطرہ اس لیے زیادہ محسوس ہو رہا تھا کہ خاندانِ بنوعباس کی بنیاد ابوالعباس اور منصور' ان دو خلفا نے رکھی تھی اور دونوں آلِ محمدؐ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے۔

یہ عہد کر چکے تھے کہ بعد میں ہم خلافت آپ کی طرف پلٹا دیں گے لیکن ہارون کی نفرت' ہارون کے کینے' ہارون کے بغض میں اضافے کی وجہ ایک اور تھی وہ یہ کہ ہارون کے زمانے میں دولت کثرت کے ساتھ اسلامی مملکت میں آ رہی تھی۔ بغداد کو منصور نے بنوایا تھا اور ہارون کے زمانے میں یہ بغداد "الف لیلیٰ" کا بغداد بن چکا تھا' امیر' امیر سے امیر تر ہوتے چلے جا رہے تھے اور غریب' غریب سے غریب تر ہوتے جا رہے تھے۔ بغداد میں پانی سے زیادہ

شراب کی فراوانی تھی۔

ایک طرف یہ مناظر نظر آتے تھے' آدھا بغداد اس حالت میں رات کو سوتا تھا کہ ان کے پاس صرف ایک وقت کے کھانے کے پیسے ہوتے تھے اور باقی تمام دن ان کو بھوک کی حالت میں زندگی گزارنا پڑتی تھی اور دوسری طرف یہ مناظر نظر آ رہے تھے کہ لاکھوں اور کروڑوں درہم جوئے اور شطرنج کے کھیل میں صرف کیے جا رہے تھے۔

بغداد میں ایک طرف یہ حالت ہو چکی تھی کہ آدھے بغداد کی عورتوں کو سر چھپانے کے لیے چادر نہیں مل رہی تھی اور دوسری طرف ہزاروں کنیزیں خرید خرید کر لائی جا رہی تھیں اور انھیں قیمتی ترین لباس پہنائے جا رہے تھے۔

آلِ محمدؐ، ہمارے ائمہ علیہم السلام یہ مناظر دیکھ رہے تھے چناں چہ ساتویں امامؑ نے شدت کے ساتھ جہاد کیا۔ ساتویں امامؑ نے شدت کے ساتھ خلیفہ کو' اس کے وزیروں کو' اس کے مشیروں کو ٹوکا اور خاص طور سے اپنے شیعوں کو بغداد میں ہونے والے واقعات سے علیحدہ رہنے کی تلقین کی' ساتویں امامؑ نے بار بار کہا کہ ہمارا شیعہ وہی ہے جو اس زمانے کے ماحول سے اپنے آپ کو جدا کر لے۔

یہ ساتویں امامؑ کی ایک روایت ہمیں ملتی ہے جب کہ باقی ائمہ علیہم السلام کی روایات یہ ہیں کہ مومن کا فرض یہ ہے کہ اپنی اولاد کو زمانے کے ساتھ ساتھ چلائے جب کہ ساتویں امامؑ نے کثرت سے اپنے شیعوں کو حکم دیا کہ تم اس ماحول سے بچ جاؤ' تم اس ماحول سے جدا ہو جاؤ۔ اس ماحول کے مطابق اگر زندگی گزاری تو دنیا و آخرت دونوں میں تمھیں نقصان اُٹھانا پڑے گا۔

ہارون کے دل میں امامؑ کے خلاف بغض اور کینہ اس لیے بھڑکا کہ مسلمانوں میں گانے بجانے کی باقاعدہ ایک رسم مقرر کر کے اس کی بنیاد رکھنے والا ہارون الرشید تھا۔ مسلمانوں کے اندر شطرنج کے کھیل کو کامل رائج کرنے والا ہارون الرشید تھا یعنی جیسے آج کرکٹ اور ہاکی کے کھیل کو سرکاری سطح پر رائج کیا جاتا ہے' ہارون نے اپنے زمانے میں شطرنج کو سرکاری طور پر

رائج کرنے کا حکم جاری کیا تھا اور اس شخص کو عزت دار نہیں سمجھا جاتا تھا جس کے پاس گانے بجانے کے لیے کچھ عورتیں ملازم نہ ہوں اور جو اپنے دن کا ایک بڑا حصّہ شراب پینے اور شطرنج کھیلتے ہوئے نہ گزارے۔

امامؑ مسلسل اس قسم کے غیر شرعی افعال کے خلاف جہاد کر رہے تھے کہ اگر کسی کے مکان سے گانے کی آواز بلند ہو تو امامؑ حکم دیتے ہیں کہ مجھے قید خانے میں پلٹا دیا جائے۔ اگر کسی کے مکان سے رقص اور موسیقی کی آواز بلند ہو تو امامؑ ایک مرتبہ اس گھر کے پاس جا کر اس گھر والوں کو تنبیہ کرتے ہیں۔

ہارون کے دل میں امامؑ کے خلاف نفرت اور امامؑ کے خلاف عداوت پیدا ہو گئی کہ میں جو افعال سرانجام دیتا ہوں امامؑ ان کی مخالفت کرتے ہیں۔ ایک تو پہلے سے دشمنی چلی آ رہی تھی اور دوسری دشمنی یہ تھی کہ امامؑ بار بار مجھے کیوں ٹوک رہے ہیں۔ چناں چہ امامؑ کو گرفتار کر لیا گیا اور گرفتار کرنے کے بعد امامؑ کو شہید کر دیا گیا۔

اب امامت آئی ہمارے آٹھویں امامؑ کے پاس۔ آٹھویں امامؑ نے یہی زمانہ پایا یعنی ہارون کا زمانہ ہے۔ وہی ''الف لیلیٰ'' کا بغداد ہے وہی ایک طرف امرا کے بلند و بالا محلات ہیں اور دوسری طرف بغداد ہے کہ جہاں پر لوگوں کو سر چھپانے کی جگہ نہیں مل رہی۔ وہی بغدا ہے جہاں ایک طرف تو اتنی کثرت کے ساتھ دولت کو لٹایا جا رہا ہے کہ جب ہارون کے وزیر اعظم کے گھر میں بیٹا پیدا ہوا تو اس نے بیٹے کے پیدا ہونے کی خوشی میں جشن کا اہتمام کیا اور جب جشن کا اہتمام کیا تو تمام ملک سے شعرا کو بلایا گیا' شاعر آئے اور انھوں نے قصیدے پڑھے۔

روایت میں ہے کہ ان آنے والے شاعروں میں ایک معمولی سا شاعر بھی آیا تھا وہ شام کے علاقے کا رہنے والا تھا اور آنے کے بعد اس نے صرف دو قصیدے پڑھے اور دو قصیدے پڑھنے کے بعد ہارون کے وزیر اعظم نے اسے انعام دیا اور اتنا انعام دیا کہ تمام زندگی وہ ہر قسم کے کام سے فارغ ہو گیا۔ اس کے پاس اتنی جایداد اتنی دولت آ گئی کہ اس کے بعد اس کو کسی کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

ایک طرف اتنی دولت لٹائی جا رہی ہے اور دوسری طرف آٹھویں امامؑ کے چچا نے بغداد کی گلیوں میں سے گزرتے ہوئے یہ منظر دیکھا کہ اُونٹوں کا قافلہ جا رہا ہے اور اُونٹوں پر گندم، جَو وغیرہ لدا ہوا ہے۔ اُونٹوں کی پیٹھ پر بوریاں رکھی ہوئی ہیں اور اُونٹوں کی قطار کے پیچھے ایک عورت چل رہی ہے جو شکل وصورت سے انتہائی شریف زادی نظر آتی تھی جو اپنے تمام بدن کو لباس اور پردے میں چھپائے ہوئے ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی ٹوکری ہے اور جس وقت قافلہ آگے بڑھتا تو وہ دائیں طرف دیکھتی ہے' بائیں طرف دیکھتی ہے' آگے پیچھے دیکھتی ہے اور جب وہ یہ دیکھتی کہ کوئی مجھے نہیں دیکھ رہا تو وہ چپکے سے زمین کی طرف ہاتھ بڑھاتی اور اُونٹ گزرنے کی وجہ سے اُونٹوں پر لدی بوریوں میں سے تھوڑا بہت غلہ جو زمین پر گرتا جاتا' اسے وہ چن چن کر اُٹھاتی اور اپنی ٹوکری میں ڈالتی جاتی ہے اور اس کی حالت بتا رہی ہے کہ اسے ہر لحہ یہ خوف ہے کہ کہیں کسی کی نگاہ مجھ پر نہ پڑ جائے۔

امامؑ کے چچا آگے بڑھے' آگے بڑھ کر اس عورت سے سوال کیا کہ تُو شکل وصورت سے ایک شریف عورت دکھائی دیتی ہو۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تُو اُونٹوں سے گرنے والے غلے کو اکٹھا کر رہی ہو؟

وہ جواب دیتی ہے کہ کیا کروں میرے شوہر کا انتقال ہو چکا ہے اور ایک ہفتے سے ہمارے گھر میں کھانے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ میں نے بڑی کوشش کی کہ کہیں سے کچھ حاصل کروں۔ لیکن میرا دل مطمئن نہیں کہ میں کسی کے آگے ہاتھ پھیلاؤں۔ اس لیے اس طریقے سے میں ان اشیا کو جمع کر کے اپنے گھر لے جاؤں گی تاکہ میرے بچوں کو تھوڑا سا اطمینان اور سکون تو حاصل ہو جائے۔

یہی بغداد کا زمانہ ہے کہ جب لوگوں نے یہ منظر دیکھے کہ سیدانیاں بغداد کے کوڑے کے ڈھیر پر جاتی تھیں اور کوڑے کے ڈھیر کو ہاتھوں سے ہٹا کر یہ دیکھتی تھیں کہ کوئی کھانے پینے کی چیز اگر اس میں موجود ہو تو اسے سمیٹ کر لے جائیں اور اپنے بچوں کھلائیں یہ تھا بغداد کا ماحول۔

جب ہمارے آٹھویں امامؑ نے امامت کا آغاز کیا تو اسی بغداد کے ماحول میں رہ کر اس امامت کے زمانے میں امامؑ کو ایک بہت بڑا کارنامہ سرانجام دینا تھا' اسی وجہ سے چھٹے امامؑ بڑے عرصے سے آٹھویں امامؑ کے منتظر تھے۔

روایات یہ بتاتی ہیں کہ سوائے امامِ زمانہؑ اور آٹھویں امامؑ کے کبھی کسی امامؑ کا اتنا انتظار نہیں کیا گیا۔ چھٹے امامؑ مسلسل منتظر تھے اور بار بار کہا کرتے تھے کہ عالم آلِ محمدؐ کی پیدائش کا زمانہ قریب آ رہا ہے۔ یہ آٹھویں امامؑ کا وہ خطاب ہے جو چھٹے امامؑ نے انھیں عطا کیا ہے اور آٹھویں امامؑ کی ولادت سے پہلے ہی آٹھویں امامؑ کا یہ ایک اعجاز ہے۔

آپؑ کی ولادت سے پہلے ہی دنیا کے بہت سے لوگوں کے علم میں آ چکا تھا کہ ایک ایسا بچہ پیدا ہونے والا ہے۔ اس لیے کہ روایات یہ بتاتی ہیں ۱۱ ذیقعدہ ۱۵۳ ہجری کو آٹھویں امامؑ کی ولادت ہوئی اور ۱۵ شوال ۱۴۸ ہجری میں چھٹے امامؑ کی شہادت ہوئی تھی۔ چھٹے امامؑ کی شہادت اور آٹھویں امامؑ کی ولادت میں پانچ سال ایک مہینے سے بھی کم کا وقفہ ہے۔

آٹھویں امامؑ کے والد کا نام تو آپ سب لوگ جانتے ہیں لیکن آٹھویں امامؑ کی والدہ کا تذکرہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ کس طرح دنیا کے اکثر لوگوں کو آٹھویں امامؑ کی آمد کا علم ہو چکا تھا۔ آٹھویں امامؑ کی والدہ کے نام کے سلسلے میں تین چار نام کتابوں میں لکھے گئے ہیں اور شیخ عباس قمی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے بہتر نام تکتم خاتونؑ کو قرار دیا ہے۔ تکتم خاتونؑ ان کا نام تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی کنیت اُمّ البنینؑ اور لقب نجمہؑ تھا۔ البتہ دوسری کتابوں میں ان کے دو نام اور بھی ملتے ہیں:

① سمانہ خاتونؑ ② خیزران خاتونؑ

بہرحال!

یہ معظمہؑ و مخدرہؑ کہ جن کے بارے میں پیغمبرِ اکرمؐ نے خواب میں آ کر پیش گوئی فرمائی تھی۔ یہ کس طریقے سے خاندانِ رسالتؐ میں آئیں؟

ان کا واقعہ کچھ اس طرح سے روایات میں ملتا ہے کہ حضرت حمیدہؑ ساتویں امامؑ کی

والدہ نے ایک مرتبہ ساتویں امامؑ کو بلایا اور کہا: میرے بیٹے! میں کام کاج کے لیے ایک کنیز خریدنا چاہتی ہوں۔ جاؤ اور جا کر دیکھو اگر کوئی کنیز نظر آئے تو خرید لاؤ۔

امامؑ کی والدہ امامؑ کو حکم دے رہی ہیں اور امامؑ پہلے ہی سے منتظر ہیں۔ امامؑ کو تو اپنی والدہ سے زیادہ علم تھا کہ کون سا وقت' کس بات کا وقت ہے۔ چناں چہ امامؑ اپنے ایک صحابی کو ساتھ لیے مدینہ کے بردہ فروش کے پاس پہنچے۔ امامؑ اس کے پاس پہنچ کر کہتے ہیں کہ میں کنیز خریدنا چاہتا ہوں' مجھے کنیزیں دکھا۔

اس نے تمام کنیزیں دکھائیں لیکن ساتویں امامؑ نے فرمایا کہ ان میں سے کوئی کنیز بھی مجھے پسند نہیں ہے۔ ان کے علاوہ اگر کوئی اور کنیز ہے تو وہ دکھا۔

اس بردہ فروش نے کہا: نہیں! ان کے علاوہ کوئی کنیز میرے پاس اس قابل نہیں ہے کہ جسے فروخت کرنے کے لیے پیش کر سکوں۔

ساتویں امامؑ نے اصرار کیا: اے شخص! تمھارے پاس ایک کنیز ہے جسے تُو جان بوجھ کر چھپا رہا ہے۔

وہ شخص کہنے لگا: ہاں! ایک بیمار کنیز تو ہے لیکن میں اس کنیز کو لوگوں کے سامنے پیش نہیں کرتا۔ اس لیے کہ مجھے ایک عورت نے منع کیا تھا اس نے کہا تھا کہ یہ کنیز ہر ایک کے سامنے پیش کرنے کی نہیں ہے۔

امامؑ کے ساتھی اس بردہ فروش سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کون سی عورت ہے؟

وہ جواب دیتا ہے: میں مراکش کی طرف سے آ رہا تھا اور وہاں ایک مقام پر مجھے یہ کنیز ملی۔ میں اسے لے آیا۔ جب میں چلا میرا گزر ایک شہر سے ہوا۔ اس شہر میں ایک نصرانی عورت رہتی تھی جس کو اپنی کتابوں پر انتہائی عبور حاصل تھا۔ اس نے مجھے دیکھا اور اس کنیز کو دیکھا تو اس کنیز کو دیکھتے ہی مجھ سے کہا: خبردار! اس کنیز کو ہاتھ تک نہ لگانا اس لیے کہ خدا نے اس کنیز کو ایک خاص مقصد کے تحت پیدا کیا ہے اور میں دیکھ رہی ہوں کہ اس کنیز سے ایک ایسا بیٹا پیدا ہوگا جو مشرق سے لے کر مغرب تک ہر جگہ دینِ خدا کا بول بالا کر دے گا۔ اے بردہ فروش! اس کنیز کو

سوائے بنی ہاشمؑ سے تعلق رکھنے والے کے اور کسی کے ہاتھ فروخت نہ کرنا۔

بردہ فروش کہتا ہے: جب اس عورت نے مجھے یہ بتایا نیز کچھ اور علامتیں بھی بتائیں تو میں نے یہ ارادہ کر لیا کہ میں اس کنیز کو کسی کے ہاتھ فروخت نہیں کروں گا جب تک کہ اس کا اصلی مالک نہ آ جائے۔ روایت میں ہے کہ ساتویں امامؑ نے یہ سنا تو اپنا تعارف نہ کرایا اور وہ علامتیں بھی ذکر نہ کیں جو وہ عورت اس بردہ فروش کو بتا چکی تھی بل کہ ساتویں امامؑ واپس آ گئے۔ اب روایت کچھ اس طرح آگے بڑھتی ہے کہ آئندہ روز ساتویں امامؑ نے اپنے اس صحابی کو حکم دیا: تم جاؤ اور جا کر اس بردہ فروش سے کہو کہ میں کنیز خریدنا چاہتا ہوں۔

ساتویں امامؑ کے صحابی گھبرا کر کہنے لگے: یا بن رسولؐ اللہ! کل آپ میرے ساتھ گئے تھے اس نے بات نہیں مانی آج وہ صرف مجھے دیکھ کر کنیز کیسے میرے حوالے کر دے گا؟

امامؑ نے فرمایا: نہیں! جیسے میں کہتا ہوں ویسے کرو۔

امامؑ کے یہ صحابی کہتے ہیں کہ تمام زندگی میرے اوپر یہ راز نہ کھل سکا۔ لیکن جب میں گیا اس بردہ فروش کے پاس تو میں نے اس کنیز کو خریدنے کی درخواست کی تو وہ بغیر کسی اعتراض کے مان گیا۔ اس نے اس کنیز کو بلایا اور بلا کر میرے حوالے کر دیا۔ میں نے وہ رقم اس کے حوالے کی جو ساتویں امامؑ نے مجھے دی تھی اور کنیز ساتویں امامؑ کے گھر میں پہنچا دی۔ ساتویں امامؑ نے اس کنیز کو حضرت حمیدہؑ کے حوالے کر دیا۔ یہ وہی کنیز ہے جن کا نام تکتم خاتونؑ یا نجمہ خاتونؑ یا سمانہ خاتونؑ یا اُمّ البنینؑ ہے۔

روایت میں ہے کہ حضرت حمیدہؑ یہ کہتی ہیں کہ میں نے ان سے زیادہ شریعت اور حکم کو ماننے والی کوئی کنیز نہیں دیکھی۔ اس کنیز نے آنے کے بعد گھر کا تمام کاج سنبھال لیا اور مجھے کسی قسم کی زحمت اور پریشانی میں نہ ڈالا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ رات کے وقت خواب میں میں نے پیغمبر خدا ﷺ کی زیارت کی۔

پیغمبرؐ اسلام نے مجھ سے فرمایا: اے حمیدہؑ! اپنی اس کنیز کو اپنے بیٹے موسیٰ علیہ السلام کے حوالے کر دے۔ اس کنیز کی ان سے شادی کر دے۔ اس لیے کہ اسی کنیز کے بطن مبارک سے

میرا وہ بیٹا پیدا ہوگا جو میرے دین کو مزید ترقی دے گا۔

حضرت حمیدہؑ کہتی ہیں: اس کے بعد میری آنکھ کھلی۔ آنکھ کھلتے ہی میں نے اس کنیز کو بلا کر اپنے بیٹے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے حوالے کر دیا۔

اس کے بعد روایت کا سلسلہ اس طرح سے آگے بڑھتا ہے وہی ہمارا جملہ کہ آٹھویں امامؑ کا انتظار طویل عرصے سے کیا جا رہا ہے۔

چھٹے امامؑ کے صحابیوں کی روایت ہے کہ جب کبھی ہم چھٹے امامؑ کے ساتھ بیٹھتے تھے اور کسی طرف سے بھی ساتویں امامؑ آ نکلتے تھے تو چھٹے امامؑ ایک مرتبہ ساتویں امامؑ کو بلاتے اور بلانے کے بعد کہتے تھے: میرا یہ بیٹا حلم میں، علم میں، شجاعت میں، اخلاق میں، کردار میں، نسب میں، عصمت میں ہر چیز میں اکمل ہے۔ لیکن مجھے اس کی ایک صفت سب سے زیادہ پسند ہے جو ان تمام باتوں سے بھی زیادہ بہتر ہے۔

اصحاب سوال کرتے ہیں: یا بن رسولؐ اللہ! وہ کون سی صفت ہے؟

تو چھٹے امامؑ جواب دیتے: اس کی صلب سے، اس کی نسل سے خدا مجھے ایک ایسا بیٹا عطا کرے گا جو عالم آلِ محمدؐ کہلائے گا اور جو میرے اس کام کو جو نامکمل رہ جائے گا تکمیل کے مرحلے تک پہنچائے گا۔

روایات میں ہے کہ چھٹے امامؑ بار بار اپنے بیٹوں سے کہا کرتے تھے کہ خبردار! جب میرے اس بیٹے کے یہاں کسی بیٹے کی ولادت ہو تو اس پیدا ہونے والے مولود سے حسد نہ کرنا مل کر اس کی اطاعت کرنا۔ اس لیے کہ وہی میرا حقیقی وارث اور وہی میرا حقیقی جانشین ہوگا۔

روایات میں یہ بھی ملتا ہے کہ چھٹے امامؑ نے سب سے زیادہ علمی جہاد کیا۔ چناں چہ چھٹے امامؑ بار بار لقب دیتے ہیں کہ عالم آلِ محمدؐ پیدا ہونے والا ہے۔

روایت میں ہے کہ جب آٹھویں امامؑ کی ۱۱ ذیقعدہ ۱۵۳ ہجری کو ولادت ہوئی تو امامؑ کا نام وہی رکھا گیا جو اس سے پہلے خاندانِ اہل بیتؑ کی دو اہم شخصیات کا رکھا گیا تھا یعنی علیؑ اور امامؑ کے القاب ویسے تو بے شمار ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ مشہور لقب رضا ہے۔ آٹھویں

امامؑ کی شہادت کے بعد دسویں امامؑ سے کسی نے سوال کیا تھا کہ کیا سبب ہے کہ آپؑ کے دادا کا لقب رضا تھا؟

امامؑ نے جواب دیا: اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ خدا تمام ملائکہ' تمام انبیاءؑ' تمام ائمہؑ' تمام دوست اور تمام دشمن سب کے سب ان سے راضی ہو گئے اور جتنے لوگ میرے داداؑ سے راضی ہوئے اتنے لوگ کسی بھی امامؑ سے راضی نہیں ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ اس رضامندی کی وجہ سے خلافت آٹھویں امامؑ کے حوالے کر دی گئی۔

اس وقت راوی کا کہنا ہے کہ مسلمانوں میں ایک روایت زیادہ مشہور تھی کہ مامون الرشید نے امامؑ کا لقب رضا رکھا ہے۔ میں نے ایک مرتبہ سوال کیا کہ یا بن رسولؐ اللہ! کیا یہ بات صحیح ہے کہ مامون نے آپؑ کے داداؑ کو رضا کا لقب دیا تھا؟ یہ سن کر امامؑ جلال میں آ گئے۔

کہا: کون یہ کہتا ہے؟ تجھے نہیں پتا' مامون کی کیا مجال تھی کہ وہ میرے داداؑ کو لقب رضا عطا کرتا بلکہ خداوند قدوس نے ملائکہؑ کے سامنے میرے داداؑ کو رضا کا لقب عطا کیا تھا تو امامؑ اس دنیا میں آئے۔

اور اب ذرا دیکھیں!

ساتویں امامؑ نے لقب رضا رکھ کر بتایا کہ دیکھو! یہ میرا وہی بیٹا ہے جس سے تمام دنیا کو راضی ہونا ہے اور اس کے بعد جب ساتویں امامؑ مدینے سے بغداد کی طرف گئے یعنی ہارون الرشید نے امامؑ کو گرفتار کر کے روانہ کیا۔ اب روایت میں ہے کہ ساتویں امامؑ نے اس سے کچھ دن پہلے اولاد فاطمہؑ سے سترہ (۱۷) عظیم الشان ہستیوں کو چنا۔ ہر ایک ہستی اتنی عظیم تھی کہ لوگ ان میں سے کچھ کے بارے میں امامت کا شک کر رہے تھے ان سب کو چنا۔ چننے کے بعد مسجد نبویؐ میں جمع کیا' جمع کرنے کے بعد ہر ایک کے سامنے اپنے بیٹے کی ولی عہدی کا اعلان کیا۔ اس کے بعد اس قرارداد کو لکھوایا اور امام علی رضاؑ کی امامت اور ولی عہدی پر اولاد فاطمہؑ میں سات افراد کے دستخط کرائے۔

ایک خاص اہتمام کیا گیا کہ چھٹے امامؑ جب ساتویں امامؑ کو دیکھیں اور یہ فرمائیں کہ اس

میں سے عالم آلِ محمدؐ پیدا ہو گا۔ مراکش کی رہنے والی نصرانیہ دیکھے اور دیکھنے کے بعد کہے کہ اس عورت کو ہاتھ نہ لگانا اس میں سے وہ بیٹا پیدا ہو گا جو مشرق سے لے کر مغرب تک دین حق کا بول بالا کرے گا۔

ساتویں امامؑ قید ہونے جا رہے ہیں' ساتویں امامؑ قید خانے کی طرف جا رہے ہیں' اس وقت تو اچھے بھلے انسان کے دماغ پر اثر ہو جاتا ہے لیکن امامؑ امامؑ ہوتا ہے۔ ساتویں امامؑ ایسے نازک وقت میں بھی سب سے اہم کام یہ کر رہے ہیں کہ اپنے بیٹے کی امامت اور ولی عہدی کا اعلان کر کے جا رہے ہیں۔

روایات میں یہی ہے کہ جتنا اہتمام آٹھویں امامؑ کی امامت کے لیے کیا گیا اتنا انتظام و اہتمام کسی امامؑ کی امامت کے لیے نہیں کیا گیا اور اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ چھٹے امامؑ کی شہادت کے بعد مسلمانوں میں لوگوں نے جتنے تفرقے پیدا کیے تھے' کسی نے چھٹے امامؑ کے ایک بیٹے عبداللہ کو خلیفہ بنا لیا' کسی نے امامؑ کے دوسرے بیٹے اسماعیل کو اپنا امام بنا لیا' کسی نے یہ دعویٰ کر دیا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام ابھی تک زندہ ہیں' کربلا کے میدان میں انھیں آسمانوں کی طرف اُٹھا لیا گیا تھا۔ چناں چہ وہ اب تک امامت کے عہدے پر فائز ہیں۔ ان کے بعد کوئی امام نہیں۔

کسی نے کہا کہ امیر المومنین علیہ السلام کے بیٹے حضرت محمد ابن حنفیہؒ اب تک حیات ہیں اور اصل میں ان کی امامت کا زمانہ چل رہا ہے۔ یہ سارے کے سارے حالات اس وقت پیش آ رہے تھے جب ساتویں امامؑ کو امامت ملی اور ساتویں امامؑ نے یہ دیکھا کہ وہی حکومت ہے حکومت کی وہی سازشیں ہیں۔ ساتویں امامؑ کی اولاد بڑی کثرت کے ساتھ تھی۔ روایات میں سینتیس (۳۷) اولادیں ساتویں امامؑ کی بتائی گئی ہیں اور ان کے اندر کچھ ایسے پرہیزگار لوگ بھی تھے کہ جن کے بارے میں لوگ ساتویں امامؑ کی زندگی میں شک کرنے لگے تھے کہ کہیں وہ تو امام نہیں۔ ساتویں امامؑ نے تو انتظام کر کے جانا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جیسا میرے والدؑ کی شہادت کے بعد ہوا ہے کہ چار پانچ فرقے بن گئے' خدانخواستہ میری شہادت کے بعد بھی ایسا ہی

ہو جائے۔ چناں چہ ایسا مستحکم اور اتنا مضبوط انتظام کر کے گئے کہ حکومت وقت بجائے اس کے کہ مختلف بیٹوں کو امام مشہور کراتی وہ مجبور ہو کر آٹھویں امامؑ کے دروازے پر جھکتی ہے اور آٹھویں امامؑ سے درخواست کرتی ہے کہ آپؑ کے تمام خاندان کو قابو میں کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ آپؑ ولی عہدی کو قبول کر لیں۔

یہاں تک ہماری گفتگو پہنچی۔

اب آیئے!

اسی تسلسل میں کہ آٹھویں امامؑ کی ولادت ہو چکی تھی۔ آٹھویں امامؑ کی امامت کا خاص اہتمام کیا جا رہا تھا اور آٹھویں امامؑ کو خلیفہ ہارون الرشید کا دور ملا' وہ ظالم ترین خلیفہ' وہ جابر ترین خلیفہ جس کے لیے کسی انسان کو قتل کرنا کسی مکھی اور مچھر کو مسل کر مار دینے سے بھی زیادہ آسان تھا۔ اس کا زمانہ آٹھویں امامؑ کو ملا اور امامؑ کی امامت کے فوراً بعد ظلم و ستم شروع کیا۔ یہاں تک کہ روایات یہ ہیں کہ اس نے ایک ایسا حکم جاری کیا کہ جو ہمیں سوائے میدانِ کربلا میں اور کہیں نہیں ملتا ہے بل کہ میدانِ کربلا میں بھی ہمیں وہ حکم نظر نہیں آتا۔

وہ حکم کیا جاری کیا؟

یہ امامؑ کی امامت شروع ہو گئی۔ ہارون الرشید کے مظالم کا اندازہ آپ نے گذشتہ تقریر میں کر لیا ہو گا وہ بادشاہ جو بھرے دربار میں امامؑ زادی پر تہمت لگاتا ہے۔ وہی بادشاہ ہارون الرشید اور اس کی یہ خصوصیتیں' ایک گانا بجانا' ایک شطرنج کو سرکاری کھیل قرار دینا اور تیسری خصوصیت جوا کھیلنا بھی آپ کے سامنے آئے گی۔

ہارون الرشید نے ساتویں امامؑ کو شہید کرایا اور ساتویں امامؑ کو شہید کرا کر بھی اس کے دل کو ٹھنڈک محسوس نہ ہوئی۔ روایت میں ہے کہ اس نے ایک بہانہ بنایا۔ بہانہ یہ بنایا کہ چھٹے امامؑ کے صاحب زادے محمدؐ آج کل میرے خلاف بغاوت کر رہے ہیں اس لیے میں محمد کو قتل کرانا چاہتا ہوں اور تمام سادات کو اتنا کچل کر اور دبا کر رکھنا چاہتا ہوں کہ دوبارہ وہ سر نہ اٹھا سکیں۔

چناں چہ عیسیٰ جلودی کی قیادت میں ایک لشکر مدینے میں بھیجا گیا۔ آٹھویں امامؑ کی

امامت شروع ہوئی اور امامت شروع ہوتے ہی وہی مصیبت نازل ہو گئی جو کربلا میں سید سجاد علیہ السلام پر آئی تھی اور عجیب اتفاق ہے کہ چوتھے امامؑ کا نام بھی علیؑ تھا اور آٹھویں امامؑ کا نام بھی علیؑ تھا۔ چوتھے امامؑ کو بھی اس مصیبت کا سامنا کرنا پڑا اور آٹھویں امامؑ کو بھی سامنا کرنا پڑا لیکن اس وقت چوں کہ مصلحت الٰہی نہ تھی اس لیے بات اتنی آگے نہ بڑھ سکی۔

ہارون نے عیسیٰ جلودی کو حکم دیا کہ فوراً مدینے پر جا کر حملہ کرو اور مدینے پر حملہ کرنے کے بعد جو ہم نے احکامات دیے ہیں ان پر عمل کرو۔

آٹھویں امامؑ کی امامت ابھی شروع ہوئی ہی تھی کہ عین اسی وقت عیسیٰ جلودی اپنا لشکر لے کر مدینے میں پہنچا۔ مدینے میں پہنچنے کے بعد سب سے پہلے محمد کو گرفتار کیا گیا جو آٹھویں امامؑ کے چچا ہیں' ساتویں امامؑ کے بھائی ہیں' چھٹے امامؑ کے بیٹے ہیں اور گرفتار کرنے کے بعد ان کے ساتھ کیا ظلم کیا گیا' اس کا اندازہ تو آپ خود ہی لگا سکتے ہیں کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ہوگا اور ان ظالموں سے کیا توقع کی جا سکتی تھی۔

خلیفہ ہارون کے احکامات تھے کہ صرف ان کو گرفتار نہ کرنا بل کہ جو بھی اولاد سیدہ سلام اللہ علیہا میں سے نظر آئے ان میں سے ہر ایک کو گرفتار کرنا۔ ان کے تمام مکانات کو آگ لگا کر تباہ کر دینا اور ان کے تمام مال کو کافروں کا مال سمجھ کر مالِ غنیمت کے طور پر لوٹ لینا۔ عیسیٰ جلودی مدینے میں پہنچا۔ اس نے وہی ظلم کیا جو اس سے پہلے ہوتا چلا آ رہا تھا۔

بہرحال!

تمام اولادِ فاطمہؑ کو گرفتار کیا گیا۔ تمام اولادِ فاطمہؑ کے مال کو کافروں کا مال سمجھ کر مالِ غنیمت کے طور پر لوٹا گیا اور تمام مدینے میں سادات کا کوئی گھر جہاں جہاں نظر آیا اسے آگ لگا کر تباہ کر دیا گیا۔ صرف ایک گھر صحیح سالم رہ سکا تھا وہ گھر آٹھویں امامؑ کا تھا۔ لیکن وہاں بھی خلیفہ نے حکم دیا تھا کہ آٹھویں امامؑ کے گھر میں بھی ان کے مال کو اسی طرح لوٹو جس طرح کافروں کے مال کو مالِ غنیمت کے طور پر لوٹتے ہو۔ ہارون الرشید ایک امامؑ کے بارے میں یہ حکم صادر کر رہا تھا۔

اب عیسیٰ جلودی اپنا لشکر لے کر امامؑ کے دروازے پر آیا۔ امامؑ دیکھ رہے ہیں کہ عیسیٰ جلودی یہ احکامات لے کر آیا ہے۔ امامؑ اس وقت چاہیں تو تلوار نکال کر جہاد کر سکتے ہیں لیکن صبر امامؑ کا ضبط امامؑ کا ابھی تو امامت شروع ہوئی تھی۔ امامؑ فوراً گھر کے دروازے کو کھول دیتے ہیں اور لشکر سے کہتے ہیں کہ تمھارا جو دل چاہے اپنے خلیفہ کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے لے جاؤ۔ روایت میں ہے کہ تمام گھر کو لوٹ لیا گیا۔ امامؑ کے تمام گھر کو لوٹ لیا گیا اور اب زنان خانے کی باری آئی جہاں مخدرات عصمتؑ موجود تھیں۔

عیسیٰ جلودی کہتا ہے: یا بن رسولؐ اللہ! خلیفہ ہارون الرشید نے حکم دیا ہے کہ ایک ایک عورت کے تمام زیورات کو اُتار لیا جائے۔

امامؑ فرماتے ہیں: اچھا اگر خلیفہ کا یہ حکم ہے تو انتظار کرو میں ابھی اپنے گھر والوں کے زیورات لے کر آتا ہوں۔

عیسیٰ جلودی کہتا ہے: یا بن رسولؐ اللہ! اس طرح بات نہیں بنے گی' مجھے خلیفہ نے حکم دیا ہے کہ امامؑ کے گھر میں جانا اور ایک ایک سیدانیؑ کا زیور اپنے ہاتھ سے اُتار کر لے آنا۔

بس!

اب جب امامؑ نے یہ سنا تو ایک مرتبہ جلال میں آ گئے۔

آپؑ نے فرمایا: عیسیٰ جلودی! یہ تو ناممکن ہے' اس حکم پر تو عمل نہیں کر سکتا۔

عیسیٰ نے امامؑ کا انداز دیکھا تو سمجھ گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ اگر میں کچھ اور بولا تو مدینے میں دوسری کربلا برپا ہو جائے گی۔ چناں چہ اس نے مصلحت کے تحت کہا کہ اچھا یا بن رسولؐ اللہ! مجھے آپؑ پر بھروسا ہے' مجھے آپ کی بات پر اعتماد ہے اس لیے آپؑ اپنے تمام گھر کا سامان لے کر آیئے۔

روایت میں ہے کہ تمام سیدانیوںؑ کے زیورات اُتار لیے گئے۔ یہاں تک کہ گھر کا سارا سامان حکومت عباسیہ کی فوج لوٹ کر لے گئی اور امامؑ کے گھر میں کچھ باقی نہ رہا۔ آٹھویں امامؑ کے لیے یہ کتنا مشکل امتحان تھا۔ اگر امامؑ چاہتے تو ایک منٹ کے اندر تلوار نکال

کر جہاد کر سکتے تھے۔ لیکن امامؑ جانتے تھے کہ اگر میں تلوار لے کر نکلا تو وہ مقصد حاصل نہیں ہو گا جو گھر میں بیٹھنے سے حاصل ہو سکتا ہے امامؑ نے اتنے مظالم کو برداشت کیا اور مصلحتِ الٰہی کے تحت کچھ نہ بولے۔

بس!

یہی واقعہ ہارون کے لیے زوال ثابت ہوا اور اسی وقت سے ہارون کے مظالم کا اختتام ہونے لگا۔ یہی وہ تاریخ اسلامی کا مقام ہے کہ جہاں سے آٹھویں امامؑ کی شخصیت اُبھر کر سامنے آتی ہے۔

ہارون اب تک جو سازشیں آلِ محمدؐ کے خلاف کر رہا تھا۔ کوشش اس کی یہ تھی کہ امامؑ زادوں کو آپس میں لڑایا جائے۔ اس کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ چھٹے' ساتویں اور آٹھویں امامؑ کے مقابلے میں جھوٹے امام کھڑے کیے جائیں۔ یہ تمام بنو عباس کی پالیسی تھی لیکن اب بجائے اس کے کہ آلِ محمدؐ کے خاندان میں کوئی تفرقہ پڑتا ہمیں نظر آیا کہ اُلٹا ہارون الرشید عباسی کے گھر میں ایک بڑا اختلاف پیدا ہو گیا اور یہ اختلاف تاریخ کا اہم ترین اختلاف ہے۔ ہارون کے دو بیٹے تھے: ایک کا نام امین تھا اور دوسرے کا نام مامون تھا۔ امین زبیدہ کا بیٹا تھا اور زبیدہ منصور کی پوتی تھی۔ چناں چہ امین باپ کی طرف سے بھی عباسی تھا اور ماں کی طرف سے بھی عباسی تھا اور مامون الرشید ایک کنیز کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ اس کی ماں عجمی تھی' ایرانی تھی اور عرب ایرانیوں سے جو نفرت کرتے ہیں وہ آپ کے علم میں ہو گی۔

مامون اور امین ہارون کے دو بیٹے ہیں۔ تمام بنو عباس کی کوشش یہ تھی کہ امین کو خلیفہ بنایا جائے مگر ہارون یہ دیکھ رہا تھا کہ اگر میں نے امین کو خلیفہ بنایا تو اب تک تو میری حکومت عجمیوں کے سہارے ایرانیوں کے سہارے آگے بڑھ رہی تھی اس لیے کہ عرب تو دور ہو گئے۔ بنو اُمیہ کے زوال کے بعد اور تمام خلافتِ عباسیہ کو چلانے والے عجمی تھے یعنی ایرانی بھی اور ترکستانی بھی۔ تو اب خلیفہ نے دیکھا کہ اگر میں مامون کو جو بڑا بیٹا ہے خلافت نہیں دیتا ہوں تو عجمی ناراض ہو جائیں گے کہ مامون چوں کہ عجمی کنیز سے پیدا ہوا ہے اس لیے تُو نے اُسے خلافت

نہیں دی اور اگر امین کو خلافت نہیں دیتا ہوں تو میرا پورا خاندان ناراض ہو جائے گا۔ یہ کشمکش اس کے گھر کے اندر پیدا ہوئی۔ اسی وقت اس نے اس سے بڑھ کر ظلم کیا اور وہ یہ کہ وہ خاندان جو اسے اقتدار میں لے کر آیا تھا اس کو پس پشت ڈال دیا۔

بہرحال!

۱۹۲ ہجری میں ہارون کا انتقال ہوا۔ ہارون کا انتقال ہوتے ہی آدھی خلافت امین کے ہاتھ آئی اور آدھی خلافت مامون کے ہاتھ میں آئی۔

چناں چہ آٹھویں امامؑ کو دین کی نشر و اشاعت کے لیے پانچ سال کا عرصہ بڑے اطمینان سے مل گیا۔ اب امین اور مامون دونوں آپس میں ٹکرا گئے اور دونوں میں سے کسی نے آٹھویں امامؑ سے ٹکرانا مناسب نہ سمجھا۔ اس لیے کہ ہم آپس میں لڑ رہے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ اگر ہم امامؑ کے خلاف ہوں تو ہمیں دو دشمنوں کا سامنا کرنا پڑ جائے گا' ایک بھائی اور ایک سادات کا۔

بہرحال!

یہ پانچ سال امامؑ کو نشر علوم کے لیے ملے اور یہی وجہ تھی کہ چھٹے امامؑ نے کہا تھا کہ آلِ محمدؐ کا عالم پیدا ہونے والا ہے۔ اس لیے کہ جو اطمینان کا زمانہ چھٹے امامؑ کو ملا تھا کہ جب بنوامیہ اور بنوعباس ٹکرا گئے تھے وہی اطمینان کا زمانہ آج آٹھویں امامؑ کو مل گیا۔ پانچ سال کے عرصے میں آٹھویں امامؑ نے چاروں طرف نشر علوم کیا۔ یہاں تک کہ چار کتابیں آٹھویں امامؑ کی تحریر شدہ ہمیں نظر آتی ہیں:

① صحیفۃ الرضا ② مسند الرضا

③ حدیث الرضا ④ طب الرضا

یہ چار کتابیں آٹھویں امامؑ نے خود اپنے ہاتھ سے تحریر کیں۔ یعنی اتنا موقع مل گیا امامؑ کو کہ اپنے ہاتھ سے کتابیں لکھ کر نشر کر سکیں۔ لیکن یہ چند لمحوں کا موقع تھا۔ ۱۹۸ ہجری میں مامون الرشید اپنے بھائی پر قابو پاتا ہے اور اپنے بھائی پر قابو پا کر حکم جاری کرتا ہے کہ میرے

بھائی کی گردن اُڑا دی جائے۔ جو بھائی اپنے بھائی کی گردن کو اُڑانے میں کوئی عار محسوس نہ کرے اس کے ظلم کا اندازہ آپ اسی سے لگا لیجیے اور اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ پانچ سال سے میری فوج لڑ رہی ہے بڑے عرصے سے ان کو تنخواہ نہیں ملی ہے جو کیمپ کے اندر حاضر ہو اسے تمام تنخواہ پانچ سال کی ادا کی جائے گی۔ اس کے بعد اس نے نیزے پر اپنے بھائی کا سر چڑھایا اور اس نے کہا کہ تنخواہ صرف اسے ملے گی جو اس نیزے کے نیچے آ کر میرے بھائی پر سب وشتم کرے۔ یہ مامون کا آغاز تھا اور اس کے بعد مامون کہاں تک گیا؟

وقت چوں کہ بہت کم ہے اس لیے مختصر کرتا ہوں!

اس ماحول والے مامون نے ۲۰۰ ہجری میں آٹھویں امامؑ کو خط لکھا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنی جگہ آپؑ کو خلیفہ مقرر کر دوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب میرا امین سے جھگڑا ہو رہا تھا تو اس وقت میں نے یہ دیکھا کہ تمام عرب امین کے ساتھ تھے۔ میں نے منت مانی تھی کہ اگر میں امین پر فاتح ہو گیا' اگر امین کو میں نے قتل کر دیا یعنی امین پر قابو پا لیا تو میں اولادِ فاطمہؑ میں سے جو سب سے بہتر شخص ہے اسے اپنی جگہ خلیفہ مقرر کروں گا اور آپؑ سے بہتر مجھے کوئی نظر نہیں آ رہا ہے۔

یہ خط امامؑ کے سامنے تھا لیکن امامؑ نے صاف انکار کر دیا۔ مامون نے دوبارہ اصرار کیا اور بڑی دیر تک خط و کتابت چلتی رہی۔ یہاں تک کہ آخر میں فوج کا ایک دستہ بھیجا گیا اور یہ کہہ کر بھیجا گیا کہ اگر امامؑ نہ آئیں تو انھیں گرفتار کر کے مدینے سے بغداد لے آنا۔ یہ فوجی دستہ جب مدینے پہنچا تو اب امامؑ نے مصلحتِ خدا کو دیکھا۔ روایت میں ہے کہ امامؑ مدینے سے چلے۔ اس حالت میں چلے کہ سات مرتبہ اپنے گھر سے نکل کر رسولؐ اکرم کے روضے پر گئے اور رسولؐ اکرم کے روضے سے الوداع کیا۔

جب راوی نے پوچھا: یا ابن رسول اللہؐ! آپؑ بار بار جو رسولؐ اکرم کے روضے کی طرف چکر لگا رہے ہیں اور آنکھوں سے آنسو بہا رہے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

امامؑ نے فرمایا: میں مدینے سے جا رہا ہوں اور اتنا معلوم ہے کہ آج کے بعد پھر کبھی

روضۂ رسولؐ دیکھنا نصیب نہ ہوگا اور آج کے بعد اپنے گھر والوں سے ملاقات نہ کر سکوں گا۔ اس لیے بار بار ان کی زیارت کر رہا ہوں تا کہ آخری مرتبہ جی بھر کر روضۂ رسولؐ کو دیکھ لوں۔

بہر حال!

امامؑ دارالخلافہ میں پہنچے اور پہلی رمضان ۲۰۱ ہجری میں امامؑ کو مامون نے ولی عہد بنایا۔ پہلے تو یہ کہا کہ آپؑ خلیفہ بن جایئے۔ امامؑ نے کہا قتل ہونا منظور ہے مگر خلیفہ بننا منظور نہیں ہے۔ جب مامون نے دیکھا کہ امامؑ خلیفہ نہیں بن رہے تو کہا کہ اچھا پھر آپؑ میرے ولی عہد بن جایئے۔ امامؑ نے اس سے بھی انکار کیا لیکن جب مامون نے کہا کہ آپؑ کو ان دو میں سے کسی کا اقرار کرنا پڑے گا ورنہ میں نے اپنے بھائی کے ساتھ جو سلوک کیا وہی سلوک آپؑ کے ساتھ بھی کروں گا۔

جب بات یہاں تک پہنچی تو امامؑ نے ولی عہدی قبول کر لی۔ امامؑ تلوار سے ڈرتے نہیں تھے لیکن اس وقت امامؑ کے سامنے سارے کا سارا مسئلہ یہ تھا کہ امامؑ کو دربار خلافت میں بیٹھ کر ایک بہت بڑا کام انجام دینا تھا۔ نویں امامؑ کی عمر اس وقت سات سال کی تھی۔ مامون کا زمانہ تھا اور اس زمانے میں ایک بہت بڑا خطرہ مسلمانوں کو یہ پیدا ہو گیا تھا وہ یہ کہ اب مسلمانوں کی سلطنت بہت زیادہ پھیل چکی تھی اور مزید پھیلنے کی گنجائش نہ تھی' مامون کو اطلاع ملی کہ یونان کے اندر یونان کے فلسفیوں کی کتابیں رکھی ہوئی ہیں اور وہاں کا پادری ان کتابوں کو خلاف مذہب قرار دے کر جلانا چاہتا ہے۔ مامون نے کہا کہ اس سے اچھا ہے کہ کتابیں ہمارے پاس آ جائیں۔ جب وہ کتابیں مامون کے پاس پہنچی تو مامون نے سب کا عربی میں ترجمہ کرایا۔ مامون نے ایک ادارہ "بیت الحکمت" قائم کیا تھا۔

اب اگر آٹھویں امامؑ اس وقت تلوار نکال کر جہاد کرتے ہوئے شہید ہو جاتے تو یہ یونان کا فلسفہ جو عربی میں منتقل ہو چکا تھا اور پہلے بھی مسلمانوں کو گم راہ کر چکا تھا۔ اب اگر آٹھویں امامؑ تلوار نکال کر جہاد کرتے ہوئے شہید ہو جاتے تو اس وقت اِسلام کو بچانے والا کوئی نہ ہوتا۔ اس وقت ضرورت یہ تھی کہ ولی عہدی کو قبول کر لیا جائے تا کہ دربار خلافت میں بیٹھ کر

ان تمام چیزوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔

آٹھویں امامؑ دربار خلافت میں پہنچے تو تین حکم جاری کر دیے۔

پہلا حکم یہ کہ جمعہ کے خطبہ میں میرے نام کے ساتھ امامؑ کا نام بھی شامل کیا جائے کیوں کہ وہ میرے ولی عہد ہیں۔

دوسرا حکم یہ جاری کیا کہ پورے دربار کا رنگ کالے رنگ سے بدل کر سبز رنگ میں تبدیل کر دیا جائے۔ اس لیے کہ کالا رنگ بنوعباس کی نشانی ہے اور سبز رنگ اہل بیتؑ کی نشانی ہے۔

تیسرا حکم یہ جاری کیا کہ جتنے سکے اس وقت مسلمان ملک میں چل رہے ہیں ان تمام سکوں پر میرے نام کے ساتھ آٹھویں امامؑ کا نام بھی کندہ کر دیا جائے۔ اس کی وجہ سے امامؑ کا لقب امام ضامن پڑا۔

یہ بہت مشہور لقب (امامِ ضامن) آپ نے سنا ہوگا۔ اس کی دو وجوہات علما نے لکھی ہیں:

پہلی وجہ تو بہت سیدھی سادی ہے کہ مامون کو جتنا ہم سیدھا سمجھتے ہیں اتنا سیدھا نہ تھا' مامون بھی متوکل عباسی سے کم نہ تھا' مامون بھی ہارون الرشید عباسی سے کم نہ تھا۔ اس نے بھی حکم جاری کر دیا تھا کہ کوئی بھی روضۂ حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کرنے کے لیے جائے تو بلا پس و پیش اس کی گردن کو اڑا دیا جائے۔

چناں چہ بے شمار مومنین صرف اس وجہ سے شہید کیے گئے کہ وہ اپنے مظلوم امامؑ کے روضے پر امامؑ کو سلام کرنے گئے تھے لیکن جب آٹھویں امامؑ ولی عہد بنے تو اب مامون کھلم کھلا تو امامؑ کے ماننے والوں کو قتل نہیں کر سکتا تھا اس نے یہ حکم جاری کر دیا کہ جو شخص روضۂ امامؑ پر جائے اسے قتل کر دیا جائے۔ لیکن جس کی ضمانت میں امامؑ کہیں کہ اس کی ضمانت میں دیتا ہوں' اسے جانے دو۔ جس کی ذمہ داری امامؑ لے لیں' صرف اس کو جانے کی اجازت ہے۔ یہ حکم سیاست کی وجہ سے مامون نے جاری کیا۔ چناں چہ امامؑ کے پاس جتنے بھی لوگ جاتے تھے امامؑ ہر ایک کے ضامن بن جاتے تھے۔ ہر ایک کی ضمانت دے دیتے تھے' یہاں تک کہ امامؑ کا

لقب ہی امامِ ضامن پڑ گیا اور اسی لیے لوگ بھی یہی کہتے ہوئے نظر آتے تھے کہ اگر تمھیں زیارت پر جانا ہے تو امامِ ضامن کے پاس چلے جاؤ۔ وہ تمھیں زیارت پر بھجوا دیں گے۔

دوسری وجہ امامؑ کو امام ضامن کہنے کی ہمارے سامنے یہ موجود ہے کہ امامؑ کا لقب امام ضامن اس لیے پڑا اور امام ضامن جو بازو پر باندھنے کا رواج ہے یہ بھی امامؑ ہی کی وجہ سے شروع ہوا کیوں کہ روایات میں بہت کثرت کے ساتھ یہ موجود ہے کہ اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ بحری سفر یا فضائی سفر یا بری سفر اختیار کرے اور سفر میں اسے کوئی نقصان نہ پہنچے تو وہ اہل بیتؑ میں سے کسی کے نام کو اپنے ساتھ رکھ لے۔ اس لیے کہ پیغمبرؐ اِسلام کا وعدہ ہے کہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ نہ آپ کو بحری سفر میں نقصان ہو گا نہ خشکی کے سفر میں کوئی نقصان پہنچا پائے گا۔

لیکن وہ زمانہ کتنا مشکل زمانہ تھا کہ اہل بیتؑ کا نام اپنے پاس رکھنا تو درکنار اگر اہل بیتؑ کا نام زبان کی نوک پر آ جاتا تو گردن اُڑا دی جاتی تھی۔ چناں چہ مومنین پیغمبرؐ اِسلام کی اس حدیث کو دیکھتے بھی تھے اور سنتے بھی تھے اور دل میں افسوس کرتے رہ جاتے تھے کہ ہم کس طرح اپنے امامؑ کے نام کو اپنے ساتھ رکھ کر سفر پر لے جا کر سفر کی برکتوں کو حاصل کریں۔

لیکن جب آٹھویں امامؑ کا نام سکوں پر آ گیا تو اب مومنوں کو ایک موقع مل گیا کہ اب ہم سکہ لے کر جائیں گے تو کون اعتراض کر سکتا ہے۔ حکومت کا جاری کردہ سکہ ہے اور اس سکے پر امامؑ کا نام بھی موجود ہے۔ ہمارا مقصد بھی حاصل ہو جائے گا' نامِ امامؑ ساتھ ہو گا اور اس کے ساتھ ساتھ حکومت کے مظالم سے بھی بچ جائیں گے۔

رواج یہ ہوا کہ اگر دوسرے سکوں کو ساتھ لے کر چلے تو یہ کیسے پتا چلے گا کہ ہم کس مقصد کے تحت لے کر جا رہے ہیں تو انھوں نے یہ اہتمام کیا کہ خاص طور پر اسے کپڑے میں باندھ کر بازو پر باندھ لیا کرتے تھے تاکہ امامؑ کا نام جو اس سکے پر موجود ہے اصل مقصد تو وہ امامؑ کا نام تھا جو آج کل کے سکوں پر تو نہیں ہوتا کہ امامؑ کا نام ہمارے ساتھ رہے اور وہ جو پیغمبرؐ اِسلام کا وعدہ ہے اس وعدے کے تحت ہم ہر مصیبت سے بچ جائیں۔ اس طرح امام

ضامن کی ابتدا ہوئی۔

یکم رمضان ۲۰۱ ہجری میں ہمارے آٹھویں امامؑ دارالخلافہ میں پہنچتے ہیں۔

ایک سوال یہاں پر یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس ظالم کو کیا ضرورت پڑی تھی امامؑ کو اپنا ولی عہد بنانے کی؟

اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت مسلمانوں میں دو طاقتیں تھیں: ایک عربوں کی طاقت اور ایک آلؑ محمدؐ کی طاقت۔ آلؑ محمدؐ کی طاقت کا مطلب امامؑ نہیں ہے بلکہ امامؑ کے بھائی، امامؑ کے بھتیجے، امامؑ کے چچا، ان میں سے ہر ایک مختلف علاقوں میں حکومت جما کر بیٹھ گیا تھا تو جگہ جگہ سادات نے اپنی حکومتوں کو قائم کر لیا تھا۔

اب تمام عرب مامون کے خلاف ہو چکے تھے۔ اس نے امین کو قتل کروایا اور امین ماں کی طرف سے بھی عباسی اور باپ کی طرف سے بھی عباسی تھے، بنوامیہ پہلے ہی سے جلے بیٹھے تھے، بنوعباس بھی ناراض ہو گئے تھے کہ تم نے امین کو قتل کروا دیا۔ صرف سادات کی ایک طاقت رہ گئی تھی۔

مامون نے یہ سوچا کہ اگر میں سادات کو اپنے ساتھ ملا لوں جو دو طاقتوں میں سے ایک طاقت ہے، بنوعباس نکل جائیں گے لیکن سادات کی حمایت مجھے حاصل ہو جائے گی اور پھر یہ کہ میں بنوعباس پر دباؤ ڈالوں گا کہ دیکھو اگر تم نے میرا ساتھ نہیں دیا تو میں خلافت سادات کے حوالے کر دوں گا۔ چناں چہ وہ یقیناً میرا ساتھ دیں گے۔

اسی مقصد کے تحت مامون نے نظر دوڑائی کہ کون سا سید ایسا ہے جس کا احترام کرتے ہوئے تمام سید نظر آتے ہیں اور جس کی بات کو ہر سید مان لے گا، یوں آٹھویں امامؑ کا نام اس کے سامنے آیا۔ چناں چہ اس نے آٹھویں امامؑ کے نام کو استعمال کیا۔ جس کے ذریعے تمام سادات کو خاموش کرایا جائے اور بنوعباس کے لوگوں پر دباؤ ڈالا جائے کہ میری خلافت کو مانو ورنہ خلافت تمہارے خاندان سے نکل کر وہاں چلی جائے گی تو پتا چلا کہ اس کے دونوں منصوبے کامیاب ہوئے۔

آٹھویں امامؑ کی ولی عہدی کے بعد تمام سادات بھی ٹھنڈے پڑ گئے اور دوسری طرف بنوعباس کے لوگ بھی ڈر گئے اور وہ شکایت لے کر مامون کے پاس آئے۔ مامون سے معافی مانگی، سب مامون سے مل گئے اور مامون کا کام نکل گیا تو اس (ملعون) نے تیئس (۲۳) ذیقعدہ ۲۰۳ ہجری یا سترہ (۱۷) صفر ۲۰۳ ہجری کو امامؑ کو زہر دے کر شہید کر دیا۔

صرف دو سال ولی عہد رکھا تاکہ سادات کو خاموش کرا کر بنوعباس کو اپنے ساتھ ملا لیا جائے۔ جب بنوعباس آ جائیں تو پھر سادات جتنا بھی ہنگامہ کریں ان کو دبانا آسان ہے۔ یہ مامون کی سیاست تھی اور آٹھویں امامؑ نے کس لیے یہ عہدہ قبول کیا؟

اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس وقت آٹھویں امامؑ یہ دیکھ رہے تھے کہ سادات پر جو بے شمار مظالم ہو رہے ہیں ان کے خاتمے کا صرف ایک طریقہ ہو سکتا ہے، وہ یہ کہ خود دربار خلافت میں موجود ہوں اور وہاں موجود ہونے کے سبب سے سادات پر ہونے والے تمام مظالم کا خاتمہ کر دیں۔

اس لیے کہ مامون نے اگرچہ سادات کو تھوڑی چھٹی دی تھی لیکن اس کے تمام گورنروں نے مظالم کا سلسلہ جاری رکھا۔ اب اگر امامؑ دربار خلافت میں ہوتے اور اس پوزیشن میں ہوتے کہ احکامات جاری کر کے سادات کو اتنا وقفہ دیتے کہ سادات عرب کی زمین چھوڑ کر باہر نکل جائیں اور اسی لیے آپ کے مشاہدہ میں آیا ہوگا کہ زیادہ تر رضوی سادات مختلف علاقوں میں پہنچے ہیں۔

آٹھویں امامؑ ایک مہلت حاصل کر رہے تھے کہ وہ سادات جن کو باقاعدہ ایک منصوبے کے تحت عرب میں ختم کیا جا رہا ہے انھیں دو سال کا وقت مل جائے گا تو امامؑ ان سادات کو عرب سے نکال کر ہندوستان کی طرف، ایران کی طرف بھیج سکیں گے اور وہاں جا کر وہ مستحکم اور مضبوط ہونے کے بعد اس قابل ہو جائیں کہ مذہب آلِ محمدؐ محفوظ ہو سکے۔

امامؑ کی یہ کوشش کام یاب ہوئی اور اس کے بعد سادات باوجود اس کے کہ بڑی تعداد میں شہید کیے گئے لیکن ان کا ایک بڑا حصہ عرب سے نکل کر عجم میں پہنچ کر محفوظ ہو چکا تھا۔

دوسرا مقصد امامؑ کا یہ تھا کہ بیت الحکمت میں بیٹھ کر یونان کے فلسفے کو اسلام میں شامل کرنے کی جو کوشش کی جارہی ہے اس کا مقابلہ کیا جائے۔ چناں چہ امامؑ نے دربار خلافت میں بیٹھ کر پہلے ہی یہ شرط لگائی تھی کہ قضاوت کے معاملات سے میرا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ کون سا گورنر مقرر ہو رہا ہے، کون سا معزول ہو رہا ہے میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن علمی میدان میں امامؑ ہر مقام پر آگے آگے تھے۔ دربار خلافت میں دو سال بیٹھ کر امامؑ نے کثرت کے ساتھ مناظرے کیے۔ یہودیوں سے امامؑ نے مناظرے کیے، عیسائیوں سے امامؑ نے مناظرے کیے، کافروں سے امامؑ نے مناظرے کیے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کے وہ لوگ جو پیغمبرؐ اسلام کو (معاذ اللہ) گناہ گار سمجھتے تھے ان سے امامؑ نے مناظرے کیے۔

تیسرا بڑا اہم کام جو امامؑ نے کیا وہ یہ کہ لوگوں کے ذہن سے یہ خناس نکالنا تھا کہ ہم چوں کہ محبّ اہل بیتؑ ہیں یا ہم چوں کہ آلِ رسولؐ ہیں یا ہم چوں کہ پیغمبرؐ اسلام کے ماننے والے ہیں اس لیے اب ہمیں عمل کی کوئی ضرورت نہیں۔ جس طرح زندگی گزاریں ہماری بخشش یقینی ہو جائے گی۔ یہ غلط عقیدہ جو ذہنوں میں ڈالا گیا تھا امامؑ نے اس کو نکالنے کی پوری پوری کوشش کی۔

یہاں تک کہ جب ایک مرتبہ مامون کے دربار میں ایک سید کو لایا گیا جس نے چوری کی تھی اور جب چوری کے جرم میں اس کا ہاتھ کاٹا جانے لگا تو اس نے دلیل کے ذریعے ثابت کیا کہ سب سے بڑا چور تو خود مامون الرشید عباسی ہے اور امامؑ نے اس سید کی تائید کی کہ یہ سید صحیح کہہ رہا ہے کہ اس سے بڑا چور تو ہے اور اگر ہاتھ کاٹنا ہے تو پہلے اپنا ہاتھ کاٹ۔

یہاں پر مامون کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا۔ چناں چہ اس نے تیئس (۲۳) ذیقعدہ ۲۰۳ ہجری کو جب امامؑ کی عمر مبارک پچپن سال کی تھی، بعض روایات میں ہے کہ سترہ (۱۷) صفر ۲۰۳ ہجری کو امامؑ کو زہر سے شہید کرادیا۔ تین مختلف طریقے روایات میں لکھے ہیں یا انگور کے اندر یا انار کے اندر یا پھر امامؑ کو ویسے ہی زہر دیا گیا۔

......❁......

گیارھویں معصومؑ

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام

مشخصات

اسم مبارک	:	محمدؑ
لقب	:	تقیؑ، جوادؑ، قانعؑ، مرتضٰی
کنیت	:	ابو جعفرؑ
والد ماجد	:	حضرت امام علی رضاؑ
والدۂ ماجدہ	:	حضرت سبیکہؑ خاتون
ولادت باسعادت	:	۱۰ رجب المرجب ۱۹۵ (جمعہ) مدینہ منورہ
شہادت	:	۲۹ ذوالقعدہ ۲۲۰ ہجری
عمر مبارک	:	۲۵ سال
ازواج	:	اُمّ الفضل، سمانہ خاتون وغیرہ
اولاد	:	دو بیٹے، دو بیٹیاں
قبر مطہر	:	کاظمین

سیرتِ امام محمد تقی علیہ السلام

ہماری آج کی گفتگو نویں امامؑ کے سلسلے میں ہے اور جیسا کہ اس سے پہلے کی تقاریر میں آپ مشاہدہ کر چکے ہوں گے کہ سلسلۂ امامت کا کام اس حد تک ایک دوسرے سے مربوط ہے کہ ہر امامؑ کی ذمہ داری' ہر امامؑ کے فرائض اور ہر امامؑ کے کام اس طریقے سے دوسرے امامؑ کے انجام دیے ہوئے کام سے مربوط ہیں۔ درحقیقت یہ کہنا ہی غلط ہوتا ہے کہ اب فلاں امامؑ کے بارے میں گفتگو ختم ہوئی اور اب فلاں امامؑ کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی۔ اس لیے کہ واقعات ایک تسلسل سے بڑھتے چلے آ رہے ہیں' واقعات کا ایک مستقل سلسلہ چل رہا ہے اور ان واقعات میں ہر امامؑ اپنے اپنے مقام پر جس حد تک ممکن ہوتا ہے' اس حد تک اسلام کو اور اللہ کے احکامات کو پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے اور دوسری طرف جو دشمن ہیں ان کے یہاں بھی ہمیں ایک تسلسل نظر آتا ہے کہ اگرچہ مختلف خاندانوں سے تعلق رکھنے والے ہیں' مختلف گروہوں سے تعلق رکھنے والے ہیں لیکن حقیقت میں سب کے سب اس ایک بات پر متفق ہیں کہ آلِ محمدؐ کا خاتمہ کر دینا ہے۔

ابتدا میں مولائے کائنات علیہ السلام کے زمانہ میں جو مولاؑ کے دشمن پیدا ہوئے ان کو تو مولاؑ کی ذات سے بھی اتنی ہی دشمنی تھی جتنی دشمنی مولاؑ کی صفات سے تھی جیسا کہ ہم نے تفصیل سے بتایا کہ عربوں کی اکثریت چوں کہ جنگوں میں امیرالمومنین علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہو چکی تھی اور وہی عرب بعد میں اسلام لائے تھے لیکن جن کا بھائی یا جن کا باپ یا جن کا چچا یا جن کا بیٹا جنگِ بدر میں' جنگِ اُحد میں' جنگِ خندق میں اور جنگِ خیبر میں امیرالمومنین علیہ السلام کی تلوار کی زد میں آ چکا تھا' عربوں کا کینہ' عربوں کا انتقام اور عربوں کی دشمنی تو انتہائی مشہور ہے۔ چھوٹی سی بات پر جھگڑا شروع ہوا تو سو سو سال اور دو دو سو سال تک چلتا تھا۔

عرب مسلمان تو ہو گئے تھے لیکن امیرالمومنین علیہ السلام کے بارے میں اس قسم کا کینہ اور بغض ان کے دلوں میں بیٹھا ہوا تھا کہ اسی نے ہمارے باپ کو یا چچا کو یا دادا کو قتل کیا تھا البتہ ان کے

بعد آنے والے دشمن اور ان کے بعد آنے والے ائمہ" ان دونوں میں ذاتی اختلاف کوئی نہیں تھا اس لیے کہ ائمہ کرامؑ کی ذات نے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ سارے کا سارا اختلاف صرف صفات کا اختلاف تھا۔

جب کہ ایک طرف بغداد میں یا دمشق میں خلیفہ وقت بیٹھ کر عیش و آرام کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتا تھا اور اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ میں شراب پی رہا ہوں تو تمام ملت اسلامیہ بھی شراب پینے لگے، میں گانا سننے لگوں تو سارے مسلمان اس کو جائز سمجھنے لگیں، میں دن رات عورتوں اور کنیزوں کے جھرمٹ میں بیٹھنے کا عادی ہوں تو تمام مسلمان اسے بُرا فعل سمجھنا ترک کر دیں، میں خزانے کو اور بیت المال کو اپنی ذاتی جاگیر سمجھتا ہوں تو کوئی بھی اس پر کسی قسم کا اعتراض نہ کر سکیں۔

بل کہ لوگوں کے ذہنوں میں کُوٹ کُوٹ کر یہ عقیدہ بھر دیا گیا کہ خلیفہ ظلِ الٰہی ہوتا ہے، جو کام وہ کرتا ہے وہ حکم خدا کے تحت کرتا ہے۔ ہمیں اس پر اُنگلیاں اُٹھانے کی جرأت نہیں ہونا چاہیے لیکن ان کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ آلِ محمدؐ کی ذواتِ مقدسہ تھیں۔

ایک طرف دمشق و بغداد میں اسلام کی ایک ایسی تصویر پیش کی جا رہی تھی جس کو دیکھ دیکھ کر سوائے عیاش لوگوں کے اور کوئی اسلام کی طرف نہ آئے اور دوسری طرف مدینے میں بیٹھ کر آلِ محمدؐ اپنے اخلاق، اپنے کردار اور اپنے علم کی مدد سے اسلام کی صحیح تصویر لوگوں کے سامنے لا رہے تھے۔

اب خلیفہ وقت بھلا کیسے برداشت کر سکتا ہے کہ مجھے جو گناہوں کی کھلی چھوٹ ملنا ہے، مجھے جو کھلی چھٹی گناہوں کی علمائے اسلام نے دے رکھی ہے، یہ چند لوگ اُٹھ کر اس کے اندر رکاوٹ پیدا کریں۔ چناں چہ آلِ محمدؐ کے ساتھ دشمنی کی بنیاد صرف اور صرف یہ تھی کہ آلِ محمدؐ صرف یہ چاہتے تھے کہ لوگ اور خاص طور پر خلفائے وقت اپنے کردار کی اصلاح کر لیں اور ایک مومن کے لیے ایک مسلمان کے لیے اور ایک عام آدمی کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہوتی ہے کہ کوئی اس سے اپنے کردار کی اصلاح کی بات کرے۔ اسی لیے شاید آپ کو یقین نہ

آئے۔ یہ گذشتہ تقریر کا واقعہ ہے لیکن یہ واقعہ آنے سے رہ گیا تھا۔

بہرحال!

اس موضوع کے تسلسل میں اس واقعہ کو بھی سماعت فرماتے چلیں!

ہمارے آٹھویں امام حضرت امام علی رضاؑ کو ایک کنیز مامون رشید عباسی نے ہدیہ کی تھی اور وہ کنیز آٹھویں امامؑ کے گھر میں آ گئی تھی۔ ۲۷۰ ہجری میں اس کی وفات ہوئی جب کہ آٹھویں امامؑ کی وفات ۲۰۳ ہجری کی ہے۔ امامؑ کی شہادت کے سڑسٹھ (۶۸) سال کے بعد اس کنیز کے بارے میں یہ ہے کہ جسے مامون نے آٹھویں امامؑ کو بخشا تھا یعنی اس زمانے کے لوگوں کا ذہن کیا تھا؟

وہ آپ اس ایک واقعہ سے اندازہ لگا سکتے ہیں!

یہ وہی واقعات کا سیلاب ہے جو بہتا ہوا نویں امامؑ تک پہنچا۔

جب یہ کنیز مامون نے آٹھویں امامؑ کو ہدیۃً دی اور یہ کنیز آٹھویں امامؑ کے پاس آ گئی تو اب آپ غور کریں کہ اس کنیز نے اپنے دل میں کیا خیال کیا ہوگا؟

یقیناً اپنے آپ کو بہت خوش قسمت سمجھا ہوگا' یقیناً اس نے اپنے آپ پر فخر کیا ہوگا کہ میں آلِ رسولؐ کے گھرانے میں ایک امامِ معصومؑ کے گھرانے میں آ گئی ہوں میری دنیا بھی سنور گئی' میری آخرت بھی بن گئی۔ یقیناً اسی قسم کے جذبات اس کنیز کے دل میں ہونا چاہئیں لیکن میں نے یہ واقعات نقل کیے ہیں کہ ایک طرف تو اس کنیز ہی نے ہمیں امامؑ کے گھر کے حالات کے بارے میں سب سے بہتر اطلاع دی ہے۔ لیکن دوسری طرف یہ کہتی ہے کہ وہ تین چار مہینے یا ایک سال جو میں نے آٹھویں امامؑ کے گھر میں گزارے۔ دن اور رات خدا سے دعا کرتی تھی کہ اے خداوندا! کسی طرح مجھے اس قید سے چھٹکارا مل جائے۔

خداوندا! کسی طرح سے مجھے امامؑ کے گھر سے نجات مل جائے۔ مجھے اس گھر میں رہنا ایک لمحے کے لیے بھی گوارا نہ تھا۔ یہ اس زمانے کا تذکرہ ہے کہ جب امامؑ سامنے موجود ہیں اور یہ امامؑ کے گھر میں پہنچ چکی ہے' اس سے بڑھ کر خوش قسمتی کیا ہوگی۔

کیوں اس کے دل میں یہ دعا پیدا ہوئی کہ مجھے امامؑ کے گھر سے چھٹکارا مل جائے؟

وہ خود یہ کہتی ہے: کہاں مامون عباسی کا محل کہ جہاں دنیا کی ہر نعمت موجود ہے اور کہاں امامؑ کا گھرانہ کہ جہاں سب سے بڑی مصیبت تو یہ تھی کہ امامؑ صبح سویرے اپنے گھر کے ایک ایک فرد کو صبح کی نماز کے لیے بیدار کرتے تھے اور جب صبح کے وقت اُٹھایا جاتا تھا تو میری اتنی بُری حالت ہوتی تھی کہ بس کچھ نہ پوچھا جائے تو میں دن رات دعا مانگا کرتی تھی کہ خداوندا! مجھے اس گھر سے نجات دے دے۔

لوگوں کی یہ فکر ہو چکی تھی خلیفہ کے دربار کو دیکھتے دیکھتے۔ اگر امامؑ جیسے مقدس آدمی کا گھر مل گیا ہے تو انسان کے خوشی کے مارے زمین پر قدم نہیں ٹکنا چاہئیں لیکن وہ دعا کر رہا ہے کہ خداوندا! مجھے اس گھر سے نجات دے دے اس لیے کہ یہاں تو نمازیں پڑھنا پڑتی ہیں، یہاں تو روزے رکھنا پڑتے ہیں اور یہاں تو پردے اور حجاب کی پابندی کرنا پڑتی ہے۔

یہ فکر پیدا ہو چکی تھی لوگوں کے اذہان میں اور امامؑ کا کام صرف یہ تھا کہ لوگ بددل ہوتے رہے۔ لوگ امامؑ کے گھر سے نجات اور چھٹکارا پانے کی دعائیں کرتے رہے اور امامؑ حقیقت لوگوں کے سامنے پہنچاتے رہے۔ اس تمام تسلسل میں نویں امامؑ کی ذات ایک غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے اس لیے کہ نویں امامؑ پر حکومت نے جو ہتھیار آزمایا وہ کسی امامؑ پر نہیں آزمایا گیا تھا اور بڑا عجیب امتحان نویں امامؑ کا حکومت وقت نے لیا تھا۔

یہ عجیب منزل ہے اور بدقسمتی کچھ یوں ہے کہ نویں امامؑ کی اہمیت سے ہم لوگ بالکل لاعلم ہو چکے ہیں۔ آج کے دور میں بھی جہاں کہیں دنیا کی کسی قوم کو اپنے زیر اثر لانا ہو تو آج کے حاکم وہی ہتھیار استعمال کرتے ہیں جو مامون نے نویں امامؑ پر استعمال کیا تھا۔ لیکن نویں امامؑ کے واقعات کی تفصیل آنے سے پہلے تھوڑا سا نویں امامؑ کے تاریخی حالات کا تذکرہ ہو جائے۔

نام: امامؑ کا نام محمدؐ تھا۔

لقب: امامؑ کے دو لقب تھے: ایک تقیؑ ہے اور ایک جوادؑ ہے۔ ایران اور عراق میں امامؑ کا زیادہ مشہور لقب جوادؑ ہے۔ وہاں تو اکثر ایسے ہیں کہ اگر ان کے سامنے امامؑ کا نام تقیؑ

لیں تو وہ سمجھتے بھی نہیں کیوں کہ وہ امام جوادؑ کے نام سے زیادہ واقف ہیں۔

جواد کا مطلب ہے سب سے زیادہ سخاوت کرنے والا' فضل (وجود) کرنے والا' بخشش کرنے والا اور عطا کرنے والا تو خود ان صفات ہی سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ امامؑ کا خوانِ نعمت اور امامؑ کی سخاوت کا طریقہ کس طرح کا تھا کہ نام ہی امامؑ کا جواد یعنی سخی پڑ گیا۔

دوسرا لقب امامؑ کا تقی تھا اور تقی کے معنی ڈرنے والا اور بچنے والا ہے۔ علما نے لکھا ہے کہ امامؑ کا لقب تقی اس لیے پڑا کہ امامؑ حد سے زیادہ خدا سے ڈرا کرتے تھے اور خدا بھی ان کو ہر پریشانی و مصیبت سے اسی لیے بچایا کرتا تھا:

إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ (سورۂ مبارکہ محمدؐ آیت ۷)

"اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمھاری مدد کرے گا۔"

یعنی تم اللہ کا ذکر کرو گے تو اللہ تمھارا ذکر کرے گا اور اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو اللہ تمھیں ہر خوف و ڈر سے بچائے گا۔

علما نے لکھا ہے کہ چوں کہ نویں امامؑ اللہ سے بہت زیادہ ڈرا کرتے تھے۔

کیا دوسرے امامؑ خوفِ خدا نہیں رکھتے تھے؟

نہیں! ایسا نہیں ہے بل کہ نویں امامؑ خوفِ خدا کی اس منزل پر تھے جو آخری منزل ہے جہاں ہر امامؑ موجود ہے لیکن اس کے باوجود خدا نے نویں امامؑ کے اسی خوف کی وجہ سے نویں امامؑ کو مامون کے اس شر سے بچایا کہ جب مامون تلوار لے کر نویں امامؑ کے گھر پر آیا تھا اور جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے تھے جس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے چل کر آئے گی' تو اس لیے امامؑ کا لقب تقی پڑا کہ وہ اللہ سے ڈرنے والے تھے اور اللہ انھیں ظالموں سے بچانے والا تھا۔

کنیت: امامؑ کی کنیت ابوجعفر ہے اور روایات میں ابوجعفر ہی کے نام سے امامؑ کی روایات ہمارے سامنے آتی ہیں۔

ولادت: اکثر علما کا اتفاق ہے کہ دس رجب ۱۹۵ ہجری کو مدینے طیبہ میں امامؑ کی ولادت باسعادت ہوئی لیکن حضرت علامہ محدث شیخ عباس قمی رحمۃ اللہ علیہ جن کی کتاب مفاتیح الجنان

سے آپ میں سے ہر ایک واقف ہے' کہ یہ خیال ہے اور وہ اس طرف مائل ہیں کہ حضرت امام محمد تقی جواد علیہ السلام کی ولادت باسعادت اُنیس (۱۹) رمضان ۱۹۵ ہجری تھی اور وہ دس رجب کی تاریخ کو زیادہ مستند قرار نہیں دیتے البتہ بعض کتابوں میں انھوں نے اس چیز کا اقرار کیا ہے کہ دس رجب کی تاریخ زیادہ بہتر محسوس ہوتی ہے اس لیے کہ امامِ زمانہ علیہ السلام کی ایک دعا ہے' جس کے اندر امامِ زمانہ علیہ السلام نے واسطہ طلب کیا ہے اور یہ کہا ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ بِالْمَوْلُوْدَیْنِ فِی رَجَب

"خداوندا! میں رجب کے مہینے میں پیدا ہونے والے دو اماموںؑ کے واسطے سے تجھ سے دعا طلب کرتا ہوں۔"

اور خود تذکرہ فرمایا:

مُحَمَّدُ ابنَ عَلِیٍ وَ اِبنُہٗ عَلِیُّ ابنُ مُحَمَّدٍ

"ایک محمدؑ ابن علیؑ نویں امام اور علیؑ ابن محمدؑ دسویں امام"۔

جب امامِ زمانہ علیہ السلام نے رجب میں ولادت کی تصدیق کر دی تو اب اس کے بعد کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

شہادت: اُنتیس یا تیس ذوالقعدہ ۲۲۰ ہجری کو مامون رشید کے بھائی معتصم باللہ کے زہر دینے کی وجہ سے امامؑ کی شہادت ہوئی۔

امامؑ کی ولادت مدینے میں ہوئی۔ امامؑ کی شہادت بغداد میں ہوئی اور شہادت کے بعد بغداد سے امامؑ کو کاظمین میں منتقل کیا گیا۔ جہاں امامؑ اپنے دادا حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے جوارِ مقدس میں آرام پذیر ہیں۔

والدِ ماجد: امامؑ کے والدِ ماجد کے بارے میں تو آپ جانتے ہیں اور ان کا نام حضرت امام علی رضا علیہ السلام ہے۔

والدۂ ماجدہ: امامؑ کی والدۂ ماجدہ حضرت سیدہ سبیکہ خاتون سلام اللہ علیہا تھیں۔

حضرت سبیکہ خاتون سلام اللہ علیہا کا وہ مقام اور مرتبہ ہے جو ہمیں دوسری اُمہاتِ ائمہؑ

میں بھی نظر نہیں آتا۔ اگرچہ تمام ائمہؑ کی مائیں برابر کا مقام رکھتی ہیں (سوائے امامین حسنؑ اور حسینؑ کریمین کی والدہ سیدۃ النساء العالمین کے۔مصحح) لیکن نویں امامؑ کی والدہ محترمہؑ کے بارے میں کچھ خاص روایات ایسی ملتی ہیں، جن سے امامؑ کی والدہ محترمہؑ کی عزت، احترام اور قدر و منزلت انسان کے دل میں اور زیادہ بڑھتی ہے۔ اسی سے آپ اندازہ لگا لیں کہ خود سرکار ختمی مرتبت ﷺ نے تذکرہ کیا تھا اور یہ کہہ کر تذکرہ کیا تھا کہ یہ طیبہ عورت ہے۔ جسے پیغمبرؐ اسلام جیسی ہستی پاک و پاکیزہ اور طیبہ قرار دے دے اس کے پاک و پاکیزہ اور طیبہ ہونے میں بھلا کیا شک وشبہ ہو سکتا ہے۔

نویں امامؑ کے بارے میں پیغمبرؐ اسلام کا جملہ ہے:

بِأَبِي

”میرا باپؐ قربان ہو اس بیٹے پر کہ جو پاک و پاکیزہ اور طیبہ ماں کے بطن مبارک سے تولد ہو گا۔“

یہ پیغمبرؐ اسلام نویں امامؑ کو خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں کہ میرا باپ فدا ہو اس نویں امامؑ پر جو اس پاک و پاکیزہ اور طیبہ خاتون کے بطن سے پیدا ہو گا۔

ایک روایت میں ہے، جس کا راوی ہے یزید ابن سلیط، وہ نقل کرتا ہے: ایک مرتبہ خانہ کعبہ کے حج کے دوران میں میری ملاقات ساتویں امامؑ سے ہوئی۔ جب میری ساتویں امامؑ سے آنکھیں چار ہوئیں تو ساتویں امامؑ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: اے شخص! اب سے چند دن کے بعد خلیفہ ہارون رشید مجھے گرفتار کر لے گا اور میری گرفتاری کے بعد تمام اُمور امامت میرے بیٹے علی رضاؑ کے حوالے ہو جائیں گے اور خود ساتویں امامؑ کے الفاظ یہ ہیں کہ ہم خاندانِ اہل بیتؑ میں یہ تیسرا علیؑ ہے:

① حضرت علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام ② حضرت علیؑ ابن الحسین علیہ السلام ③ حضرت علیؑ ابن موسیٰ علیہ السلام

یہ تیسرا علیؑ میرا بیٹا ہے جس کے سپرد تمام اُمور امامت ہو جائیں گے۔ چار سال تک خدا نے اسے منع کیا ہے کہ وہ ہارون کے ظلم کے خلاف کوئی قدم نہ اُٹھائے اور اس کے بعد خدا

اسے ایک بیٹا بھی عطا کرے گا اور پہلے علیؑ کا علم بھی اسے ملے گا' دوسرے علیؑ کا صبر بھی اسے ملے گا۔ اس کے بعد امامؑ کا فقرہ یہ ہے کہ میرے اس بیٹے کو خدا ایسا بیٹا عطا کرے گا جو تمام عالمین میں سب سے زیادہ افضل ہوگا اور اس کی ماں تمام عورتوں میں سب سے زیادہ افضل ہوگی۔

فرمایا: اے شخص! اگر ہو سکے تو اس کی ماں تک میرا سلام پہنچا دینا۔

علما نے لکھا ہے کہ ساتویں امامؑ کا حضرت سبیکہ خاتونؒ کو سلام پہنچانے کی خواہش ظاہر کرنا یہ بالکل ایسا ہے جیسے پیغمبرؐ اسلام نے حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے پانچویں امامؑ کو سلام بھجوایا تھا۔

شریعت کی نگاہ میں ایک امامِ معصوم علیہ السلام جس عورت کو سلام بھجوائے اس عورت کا کیا مقام اور کیا مرتبہ ہونا چاہیے؟ اسی لیے حضرت سبیکہ خاتونؒ کا انتہائی بلند مقام ہے۔

پس!

مختصر یہ کہ حضرت سبیکہ خاتونؒ کا تعلق اسی قبیلے سے تھا جس قبیلے سے حضرت ماریہ قبطیہؓ کا تعلق تھا۔ حضرت ماریہ قبطیہؓ پیغمبرؐ اسلام کی ایک کنیز تھیں اور یہ وہی کنیز تھیں جن کے بطن سے خدا نے پیغمبرؐ اسلام کو ایک بیٹا حضرت ابراہیم علیہ السلام عطا کیا تھا۔ حضرت ماریہ قبطیہؓ کا بہت بلند مقام ہے اور انھیں کے قبیلے سے حضرت سبیکہ خاتونؒ کا تعلق تھا اور حضرت سبیکہ خاتونؒ ہی کے ہاں ۱۰ رجب ۱۹۵ ہجری میں ولادت ہوئی تھی' ہمارے نویں امامؑ کی اور جب نویں امامؑ کی ولادت ہوئی تھی تو اس سے پہلے بالکل وہی کیفیت چل رہی تھی جو پیغمبرؐ اسلام کے زمانے میں چل رہی تھی۔

پیغمبرؐ اسلام کو لوگ طعنہ دیا کرتے تھے کہ آپؐ ابتر ہیں' آپؐ مقطوع النسل ہیں' آپؐ کی کوئی اولاد نہیں' آپؐ کی نسل کا سلسلہ ختم ہو جائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے پیغمبرؐ اسلام کی دل جوئی کے لیے سورۂ کوثر نازل کی۔ بعینہٖ یہی الزام آٹھویں امامؑ پر لگایا جاتا تھا۔ آٹھویں امامؑ کی صرف ایک اولاد کا پتا چلتا ہے اور وہ ہمارے نویں امامؑ ہیں۔ کچھ علما نے ایک اور بیٹے کا

اور ایک بیٹی کا تذکرہ بھی کیا ہے لیکن پہلی اولاد ہمارے نویں امامؑ ہیں اور ۱۹۵ ہجری میں نویں امامؑ کی ولادت ہوئی۔

اب یہ ذہن میں رہے کہ ۱۵۳ ہجری میں آٹھویں امامؑ کی ولادت ہوئی تھی۔ گویا سینتالیس (۴۷) یا اڑتالیس (۴۸) سال کی عمر میں آٹھویں امامؑ کے یہاں بیٹے کی ولادت ہو رہی ہے۔ چناں چہ جب سینتالیس سال تک ولادت نہ ہوئی اور ائمہ کرام علیہم السلام میں عین جوانی میں شادی کا رواج تھا جو اسلام کا مسئلہ ہے تو ایک طویل عرصہ جب گزر گیا اور کوئی بیٹا امامؑ کے یہاں تولد نہ ہوا تو لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ آٹھویں امامؑ مقطوع النسل ہیں اور لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ بس اب شیعوں کی امامت کا خاتمہ یہیں ہو جائے گا۔ جس طرح کافر کہا کرتے تھے کہ بس رسولؐ اکرم کی رسالت یہیں پر ختم ہو کر رہ جائے گی بعینہٖ وہی الزام آٹھویں امامؑ پر لگایا گیا کہ سینتالیس (۴۷) سال کی عمر ہو گئی ہے اور کوئی بیٹا نہیں ہوا۔ اب امامؑ کی امامت کا سلسلہ آگے نہیں بڑھے گا اور امامؑ بار بار کہا کرتے تھے کہ منتظر رہو خدا کی مصلحت کا انتظار کرو عن قریب وہ بیٹا پیدا ہونے والا ہے جو میرے بعد امامؑ ہوگا۔

ایک شخص نے جا کر کہا بھی تھا: مولاؑ! آپؑ سب کے لیے دعا کرتے ہیں لیکن اپنے لیے بیٹے کی دعا نہیں کرتے تو امامؑ نے فرمایا تھا: اے شخص! عن قریب وہ بیٹا پیدا ہونے والا ہے جس کے بارے میں میرے باپؑ ان سے ان کے باپ اس طرح پیغمبرؐ اسلام تک سلسلہ ملتا ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ خبر دے گئے تھے اور یہ فرما گئے تھے کہ اس کا قاتل بدترین انسان ہوگا جو اس کو قتل کرے گا جو اس کے قتل پر راضی ہوگا یا خوش ہوگا تو اس شخص کا ٹھکانا جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں ہوگا اس لیے مصلحت خدا کا انتظار کرو۔

سینتالیس سال کی عمر میں آٹھویں امامؑ کے گھر میں پہلی مرتبہ بیٹے کی ولادت ہوئی۔ اب امامؑ کے خاندان میں جہاں نیک اور مقدس مومن موجود تھے وہاں دوسری طرف انتہائی بدترین لوگ بھی موجود تھے اور یہ خدا کی ایک بہت ہی عجیب وغریب مصلحت ہے کہ ہر خاندان میں نیک اور بد لوگوں کو پیدا کرتا ہے۔ ایک ہی خاندان میں پیغمبرؐ اسلام جیسی عظیم ہستی ہوتی ہے

تو اسی ہی خاندان میں ابولہب جیسا دشمن اسلام بھی موجود ہوتا ہے۔

کیا گزرا آٹھویں امامؑ پر؟

یہ انتہا بدترین ظلم ہے کہ سوائے آٹھویں امامؑ اور پیغمبرؐ اسلام کے اور کسی امامؑ پر نہیں کیا گیا (یعنی اپنوں نے دشمنی کی)۔ اسی لیے آٹھویں امامؑ نے فرمایا تھا: آج مجھ پر وہی ظلم ہوا جو ظلم میرے جد پیغمبرؐ اسلام پر ہوا تھا۔

وہ ظلم یہ ہوا کہ جب نویں امامؑ کی ولادت ہو گئی اور یہ تو آپ سن چکے ہیں کہ امامؑ ایک مہینے میں اتنے بڑھتے ہیں جتنا ہم ایک سال میں بڑھتے ہیں۔ جب امامؑ کی عمر دو یا تین سال کی نظر آنے لگی تو اس وقت آٹھویں امامؑ کے کچھ ایسے رشتہ داروں نے جنھیں اُمید تھی کہ آٹھویں امامؑ کی وفات کے بعد ان کی جایداد ہمیں ملے گی۔ کوئی بیٹا تو ہے نہیں، والدین بھی موجود نہیں، لہٰذا اب یہ جایداد پلٹ کر ہمارے پاس آئے گی۔

جب نویں امامؑ پیدا ہو گئے اور شریعت مطہرہ کا حکم یہ ہے کہ جب بیٹا پیدا ہو جائے تو اس کے بعد بھائیوں، چچاؤں، ماموؤں کو کسی کو بھی جایداد میں سے حصّہ نہیں ملتا تو جب نویں امامؑ کی ولادت ہو گئی تو اب وہ لوگ جو اس انتظار میں تھے کہ آٹھویں امامؑ وفات پائیں گے تو یہ تمام جایداد ہمارے پاس آئے گی (کیوں کہ بیٹے کی اُمید نہیں تھی)۔ جب ان لوگوں نے نویں امامؑ کی ولادت کا سنا تو وہ حیران اور پریشان ہو گئے کہ اب تو یہ آتی آتی دولت ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گی۔

امامؑ کی نسل سے تعلق رکھنے والے اتنے قریبی رشتہ دار ہیں کہ امامؑ کی جایداد ان کو مل جاتی۔ اب آپ اندازہ کر لیں کہ وہ کون سے رشتہ دار ہوں گے اور اگر بالکل واضح بات کر دی جائے تو شاید مسئلہ بھی حل ہو جائے وہ یہ کہ وہ ساتویں امامؑ کی اولاد میں سے آٹھویں امامؑ کے بھائی تھے جو اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ ادھر امامؑ کی وفات ہو اور اُدھر بھائی کی جایداد ہمارے پاس آئے۔

یہ کون سی جایداد تھی؟

جواب یہ ہے کہ آٹھویں امامؑ کو امامت کی وجہ سے جو خمس اور دوسرے تحفے مومنین بھجوایا کرتے تھے وہ یہ سمجھتے تھے کہ امامؑ کو تسلیم کیا ہے تو امامؑ کی خدمت کرنا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے آٹھویں امامؑ کی زوجہ پر بدترین الزام لگایا اور وہ الزام کچھ تاریخوں میں یہ ہے کہ انھوں نے الزام لگایا: یہ بیٹا آٹھویں امامؑ کا نہیں ہے بل کہ انھوں نے ہمیں وراثت سے محروم رکھنے کے لیے یہ بیٹا لے کر پال لیا ہے تاکہ اس کو اپنا بیٹا مشہور کر کے جایداد ہمارے حوالے نہ کرنی پڑے اور کچھ روایات میں تو یہاں تک ہے کہ انھوں نے یہ الزام لگا دیا کہ معاذ اللہ یہ بیٹا حلال طریقے سے دنیا میں نہیں آیا (معاذ اللہ)۔

اتنا بدترین الزام لگایا گیا' آپ اندازہ کریں کہ امامؑ کے دل پر کیا گزری ہوگی۔ پاک و پاکیزہ' طیب و طاہر "وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا" کی سند لینے والا امامؑ اور اتنا بدترین الزام۔ پھر بات یہاں تک پہنچی کہ انھوں نے یہ بات لوگوں میں مشہور کرنا شروع کر دی' وہ اس طرح کہ اس زمانے میں عربوں میں ایک چیز کا بڑا رواج تھا اور وہ تھی قیافہ شناسی جو اسلام میں حرام ہے لیکن عرب اس علم کو بہت استعمال کیا کرتے تھے اس طرح کہ کچھ ایسے لوگ موجود ہوتے تھے جو بچے کی شکل و صورت' چلنا پھرنا' اٹھنا بیٹھنا دیکھ کر بتا دیا کرتے تھے کہ اس کا باپ کون ہے۔ چناں چہ بات کو اتنا پھیلا دیا گیا کہ آخر یہ طے پایا کہ قیافہ شناسوں کو بلایا جائے اور وہ آ کر دیکھیں کہ اس خاندان کا وہ کون سا فرد ہے' جس کے وجود کے نتیجے میں یہ بچہ عالم وجود میں آیا ہے۔ چناں چہ روایت میں ہے کہ تمام خاندان والوں کو' تمام خاندان کے مردوں کو جمع کیا گیا۔ اب شاید آپ کی سمجھ میں آ گیا ہو کہ حضرت سبیکہ خاتونؑ کے اتنے احترام کی کیا وجہ تھی اور کیوں بار بار کہا گیا کہ میرا بیٹا پیدا ہوگا اور وہ بیٹا ایسی عورت کے بطن سے ہوگا جو پاک و پاکیزہ اور طیبہ عورت ہے اور کیوں ساتویں امامؑ نے حضرت سبیکہ خاتونؑ کو سلام بھجوایا تھا۔ اب شاید آپ کی سمجھ میں بات آ گئی ہو کہ پہلے ہی سے واضح کرنا تھا یہ پاک و پاکیزہ اور طیبہ بی بیؑ ہیں جن کے بارے میں ایسا سوچنا بھی کفر ہے۔

روایت میں ہے کہ جب قیافہ شناس کو بلایا گیا تو بھائی تو جانتے تھے کہ ہم نے یہ غلط الزام لگایا ہے لیکن اب وہ ڈرے کہ اگر آٹھویں امامؑ یہاں موجود ہوئے اور ان کے سامنے ہم نے اس بچے کو لائے تو فوراً یہ آدمی پہچان لے گا کہ یہ کس کا بیٹا ہے۔ چناں چہ روایتوں میں ہے کہ انھوں نے آٹھویں امامؑ سے اس بات کو پوشیدہ رکھا۔ امامؑ کے علم میں تو تھا لیکن انھوں نے امامؑ کو اطلاع نہ دی اور اپنے خاندان کے بزرگوں کو جمع کیا، قیافہ شناس کو بلایا گیا اور امامؑ کو ان کے سامنے کھڑا نہ کیا گیا۔ پھر کہا کہ ان میں سے یہ کس کا بیٹا ہے؟

قیافہ شناس نے سب کو دیکھا اور دیکھ کر کہا: یہ ان میں سے کوئی بھی اس بچے کا باپ نہیں لگتا۔ یہاں تک کہ وہ یہ کہہ کر چلا اور جب وہ چلا تو مکان کے برابر جو باغ تھا اس میں آٹھویں امامؑ اپنے معمول کے مطابق کام کر رہے تھے، قیافہ شناس جب اس راستے سے گزرا تو اس کی نگاہ آٹھویں امامؑ پر پڑی۔

آٹھویں امامؑ کا اُٹھنا، بیٹھنا، چلنا، پھرنا جب اس نے دیکھا تو ایک مرتبہ حیران ہو کر رہ گیا اور بے ساختہ پکار اُٹھا کہ اگر یہ بچہ کسی کا ہو سکتا ہے تو یہی شخص ہے جو اس باغ میں کام کر رہا ہے۔ تمام علامات یہ گواہی دے رہی ہیں کہ یہ بچہ اسی ہستی کا ہے چناں چہ دشمنوں کی یہ سازش بھی ناکام ہو گئی۔ آٹھویں امامؑ کو پہلے سے معلوم تھا۔ یہ کہتے ہوئے باہر نکلے کہ لوگوں نے میرے ساتھ وہی ظلم کیا جو میرے جد پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ کیا تھا اور خدا کا شکر ہے کہ اس نے اسی طریقے سے مجھے اس الزام سے بری کیا۔

اب آپ خود اندازہ لگالیں کہ ابتدا ہی سے نویں امامؑ کی ہستی کو خاندان والوں کی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک طرف دشمن کی مخالفت پیش آئی وہ اپنے مقام پر تھی، وہ اپنی جگہ پر تھی لیکن نویں امامؑ کی ہستی کو ابتدا ہی سے اپنوں کی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا اور پہلے امتحان میں تو نویں امامؑ اور آٹھویں امامؑ اللہ تعالیٰ کی تائید سے کام یاب ہوئے۔ اس کے بعد نویں امامؑ کی زندگی شروع ہوئی۔

۲۰۰ ہجری کا زمانہ تھا کہ جب آٹھویں امامؑ کو مامون رشید عباسی کے حکم سے بغداد میں

بلایا گیا اور ولی عہد بنا کر بلایا گیا تو روایات یہ ہیں کہ آٹھویں امامؑ چلے اور نویں امامؑ کی عمر پانچ سال کی تھی۔ یہ موقع ان تمام لوگوں کا جواب دینے کا تھا جن کے ذہنوں میں یہ خیال پیدا ہونے لگا تھا کہ امامؑ کسی اور سے تو علم حاصل نہیں کیا کرتا لیکن شاید وہ اپنے باپ کے پاس بیٹھ کر علم حاصل کرتا ہے۔ شاید وہ تنہائی میں بیٹھ کر (لوگوں سے چھپ کر) علم حاصل کرتا ہے۔ یہاں تو پانچ سال کی عمر ہے، پانچ سال کی وہ عمر کہ آج کی جدید تحقیق یہ بتاتی ہے کہ پانچ سال سے تعلیم کا آغاز ہونا چاہیے اور اس پانچ سال کی عمر میں آٹھویں امامؑ اپنے بیٹے کو چھوڑ کر جا رہے ہیں اور بیٹے نے اسی وقت علم امامت کا مظاہرہ کیا کیوں کہ ایک روایت میں ہے کہ جب آٹھویں امامؑ مدینے سے چلے اور ہمارے جو امامؑ بھی مدینے سے گئے اُنھوں نے دو کام ضرور کیے:

ایک کام یہ کیا کہ جنت البقیع میں جا کر اپنی جدہ حضرت سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے الوداع کیا۔

دوسرا یہ کیا کہ اپنے جد حضرت ختمی مرتبت ﷺ کے روضۂ مبارک پر پہنچ کر ان سے رُخصت حاصل کی۔ تو روایت میں ہے کہ جب آٹھویں امامؑ گھوڑے پر سوار ہو کر روضۂ رسولؐ سے چلے تو یہ دیکھا کہ پانچ سال کے امام محمد تقی علیہ السلام زمین پر بیٹھے ہیں اور زمین سے خاک اُٹھا اُٹھا کر اپنے سر میں ڈال رہے ہیں۔

آٹھویں امامؑ نے فرمایا: بیٹا! یہ کیا کر رہے ہو؟

نویں امامؑ نے جواب دیا: بابا! جسے اپنے یتیم ہو جانے کا یقین ہو وہ سر میں خاک نہ ڈالے تو اور کیا کرے؟

جب نویں امامؑ اس حقیقت سے آگاہ ہیں تو کیا آٹھویں امامؑ اس حقیقت کو نہ جانتے ہوں گے؟

کتنے بڑے امتحان سے آٹھویں امامؑ کو گزرنا پڑا تھا۔

اب آٹھویں امامؑ چلے گئے اور نویں امامؑ مدینے میں تنہا رہ گئے اور اس کے فوراً بعد نویں امامؑ پر ایک اور مصیبت آن پڑی۔ وہ یہ کہ مہربان پھوپھی، ہر وقت خیال رکھنے والی پھوپھی

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے بالکل اسی طرح اپنے بھائی کی جدائی کو محسوس کیا جس طرح حضرت زینب سلام اللہ علیہا اپنے بھائی کی جدائی کو برداشت نہ کرسکتی تھیں۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا جو معصومۂ قم کے نام سے مشہور ہیں انھوں نے کچھ عرصے تک تو اپنے بھائی کی جدائی برداشت کی لیکن ایک وقت وہ آیا کہ حضرت فاطمہ معصومہ قمؑ سے بھائی کی جدائی برداشت نہ ہوسکی۔ کچھ عرصہ تک انھوں نے صبر کیا لیکن آخر صبر نہ کرسکیں اور روایتوں میں یہ ہے کہ مدینے سے یہ کہہ کر نکلیں کہ میں اپنے بھائی کے پاس جاؤں گی اور اپنے بھائی کی زیارت کروں گی۔ چلتے چلتے جب اس مقام پر پہنچیں جو قم سے دس فرسخ کے فاصلے پر ہے تو وہاں پر بیمار پڑ گئیں اور ایک روایت میں ہے کہ خراسان میں داخل ہو گئیں۔ جب داخل ہوئیں تو دیکھا کہ کالے کالے جھنڈوں کے نیچے کسی کا جنازہ جارہا ہے۔

بی بیؑ نے سوال کیا: یہ کس کا جنازہ ہے؟

لوگوں نے عرض کیا: یہ ساتویں امامؑ کے بیٹے حضرت امام علی رضاؑ کا جنازہ ہے۔

بس!

یہ سننا تھا کہ حضرت فاطمہ معصومہ قمؑ نے ایک چیخ بلند کی اور وہیں پر گر گئیں۔ باقی جو رشتہ دار تھے وہ انھیں واپسی کے ارادے سے لے کر آئے۔ چلیں تو ایک مقام پر پہنچ کر علیل ہو گئیں۔ اس علاقے کا سردار یہ سن کر آیا کہ ساتویں امامؑ کی دختر یہاں پر آئی ہیں۔ وہ احترام کے ساتھ بی بیؑ کو اپنے یہاں لے آیا۔ بی بیؑ سترہ دن تک بیمار رہیں اور آخرکار اسی بیماری کے عالم میں اپنے بھائی سے جاملیں۔

اب روایات میں ہے کہ بی بی معصومہ قمؑ کا جنازہ اُٹھا۔ جنازہ اُٹھنے کے بعد لوگ اُس تہ خانے کی طرف لے چلے جو قدرتی طور پر پہلے ہی سے بنا ہوا تھا۔ ان کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اسی مقام پر معصومہ قمؑ کو دفن کیا جائے۔ اس مقام پر تاریخ کا ایک ایسا راز ہے جو آج تک نہ کھل سکا۔

روایات میں ہے کہ جب جنازہ وہاں رکھا گیا تو اب سوال یہ پیدا ہوا کہ معصومہ قمؑ کے

جنازے کو قبر میں کون اُتارے گا؟

روایت میں ہے کہ اس وقت لوگ عجیب کیفیت میں کھڑے تھے۔ بڑی مشکل سے ایک غلام راضی ہوا لیکن ڈرتے ڈرتے' کانپتے کانپتے۔ عین اسی وقت صحرا سے دو گھڑ سوار جو نقاب پوش تھے' گھوڑے دوڑاتے ہوئے آئے اور بغیر کسی سے پوچھے معصومہ قمؑ کے جنازے کو قبر میں اُتارا۔ قبر میں اُتارنے کے بعد گھوڑوں پر سوار ہو کر چلے جاتے ہیں اور آج تک تاریخ یہ راز فاش نہ کر سکی کہ وہ آنے والے کون تھے' جنھوں نے آخر معصومہ قمؑ کو قبر میں اُتارا تھا؟

بہر حال!

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جب بہن کو اپنے بھائی سے اتنی محبت تھی اور اتنا غم محسوس ہو رہا تھا تو امام جوادؑ آخر آٹھویں امامؑ کے بیٹے تھے' ان کے دل پر کیا کچھ نہ گزر رہی ہو گی۔ لیکن یہ مصلحت ِ الٰہی تھی کہ نویں امامؑ صبر کر رہے تھے اور ایک لمحے کے لیے بھی مدینے کو ترک نہ کیا۔

ہاں!

واضح رہے کہ جب آٹھویں امامؑ کی شہادت ہو گئی اور ان کی تجہیز و تکفین کے لیے جانا پڑا تو ہمارے نویں امامؑ مدینے سے چلے تھے اور اپنے بابا کو غسل و کفن دے کر آئے تھے۔ اب آٹھویں امامؑ کی شہادت کے فوراً بعد واقعات اور سیاسی حالات نے اپنا رُخ موڑا۔

مامون رشید عباسی جس نے اب تک تمام خلیفوں سے ہٹ کر اپنی دانست میں عقل مندی کا کام کیا تھا اس نے سوچا کہ مجھ سے پہلے تمام خلیفے چاہے وہ میرے خاندان کے ہوں یا بنواُمیہ کے' ہر ایک نے امامؑ سے مقابلہ کیا۔ اس نے یہ سوچا کہ بجائے اس کے کہ میں امامؑ سے مقابلہ کروں کیوں نہ امامؑ کو اپنے ساتھ ملا کر اپنے احسانات کے بوجھ تلے دبا کر اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے پر مجبور کروں اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی وہ مصلحت بھی کہ جب اس نے اپنے بھائی امین کو قتل کرایا تو اس کا خاندان تک اس کا دشمن ہو گیا تھا۔ عرب تو پہلے ہی دشمن تھے کہ تم نے بنواُمیہ کا خاتمہ کیا اور سادات بھی مسلسل حکومت کا تختہ اُلٹنے کی کوشش کر رہے تھے۔ تو اس نے اپنی مصلحت کے تحت بھی اور اس خیال کے تحت بھی کہ آٹھویں امامؑ کو مال و دولت'

شہرت اور مرتبے کے ذریعے دبایا جائے۔

اس نے آٹھویں امامؑ کو بلایا، جب آٹھویں امامؑ پہنچے اور دو سال تک اس کے دربار میں رہے تو اس نے دیکھا کہ آٹھویں امامؑ تو ہمارے مقصد میں کام یاب نہیں ہوں گے بل کہ اگر کچھ عرصہ یہاں رہے تو وہ تو پوری حکومت میں انقلاب برپا کر دیں گے۔ ایک مشہور واقعہ آٹھویں امامؑ کی سیرت کا ہے، جس کو بیان کرنا مقصد نہیں کیوں کہ اصل موضوع تو نویں امامؑ کی ذات ہے۔

بہرحال!

جب عید کا دن آیا تو اس وقت مامون نے پہلے تو صرف اس لیے کہ آٹھویں امامؑ کے سامنے ظاہر کرے کہ وہ امامؑ کا کتنا احترام کرتا ہے اور آپؑ سے کتنی محبت کرتا ہے۔ اس نے امامؑ سے درخواست کی کہ آج آپ جا کر عید کی نماز پڑھائیں اور جب آٹھویں امامؑ عید کی نماز پڑھانے نکلے اور تمام شہر نے آٹھویں امامؑ کی حالت دیکھی تو یقیناً ایسا لگا کہ جیسے پیغمبر اسلام ﷺ عید کی نماز پڑھانے کے لیے تشریف لے جا رہے ہوں۔ روایات میں ہے کہ شہر میں انقلاب آ گیا۔ لوگ گھبرا اُٹھے اور لوگ دیوانوں کی طرح آٹھویں امامؑ کی طرف بڑھنے لگے۔

وزیرِاعظم نے جا کر خلیفہ سے کہا: یہ آپ نے کیا غضب کر دیا ہے اگر چند لمحے اور ایسی کیفیت رہی تو سمجھ لیجیے کہ آج ہی آپ کا تخت آپ سے چھن جائے گا اور خلافت بنوعباس کے ہاتھ سے نکل کر آلِ محمدؐ کی طرف چلی جائے گی۔ چناں چہ اسی وقت مامون نے ایک قاصد بھیج کر آٹھویں امامؑ کو پیغام پہنچایا کہ مولاؑ! آپؑ زحمت نہ کریں، میں خود ہی عید کی نماز پڑھا لوں گا۔ اس طرح اس نے امامؑ کو واپس بلا لیا۔

اس نے دیکھا کہ آٹھویں امامؑ تو میرے کسی کام نہیں آ سکتے، اس لیے اس نے آٹھویں امامؑ کو زہر دے کر شہید کر دیا۔

لیکن اب اسے اطلاع ملی کہ سات سال کا ان کا ایک لڑکا ہے جو تمام سادات کا سردار بھی بنا ہے اور امامِ وقتؑ بھی قرار پایا ہے تو اس کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اس سات

سال کے لڑکے کو بلا کر اگر میں پالوں، تعلیم دوں، پرورش کروں اور اپنے پاس رکھوں تو یہ سات سال کا بچہ پوری طرح سے میرے قابو میں آ جائے گا اور وہ مقصد کہ جو آٹھویں امامؑ کو بلانے سے حل نہ ہو سکا بلکہ اور گڑبڑ ہو گئی، اب نویں امامؑ کو اگر میں بلا کر اپنے پاس رکھوں اور سات سال کے بچے کو دنیا کا لالچ دوں نیز دنیا بھر کی نعمتیں دوں تو پھر کون ایسا ہے کہ جو بات نہ مانے۔ یہ خیال کر کے اس نے نویں امامؑ کو اپنے قابو میں رکھنا چاہا۔ چناں چہ آٹھویں امامؑ کو شہید کرتا ہے اور نویں امامؑ کو خط لکھ کر بلاتا ہے کہ آپؑ بغداد چلے آیئے میں آپؑ کی زیارت کا مشتاق ہوں۔

پوری کوشش یہ تھی کہ اب سب سے اچھا موقع ملا ہے۔ آج تک اتنی کم عمری میں کوئی امامؑ کسی خلیفہ کے مقابلے میں نہ آ سکا۔ اتنا کم عمر امام اور اگر آج اس کا خاتمہ کر دیا جائے تو امامت ختم ہو جائے گی اور آئندہ کسی امامؑ سے خطرہ نہ رہے گا۔

دیکھیں!

کتنی مکمل اس کی سازش تھی اور کتنی سخت اس کی منصوبہ بندی (planning) تھی۔ آج بھی دنیا میں ہر جگہ یہی ہو رہا ہے کہ لوگوں نے اب بوڑھوں اور جوانوں پر توجہ دینا بند کر دی ہے ہر جگہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو گم راہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ وہ اگر بہکاوے میں آ گئے تو پوری نسل قابو میں آ جائے گی۔

مامون رشید کی یہی اسکیم تھی کہ نویں امامؑ سات سال کے بچے ہیں جس طرح سے رکھوں گا اس طرح سے رہیں گے تو یہی خیال ذہن میں رکھ کر اس نے امامؑ کو مدینے سے بغداد بلایا۔ ایک طرف اس نے امامؑ کو بغداد بلایا اور دوسری طرف سادات پر مظالم بڑھا دیے۔ روایات میں ہے کہ سادات پر مظالم کی کثرت کر دی گئی۔ آٹھویں امامؑ کی شہادت ہو گئی۔ وہ یہ تو سمجھتا تھا کہ سات سال کا بچہ ہے، موقع اچھا ہے اسے ابھی سے اپنے قابو میں کر لوں اور جتنے سادات کا خاتمہ کرنا ہے کر دوں۔

یہ تفصیلی گفتگو بھی سادات پر مظالم کی اِن شاءاللہ آئندہ تقاریر میں آئے گی۔

مختصر طور پر دو جملے تاریخ سے سن لیجیے!

ایک اگرچہ معتصم باللہ کا واقعہ ہے لیکن وہ نویں امامؑ کا واقعہ ہے کہ سادات پر مظالم کی انتہا یہ تھی کہ ساتویں امامؑ کے پوتے کو گرفتار کر کے بلایا گیا اور گرفتار کر کے لانے کے بعد ایک بڑا سا پتھر پہاڑ سے توڑ کر لایا گیا تھا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ اس پتھر کے اندر انسان کے قد کے برابر قبر تیار کی جائے۔ جب قبر تیار ہو گئی تو اس بڑے سے پتھر میں ساتویں امامؑ کے اس پوتے کو لٹایا گیا، لٹانے کے بعد حکم دیا کہ اوپر سے اس کو برابر کر دیا جائے۔ پتھر کے اندر زندہ چنا گیا اور چننے کے بعد حکم دیا کہ اب اس پتھر کو کاٹ کر میرے محل کا ستون قرار دیا جائے۔ پھر محل کے اندر ستون کی حیثیت سے وہ قبر کھڑی کر دی گئی، جس میں امامؑ کے پوتے تھے۔ یعنی ساتویں امامؑ کے پوتے، آٹھویں امامؑ کے بھتیجے اور نویں امامؑ کے چچازاد بھائی، اس سیدزادےؒ کی کیا حالت ہوئی ہوگی کہ جو اس پتھر میں بند کیا گیا ہوگا۔

دوسری طرف معتصم باللہ جو مامون کے بعد کا خلیفہ ہے اس نے تو حد کر دی تھی شیعوں پر مظالم برپا کرنے کی اور علی الاعلان حکم جاری کیا تھا، وہ حکم جو امیر شام اور یزید کے دور میں جاری نہ ہو چکا تھا، وہ حکم اس نے علی الاعلان جاری کیا تھا کہ جتنے بھی شیعہ ہیں یہ سارے کے سارے مسلمان نہیں ہیں، اس لیے ان کا قتل کرنا واجب ہے، ان کے گھروں کو توڑ دینا واجب ہے، ان کے مال کو لوٹ کر لے جانا ایسے ہی جائز ہے جیسے کافر کے مال کو اور ان کے گھر کی عورتوں کو کنیزیں بنا بنا کر اپنی خدمت میں رکھا جا سکتا ہے۔ اگر آلِ محمدؐ کے ماننے کی کسی بھی عورت کو اٹھا لیا جائے تو نہ کوئی خلافت کچھ کہے گی اور نہ کوئی خلیفہ کا نمائندہ کوشش کرے گا اور نہ ہی آلِ محمدؐ کے ماننے والے ایسے شخص کی کوئی فریاد سنی جائے گی۔ اس لیے کہ ان کی عورتیں کافروں کی عورتوں جیسی ہیں تو کافروں کی عورتوں کو جو مسلمان چاہے اپنے تصرف میں لا سکتا ہے۔

یہ حالت ہو گئی تھی، سننا بڑا آسان ہے لیکن بالفرض محال آپ اگر اس زمانے میں اپنے گھر والوں کے ساتھ زندگی گزار رہے ہوتے اور یہ حکم جاری کر دیا جاتا کہ جس مومن کے گھر میں داخل ہو کر جو چاہو اٹھا لو حکومت وقت اس کی فریاد نہیں سنے گی اس لیے کہ وہ مسلمان نہیں

ہے تو کتنے مظالم کا سامنا کرنا پڑتا۔

یہ وہ زمانہ تھا' جس میں نویں امامؑ اپنی زندگی گزار رہے تھے۔ ایک طرف اتنے مظالم اور دوسری طرف نویں امامؑ کو خلیفہ وقت نے خط لکھ کر بغداد بلایا۔ نویں امامؑ بغداد پہنچے۔ بغداد میں پہنچے تو پہلی ملاقات خلیفہ سے راستے میں ہوئی۔

وہ مشہور واقعہ جو آپ نے کثرت کے ساتھ مجالس میں سنا ہو گا کہ مامون شکار کے لیے گیا' سواری گزری' کھیلنے والے بچے گھبرا کر ہٹ گئے سوائے ایک بچے کے۔

مامون نے حیران ہو کر سوال کیا: جب سارے بچے بھاگ گئے تو تم کیوں نہ بھاگے؟

اس بچے نے جواب دیا: اے خلیفہ وقت! راستا اتنا تنگ نہ تھا کہ میری وجہ سے تمھاری سواری رُک جاتی اور نہ ہی میں نے کوئی قصور اور غلطی کی تھی' جس کی وجہ سے مجھے خطرہ ہوتا کہ تم مجھے گرفتار کر لو گے۔

اس نے یہ سنا اور ایک مرتبہ حیرت میں آ گیا اور سوال کیا: تم کون ہو؟

امامؑ نے فرمایا: میں علیؑ ابن موسیٰ علیہ السلام کا بیٹا محمد تقیؑ ہوں۔

اس وقت مامون کو یقین ہوا کہ واقعی یہی وہ عظیم بچہ ہے جو علم و معرفت کے سمندر اپنے سینے میں لیے ہوئے ہے (صلوٰۃ)۔

بہرحال!

روایت میں ہے کہ مامون وہاں سے آگے بڑھا' اُس کے ساتھ شکاری باز بھی تھے۔ جب آبادی سے باہر نکل گیا تو اس نے ایک تیتر کو دیکھ کر اپنا ایک باز اس پر چھوڑا تھا تو وہ باز نظروں سے اوجھل ہو گیا اور جب واپس آیا تو اس کی چونچ میں ایک چھوٹی سی زندہ مچھلی تھی جس کو دیکھ کر مامون حیران ہوا' واپس آیا' مچھلی ہاتھ میں ہے اور اس بچے سے سوال کیا: اے بچے! تُو بتا کہ میرے ہاتھ میں کیا ہے؟

امامؑ نے جواب دیا: خدا نے سمندر پیدا کیے' سمندروں سے بادلوں کو اُٹھایا اور بعض ان بادلوں میں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں بھی آسمانوں کی طرف چلی جاتی ہیں۔ اس کے بعد بادشاہ کے

باز ان چھوٹی مچھلیوں کو پکڑ کر لاتے ہیں اور بادشاہ ان چھوٹی مچھلیوں کے ذریعے اللہ کے منتخب بندوں کا امتحان لیتے ہیں۔

مامون نے سنا تو حیرت میں اور اضافہ ہوا۔ ایک مرتبہ آپؑ کو ساتھ لے کر اپنے محل کے اندر پہنچا اور محل میں پہنچنے کے بعد اعلان کیا کہ میں اپنی بیٹی اُمّ الفضل کا نکاح امامؑ کے ساتھ کر رہا ہوں۔

یہ نکاح مکمل طور پر سیاسی بنیادوں پر تھا۔ پورے نکاح کی بنیاد فقط ایک چیز پر تھی اور وہ چیز یہ تھی کہ کسی طرح امامؑ میرے احسانات کو دیکھ کر میرے قابو میں آ جائیں اور یہ سوچا کہ اگر میں انھیں اپنا داماد بنا لوں تو معاملہ اور بھی آسان ہو جائے گا۔ اس نے اس سے پہلے آٹھویں امامؑ کو بھی ایک بیٹی دی تھی لیکن اب اسے کام یابی کا زیادہ یقین تھا۔ یہ سوچ کر کہ یہ سات سال کا بچہ ہے بادشاہِ وقت کا داماد بن جائے گا۔ اس سے بڑھ کر اس بچے کے لیے اور کیا چیز ہوگی۔ پھر کبھی یہ میرے قابو سے نکلنے نہ پائے گا۔ یہ خیال کر کے اس نے اپنی بیٹی کا نکاح امامؑ کے ساتھ کرنے کا اعلان کیا۔ اِدھر نکاح کا اعلان ہوا اُدھر ایک مرتبہ تمام بنوعباس میں ہلچل مچ گئی' وہ سب گھبرا کر مامون کے پاس پہنچے۔

انھوں نے کہا: اے مامون! اس سے پہلے اس کے باپ سے تُو نے اپنی بیٹی کا نکاح کیا تھا اور اس وقت بھی ہمیں اعتراض تھا لیکن بہرحال وہ صاحبِ علم تو تھے' صاحبِ فضیلت تو تھے' یہ سات سال کا بچہ ہے اور اس سے تُو خاندان کی شہزادی کا نکاح کر رہا ہے' ہم اسے برداشت نہیں کر سکتے۔

مامون نے جواب دیا: یہ بچہ تمھارے تمام علما سے زیادہ صاحبِ علم و فضل ہے اور اگر یقین نہیں آتا تو امتحان لے لو۔

چناں چہ انھوں نے یحییٰ ابن اکثم کے ذریعے سے امتحان لیا۔ یہ یحییٰ ابن اکثم اس سے پہلے آٹھویں امامؑ سے مناظرہ کر چکا تھا اور منھ کی کھا چکا تھا اور اب یہی یحییٰ ابن اکثم ہے' جس کا یہ کہنا تھا کہ مجھ تک پیغمبرِ اسلامؐ کی روایت پہنچی ہے کہ جوان لڑکوں کو دیکھنے سے آنکھوں کی بینائی

میں اضافہ ہوتا ہے اور جس کو عین دربار میں مامون نے ٹوکا تھا کہ اے یحییٰ! میرے سامنے پیغمبرؐ پر بہتان نہ باندھ آج پھر یحییٰ ابن اکثم نویں امامؑ کے مقابلے میں آ رہا ہے۔

روایت میں ہے کہ نو سو (۹۰۰) کرسیاں تو صرف دربار میں اہل علم حضرات کے لیے بچھائی گئی تھیں۔ جب کہ عام درباری' عام فوجی' عام آدمی اور بادشاہ کے رشتہ دار اور کتنے ہوں گے اس کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں۔

بڑا مشہور واقعہ ہے۔ اگر اس واقعہ کو بیان کریں گے تو پھر تقریر کا رُخ کہیں اور پھر جائے گا۔

واقعہ کا اختتام!

بہر حال!

آخرکار یحییٰ ابن اکثم نے سر کو جھکایا۔

مامون نے کہا: یحییٰ ابن اکثم! سوال کر۔

یحییٰ نے سوال کیا: یا بن رسولؐ اللہ! آپؑ مجھے یہ بتایئے کہ اگر کوئی شخص حالتِ احرام میں شکار کرے تو اسے کیا کفارہ دینا پڑے گا؟

امامؑ نے فرمایا: اے یحییٰ! جب سوال ہی مہمل ہو تو اس کا جواب کیسے دیا جائے؟

امامؑ کا یہ کہنا تھا کہ ایک مرتبہ پورے دربار میں ہلچل مچ گئی کہ قاضی القضا یحییٰ ابن اکثمؔ خلافتِ عباسیہ کا سب سے بڑا عالم اور ایک سات کا بچہ اس کے سوال کو مہمل قرار دے رہا ہے۔

ایک مرتبہ مامون نے کہا: یا بن رسولؐ اللہ! آپؑ نے کیسے اس کے سوال کو مہمل قرار دیا ہے؟

امامؑ نے فرمایا: اے یحییٰ ابن اکثم! تُو نے یہ سوال تو کیا کہ اگر کوئی شخص حالتِ احرام میں شکار کرے تو اس کا کفارہ کیا ہوگا لیکن تُو نے یہ نہیں بتایا کہ وہ شکار کرنے والا آزاد ہے یا غلام' بالغ ہے یا نابالغ ہے' شکار دن کے وقت کرتا ہے یا رات کے وقت' شکار کرنے والے نے پرندے کا شکار کیا یا چوپائے کا شکار کیا' چھوٹے جانور کا شکار کیا یا بڑے جانور کا شکار کیا' پہلی

مرتبہ شکار کیا یا اس سے پہلے بھی شکار کر چکا تھا' شکار حج کے احرام میں کیا یا عمرے کے احرام میں کیا' شکار کرنے کے بعد اپنے کیے پر نادم ہے یا مصر ہے؟

جس وقت تک تو یہ تفصیل نہیں بتائے گا' اُس وقت تک تیرے سوال کا جواب دینا مناسب نہ ہوگا۔

تمام دربار میں سناٹا چھا گیا' تمام درباری دربار میں یحییٰ ابن اکثم کا جھکا ہوا سر اور پیشانی سے گرتا ہوا ندامت کا پسینہ دیکھ کر اندازہ لگا رہے تھے کہ یحییٰ ابن اکثم بھی امامؑ کے علم کا اعتراف کر چکا ہے۔

مامون نے کہا: مولاؑ! آپؑ ہی اس سوال کو حل کریں۔

امامؑ نے پوری تفصیل بتائی۔

اس کے بعد مامون نے امامؑ سے عرض کیا: مولاؑ! اب آپؑ یحییٰ ابن اکثم سے کوئی سوال کریں۔

امامؑ نے فرمایا: اے یحییٰ ابن اکثم! میں صرف اتنا پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر ایک مرد نے صبح صادق کے وقت ایک عورت کو دیکھا جو اس پر حرام تھی' طلوع آفتاب کے وقت دیکھا تو اس پر حلال ہوگئی' ظہر کے وقت دیکھا تو وہ عورت پھر اس پر حرام تھی' عصر کے وقت دیکھا تو پھر اس کے لیے حلال ہوگئی' مغرب کے وقت دیکھا تو پھر حرام ہوگئی' عشا کے وقت دیکھا تو پھر اس پر حلال ہوگئی' آدھی رات کو دیکھا تو پھر اس کے لیے حرام ہوگئی اور پھر صبح صادق کے وقت دیکھا تو پھر اس کے لیے حلال ہو چکی تھی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

یحییٰ ابن اکثم پر سناٹا چھا گیا' سر جھکا کر کہنے لگا: مولاؑ! مجھے اس کا جواب نہیں آتا۔

مامون نے کہا: مولاؑ! آپؑ ہی اس سوال کو حل کیجیے۔

امامؑ نے فرمایا: سن! صبح صادق کے وقت ایک شخص دوسرے شخص کی کنیز کو دیکھتا ہے جس کنیز کی طرف دیکھنا اس کے لیے حرام تھا' طلوع آفتاب کے وقت وہ اس کنیز کو خرید لیتا ہے تو اب اس کی کنیز کی طرف دیکھنا اس کے لیے حلال ہوگیا۔ ظہر کے وقت اس نے اپنی کنیز کو راو

خدا میں آزاد کر دیا۔ اب وہ کنیز آزاد عورت بن گئی' غیر عورت بن گئی اب اس کو دیکھنا حرام ہے۔ عصر کے وقت اس نے نکاح کر لیا' جب نکاح کر لیا تو اس کی بیوی بن گئی تو دیکھنا حلال ہو گیا۔ مغرب کے وقت اس نے اپنی بیوی کو ظہار کیا یعنی یہ کہہ دیا کہ اب تو میرے لیے میری ماں کی پشت کے مانند ہے۔ یہ جملہ اگر کہا جائے تو بیوی مرد کے لیے حرام ہو جاتی ہے۔ جب تک کہ مرد اس کا کفارہ نہ دے تو مغرب کے وقت اس نے اپنی بیوی کو ماں کے مشابہ قرار دیا تو اس کے لیے حرام ہو گئی۔ عشا کے وقت اس نے اس کا کفارہ دے دیا تو پھر حلال ہو گئی۔ آدھی رات کو اس نے اس کو طلاق دے دی تو پھر وہ عورت اس کے لیے حرام ہو گئی۔ صبح صادق کے وقت اس نے رجوع کیا تو پھر اس کی بیوی بن کر اس کے لیے حلال ہو گئی (صلوٰۃ)۔

یہ سنتے ہی مامون عباسی نے اپنے سر کو اُٹھا کر فخر سے پورے دربار کو دیکھا اور کہنے لگا: دیکھا تم نے اس بچے کا اعجاز؟ تمام عباسیوں کی جھکی ہوئی گردنیں بتا رہی تھیں کہ ہاں! اب اس مسئلے کا کوئی حل نہیں۔ چناں چہ مامون نے اپنی بیٹی اُمّ الفضل سے نویں امامؑ کا نکاح کر دیا۔

نویں امامؑ کا نکاح اُمّ الفضل سے ہوا اور اس وقت امامؑ نے خود اپنا نکاح پڑھا اور امامؑ ہی کا پڑھا ہوا نکاح کا وہ خطبہ ہے جو آج کے تمام نکاح پڑھنے والے نکاح خوان پڑھتے ہیں:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اِقْرَارًا بِنِعْمَتِهٖ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِخْلَاصًا لِوَحْدَانِيَّتِهٖ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ سَيِّدِ بَرِيَّتِهٖ وَ عَلَى الْاَصْفِيَآءِ مِنْ عِتْرَتِهٖ اَمَّا بَعْدُ! فَقَدْ كَانَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَى الْاَنَامِ اَنْ اَغْنَاهُمْ بِالْحَلَالِ عَنِ الْحَرَامِ فَقَالَ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰى وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○

یہ وہی خطبہ ہے جو بذاتِ خود امامؑ نے اپنا نکاح اُمّ الفضل سے کرتے وقت پڑھا تھا۔ پانچ سو درہم مہر قرار پایا جو مہر حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کے نکاح میں تھا لیکن اس کے ساتھ

ساتھ امامؑ نے مامون عباسی کو ایک خط لکھا اور اس خط میں تحریر فرمایا: ہماری اصل دولت آخرت کے اندر ہے جس طرح خدا نے تجھے دنیا کے اندر دولت عطا کی ہے' ہمیں آخرت میں دولت عطا کی۔ ہماری تمام دولت آخرت کے اندر ہے۔

بیوی سے نکاح کے بعد مہر ادا کرنا ضروری ہے تو وہ پانچ سو درہم تو امامؑ نے دیے لیکن کہا کہ اس کے ساتھ ساتھ میں اپنی بیوی کا مہر اپنی آخرت سے ادا کر رہا ہوں اور یہ کہہ کر امامؑ نے ایک خط مامون رشید عباسی کی طرف لکھا۔ اس خط کے اندر امامؑ نے تحریر فرمایا: مجھ سے میرے پدر بزرگ وارؑ نے کہا: ان سے میرے داداؑ نے اور ان سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے' ان سے حضرت امام باقر علیہ السلام نے' ان سے حضرت امام سجاد علیہ السلام نے' ان سے حضرت امام حسین علیہ السلام' ان سے حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے' ان سے پیغمبرؐ اسلام نے اور پیغمبرؐ اسلام سے جبرئیلؑ نے یہ عرض کیا: یا رسول اللہؐ! یہ دس دعائیں خدا آپؐ کو ہدیۃً بھیج رہا ہے ایسی بے مثال دعائیں کہ جس کام کے لیے بھی ان دعاؤں کو پڑھیں گے' آپؐ کی حاجت پوری ہو جائے گی۔

اے مامون! میں یہی دس دعائیں اپنی بیوی کا حق مہر مقرر کرتا ہوں۔

اس کے بعد امامؑ نے وہ دس قیمتی دعائیں اُمّ الفضل کو عطیہ کیں۔

امامؑ یہ مہر دے کر یہ بتا رہے ہیں کہ دیکھو! اصل کام مرد کا بیوی کو صرف پیسے دینا نہیں بل کہ اس کے ساتھ بیوی کی دینی تربیت کرنا بھی مرد کی ذمہ داری ہے۔

اب اُمّ الفضل کا نکاح امامؑ کے ساتھ ہو گیا اور وہ امامؑ کے گھر آ گئی۔ ایک سال تک امامؑ بغداد میں رہے اور خلیفہ مامون رشید عباسی نے ایک محل تعمیر کرایا اور کہا: مولاؑ! اس میں منتقل ہو جائیے۔

امامؑ نے صاف انکار کر دیا کہ نہیں تمھارے محل میں ہمارا گزارا نہیں۔

ایک مکان کرائے پر لیا اور ایک سال تک امامؑ بغداد میں اسی مکان میں مقیم رہے۔ اسی زمانے کا ایک واقعہ ہے کہ اُمّ الفضل جو انتہائی نافرمان اور انتہائی سرکش بیوی ثابت ہوئی۔ وہ ہر

بات میں امامؑ کی مخالفت کرتی تھی۔ روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ جب اس نے ہمارے دسویں امامؑ کی والدہ کو نویں امامؑ کے پاس دیکھا کہ نویں امامؑ کے گھر میں دسویں امامؑ کی والدہ آئی ہیں، جن کا تعلق حضرت عمار یاسر رضی اللہ عنہ کی نسل سے تھا۔

اُمّ الفضل نے سوال کیا: تم کون ہو؟

انھوں نے کہا: میں امامؑ کی زوجہ ہوں۔

بس!

یہیں سے اس کے دل میں حسد پیدا ہوا۔ وہ فوراً وہاں سے چلی اور باپ کے پاس پہنچی اور کہا: آپ نے مجھے کیسے مرد سے بیاہ دیا ہے اس کی تو یہ حالت ہے کہ آپ کی بیٹی کو چھوڑ کر غیر عورتوں کے ساتھ جاتا ہے اور غیر عورتوں کے ساتھ بیٹھتا ہے۔ مامون جو اس وقت شراب کے نشہ میں مخمور تھا اس نے بیٹی کی باتوں کو سنا، غلام کو ہم راہ لیا، تلوار سنبھالی، گھوڑے پر سوار ہوا اور سیدھا امامؑ کی طرف چلا۔ اُمّ الفضل نے یہ منظر دیکھا تو گھبرا گئی اور باپ کے پیچھے پیچھے چلی۔ مامون، امامؑ کے دولت کدے پر پہنچا۔ گھوڑے سے اُترا، ننگی تلوار لے کر امامؑ کے کمرے میں داخل ہوا۔ غلام بھی یہ منظر دیکھ رہا تھا، اُمّ الفضل بھی یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ مامون نے تلوار نکالی اور امامؑ کے جسد مبارک پر وار کیا۔

روایت میں ہے کہ امامؑ کا تمام جسم ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اس کے بعد مامون واپس چلا اور اپنے محل میں آ کر بستر پر سو گیا مگر یہاں تمام رات نہ غلام کو نیند آئی، نہ اُمّ الفضل کو نیند آئی۔ اگلا دن آیا اور مامون رشید نیند سے سو کر اُٹھا۔ اُٹھنے کے بعد اس نے اُمّ الفضل کو حیران اور پریشان دیکھا۔

کہا: اے اُمّ الفضل! صبح سویرے تُو میرے گھر میں کیسے؟

اُمّ الفضل نے کہا: بابا! آپ نے کتنی بڑی مصیبت میں اپنے آپ کو ڈال دیا ہے۔

یہ کہہ کر پورا واقعہ بیان کیا کہ کس طرح آپ نے نویں امامؑ پر حملہ کیا اور میں نے اپنی آنکھ سے امامؑ کے بدن کو ٹکڑے ٹکڑے ہوتے دیکھا۔

مامون کو یقین نہ آیا' غلام کو بلایا گیا۔

غلام نے کہا: اے خلیفہ وقت! میں نے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ آپ نے امامؑ کے تمام جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

مامون بڑا گھبرایا۔

کہنے لگا: مجھے تلوار کا نکالنا تو یاد ہے' گھوڑے پر سوار ہونا تو یاد ہے اور امامؑ کے دروازے تک پہنچنا بھی یاد ہے' اس کے آگے مجھے کچھ یاد نہیں آ رہا۔

خیر!

آخرکار جب مامون کو یقین ہو گیا کہ میں نے واقعی امامؑ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے تو اس نے غلام کو حکم دیا کہ جلدی جلدی امامؑ کے گھر جاؤ اور ان کے جسم کے ٹکڑوں کو کہیں چھپا دو۔

غلام چلا' امامؑ کے گھر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ امامؑ آرام و سکون کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور مسواک کر رہے ہیں۔ اِدھر غلام پر نگاہ پڑی تو ایک مرتبہ امامؑ کی زبان سے نکلا:

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (سورۂ مبارکہ صف' آیت ۸)

''کافروں کی خواہش یہ ہے کہ وہ اللہ کے نور کو پھونکیں مار کر بجھا دیں لیکن اللہ اپنے نور کو مکمل کر کے رہے گا چاہے کافروں کو کتنا ہی ناگوار یہ امر گزرے۔''

غلام نے امامؑ کی زبان سے یہ آیتِ قرآنی سنی تو ایک مرتبہ دل میں خیال آیا کہ امامؑ نے کس مناسبت سے یہ آیت پڑھی ہے لیکن حیرانی اس بات کی کہ میں اپنی آنکھوں سے امامؑ کے جسم کے ٹکڑے دیکھ چکا ہوں اور اُمّ الفضل اپنی آنکھوں سے امامؑ کے جسم کے ٹکڑے دیکھ چکی ہے لیکن یہ کیا ماجرا ہے؟

قریب جا کر کہا: یا ابن رسول اللہ! میں نماز پڑھتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ نماز کا ثواب زیادہ سے زیادہ ملے۔ اگر آپ اپنا کرتا مجھے بطور تحفہ عطا فرما دیں تو مجھے یقین ہے کہ اگر میں

اس کرتے میں نماز پڑھوں گا تو میری نماز کے ثواب میں بے انتہا اضافہ ہو جائے گا۔

امامؑ نے مسکراتے ہوئے کرتا غلام کے حوالے کیا۔

غلام کا کہنا ہے: میں نے دیکھا کہ چاند کی طرح چمکتا ہوا امامؑ کا جسم ہے کسی بھی مقام پر معمولی سا بھی کسی زخم کا نشان نہیں ہے۔ میں نے یہ منظر دیکھا تو میں وہاں سے بھاگا اور سیدھا خلیفہ کے پاس آیا۔ جب خلیفہ کے پاس آیا اور اسے ماجرا سنایا تو خلیفہ بھی حیران رہ گیا۔ مامون چلا چل کر امامؑ کے پاس پہنچا۔

عرض کیا: یا بن رسولؐ اللہ! کل رات کو میں بڑی گستاخی کر بیٹھا تھا لیکن آج میں عہد کرتا ہوں کہ آج کے بعد میں شراب کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا لیکن مولاؑ! یہ بتایئے کہ جب میں نے تلوار سے حملہ کیا تو یہ دونوں دیکھنے والے کہہ رہے ہیں کہ آپؑ کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تو آخر آپؑ ہمارے سامنے کس طرح صحیح سالم تشریف فرما ہیں؟

امامؑ نے مسکراتے ہوئے اپنے سیدھے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا۔ مامون کی نگاہ پڑی تو دیکھا کہ امامؑ کے سیدھے ہاتھ پر ایک تعویذ بندھا ہوا تھا۔

اس نے عرض کیا: مولاؑ! یہ کیا ہے؟

امامؑ نے فرمایا: یہ وہ تعویذ ہے جو ہماری جدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے حوالے سے ہم تک پہنچا ہے اور اس تعویذ کی خصوصیت یہ ہے کہ جو اسے پہن لے تو جس طرح مجھ پر تُو نے اتنا خطرناک حملہ کیا لیکن کامیاب نہ ہو سکا' اسی طرح جو شخص بھی اسے پہن لے سوائے مرضِ موت کے کوئی مصیبت یا کوئی حادثہ اس کو جسمانی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

اس کے بعد مامون نے عرض کیا: مولاؑ! پھر مجھے بھی وہ تعویذ عنایت کر دیجیے۔

امامؑ نے وہ حرز اس کے حوالے کیا اور آج تک یہ حرز ''حرز جوادؑ'' کے نام سے مشہور ہے اور ہر مومن اپنے اور اپنی اولاد کے (بازو کے) ساتھ یہ تعویذ ضرور باندھتا ہے۔

البتہ!

اس کا ایک خاص طریقہ علما نے لکھا ہے کہ جب باندھا جائے تو دو رکعت نماز پڑھ کر

باندھا جائے اور اس دو رکعت نماز کے اندر آیت الکرسی' سورۂ والشمس والضحیٰ' سورۂ قل ھو اللہ سات سات مرتبہ دونوں رکعتوں میں پڑھا جائے۔

مامون عباسی اپنے اس فعل کے بعد انتہائی خوف زدہ ہو گیا' گھبرا گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا جو مقصد تھا وہ بھی حاصل نہ ہو اور ایک اور امامؑ کی شہادت کا الزام بھی میرے اوپر لگ جائے۔ چناں چہ وہ گھبرا گیا اور گھبرا کر اس نے یہ چاہا کہ اب امامؑ کو کسی طریقے سے جدا کر دے۔ اب اس نے امامؑ کو ذہنی تکلیف پہنچانا شروع کر دی۔ اس چند مہینے کی صحبت سے اسے اندازہ ہو گیا کہ میرا یہ خیال بالکل غلط تھا کہ سات سال کا بچہ ہے' اپنے رنگ میں رنگ دوں گا تو میرے راستے پر چلنے لگے گا۔ لیکن اب اسے یقین ہو گیا کہ اب ایسا ہونا ناممکن ہے اس لیے کہ میں دنیا کا ہر کام کر سکتا ہوں لیکن امامؑ کو اپنے راستے پر چلانا ناممکن ہے۔ چناں چہ مامون اب امامؑ سے مایوس ہو گیا۔ امامؑ سے مایوس ہونے کے بعد اب اس نے امامؑ کو تکلیفیں پہنچانے کا سوچا۔

اس نے امامؑ کو کیا تکلیف پہنچائی؟

مامون کے خیال میں زہر دینے کے بعد امامؑ کو سب سے بڑی تکلیف یہی پہنچائی جا سکتی تھی۔

اس نے کیا تکلیف دی؟

اس نے دو طریقے استعمال کیے!

کتاب ''منتہی الآمال'' میں شیخ عباس قمی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت لکھی ہے کہ وہ طریقے یہ تھے:

① نامحرم عورتوں کا استعمال ② گانا بجانے کا استعمال

روایت میں ہے کہ اس نے اپنی بیٹی اُمّ الفضل کے ساتھ امامؑ کی شادی کرا دی۔ اس کی پہلے ہی سے یہ کوشش تھی کہ نوعمر ہیں' کسی طرح سے انھیں دنیا کی لذتیں دے کر سیدھے راستے سے ہٹایا جائے۔ اُمّ الفضل سے شادی کا مقصد بھی یہ تھا لیکن خوف تھا کہ اُمّ الفضل کے آنے کے بعد یہ یقین نہیں ہے کہ امامؑ محض اُمّ الفضل تک محدود رہیں گے۔ چناں چہ اس نے سو

انتہائی حسین وجمیل کنیزوں کا انتخاب کیا اور اُمّ الفضل کو ان کے جھرمٹ میں امامؑ کے پاس بھجوایا اور یہ کہہ کر بھجوایا کہ مولاؑ! یہ ساری کنیزیں آپؑ کی خدمت کے لیے حاضر ہیں۔

امامؑ کے گھر اُمّ الفضل آئی تو امامؑ نے فرمایا: میں اس خوشی میں تمام کنیزوں کو راہِ خدا میں آزاد کرتا ہوں۔ اس طرح مامون کی یہ کوشش تو ناکام ہوگئی۔ اب وہ پریشان پریشان دربار میں بیٹھا رہتا اس کے پاس گانے والا ایک شخص تھا اور یہ مامون کے دربار کا سب سے بہترین گلوکار تھا۔ اپنی آواز کے اعتبار سے مشہور ومعروف اور ضرب المثل کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس نے خلیفہ وقت کو پریشان پریشان دیکھا تو کہا: کیا بات ہے؟

خلیفہ نے جواب دیا: میں امامؑ کو لہو ولعب کی طرف لانا چاہ رہا ہوں لیکن امامؑ کسی طرف آتے ہی نہیں اب میں کیا کروں میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔

گانے والا کہنے لگا: اے خلیفہ وقت! گھبرانے کی کیا بات ہے جب تک میں زندہ ہوں آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں بس ایک مرتبہ مجھے امامؑ کے پاس بھجوا دیجیے تو میں امامؑ کو گانا سناؤں گا۔

مامون یہ سن کر بہت خوش ہوا۔

کہا: ہاں! خیال تو بہت اچھا ہے۔

چناں چہ اس نے گانے والے کو امامؑ کے پاس بھجوایا۔

روایت میں ہے کہ گانے والا امامؑ کے پاس پہنچا اور امامؑ کے پاس پہنچنے کے بعد گانے والے نے اپنے آلات کو بجانا شروع کر دیا۔ اتنی اچھی آواز اور اتنی مہارت سے وہ بجا رہا تھا کہ روایت میں ہے کہ امامؑ کے گھر سے غلام نکل نکل کر آنے لگے راستا چلنے والے رُکنے لگے اور سب کے سب اس کے چاروں طرف آ کر بیٹھ گئے جب کہ امامؑ سر کو جھکائے ہوئے بیٹھے تھے۔ امامؑ کے چہرۂ اقدس سے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ آپؑ اس وقت انتہائی جلال کے عالم میں ہیں۔

روایت میں ہے کہ پرندے اور جانور تک اس کے گانے کے جادو میں آ گئے لیکن جب

ایک گھنٹہ گزر گیا تو ایک مرتبہ امامؑ نے اسے نگاہیں اُٹھا کر دیکھا۔

فرمایا: اے گانے والے! کیا اس شیطانی کام کے خاتمے کا وقت ابھی نہیں آیا؟ میری آنکھوں کے سامنے سے دُور ہو جا۔

روایت میں ہے کہ وہ گانے والا وہاں سے اُٹھ کر چلا لیکن وہ ہاتھ جس سے وہ موسیقی کے آلات بجا رہا تھا وہ ہاتھ شل ہو گیا اور ایسا شل ہوا کہ تمام زندگی وہ ہاتھ دوبارہ کام نہ کر سکا۔

مامون نے ایک دن اس سے کہا: ہمارے دربار میں موسیقی کا پروگرام کرو۔

اس نے کہا: اے خلیفہ وقت! جب سے میں امامؑ کے پاس سے آیا ہوں اس دن سے میرا یہ ہاتھ کسی کام کے قابل نہیں رہا۔

لیکن مومنین کو گانا سننے کی اتنی فکر ہے کہ کیسٹوں کی دُکان میں گھسے رہتے ہیں اور دوسری طرف امامؑ کی یہ سیرت۔

ساتویں امامؑ کا ایک قول ہے کہ امامؑ نے فرمایا: گھر میں گانا سننے سے بہتر ہے کہ اس تنگ اور تاریک کوٹھڑی میں چلے جاؤ' جہاں انسان کے کھڑا ہونے کی جگہ بھی نہ ہو۔

دیکھئے نویں امامؑ کا کردار کہ وہ شخص امامؑ کو فعل حرام کی طرف راغب کرنے کے لیے امامؑ کے پاس آیا۔ خلیفہ مامون سمجھتا تھا کہ اس گانے کے ذریعے سے میں امامؑ کو سیدھے راستے سے ہٹا دوں گا لیکن کتنا بدترین فعل ہے گانا بجانا کہ جس کے مرتکب کو خدا نے فوراً عذاب دلوا دیا۔ جس کا کرنے والا فوراً عذابِ اِلٰہی میں گرفتار ہو گیا۔

روایت میں ہے کہ مامون نے ایک سال انھی حرکتوں میں گزارا اور اس کے بعد امامؑ سے کہا: مولاؑ! اب آپؑ مدینے تشریف لے جا سکتے ہیں۔

امامؑ ایک سال کے بعد مدینے آئے اور باقی زندگی مدینے میں گزاری۔ اِدھر مامون جس کے ظلم کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا اور اب اس کا وقتِ آخر آ چکا تھا۔ اتنا عظیم خلیفہ کہ تمام مؤرخوں کا اتفاق ہے کہ جتنی بڑی حکومت مامون کو ملی اتنی بڑی حکومت آج تک کسی خلیفہ کو نہیں ملی لیکن وہ ایک چھوٹی سی مچھلی کی خاطر اس دنیا سے رُخصت ہو گیا۔

روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ چلتے چلتے مامون کا لشکر ایک چشمے کے پاس سے گزرا۔ مامون تھوڑی دیر آرام کے ارادے سے اُترا۔ اس نے دیکھا کہ چشمے میں ایک چھوٹی سی مچھلی ہے جو انتہائی خوب صورت ہے۔ کچھ عجیب قسم کے رنگ اس کے جسم پر موجود ہیں۔

مامون نے اپنے تمام سپاہیوں سے کہا: جو یہ مچھلی لے کر آئے گا تو میں اسے منھ مانگا انعام دوں گا۔ سپاہیوں نے سنا تو لباس اُتارے' چشمے میں اُتر گئے اور مچھلی پکڑنے کی کوشش کی اور مامون چشمے کے کنارے بیٹھا تھا۔

روایت میں ہے کہ ایک سپاہی اس مچھلی کو پکڑنے میں کام یاب ہو گیا۔ جب مچھلی لے کر نکل رہا تھا تو کچھ چھینٹیں اُڑ کر مامون کے جسم پر پڑ گئیں اور ایک روایت میں ہے کہ نہیں! وہ مچھلی لے کر آ گیا' جب مچھلی مامون کے سامنے پہنچی اور تڑپی تو اس کے جسم سے پانی کے قطرے اُچھل کر مامون کے جسم پر پڑے اور ان قطروں کا مامون کے جسم پر پڑنا تھا کہ اسے سردی محسوس ہونا شروع ہوئی یہاں تک کہ تھوڑی دیر بعد اتنی سردی بڑھ گئی کہ وہ چیختا ہوا خیمے کی طرف بھاگا۔ لوگ گھبرا گئے کہ صحرائی علاقہ ہے' گرمی کا موسم ہے' آفتاب نصف النہار پر چمک رہا ہے' گرمی کے مارے ہماری بُری حالت ہو رہی ہے لیکن یہ سردی سردی کہہ رہا ہے۔

بہر حال!

مامون خیمے میں گیا' چادر لپیٹی' کمبل لپیٹا' رضائی اوڑھی۔ یہاں تک کہ اس کے اوپر رضائیوں اور کمبلوں کا ایک بہت بڑا ڈھیر ہو گیا۔ لیکن اس کی سردی نہ اُتری۔ اس کے چاروں طرف انگیٹھیاں آگ سے بھر بھر کر رکھی گئیں۔ گویا اس نے اپنی زندگی ہی میں اپنے لیے جہنم کا انتظام کر لیا۔ لیکن اس کے باوجود بھی سردی سردی کی آواز تھی کہ جو اس کے لبوں سے نکل رہی ہے اور وہ چھوٹی سی مچھلی پکائی گئی' پکا کر لائی گئی۔ لیکن اب مامون کو اتنا ہوش کہاں کہ وہ مچھلی کھائے۔ اس کی تو سردی کے مارے جان نکلی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ آخری وقت میں ایک مرتبہ اس کی زبان سے نکلا: اے وہ ذات کہ جس کی حکومت کبھی ختم نہیں ہو سکتی' اس پر رحم کر کہ جس کی حکومت اس کے ہاتھ سے نکلی جا رہی ہے۔ مامون نے یہ جملہ کہا اور اس دنیا سے

رُخصت ہو گیا۔

شہادت

اب مامون تو رُخصت ہو گیا اور مامون کے جاتے ہی اس کا بھائی معتصم باللہ تختِ خلافت پر بیٹھا۔ یہ معتصم باللہ وہی خلیفہ تھا جس نے علی الاعلان یہ حکم جاری کر دیا کہ جس شیعہ مومنہ کو چاہو اُٹھا کر لے آؤ' جس شیعہ کے مال پر چاہے دستِ تصرف دراز کرو۔

روایات میں ہے کہ یہ شخص جاہل مطلق تھا اور اپنی جہالت کی وجہ سے اس شخص نے اِسلام کو بڑے بڑے نقصانات پہنچائے۔

خیر!

اب تفصیل میں جانے کا موقع نہیں اور گفتگو بہت آگے نکل چکی ہے۔

معتصم باللہ کا تختِ خلافت پر آنا' امامؑ کے خلاف نئے سرے سے مظالم کا آغاز ہو گیا۔ اس لیے کہ اُمّ الفضل مسلسل اپنے چچا کو خط لکھتی جاتی تھی اور امامؑ کی شکایت پر شکایت اپنے چچا کی خدمت میں کرتی تھی۔ مامون کو تو اس کی بیٹی نے جتنے خط لکھے تھے' مامون نے تو ان تمام خطوط کو واپس لوٹا دیا تھا اس لیے کہ مامون ڈر گیا تھا۔

اب امامؑ مدینے میں زندگی گزار رہے تھے اور روایت میں ہے کہ امامؑ کو مامون کی زندگی ہی میں موقع مل گیا تھا اس کام کا کہ آپؑ کثرت کے ساتھ علوم پھیلا رہے تھے اور امامؑ نے مدینے میں اس یونی ورسٹی کو دوبارہ قائم کیا جو ۲۰۰ ہجری میں آٹھویں امامؑ کے مدینے سے جانے کی وجہ سے تباہ و برباد ہو چکی تھی۔

نویں امامؑ کا زمانہ بڑا نازک زمانہ ہے۔ اس لیے کہ نویں امامؑ کے فوراً بعد دسویں امامؑ کا زمانہ شروع ہونا تھا اور نویں امامؑ کو پتا تھا کہ میرا یہ بیٹا چالیس سال تک قید خانے میں زندگی گزارے گا۔ اب مدینے والوں کو جتنا تیار کرنا تھا' حجاز والوں کو جتنا تیار کرنا تھا اور اس علاقے کو جو آج عرب کی سرزمین میں واقع ہے جتنا تیار کرنا تھا' یہ نویں امامؑ کی ذمہ داری ہے۔

دسویں امامؑ کی قریب قریب پوری زندگی قید میں گزری اور گیارھویں امامؑ کی پوری

زندگی قید میں گزری۔ اب یہ لوگ یہاں سے سرمن رائے کی جانب منتقل ہو جائیں گے تو اب مدینے میں ہدایت کا آخری مرکز نویں امامؑ کی ذات ہے۔ سارے کام مدینے میں نویں امامؑ کو مکمل کر کے جانا تھے تاکہ کم از کم حجاز کی سرزمین کا کوئی شخص ایسا نہ رہ جائے جس تک علومِ آلِ محمدؐ نہ پہنچیں اور اسی زمانے سے تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ وہ تیاریاں جو گیارہویں امامؑ نے مکمل کی تھیں۔

کس چیز کی تیاریاں؟

آنے والے امامؑ کی۔

اس امامِ غائبؑ کی تیاریاں اسی زمانے سے شروع ہو چکی تھیں یعنی نویں امامؑ نے اپنے ماننے والوں کو حکم دیا کہ اب کتابیں لکھ لکھ کر جمع کرتے جاؤ اور ہم سے تصدیق کراتے چلے جاؤ تاکہ جب وہ امامِ غائبؑ آئے تو ایسا نہ ہو کہ تمام علوم فنا ہو جائیں بل کہ ہماری تصدیق شدہ بعد کے مومنوں کو مل جائیں۔ یہ واقعہ اِن شاءَ اللہ آئندہ تقریر میں زیرِ بحث آئے گا بل کہ اس سے بعد والی تقریر میں جو گیارہویں امامؑ کے بارے میں ہے۔

یہاں سے امامِ زمانہ علیہ السلام کی آمد کا انتظام شروع ہو چکا تھا اور دونوں انتظار کر رہے تھے۔ ایک طرف حکومت وقت بھی منتظر تھی اور دوسری طرف امامؑ بھی منتظر تھے۔ حکومت کو بھی خطرہ محسوس ہونے لگا تھا کہ آٹھویں امامؑ کی زندگی میں تو ایک اطمینان حاصل ہوا تھا کہ سینتالیس سال میں ان کے ہاں کسی بیٹے کی ولادت نہیں ہوئی تو اب امامت ختم ہو جائے گی اور جو بارھویں امامؑ ہیں وہ اب اس نسل میں پیدا نہیں ہوں گے لیکن اب حکومت پھر چوکنا ہو گئی؛ اب حکومت پھر ہوشیار ہو گئی اور اب حکومت انتظار کرنے لگی کہ کس طرح سے امامت کو محدود کر کے رکھا جائے کہ ان کے یہاں کسی بچے کی ولادت کا سوال ہی پیدا نہ ہو اور تیسری طرف حکومت نے جس طرح چھٹے امامؑ کے دور میں ہارون نے سیاسی جماعت اسماعیلیہ کھڑی کی تھی ویسے ہی مامون اور معتصم باللہ نے آٹھویں امامؑ کی شہادت کے بعد ایک سیاسی جماعت کھڑی کر دی؛ جس کا نام فرقہ واقفیہ تھا اور وہ یہ کہا کرتے تھے کہ ساتویں امامؑ شہید نہیں ہوئے بل کہ

وہی امامِ غائبؑ ہیں، خدا نے انھیں آسمان میں اُٹھا لیا ہے۔ جب مصلحتِ الٰہی ہو گی تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ واپس آئیں گے۔ نویں امامؑ کی پوری زندگی ان لوگوں سے مناظرہ کرتے ہوئے گزری۔

روایات میں ہے کہ نویں امامؑ کی شہادت سے پہلے امامؑ نے اس فرقے کا مکمل خاتمہ کر دیا اور ایک مکمل خطرے سے مسلمانوں کو بچا لیا ورنہ مومنوں میں ایک بڑا گروہ امامِ زمانہؑ کو ماننے سے انکار کر دیتا۔

اس مقام تک امامؑ کی عمر مبارک پچیس سال اور چند مہینے تھی۔ سب سے مختصر عمر ہمارے ائمہؑ میں نویں امامؑ کی تھی۔ عین جوانی کی عمر تھی کہ جب معتصم باللہ اور اُمّ الفضل بنتِ مامون انھوں نے مل کر یہ طے کیا کہ کسی طریقے سے نویں امامؑ کو شہید کرایا جائے اور اس زمانے میں وہ مشہور واقعہ پیش آیا جس کے بعد تمام علما وفد بنا کر معتصم کے پاس پہنچے اور کہا کہ جلدی سے امامؑ کو شہید کر دو اور وہ وہی واقعہ ہے کہ جب ایک چور کو پکڑ کر دوبارہ خلافت میں لایا گیا اور اس چور کی چوری ثابت ہو گئی تو اب سوال یہ پیدا ہوا کہ اس چور کا ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے۔ کسی نے کہا کہ اس کا ہاتھ کلائی سے کاٹا جائے اسی کا قرآن نے حکم دیا ہے:

''چور اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کو کاٹ دیا جائے۔''

اور ہاتھ کا مطلب کلائی ہے اور انھوں نے تیمم والی آیت پیش کی۔ تیمم والی آیت میں یہی ہے کہ تم اپنے چہرے اور ہاتھوں کا تیمم کرو اور مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ صرف اتنے حصے کا تیمم کیا جاتا ہے تو انھوں نے کہا کہ اس کو قرآن نے ہاتھ کہا ہے۔ دوسرے لوگوں نے وضو والی آیت پیش کی کہ وہاں پر ہے کہ اپنے ہاتھوں کو دھوؤ اور لوگ کہنی تک ہاتھ دھوتے ہیں تو پتا چلا کہ اتنے حصے کو قرآن ہاتھ کہتا ہے۔ لیکن خلیفہ ان دونوں باتوں سے مطمئن نہ ہوا۔ بل کہ اس کی گھبراہٹ بڑھتی چلی گئی۔ معتصم باللہ وہ خلیفہ تھا جو بالکل جاہلِ مطلق تھا۔ ہارون نے اسے پڑھانے کی بڑی کوشش کی تھی مگر اس نے پڑھنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

اب جب معتصم باللہ نے دیکھا کہ میرے تمام علما میں اختلاف ہے تو وہ گھبرایا اور

گھبراہٹ کے عالم میں اس نے امامؑ ہی کو طلب کیا۔ اس نے امامؑ کو بغداد میں بلایا اور بغداد میں ٹھہرایا اور اس کے بعد اس نے امامؑ سے اس مسئلے کا حل پوچھا۔

امامؑ نے فرمایا: ہاتھوں کی اُنگلیاں کاٹی جائیں گی۔

اس نے دلیل طلب کی تو امامؑ نے وہی دلیل دی کہ پیغمبر اسلام ﷺ فرما گئے ہیں کہ نماز میں سجدے کی حالت میں سات اعضا کا زمین پر لگنا واجب ہے اور ان سات اعضا میں ایک دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں بھی ہیں اور قرآن نے ارشاد فرمایا:

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ (سورۂ مبارکہ جن، آیت ۱۸)

''سجدے کے تمام مقامات اللہ ہی کے لیے ہیں۔''

ہاتھ، ہتھیلی اللہ کے لیے ہے اس لیے غیر خدا کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اسے کاٹے۔

معتصم باللہ جاہل مطلق تھا لیکن یہ بات عقلی اعتبار سے اتنی مناسب تھی کہ اس کے ذہن میں بیٹھ گئی اور اس نے فیصلہ کر دیا۔ لیکن دوسری طرف قاضی ابن ابی داؤد رات کو وفد لے کر اس کے پاس گیا۔

اس نے کہا: آج تک شیعہ کہا کرتے تھے کہ ہمارے امامؑ جیسا علم کسی کے پاس نہیں اور ہم شیعوں کا مذاق اُڑایا کرتے تھے اور ان کی بات کا انکار کر دیا کرتے تھے لیکن آج تم نے ان کے امامؑ کی بات پر عمل کر کے شیعوں کی بات کو صحیح ثابت کر دیا ہے، لہٰذا اب تو جلدی سے امامؑ کو شہید کر دے ورنہ اب اگر یہ زندہ رہے تو شیعوں کو ہماری مخالفت کا موقع مل جائے گا۔

معتصم باللہ جو پہلے ہی اپنی بھتیجی کے خط پڑھ کر متعصب ہو چکا تھا اور امامؑ کے قتل پر آمادہ تھا، اب تو وہ اپنے ارادے میں اور بھی مستحکم ہو گیا کہ امامؑ کا خاتمہ کرنا ہے۔ اس نے اُمّ الفضل کے گھر میں زہر بھجوایا اور اُمّ الفضل نے وہ زہر شربت میں ڈال کر امامؑ کو پلا دیا۔ امامؑ نے زہر پیا تو روایت میں ہے کہ اس زہر کے اثر سے امامؑ کی حالت بگڑنے لگی اور اس وقت امامؑ کی زبان سے یہ فقرہ نکلا: اے اُمّ الفضل! تُو نے جس طرح سے مجھے نقصان پہنچایا ہے، خدا نے چاہا تو مرتے دم تک تو بھی چین سے نہ رہے گی اور بڑی اذیت کی موت مرے گی۔

روایت میں ہے کہ جب امامؑ کی شہادت ہوگئی اور مدینے سے حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے آکر اپنے مظلوم باپؑ کو غسل وکفن دیا اور دفن کیا اور واپس چلے گئے تو اُمّ الفضل کے جسم میں ناسور پیدا ہوا اور کچھ ایسے مقامات پر زخم آئے کہ وہ ضبط نہ کرسکی۔ ہر طبیب سے علاج کرایا۔ پوری خلافت عباسیہ اس کی مدد کو آئی مگر کوئی اس کا علاج نہ کرسکا۔ یہاں تک پاگل ہوکر گھر سے نکل گئی اور پاگل پن کی حالت میں بغداد کی گلیوں اور چوکوں میں گھومتے گھومتے ایک دن (خس کم جہاں پاک کے مصداق) دنیا کی جان چھوڑ کر واصل جہنم ہوگئی اور یہ بتا گئی کہ جو بھی امامؑ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے اس کا انجام ہمیشہ بُرا ہوتا ہے۔

بارھویں معصومؑ

حضرت امام علی نقی علیہ السلام

مشخصات

اسم مبارک : علیؑ

لقب : نقی اور ہادی

کنیت : ابوالحسن

والد ماجد : حضرت محمد تقی الجوادؑ

والدۂ ماجدہ : حضرت سیدہ سمانہ مغربیہ سلام اللہ علیہا

ولادت باسعادت : ۵ رجب المرجب ۲۱۴ ہجری

شہادت : ۳ رجب المرجب ۲۵۴ ہجری

عمر مبارک : ۴۰ سال

ازواج : متعدد بیویاں

اولاد : امام حسن عسکریؑ، حسین، جعفر وغیرہ

قبر مطہر : سامرہ

......✱......

سیرت امام محمد تقی علیہ السلام

گفتگو کا سلسلہ اب قریب قریب اپنے اختتام کے نزدیک ہے اور آج کے بعد امامؑ حاضر کے تذکرے کو چھوڑ کر صرف ایک گفتگو اور ہماری باقی ہے جس میں بات اس مقام تک پہنچ جائے گی جس سے ہم یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ کیا سبب تھا' وہ کیا مقصد تھا کہ جس کے تحت ایک امامؑ کو خدا نے اتنے طویل عرصے تک پردۂ غیبت میں رکھا۔

اب تک کی ہماری گفتگو اس مقام پر پہنچی ہے کہ پیغمبرِ اسلام کے اعلانِ رسالت کے ساتھ ہی منافقین کے دلوں میں پیغمبرؐ اسلام کی رسالت کے ختم کرنے کا منصوبہ پروان چڑھنے لگا تھا۔ حیاتِ پیغمبرؐ میں کئی کوششیں کی گئیں کہ کسی نہ کسی طرح پیغمبرؐ اسلام کو جلد از جلد اس دنیا سے رُخصت کر دیا جائے مگر منافقین اپنی ان سازشوں میں کام یاب نہ ہو سکے تو وہ یہ تہیہ کر کے بیٹھ گئے کہ تھے کہ جیسے ہی پیغمبرؐ اسلام کا وصال ہو گا ویسے ہی ہم اپنے مقصد پر عمل پیرا ہوں گے۔

بہر حال!

اس کے بعد انھوں نے یہ دیکھا کہ پیغمبرؐ اسلام کا تو ہم کچھ نقصان نہیں کر سکے لیکن اب اگر علی علیہ السلام کی ذات کو مسلمانوں سے جدا کر دیا جائے یا مسلمانوں کو علی علیہ السلام سے محروم کر دیا جائے تو وہ مقصد کہ جو پیغمبرؐ اسلام کو نقصان پہنچانے سے ہمیں حاصل ہو سکتا تھا' وہ آج بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ چناں چہ ایک سازش کے تحت جس کا سلسلہ ۱۱ ہجری سے لے کر ۶۱ ہجری تک پھیلا ہوا ہے۔

مسلسل اہل بیتؑ کے نام کو مٹایا جاتا رہا لیکن اس مقام پر امیر المومنین علیہ السلام نے انتہائی صبر کے ساتھ صرف اس بات کو دیکھتے ہوئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنا حق حاصل کرنے میں اسلام ہی کا خاتمہ ہو جائے۔ کچھ عرصے کے لیے خاموشی اختیار کی اور اس خاموشی میں اہم ترین ذات اور اہم ترین ہستی حضرت سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی ثابت ہوئی اور یقین کے ساتھ

کہا جا سکتا ہے کہ اگر حضرت سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی ذات اتنا اہم کردار ادا نہ کرتی تو شاید منافقوں کی وہ سازش مکمل ہو جاتی۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم نے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی سیرت کو صرف ایک خاتونِ خانہ کی حیثیت سے دیکھا اور یہ سمجھتے رہے کہ انھوں نے عورتوں کو صرف یہ سبق دیا ہے کہ گھر میں بیٹھ کر کس طرح کام کیا جاتا ہے؟

نہیں!

حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے میدان میں نکل کر یہ بتایا کہ علی علیہ السلام کا تلوار اُٹھانا تو اسلام کے لیے انتہائی خطرناک ہے۔ لیکن اگر سیدہؑ اس وقت باہر نہ نکلیں تو کیسے پتا چلے گا کہ خاندانِ اہل بیتؑ کا موجودہ حکومت سے اختلاف ہے جب کہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا جانتی تھیں کہ بعد میں آنے والے کثرت سے جھوٹی احادیث گھڑیں گے تو سیدۂ عالمین سلام اللہ علیہا نے دربار میں پہنچ کر کم از کم یہ ثابت کر دیا کہ خاندانِ اہل بیتؑ اس خلافت سے خوش نہیں ہے۔ اس لیے حدیث کی اہم ترین کتابوں میں جن میں صحیح بخاری سرفہرست ہے' یہ دونوں روایات آپ کو ملیں گی۔ ایک طرف پیغمبرؐ اسلام کی یہ روایت بھی کہ جس نے فاطمہؑ کو ناراض کیا اس نے مجھ کو ناراض کیا اور جس نے مجھ کو ناراض کیا اس نے خدا کو ناراض کیا۔

دوسری طرف اسی صحیح بخاری میں حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کے فضائل میں یہ بھی ملے گا کہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا مرتے دم تک موجودہ حکومت سے ناراض رہیں اور آخری وقت تک راضی نہ ہو سکیں۔

اب امیرالمومنین علیہ السلام کا دور اس کے بعد خاموشی کی حالت میں گزرا اور حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام نے امیرالمومنین علیہ السلام کے مشن کو شروع کیا۔ جیسا کہ ہم نے بتایا کہ شام کے جاہل لوگوں کو امیرالمومنین علیہ السلام اور خاندانِ اہل بیتؑ کے بارے میں بتانے والے کون لوگ تھے؟

شام کے وہ لوگ جو ایک زمانے میں دشمن اہل بیتؑ تھے۔ دوسرا وہ زمانہ آیا' ۶۱ ہجری کو انھوں نے یزید کے محل کو گھیر لیا اور کہا: ہمیں پتا نہ تھا کہ تو نے خاندانِ اہل بیتؑ کو گرفتار کر رکھا

ہے اور ان کا رسولؐ اکرم سے اتنا قریبی تعلق ہے' انھیں رہا کرو۔ یہ حضرت امام حسن علیہ السلام' حضرت امام حسین علیہ السلام اور ہمارے چوتھے امامؑ کا حصّہ تھا کہ شام کے لوگوں کی ذہنیتوں کو بدلا' شام کے لوگوں کے دلوں میں بھری ہوئی جہالت کو نکالا اور شام جو مسلمانوں کا اہم ترین صوبہ تھا' شام کے لوگوں کو معرفت اہل بیتؑ کا درس دیا۔ یہاں تک چوتھے امامؑ کا کام تھا۔

اب یہاں سے پانچویں اور چھٹے امامؑ نے ایک کام شروع کیا اور وہ یہ کام تھا کہ جب لوگوں نے اہل بیتؑ کو پہچان لیا ہے۔ اب اہل بیتؑ کی ذمہ داری یہ تھی کہ لوگوں کو فائدہ پہنچائیں جس کے لیے خدا نے انھیں زمین پر بھیجا تھا۔ پانچویں اور چھٹے امامؑ کا مشن یہاں سے شروع ہوا اور چھٹے امامؑ کے مشن کی وجہ سے ساتویں امامؑ پر لوگوں نے مصیبتوں کے پہاڑ توڑنا شروع کر دیے کہ حکومت نے دیکھا کہ ہم نے تھوڑی سی ڈھیل دی تو انھوں نے اتنا اہل بیتؑ کے نام کو پھیلا دیا کہ اگر حکومت بھی ساتویں امامؑ کو گرفتار کرتی ہے تو اسے دو قافلے تیار کرانا پڑے۔

ایک نقلی قافلہ اور ایک اصلی قافلہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ حملہ کر کے امامؑ کو رہا کرا کر لے جائیں تو حکومت نے یہ دیکھا کہ پانچویں اور چھٹے امامؑ کو ہماری وجہ سے تھوڑی مہلت مل گئی اور اب اگر ساتویں امامؑ کو مہلت مل گئی تو اس کے بعد ہمارے تخت و تاج کا خاتمہ ہو جائے گا۔

چناں چہ انھوں نے ساتویں امامؑ کو گرفتار کیا۔ ساتویں امامؑ گرفتار تو ہوئے لیکن ساتویں امامؑ نے اپنی گرفتاری کے باوجود ایک بہت بڑا فائدہ پہنچایا اور وہ فائدہ یہ تھا کہ ساتویں امامؑ کو گرفتار کر کے حکومت مطمئن ہو گئی۔

وہ شیعہ جو امیر المومنین علیہ السلام کے زمانے سے لے کر چھٹے امامؑ کے زمانے تک کچلے جا رہے تھے اور قتل کیے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ چھٹے امامؑ کے پاس تو تبلیغ کا موقع تھا لیکن جیسا کہ ہم نے ایک تقریر میں بتایا ہے کہ چھٹے امامؑ سے مسئلہ پوچھنے والے کو کتنی تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا تھا' تو اب شیعیت اس مرحلے پر آ گئی کہ امامؑ تو موجود تھے اور اپنا علم پھیلا رہے تھے لیکن شیعوں پر وہ مصیبتیں ٹوٹ رہی تھیں کہ اگر پندرہ بیس سال وہ مصیبتیں اور جاری رہتیں تو

تمام اہل ایمان کا خاتمہ ہو جاتا۔

ساتویں امامؑ کی گرفتاری نے مومنوں کو کتنا موقع فراہم کر دیا کہ وہ اپنے قدم جما سکیں کیوں کہ یہ ایک فطری چیز ہے کہ جب حکومت کسی قوم کے لیڈر پر اپنے خیال میں ہاتھ ڈالتی ہے تو اس کے بعد اسے چھوٹے لوگوں کی زیادہ فکر نہیں رہتی۔ یہ اگرچہ غلط فکر ہے لیکن حکومت کا طریقہ یہی ہے۔

ساتویں امامؑ کی گرفتاری نے شیعوں کو اتنا موقع دیا کہ مسلسل سو سال سے وہ تلواروں کے ذریعے تہ وتیغ کیے جا رہے تھے۔ اب ان کو اتنا موقع مل گیا کہ وہ اپنے قدم جما سکیں۔ اس لیے کہ ان کی گرفتاری کے بعد حکومت وقت کی توجہ ساری ساتویں امامؑ کی طرف ہو گئی اور ساتویں امامؑ کی طرف توجہ ہونے کی وجہ سے مومنین کو اتنا موقع ملا کہ وہ عرب کی سرزمین سے نکل نکل کر پھیل جائیں۔ اس لیے آپ کو جعفری سادات دنیا کے کئی علاقوں میں کثرت سے نظر آئیں گے۔

یہ ساتویں امامؑ کی گرفتاری نے چھٹے امامؑ کی نسل سے تعلق رکھنے والے مومنین کو اتنا موقع دیا کہ شیعیت کے پیغام کو لے کر عرب سے نکل گئے۔ ایران میں آئے' ہندوستان میں آئے' ترکستان میں گئے اور دنیا کے دوسرے علاقوں میں پھیلے۔

ساتویں امامؑ کی گرفتاری نے اتنا موقع دے دیا کہ وہ شیعیت جو بالکل ختم ہوتی جا رہی تھی ساتویں امامؑ کی گرفتاری نے اس شیعیت کو باقی رکھا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت وقت کو آٹھویں امامؑ کے سامنے جھکنا پڑا۔ مامون رشید عباسی مجبور ہو گیا' ساتویں امامؑ کی گرفتاری نے وہ اہم ترین کارنامہ انجام دیا کہ شیعیت مضبوط ہوئی' شیعہ دنیا میں ہر مقام پر پھیل گئے۔

شیعوں کے ہاتھ میں علمائے دین کی وجہ سے ایک مرکز آ گیا اور شیعیت اتنی بڑی طاقت بن گئی کہ مامون رشید کو آٹھویں امامؑ کے آگے جھکنا پڑا۔ مامون جو آٹھویں امامؑ کے آگے جھکا اور اعلان کر دیا کہ ہم انھیں اپنا ولی عہد بناتے ہیں' اس میں یقیناً خود آٹھویں امامؑ کا بھی ایک حصہ ہے' ان کی شخصیت' ان کا مقام' ان کا علم' لیکن سب سے بڑا حصہ ساتویں امامؑ کا

ہے کہ ساتویں امامؑ نے اپنی گرفتاری کی وجہ سے شیعوں کو اتنا مستحکم کر دیا کہ اب انھیں ایک بہت بڑی قوت سمجھا جانے لگا اور حکومتیں ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی فکر میں لگ گئیں۔

یہ ساتویں امامؑ کی گرفتاری کا شیعوں کے حق میں سب سے اچھا نتیجہ برآمد ہوا۔ اس کے بعد آٹھویں امامؑ دربار خلافت میں پہنچے اور پہلی مرتبہ خلیفہ کے دربار میں پہنچ کر ایک امامؑ کو جہاد کا موقع ملا۔

آٹھویں امامؑ کا دور علم کے اعتبار سے بہترین دور کہلاتا ہے۔ لیکن اس کی بنیاد ساتویں امامؑ کا دور تھا۔ چناں چہ آٹھویں امامؑ کو شہید کر دیا گیا۔ اب نویں امامؑ کا دور شروع ہوا اور نویں امامؑ نے جو کچھ کیا وہ سب کچھ گذشتہ تقریر میں بیان ہو چکا ہے۔ اب ہمارے دسویں امامؑ کا دور شروع ہوا اور یہ دور نازک ترین دور تھا۔ نازک ترین دور اس اعتبار سے کہ اب تک جو کچھ خلفا نے کیا تھا وہ اس اُمید پر کیا تھا کہ ابھی ہمارے پاس بہت وقت پڑا ہے۔ چوتھے امامؑ، پانچویں امامؑ، چھٹے امامؑ کے سامنے خلفا کے ذہن میں یہ خیال تھا کہ ابھی ہمارے پاس بہت وقت پڑا ہے لیکن جب دسویں امامؑ کی امامت آئی تو وہ گھبرا گئے کہ اب وقت ہمارے پاس بہت کم ہے۔ یہ وقت بہت زیادہ اور بہت کم۔ اس کا مطلب کیا ہے؟

اس کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبرؐ اسلام کی ایک روایت تمام خلفا کے ذہنوں میں گونج رہی تھی کہ میرے خاندان میں بارہ خلیفوں کو خدا پیدا کرے گا اور ان میں سے بارھواںؑ تمام دنیا کو ظلم و جور سے پاک کر کے عدل و انصاف سے بھر دے گا۔

دسویں امامؑ کا زمانہ شروع ہوا۔ اب خلفائے وقت پریشان ہونے لگے کہ یہ سلسلہ دس تک پہنچ چکا ہے، امامؑ آنے والے ہیں تو خلفائے وقت کی اب تمام تر توجہ اس طرف ہے کہ بارھویں امامؑ نہ آسکیں۔

دوسری طرف ہمارے ائمہؑ کو معلوم تھا کہ خلفا کی یہ پریشانی اس لحاظ سے صحیح نہیں ہے کہ جو امامؑ آئے گا اسے ایک لمبا عرصہ غیبت میں گزارنا پڑے گا تو اب ہمارے ائمہ علیہم السلام کے لیے یہ پریشانی تھی یا ائمہ علیہم السلام کے سامنے یہ مسئلہ تھا کہ اگر وہ امامؑ غیبت میں

چلا گیا تو یہ مومنین جن پر پہلے ہی بے انتہا مظالم ہو رہے ہیں اگر امامؑ کا وجود بھی ظاہری طور پر ان کے سامنے سے غائب ہو گیا تو کہیں پریشانی میں یہ اپنے عقیدے کو نہ بدل ڈالیں۔ بہت بڑا مسئلہ یہ تھا اور اس لیے دسویں امامؑ اور گیارھویں امامؑ کی آدھی آدھی زندگی قید خانے میں گزری۔ یہ ایک طرح مومنوں کو غَیبت کے لیے تیار کرنا تھا کیوں کہ اگر امامؑ بہ نفس نفیس موجود ہوں تب بھی ایک اطمینان تو ہوتا ہے کہ ہمارا امامؑ موجود ہے لیکن جب امامؑ غائب ہوں تو وہ اطمینان نہیں ہوتا ہے تو یہ مومنوں کو تیار کراتا ہے کہ حکومتیں ظالم سے ظالم آئیں گی لہٰذا تمھیں غَیبت کا اور غَیبت کی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اب تمام گفتگو پس منظر میں سنیں!

ائمہ کرام علیہم السلام کو پتا ہے خاص طور پر دسویںؑ اور گیارھویں امامؑ کو کہ اب غَیبت کے زمانے کی تیاری کرنا ہے۔ حکومتوں کی خواہش ہے کہ اب کسی طرح سے امامؑ کی نسل کے سلسلے کو آگے بڑھنے سے روکنا ہے۔ امامؑ اللہ کی حکمتِ عملی پر عمل کر رہے اور حکومتیں اپنے شیطانوں کی حکمتِ عملی پر عمل کر رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دسویں اور گیارھوں امامؑ کو یہ بھی معلوم ہے کہ اب جتنا علم ان کو پہنچا دینا ہے بس ہمارا ہی زمانہ ہے۔ اس کے بعد غَیبت کا زمانہ شروع ہو جائے گا اور یہ لوگ امامؑ سے نہیں مل سکیں گے تو ان کی تمام مشکلات کو اسی دور میں حل کر کے چلے جانا ہے۔ اس لیے دسویں امامؑ نے جتنی علمی خدمات انجام دیں وہ چھٹے امامؑ کے علاوہ ہمیں اور کسی مقام پر نظر نہیں آتیں۔

اب گفتگو کا سلسلہ یہاں تک پہنچا!

دسویں امامؑ اس مرحلے پر امامت کو سنبھال رہے ہیں کہ حکومت وقت یہ دیکھ چکی ہے کہ حکومت کا لالچ دے کر ہم ائمہ علیہم السلام کو سیدھے راستے سے نہیں ہٹا سکتے' تلوار دکھا کر ہم ائمہ علیہم السلام کو سیدھے راستے سے نہیں ہٹا سکتے اور قید خانے میں ڈال کر ہم ائمہ علیہم السلام کو سیدھے راستے سے نہیں ہٹا سکتے۔

اب صرف اک بات حکومت کی رہ گئی!

حکومت نے دیکھا کہ ہم نے کربلا میں تلوار چلائی تو نتیجہ ہمارے حق میں خطرناک ثابت ہوا۔ ہم نے ساتویں امامؑ کو گرفتار کر کے رکھا تو نتیجہ ہمارے حق میں خطرناک ثابت ہوا کہ آٹھویں امامؑ کے سامنے ہمیں جھکنا پڑا۔

حکومت نے دیکھا کہ آٹھویں اور نویں امامؑ کو ہم نے حکومت کا لالچ دیا تو نتیجہ ہمارے ہی حق میں خراب ہوا کہ لوگ ہمارے دشمن ہو گئے اور یہ بات واضح ہو گئی کہ حکومت کرنا ہمارا حق نہیں ہے۔

اب حکومت تلوار چلا کر ناکام ہو چکی ہے' حکومت آلِ محمدؐ کو قید خانے میں رکھ کر ناکام ہو چکی ہے' حکومت آلِ محمدؐ کو اپنی حکومت میں برابر کا حصہ دار بنا کر ناکام ہو چکی ہے' حکومت آلِ محمدؐ کے نام کو چھپانے میں ناکام ہو چکی ہے۔

اب یہ چار طریقے تو حکومت کے ناکام ہو گئے کہ تلوار ہماری نہ چل سکی' قید خانہ ہمارے کام نہ آ سکا' آلِ محمدؐ کے نام کو چھپانا ہمارے لیے مفید نہ ہو سکا اور آلِ محمدؐ کو حکومت کا لالچ' پیسے کا لالچ دینا بھی ہمارے کام نہ آ سکا لیکن اب حکومت کے سامنے مسئلہ یہ ہے کہ آخر ہم کریں تو کیا کریں؟

یہ اہم ترین مرحلہ ہے کہ ہم کیا کریں۔ آخری حربہ دسویں امامؑ پر آزمایا گیا۔

ہمارے ہر امامؑ کا مختلف طریقے سے امتحان لیا گیا اور ذہن میں یہ رکھتے ہوئے چلیں کہ کیوں امتحان لیا گیا؟

سب سے پہلے تو یہ امتحان لیا گیا کہ آلِ محمدؐ کے نام کو بھلا دیا جائے لیکن اس میں ناکامی ہوئی۔ اس کے بعد یہ امتحان لیا گیا کہ تلوار لے کر ان پر ٹوٹ پڑو تو اس میں بھی ناکامی ہوئی۔ اس کے بعد یہ امتحان لیا گیا کہ قید خانوں میں رکھو تو اس میں بھی ناکامی ہوئی۔ اس کے بعد یہ امتحان لیا گیا کہ انھیں دنیا کا لالچ دے دو تو اس میں بھی ناکامی ہوئی۔

اب پانچواں طریقہ ہمارے دسویں امامؑ کے ساتھ اختیار کیا گیا۔

اب اس مقام پر آپ گفتگو سن چکے ہوں گے تو آپ کے ذہن میں آ گیا ہوگا کہ

حکومت کو یہ پریشانی ہے کہ امامِ زمانہ علیہ السلام وجود میں نہ آنے پائیں اور ساتھ ساتھ ہم آلِ محمدؐ سے دنیا والوں کو دور کر دیں۔

امامؑ کی یہ پریشانی ہے کہ جتنا علم اس وقت تک اُمت کے پاس پہنچا' یہ ان کے لیے اس زمانے میں کافی ہے۔ لیکن انھیں تو امامِ زمانہ علیہ السلام کے ظہور تک زندگی گزارنا ہے' لہٰذا جلدی جلدی باتیں ان لوگوں تک پہنچا دی جائیں اور انھیں غیبت کے دور کا عادی بنا دیا جائے۔

حکومت نے اپنی سازش کو کس طرح کامیاب بنایا؟

اس ملعون حکومت نے یہ کوشش کی کہ امامؑ کے کردار میں خرابی کو ثابت کیا جائے۔

یہ پانچواں حربہ ہے کہ اب تک ہم ہر جگہ ناکام ہو چکے ہیں۔ پانچواں حربہ یہ ہے کہ آلِ محمدؐ کے کردار میں خاص طور پر امامؑ کے کردار میں کہ امامؑ کا تقویٰ اور امامؑ کی علمیت جو لوگوں کے ذہن میں موجود ہے' اس کو مجروح کیا جائے۔

اب ہمارے دسویں امامؑ کا کتنا مشکل امتحان ہے۔ اس کا چھوٹا سا نمونہ ساتویں امامؑ کی زندگی میں نظر آیا تھا لیکن وہ قید خانے کی تاریکی میں تھا کہ ایک خبیث کو بھیجا گیا کہ جا کر اس سیدؑ کو کسی طرح گم راہ کرے اور نتیجہ ہمارے آنکھوں کے سامنے آیا لیکن وہ بہت چھوٹے پیمانے پر تھا قید خانے کے اندر تھا' اس لیے قید خانے کی بات وہیں رہ گئی لیکن دسویں امامؑ کے زمانے میں باقاعدہ ایک منصوبہ بندی کے تحت امامؑ کے تقویٰ اور علم کو لوگوں کے دلوں سے نکالا گیا۔

یہ حکومت کی سازش تھی گویا اب امامؑ کو حکومت کی سازش کے مقابلے میں اپنے کردار کو پیش کرنا تھا۔ اس کا آغاز اسی دن سے ہوا جس دن نویں امامؑ کی شہادت ہوئی۔

امامؑ کا تعارف سن لیں!

نام: امامؑ کے اسمِ گرامی سے تو آپ میں سے ہر ایک واقف ہے کہ امامؑ کا اسمِ گرامی علیؑ ہے۔

کنیت: امامؑ کی کنیت ابوالحسنؑ ہے۔

ہمارے چار اماموںؑ کی کنیت ابوالحسنؑ ہے:

① امیر المومنین علیہ السلام کی کنیت بھی ابوالحسنؑ ہے۔

② ساتویں امامؑ کی کنیت بھی ابوالحسنؑ ہے۔

③ آٹھویں امامؑ کی کنیت بھی ابوالحسنؑ ہے۔

④ دسویں امامؑ کی کنیت بھی ابوالحسنؑ ہے۔

عام طور پر امیر المومنین علیہ السلام کو ان کی کنیت ابوالحسنؑ سے نہیں پکارا جاتا لیکن ساتویں امامؑ، آٹھویں امامؑ اور دسویں امامؑ کو ان کی کنیت کے ساتھ پکارا جاتا ہے۔ اس لیے دعاؤں میں، حدیثوں میں فرق کرنے کے لیے ساتویں امامؑ کو ابوالحسنؑ اوّل، آٹھویں امامؑ کو ابوالحسنؑ ثانی اور دسویں امامؑ کو ابوالحسنؑ ثالث کہا جاتا ہے۔

لقب:

امامؑ کے مشہور ترین القاب میں نقیؑ ہے اور ہادیؑ ہے۔

جیسا کہ ہم نویں امامؑ کی گفتگو میں بتا رہے تھے کہ ہمارے یہاں صرف تقیؑ نویں امامؑ کے لیے مشہور ہے جب کہ باقی مومنین جوادؑ کے نام سے نویں امامؑ کو زیادہ جانتے ہیں۔ اسی طرح دسویں امامؑ کا مشہور لقب نقیؑ ہے اور اتنا ہی مشہور لقب ہادیؑ ہے، امام ہادیؑ دسویں امامؑ کے بارے میں عام طور پر کتابوں میں لکھا ہوا نظر آتا ہے۔

تیسرا لقب امامؑ کا متوکل ہے لیکن اس لقب کو امامؑ نے چھپانے کا حکم دیا تھا اس لیے کہ اسی دور میں خلافت بنو عباس کے ایک ظالم ترین بادشاہ کا نام بھی متوکل تھا۔ امامؑ نے فرمایا کہ اس لقب کو استعمال نہ کرو ورنہ ہو سکتا ہے کہ حکومت وقت اپنے مفادات حاصل کرنے لگ جائے۔

اب ذرا دیکھیں!

امامؑ کا اپنے لقب کو چھپانا یہ بتا رہا ہے کہ امامؑ اس سازش سے واقف تھے کہ ایسا نہ ہو کہ پچاس سال بعد کا مورخ متوکل کے تمام کے تمام بُرے افعال امامؑ کی سیرت میں درج کر دے اور امامؑ کی ساری نیکیاں اس فاسق متوکل کے باب میں لکھ دے۔ چناں چہ امامؑ نے سختی

سے منع کیا کہ متوکل کا لقب استعمال نہ کیا جائے۔

ولادت با سعادت: پانچ رجب المرجب ۲۱۲ ہجری میں امامؑ کی ولادت مدینہ کے مضافات میں ہوئی' مدینے کے قریب ایک گاؤں تھا۔

شہادت: تین رجب ۲۵۴ ہجری میں امامؑ کی شہادت سامراہ میں ہوئی تھی۔

۲۱۲ ہجری سے لے کر ۲۵۴ ہجری تک امامؑ کی کل عمر مبارک بیالیس سال کی ہے۔

امامؑ کی شہادت سامرہ میں ہوئی تھی اور آپؑ کو اسی مقام پر دفن کیا گیا۔ جس مقام پر امامؑ نے اپنی سامرہ کی زندگی کے اُنیس (۱۹) سال یا بیس سال یا گیارہ سال گزارے تھے۔ وہ امامؑ کا ذاتی مکان تھا' جس میں امامؑ کو دفن کیا گیا۔

والدِ ماجد: امامؑ کے والدِ ماجد کے بارے میں ہماری تفصیلی گفتگو گزشتہ تقریر میں ہو چکی ہے یعنی حضرت امام محمد تقی جوادؑ۔

والدۂ محترمہ: امامؑ کی والدۂ ماجدہ کا نام حضرت سیدہ سمانہ مغربیہ سلام اللہ علیہا تھا لیکن عام طور پر کتابوں میں ان کا مشہور نام سیدہ ملتا ہے اور ان کی کنیت اُمّ الفضل تھی۔

ہر امامؑ کی والدہ کی طرح اس امامؑ کی والدہ کے بارے میں بھی ہمیں کثرت سے روایات ملتی ہیں۔ کتاب "جنۃ القلوب" میں یہ روایت موجود ہے کہ اس معظمہ نے تمام زندگی روزے کی حالت میں گزاری۔

دسویں امامؑ نے اپنی والدۂ محترمہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: میری والدہ اہل حق میں سے تھیں' وہ جنتی تھیں' میرے حق کو اچھی طرح سے پہچانتی تھیں۔ کسی شیطان کا مکر ان پر چل سکا تھا نہ کسی جبار کا زور اور مکر۔ اور وہ کسی بھی نبی' امام اور صالح کی ماں سے کم رُتبہ نہیں رکھتی تھیں۔

خود دسویں امامؑ کا اپنی والدہ کی تعریف کرنا کہ کسی بھی صدیق اور صالح کی ماں سے کم مرتبہ نہیں رکھتی تھیں' یہ امامؑ کی والدۂ ماجدہ کی شخصیت کو واضح کرتا ہے۔

بہرحال!

امامؑ کی ولادت ۲۱۲ ہجری میں ہوئی اور ۲۲۰ ہجری میں نویں امامؑ کی شہادت واقع ہوئی تو اس وقت اُن کی عمر آٹھ سال تھی ہمارے دسویں امامؑ عہدۂ امامت پر فائز ہوئے۔ سات سال کی عمر ہمیں نویں امامؑ کی نظر آتی ہے اور آٹھ سال کی عمر ہمیں دسویں امامؑ کی نظر آتی ہے انتہائی مختصری عمر میں ان دونوں اماموںؑ نے عہدۂ امامت سنبھالا۔

بس!

فرق یہ ہے کہ نویں امامؑ کی شہادت پچیس سال کی عمر میں ہوگئی اور سترہ سال ان کا دورِ امامت ہے اور دسویں امامؑ کی شہادت بیالیس سال کی عمر میں ہوئی اور قریب قریب چونتیس سال ان کا دورِ امامت ہے۔

روایت میں ہے کہ جب نویں امامؑ مدینے سے چلے تھے......

نویں امامؑ کو دو دفعہ بغداد بلایا گیا!

ایک مرتبہ آٹھویں امامؑ کی شہادت کے فوراً بعد جب بغداد میں وہ مشہور واقعہ پیش آیا تھا مچھلی اور باز والا اور دوسری بار اس وقت جب مامون کا انتقال ہوگیا اور مامون کے بھائی معتصم نے اپنی بھتیجی اُمّ الفضل کے خطوط کو پڑھ کر امامؑ کو بلایا اور بلا کر زہر دلوایا۔

روایت میں ہے کہ جب مدینے سے پہلی مرتبہ امامؑ چلے تو ہم گریہ کرنے لگے کیوں کہ ہمیں اس سے پہلے کے سفر یاد آ گئے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام مدینے سے گئے اور پلٹ کر نہ آئے، امام موسیٰ علیہ السلام گئے پلٹ کر نہ آئے، امام علی رضا علیہ السلام گئے پلٹ کر نہ آئے۔

راوی کہتا ہے: ہم رونے لگے۔

امامؑ نے ہمیں روتے دیکھا تو سوال کیا: کیوں رو رہے ہو؟

ہم نے عرض کیا: یا بن رسول اللہ! ہمیں یقین ہوگیا ہے کہ ہم دوبارہ آپؑ کی زیارت نہ کرسکیں گے۔

امامؑ نے ارشاد فرمایا: مت گھبراؤ میں دوبارہ مدینے میں واپس آؤں گا۔

امامؑ دوبارہ مدینے میں آئے لیکن دوسری مرتبہ جب امامؑ مدینے سے چلے تو امامؑ

نے اپنے تمام قریبی رشتہ داروں اور تمام دوستوں کو بلایا اور بلا کر کہا: دیکھو! میں مدینے سے جا رہا ہوں۔

نو محرم ۲۲۰ ہجری کو امامؑ مدینے سے نکلے اور اُنتیس (۲۹) ذوالقعدہ ۲۲۰ ہجری میں امامؑ کی شہادت ہو گئی۔

امامؑ نے کہا تھا کہ میری زندگی میں اب ایک سال سے بھی کم مدت رہ گئی ہے اب یہ میرے بعد تمہارا امامؑ ہے۔

یہ کہہ کر آٹھ سال کے اپنے بیٹے امام علی نقی علیہ السلام کو تمام تبرکات امامت دے دیے۔

اُنتیس (۲۹) ذوالقعدہ ۲۲۰ ہجری میں ہمارے نویں امامؑ کی شہادت ہوئی اور آٹھ سال کا بچہ عہدۂ امامت پر فائز ہو گیا۔

اب سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ حکومتِ وقت آٹھ سال کے اس بچے کے خلاف وہی سازش کرنے کی دوبارہ کوشش کر سکتی تھی جو اس نے نویں امامؑ کے خلاف کی تھی۔ لیکن حکومت نویں امامؑ کے تجربے سے دیکھ چکی تھی کہ امامؑ سات سال کا تو کیا سات دن کا بھی ہو تو تمام علومِ کائنات خدا کی بارگاہ سے لے کر آتا ہے اور ہمارے سکھانے سے وہ ہمارے رنگ میں نہیں چل سکتا بلکہ ہمیں اپنے رنگ میں چلانے کی کوشش کرتا ہے۔ چناں چہ سات سال کے نویں امامؑ پر حکومت نے کوشش کی' آٹھ سال کے دسویں امامؑ پر کوشش نہیں کی' اس لیے کہ حکومت مایوس ہو چکی تھی لیکن اندازہ اسی بات سے لگا لیں جو ہم نے کہا کہ حکومت نے تلوار کے بعد' کم نامی کے بعد' قید خانے کے بعد اور دولت کے بعد پانچواں حربہ یہ استعمال کیا کہ کسی طرح امامؑ کے وقار کو ختم کیا جائے اسی لیے اِدھر ہی نویں امامؑ شہید ہوئے اور اِدھر دسویں امامؑ کے بارے میں حاکم مدینہ کو خط لکھا کہ جنیدی کو طلب کرو۔ جنیدی عرب کا سب سے بڑا شاعر تھا۔

جنیدی کو بلایا گیا' حاکم وقت کا حکم نامہ آیا کہ تم اس وقت سادات کے پاس جاؤ اور جا کر انھیں مجبور کرو کہ وہ اپنے اس بیٹے کو جنیدی کے پاس پڑھنے کے لیے بٹھائیں ورنہ تمھیں حکم دیا جاتا ہے کہ سادات کو مدینے سے اس طرح ختم کرنا کہ ان کی ہڈیوں کے نشان تک کا پتا نہ

چلنے پائے۔ حاکم مدینہ کے پاس یہ حکم آیا تو اس نے جنیدی کو بلایا۔ جنیدی دشمنانِ آلِ محمدؐ میں سے بہت سخت دشمن تھا۔ اس کے لیے اس سے بہتر موقع اور کیا ہو سکتا تھا کہ حکومت وقت اس کی مدد کر رہی ہے کہ اُسے آلِ محمدؐ کے امامؑ کی تعلیم کے لیے مقرر کیا جائے۔

دسویں امامؑ نے اس وقت منع کیا کہ کوئی قدم نہ اُٹھایا جائے اور کہا ٹھیک ہے جنیدی میرے پاس رہے۔ جنیدی دسویں امامؑ کے پاس رہنے لگا۔

اب ذرا دیکھیں!

سازش کا آغاز ہو گیا ہے کہ اگر بعد میں امامؑ نے کچھ علوم کا اظہار کیا' بعد میں امامؑ نے اپنی امامت کو پیش کیا تو حکومت کہہ سکتی ہے کہ یہ جنیدی نے پڑھایا تھا' یہ امامؑ سیکھ کر نہیں آیا تھا۔

کتنا سخت امتحان دسویں امامؑ کا لیا جا رہا تھا کہ ابتدا ہی میں امامؑ کے علم کو ختم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ حکومت کو پتا ہے کہ امامؑ کا علم امامؑ کا علم ہے لیکن جنیدی کو صرف اس لیے رکھا گیا تھا کہ ان کو یہ کہنے کا موقع ملے کہ امامؑ جنیدی کے شاگرد تھے' جنیدی کی شاگردی میں اس مقام تک پہنچے۔ لیکن روایت میں ہے کہ خود جنیدی یہ نقل کرتا ہے:

ایک مرتبہ کسی نے جنیدی سے سوال کیا: اے جنیدی! اب تمھارے شاگرد کی کیا حالت ہے؟

جنیدی نے دریافت کیا: کون سا شاگرد؟

کہا: وہی ہاشمیؑ غلام جو تمھارے پاس پڑھنے کے لیے آتا ہے۔

جنیدی کہتا ہے: خبردار! اسے ہاشمیؑ غلام نہ کہنا بل کہ وہ تو ہاشمیؑ رئیس ہے' تم مجھ سے میرے شاگرد کے بارے میں سوال کرتے ہو۔

اے دنیا والو! تم کس دھوکے میں ہو؟!

دنیا یہ سمجھتی ہے کہ میں اس کا اُستاد ہوں اور وہ میرا شاگرد ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں اسی (۸۰) سال کی عمر میں بھی اس کی شاگردی اختیار کیے ہوئے ہوں اور وہ مجھے پڑھا رہا ہے اور اب جا کر مجھے پتا چلا ہے کہ علم کہتے کس کو ہیں' قرآن کسے کہا جاتا ہے اور حدیث کسے کہا

جانتا ہے۔ وہ صرف قرآن ہی کو نہیں جانتا' صرف قرآن کی تفسیر ہی کو نہیں جانتا بل کہ وہ قرآن کی تنزیل کو بھی جانتا ہے اور تاویل کو بھی جانتا ہے' محکمات کو بھی جانتا ہے اور متشابہات کو بھی جانتا ہے۔

آٹھ سال کے بچے کی تعریف ہو رہی ہے۔

حکومت کی پہلی سازش تو ناکام ہو گئی کہ علم امامؑ کو جنیدی سے حصول علم کا نتیجہ بتایا جائے بل کہ جنیدی تو اُلٹا اقرار کر رہا ہے کہ اب میں جو کچھ کہوں گا' وہ امامؑ کے علم کا نتیجہ ہے۔ یہ حکومت وقت کی پہلی سازش تھی جو ناکام ہو گئی۔ اس کے بعد امامؑ نے مدینے میں اپنی یونی ورسٹی کھولی۔ ایک مرتبہ پھر وہ یونی ورسٹی کھل گئی جو چھٹے امامؑ کے زمانے میں جاری تھی اور روایت میں ہے کہ مسجد نبویؐ کی جو رونق چھٹے امامؑ کے زمانے میں تھی اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

روایت میں ہے کہ چھٹے امامؑ کے دور میں اگر کوئی مسجد نبویؐ میں داخل ہوتا تو الگ الگ سبق پڑھاتے نو سو (۹۰۰) اُستاد نظر آتے اور ہر ایک یہ کہتا:

حَدَّثَنِی جَعفَرُ ابنُ مُحَمَّدٍ

"مجھے امام جعفر صادق علیہ السلام نے یہ بتایا ہے۔"

مسجد نبویؐ میں سوائے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے اور کسی کا نام لیا ہی نہ جاتا تھا۔ دسویں امامؑ کے دور میں مسجد نبویؐ کی وہی رونق واپس آ گئی کہ ہر گوشے میں ایک استاد بیٹھا تعلیم دے رہا ہے اور ہر ایک زبان پر یہی جملہ ہے:

حَدَّثَنِی عَلِیُّ ابنُ مُحَمَّدٍ

"مجھے امام علی نقی علیہ السلام نے یہ تعلیم عطا فرمائی ہے۔"

مدینہ ایک مرتبہ پھر مرکز بن گیا اور اسی دور میں متوکل عباسی کو خلافت ملی اور آلِ محمدؐ کے لیے ایک مرتبہ پھر وہ مشکل ترین زمانہ آ گیا۔

۲۲۰ ہجری سے لے کر ۲۳۴ ہجری تک چودہ سال کچھ آرام اور سکون کے مل گئے تھے اس لیے کہ بنو عباس کے آپس میں کچھ جھگڑے پیدا ہو گئے تھے اور اس کی ایک بنیادی وجہ تھی

اور وہ یہ کہ بنوامیہ کی حکومت عربوں کے کاندھوں پر قائم تھی' بنوعباس جب آئے تو انھوں نے بنوامیہ کو ختم کیا تو عربوں کو بھی ختم کرنا پڑا۔ چناں چہ انھوں نے ایرانیوں اور عجمیوں کی مدد سے اپنی حکومت قائم کی۔ پھر اس کے بعد ہارون الرشید کے زمانے میں جب برمکی خاندان جو ایک ایرانی خاندان تھا' نے اتنی ترقی کر لی کہ جب ہارون حج پر گیا تو راستے میں جہاں سے بھی گزرا ہر ایک برمکیوں کی سخاوت کی تعریف کر رہا تھا۔ ہارون کی زبان پر یہ جملہ آ گیا کہ مجھے معلوم نہیں ہے کہ خلیفہ میں ہوں یا میرا وزیر اعظم جعفر برمکی۔ چناں چہ اب عباسیوں نے دیکھا کہ اب حالات بگڑ چکے ہیں' انھوں نے برمکیوں کو ختم کیا اور ایک ایک کر کے ایرانیوں کو نکالنا شروع کیا۔

گویا بنوعباس گھبرا گئے کہ اگر یہی حال رہا تو ایرانی ہمیں ختم کر دیں گے۔ انھوں نے ترکوں سے مدد لی اور ترک غلاموں کو اپنی فوج میں ملازم رکھا۔ ترک غلام انتہائی وحشی اور جاہل تھے۔ چناں چہ تاریخوں میں لکھا ہے: جب وہ بغداد کی گلیوں سے گزرا کرتے تھے تو بغیر کچھ دیکھے ہوئے گزرا کرتے تھے' چھوٹے چھوٹے بچے' عورتیں اور بوڑھے ان کے گھوڑوں اور اُونٹوں کے تلے آ آ کر کچلے چلے جاتے تھے۔ خلیفہ وقت مجبور تھا کیوں کہ اس کی فوج کی تمام طاقت یہ ترکی تھے۔ وہ اتنا مجبور ہوا کہ نہ تو وہ دیکھ سکتا تھا کہ پورا بغداد تباہ ہو جائے اور نہ یہ کہ ترکوں کو نکال سکے؟

اس لیے کہ اور کوئی قوم تو اس کے پاس رہی نہیں تھی مجبور ہو کر اس نے بغداد سے ہٹ کر سامرہ میں ایک نیا شہر آباد کیا تا کہ ترکی کی تمام فوج کو یہاں رکھا جائے اور بغداد والے اس کے مظالم سے نجات حاصل کر لیں تو یہ ۲۲۰ ہجری سے ۲۳۳ ہجری تک کا دور ہے۔ جب عباسی ایرانیوں کو نکال رہے ہیں' ترکوں کو اپنی حکومت میں شامل کر رہے ہیں اور نیا دارالحکومت تیار کر رہے ہیں۔

بہر حال!

اب ۲۳۳ ہجری آ گئی اور متوکل عباسی تخت حکومت پر آ کر بیٹھا۔

کون متوکل عباسی؟

امیرالمومنین علیہ السلام کا ایک خطبہ ہے جس میں مولاؑ نے یہ بتایا تھا کہ اہل بیتؑ کو ٹھکرا کر تم کن پریشانیوں کا شکار ہو جاؤ گے۔

بنو عباس کی پوری تاریخ بتائی' ایک ایک خلیفہ کا تذکرہ کیا اور اس کے بعد کہا:

عَاشِرُهُم اَكفَرُهُم

''ان کا دسواں خلیفہ جو بنے گا وہ ان سب میں سے بڑا کافر ہو گا۔''

وہ یہی متوکل عباسی تھا' متوکل عباسی کا تخت حکومت پر بیٹھنا تھا ایک مرتبہ پوری اسلامی دنیا میں پھر وہی قتل و غارت گری کی لہر دوڑ گئی۔ ساتویں امامؑ کی گرفتاری کے بعد معاملہ تھوڑا ٹھنڈا پڑ چکا تھا اور یہی سبب تھا کہ ہمارے گیارھویں امامؑ نے اپنی زندگی قید خانے میں گزاری تاکہ ساتویں امامؑ نے قید میں رہ کر جو فائدہ پہنچایا وہ فائدہ گیارھویں امامؑ بھی پہنچائیں۔ البتہ ۲۳۲ ہجری میں متوکل عباسی تخت حکومت پر بیٹھا اور ۲۴۰ ہجری یا ۲۳۹ ہجری میں اسے قتل کر دیا گیا۔

یہ پندرہ سال ظلم کے بدترین سال ہیں کہ روایات بتاتی ہیں یزید بھی اتنے مظالم نہ کر سکا ہو گا' جتنے متوکل عباسی نے کیے۔ اس کی فطرت ہی میں ظلم بھرا ہوا تھا۔

متوکل عباسی' جس کے بارے میں مولاؑ یہ فرماتے ہیں: دسواں خلیفہ کفر میں سب سے زیادہ شدید ہو گا۔

یہ دوسرا خلیفہ تھا جس نے امام حسینؑ کی قبر مبارک کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہاں تک کہ قبر امامؑ کو کھود کر امامؑ کے لاشے تک کو نکالا گیا تھا اور اس کے بعد کوشش یہ کی گئی تھی کہ امامؑ کے جسد مبارک کا خاتمہ کر دیا جائے۔ لیکن حالات پلٹے وہ بوریا تو یہ لوگ لے کر چلے گئے جو بنی اسد والوں کا تھا لیکن اس کے علاوہ کسی اور مقصد میں کام یاب نہ ہو سکے۔

متوکل عباسی وہ شخص تھا کہ جو اپنے دربار میں آل محمدؐ کی توہین کرنا فرض سمجھتا تھا۔

متوکل عباسی کیسا بادشاہ تھا؟

متوکل عباسی کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ لوگوں کو تکلیف پہنچا کر انتہائی خوش ہوا کرتا تھا۔ اس کی عادت تھی کہ جب وہ دربار میں آتا تھا تو اپنے ساتھ ایک گھڑا لاتا' جس میں زہریلے بچھو ہوا کرتے تھے۔ اس گھڑے کو دربار میں لا کر رکھ دیتا تھا اور کسی وقت اس گھڑے کا منہ کھول کر پورے گھڑے کو دربار کے اندر اُلٹ دیا جاتا تھا۔ اب زہریلے بچھو دربار میں دوڑ رہے ہیں اور حکم یہ تھا کہ جو اپنی جگہ سے ہلا اسی وقت اس کی گردن اُڑا دی جائے گی۔ تمام درباری' تمام امیر' تمام وزیر یہاں تک کہ اس کے بیٹے' اس کے بھائی دربار میں بیٹھے رہتے یہ خود تو محفوظ جگہ پر ہوتا لیکن تمام درباری دربار میں موجود ہوتے۔ بچھو کسی کو کاٹ رہا ہے اور وہ تکلیف سے تڑپ رہا ہے اور جتنا زیادہ کوئی تڑپتا تھا اتنا بلند قہقہہ متوکل عباسی لگایا کرتا تھا۔ کسی کو تکلیف کی حالت میں دیکھ کر یہ انتہائی خوش ہوتا تھا۔ کبھی اس کا دل چاہتا تو زہریلے سانپ کو دربار میں منگوایا کرتا' اس کے پاس اس سانپ کے زہر کا علاج ہوا کرتا تھا۔ سانپ کو منگوانے کے بعد کسی بھی درباری کو بلایا' جس پر اس کی نگاہ پڑ گئی اور حکم دیا کہ اس زہریلے سانپ سے اس درباری کو کٹوایا جائے۔

درباری کو سانپ کاٹتا تھا' وہ درباری زہر کے اثر سے تڑپتا تھا اور متوکل پیٹ کو پکڑے ہوئے قہقہہ لگا رہا ہوتا تھا۔ جب یہ دیکھتا کہ اب یہ درباری مرنے کے قریب آ گیا تو زہر مہرہ منگوا کر اس کا علاج کراتا۔ اس لیے کہ اس کا اصل مقصد تو لوگوں کو تکلیف کی حالت میں تڑپتے دیکھنا ہوتا تھا۔

متوکل عباسی نے اپنے دشمنوں کے لیے دو طریقے خاص طور پر اختیار کیے تھے:

ایک تو اس نے آگ کا تنور بنایا تھا اور اس آگ کے تنور میں لوہے کی سلاخیں اس طرح سے لگائی تھیں کہ ان کی نوکیں اوپر کی جانب تھیں۔ جب کسی دشمن کو ختم کرنا ہوتا تو حکم دیا جاتا کہ تنور میں آگ جلا کر اس کو گرم کیا جائے اور جب آگ اپنی شدت پر ہوتی تھی تو اس وقت یہ اپنے دشمن کو اس میں ڈلوا دیتا تھا۔ جب کوئی آدمی اس میں ڈالا جاتا تھا تو وہ انتہائی بُرے طریقے سے جل کر رہ جاتا تھا۔

اس سے آپ خود ہی اندازہ لگالیں کہ یہ انسان کتنا بڑا ظالم اور شقی تھا۔

اس نے ایک میدان تیار کرایا تھا اور اس میدان کے کنارے جانوروں کے کٹہرے بنائے تھے جن میں شیر تھے' چیتے تھے' بھیڑیے تھے اور اسی قسم کے دوسرے وحشی اور جنگلی جانور تھے۔

جب یہ کسی سے زیادہ ناراض ہوتا تو حکم دیتا کہ اسے اس میدان میں ڈال دیا جائے اور اس کے بعد ان کٹہروں کو کھول دیا جاتا۔ جن سے درندے غراتے ہوئے نکلتے اور اس آدمی کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھا جاتے اور یہ آرام سے بیٹھ کر یہ منظر دیکھا کرتا تھا اور خوشی کے مارے قہقہہ لگایا کرتا تھا۔

کبھی مردم آزاری موڈ میں ہوتا تو دربار میں شیر منگوا لیتا اور اسے کھلا چھوڑ دیتا تھا۔ اب وہ شیر جسے چاہے قتل کرے' جسے مارے' جسے چیرے' جسے پھاڑے' چاہے وہ درباری ہو یا باہر کا کوئی آدمی ہو۔ بس پندرہ منٹ شیر کو کھلی اجازت ہے جس کو چاہے چیر پھاڑ کر کھا جائے اور خلیفہ بیٹھا یہ تماشا دیکھتا رہتا اور جب ہنستے ہنستے تھک جاتا تھا تو حکم دیتا تھا کہ بس آج کا شو ختم ہوا۔ اب اس شیر کو لے جاؤ' وہ یہ سب کچھ کام صرف اپنے آپ کو خوش کرنے کے لیے کرتا تھا۔

ان واقعات سے آپ خود اندازہ لگا لیں کہ دسویں امامؑ نے کس طرح اس کا دور گزارا ہو گا کیوں کہ دسویں امامؑ بھی اسی سامرہ میں قید کر کے لائے گئے تھے۔

یہ اتنا ظالم تھا' اتنا سنگ دل تھا کہ دوسروں کو تو تکلیف پہنچاتا ہی تھا' اپنے بیٹے کو بھی معاف نہیں کرتا تھا۔ آلِ محمدؐ کی دشمنی میں تو یہاں تک بڑھا ہوا تھا کہ اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا۔ یہ ملعون اپنے دربار میں بیٹھ کر حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور حضرت سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی شان میں گستاخیاں کیا کرتا تھا لیکن امامؑ نے اس کی تمام حرکات کو برداشت کیا۔

یہی متوکل عباسی ہے جس نے امامؑ کی قبر کو تباہ کرنے کے لیے باقاعدہ منصوبہ بنایا تھا۔

۲۳۶ ہجری میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر مبارک پر پہلا حملہ ہوا اور ۲۴۷ ہجری میں دوسرا حملہ ہوا۔

روایت میں ہے کہ اس نے حکم جاری کر دیا: کوئی شخص کربلا کی طرف نہ جانے پائے۔

اس کی وجہ کیا تھی؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر سال شعبان کی کچھ خاص تاریخوں میں اس کے پاس کچھ گانے والیاں آیا کرتی تھیں جو آ کر اس کو گانا سنایا کرتی تھیں اور اس کو لطف اندوز کیا کرتی تھیں لیکن ۲۳۶ ہجری کے شعبان میں گانے والیاں اس کے پاس نہ آئیں۔ یہ بڑا پریشان ہوا' ایک مرتبہ سوچنے لگا کہ وہ کہاں گئیں؟ کیوں نہیں آئیں؟ یہاں تک کہ اس نے مدینے کے حاکم کو خط لکھا کہ جلد از جلد ان گانے والیوں کو میرے دربار میں بھیجا جائے۔

حاکم مدینہ نے کہا: فی الحال وہ مدینہ میں نہیں ہیں جیسے ہی وہ آئیں گی ویسے ہم ان کو آپ کے پاس بھجوا دیں گے۔

چند مہینوں کے بعد جب وہ مدینے میں پہنچیں تو انھیں گرفتار کرا کر سامرہ بھجوایا گیا۔ جب وہ سامرہ میں آئیں اور خلیفہ کے دربار میں پہنچیں تو خلیفہ کا پہلا سوال یہ تھا کہ اس شعبان میں تم کہاں چلی گئی تھیں' میرے دربار میں کیوں نہیں آئیں؟

انھوں نے جواب دیا: اس سال ہماری مالکہ جو ہماری نگران ہے اس نے کہا تھا کہ تین شعبان کو ہم کربلا جا کر اپنے امامؑ کے روضہ کی زیارت کریں گی۔ اس لیے اس سال ہم سب کی سب کربلا میں چلی گئی تھیں اور ہم نے شعبان کا یہ عرصہ کربلا میں گزارا۔

بس!

یہ سننا تھا کہ متوکل عباسی غصے کی حالت میں اُٹھا اور کہا: اچھا! کربلا والے کی یہ مجال کہ میرے پاس آنے والوں کو وہ اپنے پاس بلاتا ہے' اب میں اس کربلا ہی کو نہ رہنے دوں گا تاکہ بعد میں ایسا کوئی مسئلہ ہی کھڑا نہ ہونے پائے۔

لوگوں کا کہنا تھا کہ گانے والیوں کے اس فعل کی بنا پر متوکل کھڑا ہوا۔ لیکن حقیقت میں متوکل پہلے ہی سے امامؑ کی قبر کے نشان کو مٹانے کے درپے تھا۔ ۲۳۶ ہجری میں تو گانے والیاں بہانہ تھیں لیکن ۲۴۷ ہجری میں تو کوئی وجہ نہ تھی اور اس وقت بھی اس نے قبر امامؑ پر حملہ کرایا تھا۔

روایت میں ہے کہ اس نے حکم جاری کر دیا کہ امامؑ کی قبر کے چاروں طرف پھیرے لگا

دیے جائیں اور کسی شخص کو وہاں جانے کی اجازت نہ دی جائے اور اگر کوئی آئے تو فوراً اسے قتل کر دیا جائے۔

حکومت نے کچھ تختیاں بھی لگا رکھی تھیں جن پر لکھا ہوا تھا کہ اگر کوئی امامؑ کی قبر کی زیارت کے لیے جانا چاہتا ہے تو اس کو اپنا ایک ہاتھ کٹوانا پڑے گا۔

(لیکن عشقِ حسینؑ دیکھئے کہ) لوگوں نے جوق در جوق اپنے ہاتھ پیش کر دیے کہ امامؑ کے روضہ کی زیارت کے لیے ہاتھ کیا چیز ہے ہماری جانیں بھی حاضر ہیں۔

اب متوکل نے دیکھا کہ کثیر تعداد میں مومنین ہاتھ کٹوا رہے ہیں لیکن امامؑ کے روضہ کی زیارت سے نہیں رُک رہے تو اس نے دوسرا حکم جاری کیا کہ اب بھی اگر کوئی جانا چاہے تو اس کا ہاتھ بھی کاٹو اور پاؤں بھی کاٹو۔

ہاتھ بھی کاٹا گیا' پاؤں بھی کاٹا گیا لیکن تعداد میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔

کچھ علما نے یہ لکھا ہے کہ متوکل نے تیسرا حکم یہ جاری کیا کہ اب اگر کوئی امامؑ کی زیارت کے لیے جانا چاہے تو اس سے کہو کہ وہ اپنے ساتھ ایک شخص کو لے کر آئے۔ پہلے ایک شخص قتل کیا جائے گا تب دوسرے کو جانے کی اجازت ملے گی۔

روایت میں ہے کہ تعداد میں پھر بھی کمی نہ آنے پائی۔ تعداد بڑھتی ہی چلی گئی' ہر شخص اپنے ساتھ ایک اور شخص کو لے کر آتا تھا اور دوسرا ساتھی امامؑ (کے زائر) کی خاطر اپنی جان قربان کر دیتا تھا۔

متوکل نے جب دیکھا کہ اس سے بھی کام نہیں چل رہا اس نے حکم جاری کر دیا کہ اب کسی بھی انسان کو امامؑ کی قبر پر آنے کی اجازت نہ دی جائے۔

اب اس نے پابندی لگا دی' پابندی لگانے کے بعد اس نے اپنی فوج کے ایک سپاہ سالار کو جو ایک یہودی تھا لیکن بعد میں اسلام لے آیا تھا' حکم دیا کہ اب تم کوفہ والوں کو بلا کر لاؤ اور امامؑ کی قبر کو کھود دو اور امامؑ کے جسدِ مبارک کو نکال کر نذرِ آتش کر دو (معاذ اللہ)۔

حکم جاری ہوا لیکن روایت میں ہے کہ امامؑ کی قبر سے اتنی کثرت سے معجزات صادر

ہوئے کہ شیعوں کی تعداد ان معجزات کو دیکھتے ہوئے ڈگنی ہوگئی۔

روایت میں یہ بھی ہے کہ جب یہ کوفہ میں گیا تو ایک شخص بھی اس کے ساتھ چلنے کو تیار نہ ہوا۔

اس نے حکم دیا کہ سب کو قتل کر دیا جائے۔

لوگوں نے کہا: اگر تم ہمیں قتل بھی کر دو تو پھر بھی ہم اس قبر کی حفاظت ہی کریں گے۔

یاد رکھو!

تم سب کو قتل کر سکتے ہو لیکن اس قبر کو ختم نہیں کر سکتے۔ اس نے جب یہ جملے سنے تو ایک مرتبہ واپس چلا۔

روایت میں ہے: کوفہ والوں نے فوج تیار کی کہ ہمیں مقابلہ کرنا ہے اور کسی صورت میں بھی اسے قبر امامؑ کو ہاتھ نہیں لگانے دینا لیکن بعد میں اس نے ظلم اور بڑھا دیا اور کوفہ والوں کو اپنا ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔

بہرحال!

اب یہاں پر یہ یہودی سپاہ سالار آگے بڑھا اور اس نے کہا: میں قبر امامؑ کو کھودوں گا۔

قبر پر جو صندوق رکھا ہوا تھا' صندوق کو نکال کر پہلے تو اسے جلا دیا گیا۔ اس کے بعد ایک روایت تو یہ ہے کہ واقعا اس نے قبر امامؑ کو شق کیا' قبر امامؑ کو کھودا' نیچے گیا' قبر تک پہنچا' امامؑ کے جسد مبارک کو دیکھا اور وہ بوریا بھی دیکھا جو تدفین کے وقت بنی اسد والوں نے لا کر امامؑ کے نیچے بچھایا تھا۔ اب پتا نہیں قبر کے اندر کیا اس کے ساتھ گزری۔ روایت میں ہے کہ یہ چیختا ہوا اور روتا ہوا قبر سے باہر نکلا اور باہر نکلتے ہی پہلا کام اس نے یہ کیا کہ اپنا استعفیٰ لکھ کر خلیفہ وقت کو بھجوا دیا کہ میں مرنے کے لیے تیار ہوں لیکن مجھے یہ گوارا نہیں کہ میں امامؑ کے پاک جسم کو اپنا ناپاک ہاتھ لگاؤں۔

روایات میں ہے کہ خلیفہ نے اسے طلب کیا' طلب کرنے کے بعد قتل کیا اور قتل کرا کے اس کی لاش کو سامرہ کی گلیوں میں گھمایا گیا۔ لیکن پتا نہیں وہ قبر کے اندر کیا دیکھ کر آیا تھا کہ اس

نے ہر مصیبت کو برداشت کیا مگر امامؑ کے جسدِ مبارک کی توہین کرنا گوارا نہ کی۔

یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے کیا معجزہ دیکھا ہوگا لیکن روایت میں ہے کہ اس کے بعد کسی نے قبر کو تو ہاتھ نہیں لگایا۔ البتہ متوکل نے حکم دیا کہ تم یہاں سے نہر کو گزار دو اور ایک روایت میں ہے کہ خدا کی مصلحت اس وقت یہ تھی کہ نہر گزر جائے۔ چناں چہ قبر امامؑ پر سے نہر گزری اور چند سالوں کے لیے قبر امامؑ دریائے فرات کے نیچے پوشیدہ رہی۔

کچھ روایات میں ہے کہ نہر امامؑ کی قبر تک نہ پہنچ سکی بل کہ وہاں جا کر رُک گئی۔

اس دور میں جس وقت یہ مظالم ہو رہے تھے زید اور بہلول دونوں موجود تھے اور انھوں نے تمام اسلامی دنیا میں پھر کر یہ مشن شروع کیا تھا کہ لوگوں کو بیدار کیا جائے کہ امامؑ کی قبر کا تحفظ کرو۔ اس کے بعد لوگوں نے دوبارہ قبر امامؑ کو دریافت کیا۔

کس طرح دریافت کیا؟

ابوالحسن شعبانی یہ نقل کرتا ہے: جب چاروں طرف پابندیاں اور پہرے لگ گئے تو ایک مرتبہ میں دل میں یہ ٹھان کر نکلا کہ مجھے تو حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضہ کی زیارت کرنا ہے چاہے موت ہی کیوں نہ آ جائے۔ میں رات کی تاریکی میں چل رہا تھا کہ بغداد کا ایک عطار (عطر بیچنے والا) میرے ساتھ شامل ہو گیا۔ ہم دونوں چلتے چلتے جب اس مقام پر پہنچے جہاں پر پہرہ لگا ہوا تھا تو ہم لوگ زمین پر رینگتے ہوئے اس طرح آگے بڑھے کہ رات کی تاریکی کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے پہرہ داروں کے بیچ سے نکل گئے اور امامؑ کی قبر مبارک تک پہنچ گئے۔ وہاں پہنچنے کے بعد اس عطار (عطر بیچنے والے) نے ایک مرتبہ ایسی خوش بو سونگھی کہ عطار کہنے لگا: یہ ایسی خوش بو ہے جو میں نے آج تک دنیا میں نہیں دیکھی۔ پتا نہیں یہ کہاں کی خوش بو ہے جو قبر مبارک میں سے نکل رہی ہے۔ ہم نے قبر پر چار نشان لگائے اور اس کے بعد واپس آ گئے۔ بعد میں قبر پر نہر جاری ہو گئی اور کچھ عرصہ کے بعد متوکل عباسی کی توجہ اس طرف سے ہٹی تو لوگوں نے نہر کو روکا اور دوبارہ انھیں نشانات پر قبر تیار کی گئی اور بعد میں دسویں امامؑ سے اس کی تصدیق کرائی گئی۔

۲۴۷ ہجری میں متوکل کو دوبارہ یہ جنون پیدا ہوا کہ میں قبر امامؑ کو تباہ کر کے رہوں گا۔ یہ خیال اس کے ذہن میں آیا اور ایک مرتبہ پھر اس نے حکم جاری کیا کہ قبر پر سے نہر کو گزار دیا جائے تو روایتیں یہ ہیں کہ یہ واقعہ دوسری مرتبہ پیش آیا۔

وہ روایتیں جن میں ہے کہ پہلی مرتبہ بھی نہر جاری نہ ہو سکی اور دوسری مرتبہ بھی نہر جاری نہ ہو سکی۔ نہر کا پانی بہتا چلا آ رہا تھا مگر ایک مرتبہ بہتے بہتے پانی کھڑا ہو گیا اور اس طرح سے کھڑا ہو گیا کہ ایک بوند پانی کی آگے جانے سے انکار کر رہی تھی۔ چاروں طرف پانی ہی پانی تھا لیکن بیچ میں قبر امامؑ تھی جہاں پانی کی ایک بوند بھی نہیں پہنچ رہی تھی' آج تک اس مقام کا نام حائر حسینیؑ ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں آ کر پانی بھی حیران ہو گیا۔

اس سے پہلے متوکل امامؑ کی قبر پر بیلوں کے ذریعے ہل چلا کر زراعت کی کوشش بھی کر چکا تھا لیکن وہاں بھی یہی واقعہ پیش آیا تھا کہ جب بیل چلے تمام میدانِ کربلا میں تو چلتے چلتے جب اس مقام پر پہنچے جہاں سے شہیدوں کی قبریں شروع ہو رہی تھیں۔ امامؑ کی قبر کے قریب بیل پہنچے تو انھیں اتنا مارا گیا کہ بیل مر گئے لیکن اپنے مقام سے ایک قدم آگے نہ بڑھایا اور یہ بتا دیا کہ امامؑ کی امامت محض انسانوں کے لیے ہی نہیں بل کہ جانور بھی امامؑ کی امامت کی معرفت رکھتے ہیں۔ جانور تو پھر بھی جان دار ہیں' اس پانی پر غور کرو جو امامؑ کی قبر پر نہ گیا (صلواۃ)۔

یہی سبق تو تھا کہ متوکل عباسی جتنی توجہ امامِ مظلومؑ کی قبر کو مٹانے پر دے رہا تھا اتنی ہی تاکید ہمارے دسویں امامؑ مومنوں کو امامؑ کی قبر کی زیارت کرنے کے لیے کر رہے تھے۔

حج کے مسائل میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر جان کو خطرہ ہے تو حج پر نہ جاؤ لیکن امامؑ کی زیارت کے سلسلے میں ائمہؑ نے حکم دیا کہ اگر جان کو خطرہ بھی ہے تو پھر بھی قبر حسینؑ کی زیارت کے لیے ضرور جاؤ۔

بہر حال!

اب متوکل امامؑ کی قبر کو تباہ کرنے میں ناکام ہو گیا لیکن اس نے اپنے مظالم میں اضافہ

کر دیا۔

خلاصہ صرف یہ ہے کہ ۲۳۴ ہجری میں متوکل نے امامؑ کو بڑا عاجزانہ خط لکھا: یا بن رسولؐ اللہ! مدینے میں آپؑ کی کون قدر کرے گا؟ یہ دارالخلافہ ہے' آپؑ یہاں آیئے' آپؑ کے آنے سے یہاں کی رونق بڑھے گی اور ہم فرزندِ رسولؐ کی زیارت کر کے رسولؐ اکرم کی برکت حاصل کریں گے۔ اگر آپؑ چاہیں تو اس سے بڑھ کر ہمارے لیے اور کوئی سعادت نہیں ہو سکتی۔

اس نے ایک فوج کا دستہ تیار کر کے اس کے سپاہ سالار کو یہ خط دیا اور کہا کہ امامؑ کو لے آؤ اگر ذرا بھی انکار کریں تو ان کو زبردستی لے آؤ۔

سپاہ سالار پہنچا' خط پیش کیا' امامؑ نے خط پڑھا اور امامؑ جان گئے کہ اب کس چیز کا وقت ہے' چناں چہ امامؑ تیار ہوئے۔

چودہ سال میں امامؑ وہ کام کر گئے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ امامؑ یہ بات ذہن میں رکھ کر چلے کہ اب مدینے میں تو علومِ آلِ محمدؐ پھیل گئے ہیں۔ مومنوں کو غیبت کی تیاری بھی کرانا ہے اور اس کے بعد سامرہ جا کر وہاں کے ترکوں کو صحیح معنی میں اِسلام کی تصویر بھی دکھانا ہے۔

عربوں کو اِسلام کی تصویر ہمارے سات ائمہؑ نے دکھائی۔ ایرانیوں کو اِسلام کی تصویر ہمارے آٹھویں اور نویں امامؑ نے دکھائی۔ لیکن اب ترکوں کو جا کر بتانا ہے کہ اِسلام وہ نہیں جو متوکل کے دربار میں ہے بل کہ اِسلام وہ ہے جو آلِ محمدؐ کے پاس ہے۔ یہ سبق ترکوں کو دینا ہے۔

روایات یہ بتاتی ہیں کہ اس کے بعد ترک مومن بنے اور اتنے پکے مومن بنے کہ مسلمانوں کی جو بڑی بڑی حکومتیں جو قائم ہوئیں وہ سب ترک مومنین نے قائم کیں۔ یہاں تک کہ ایران میں شیعیت کو بھی یہی ترک لے کر آئے۔ یہ دسویں اور گیارھویں امامؑ کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔

عربوں کو سات اماموںؑ نے تربیت دی' ایرانیوں کو دو اماموںؑ نے تربیت دی اور دسویںؑ اور گیارھویں امامؑ نے ترکوں کو سامرہ جا کر تربیت دی جو ترکوں کا مرکز ہے۔

اب تربیت کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ مدینے میں سے ترکوں کا ایک قافلہ گزر رہا تھا۔ روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ امامؑ اپنے ایک صحابی سے کہتے ہیں کہ چلو ذرا چل کر اس قافلے کو بھی دیکھیں' خلیفہ کی فوج سے بھی ملاقات کریں۔

خیر!

امامؑ ترکوں کے قافلے کے پاس پہنچے تو ایک ترک سپاہی گزر رہا تھا' اس نے امامؑ کی طرف دیکھا' پتا نہیں اس کو امامؑ کے چہرۂ اقدس پر کیا نظر آیا کہ اس نے امامؑ کو سلام کیا۔ امامؑ نے اس کے سلام کا جواب دینے کے بعد اس سے گفتگو کرنا شروع کر دی۔

راوی کہتا ہے: میں حیران ہو گیا کہ امامؑ نہ کبھی کسی ترک کے پاس بیٹھے' نہ کبھی کسی ترک کے ملک میں گئے' نہ کسی ترکی سے مصاحبت اختیار کی لیکن اس طریقے سے اس سے ترکی زبان میں گفتگو کرتے جاتے تھے جیسے ہمیشہ سے اس زبان سے واقف ہوں اور میں نے دیکھا کہ جب امامؑ نے پہلا ہی جملہ کہا تو وہ ترک امامؑ کے قدموں میں گر پڑا۔ جب امامؑ اپنی گفتگو ختم کر کے چلے گئے تو میں نے اس ترک سے پوچھا: اے ترک تُو نے اس شخص کو اپنی زبان میں باتیں کرتے ہوئے کیسا پایا؟

اس نے کہا: مجھے بالکل ایسا لگ رہا تھا کہ میں اس سے گفتگو کر رہا ہوں کہ جس نے آج تک ترکی کے علاوہ کوئی زبان بولی ہی نہیں۔

میں نے اس سے سوال کیا: اے شخص! تُو مجھے یہ بتا کہ تُو اس کے قدموں پر کیوں گرا تھا؟

اس نے کہا: میں حیران ہو گیا تھا کہ آج تک میں مدینہ آیا نہیں اور یہ شخص آج تک کبھی ہمارے ملک میں گیا نہیں لیکن اس نے میرا وہ نام لے کر مخاطب کیا ہے جس نام سے میرا باپ مجھے بچپن میں پکارا کرتا تھا اور بچپن سے لے کر آج تک کسی کو بھی میرے اس نام کا پتا نہیں تھا۔

اس لیے میں حیران ہوا کہ اس کو میرے نام کا پتا کیسے چلا؟؟

یہ امامؑ کا ایک معجزہ ہے!

ایک معجزہ تو یہی کہ اس راستے کی طرف آنے کے لیے امامؑ کا یہ ہے کہ امامؑ کے ایک صحابی بیٹھے ہیں، امامؑ نے حبشی زبان میں اس سے گفتگو شروع کر دی۔

اس شخص نے کہا: یابن رسول اللہ! میں تو عربی زبان کے علاوہ کوئی زبان جانتا ہی نہیں۔

امامؑ نے فرمایا: اچھا! یہ بات ہے۔ یہ سنگ ریزہ اٹھاؤ اور اُٹھا کر اپنے منہ میں رکھ لے۔

وہ شخص کہتا ہے: میں نے جیسے ہی اس سنگ ریزے کو اپنے منہ میں رکھا اور کچھ دیر کے لیے منہ میں ہی رکھا۔ اس کے بعد امامؑ نے کہا: اب اس کو پھینک دو۔ اِدھر میں نے اس سنگ ریزے کو پھینکا اور اُدھر امامؑ نے مجھ سے حبشی میں بات کرنا شروع کی۔ میں بھی حبشی میں بولنے لگا اور مجھے ایسا لگا کہ بچپنے سے لے کر آج تک میں حبشی ہی بولتا آیا ہوں۔ اس کے بعد امامؑ نے دوسری زبان میں بات کی تو مجھے ایسا لگا جیسے یہ زبان میری ماں کی زبان ہے۔ یہاں تک کہ بہتر (۷۲) زبانوں میں امامؑ نے مجھ سے بیٹھے بیٹھے گفتگو کی اور ہر زبان مجھے ایسے محسوس ہوئی کہ جیسے میں بچپنے سے بولتا چلا آ رہا ہوں۔ میں حیران ہو کر سوچنے لگا کہ جو امامؑ ایک سنگ ریزے سے مجھ جیسے سے بہتر (۷۲) زبانیں بلوا سکتا ہے خود اس امامؑ کا علم کتنا ہوگا۔

بہرحال!

امامؑ ترکوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے، ترکوں کو محبت اہل بیتؑ کا پیغام دینے کے لیے، دوسری طرف مومنین کو غیبت میں رہنے کی عادت ڈالنے کے لیے اور تیسری طرف مومنین پر ظلم و ستم کم کرانے کے لیے دارالخلافہ کی جانب جانے کے لیے تیار ہو گئے۔

جب متوکل امامؑ کو خط لکھتا ہے تو یہ جملے کہہ کر امامؑ کو مخاطب کرتا ہے کہ آپؑ آ جائیے آپؑ کے آ جانے سے ہمارے دربار کی رونق بڑھ جائے گی۔ لیکن جب امامؑ سامرہ میں پہنچے اور متوکل کو اطلاع ہوئی تو اس نے کہا: جاؤ امامؑ کو کسی ٹوٹے پھوٹے مکان میں جا کر ٹھہراؤ اور

یہ وہ محلہ تھا جہاں بُرے لوگوں کی کثرت تھی۔

خیر!

امامؑ کو اس محلے میں ایک ٹوٹے پھوٹے مکان میں ٹھہرایا گیا لیکن امامؑ کے محب نے کچھ اس قسم کا کام کیا کہ امامؑ کو وہاں پر خلیفہ وقت نے ایک انتہائی بہترین مکان تعمیر کر دیا۔

اب امامؑ سامرہ میں ہیں اور حکومت وقت بڑی دیر سے انتظار کر رہی تھی کہ ہم نے ان کے علم کو ختم کرنا چاہا لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ لہٰذا اب امامؑ کے تقویٰ کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہ چھٹی سازش تھی۔

وہ پانچ سازشیں تو نویں امامؑ تک کے خلاف کی گئیں:

① تلوار ② گم نامی ③ قید خانہ

④ حکومت کی ولی عہدی کا لالچ ⑤ امامؑ کو اپنے جیسا بنانا

اب چھٹی سازش دسویں امامؑ کے ساتھ ہو رہی تھی۔ حکومت کو پتا تھا کہ علم کے معاملے میں تو اب ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ متوکل عباسی جیسے ظالم ترین بادشاہ کو بھی علمی مسائل کے حل کے لیے بار بار امامؑ کے آگے جھکنا پڑا اور کوئی مسئلہ آ جاتا تو امامؑ سے حل کروانا پڑتا مثلاً قیصر روم نے ایک مرتبہ متوکل عباسی کو خط لکھا اور خط میں یہ لکھا کہ میں نے اپنی کتابوں میں بھی پڑھا ہے اور اپنے بزرگوں سے بھی سنا ہے کہ آسمانی کتابوں میں سے ایک کتاب ایسی ہے، جس کے ایک سورہ میں سات حروف نہیں ہیں اور وہ سات حروف یہ ہیں:

① ث ② ج ③ خ ④ ز ⑤ ش ⑥ ظ ⑦ ف

جو ایک مرتبہ اس سورہ کو پڑھ لے گا اس کے لیے جنت کا حصول یقینی ہو جائے گا۔

اس نے لکھا تھا کہ میں نے اپنی تمام کتابوں کو دیکھا، اپنے تمام علما سے دریافت کیا لیکن کوئی بھی اس کا جواب نہ دے سکا اور ہماری کسی کتاب میں نہیں ہے۔ اگر تمہاری کسی کتاب میں

موجود ہو تو ہمیں بتاؤ۔

علمائے اسلام ایک سو چودہ سورتوں کی ورق گردانی کرنے لگے۔ لیکن کسی کی سمجھ میں بات نہ آئی اس لیے کہ ساتھ ساتھ قیصر روم کا یہ جملہ بھی کہ یہ بھی بتانا کہ آخر کیوں یہ الفاظ اس سورہ کے اندر داخل نہیں کیے گئے۔ آخر متوکل عباسی نے دسویں امامؑ کو خط لکھا کہ یا ابن رسولؐ اللہ! اس مسئلے کو آپؑ ہی حل کیجیے کہ وہ کس کتاب کا کون سا سورہ ہے؟

امامؑ نے ارشاد فرمایا: وہ ہماری کتاب قرآنِ مجید کا سورۂ حمد ہے۔ جس میں یہ سات حروف نہیں ہیں۔

متوکل عباسی نے یہ بھی کہا: یا ابن رسولؐ اللہ! یہ بھی بتایئے کہ یہ سات حروف اس سورہ میں کیوں استعمال نہیں ہوئے؟

امامؑ نے جواب دیا: یہ ساتوں کے ساتوں حروف وہ ہیں جن میں عذاب کا یا خدا کے غضب کا شائبہ موجود ہے اور سورۂ حمد رحمت کا سورہ ہے وہاں پر ایسے حروف کا استعمال مناسب نہ تھا اس لیے خدا نے ان حروف کو استعمال نہ کیا۔

امامؑ نے مزید فرمایا:

''ث'' سے مراد ثبور ہے اور ثبور کے معنی ہلاکت اور تباہی کے ہیں۔

''ج'' سے مراد جحیم ہے یعنی جہنم اور جہنم کا مطلب ہی یہ ہے کہ ہر وہ مقام کہ جہاں ہر انسان جانے سے ڈرتا ہے۔

''خ'' کا مطلب خسران ہے یعنی نقصان جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

(سورۂ مبارکہ عصر، آیات ۱ تا ۳)

''عصر کی قسم! تمام انسان نقصان میں ہیں مگر وہ صاحبانِ ایمان ہیں۔''

نقصان کسی مومن کو نہیں ہو سکتا۔

"ز" سے مراد زخوم ہے اور زخوم ایسا پودا ہے جس پر کانٹے ہوتے ہیں۔ جب جہنم والے کہیں گے کہ ہمارے لیے کھانا لاؤ تو اس وقت ان کے لیے یہی کانٹے دار پودا فراہم کیا جائے گا جس کو وہ کھائیں گے تو ان کے حلق میں پھنس جائے گا اور وہ تکلیف میں تڑپیں گے۔

"ش" کا مطلب شقاوت، ظلم، سنگ دلی ہے۔

"ف" سے مراد فرقت ہے۔

امامؑ نے ان پورے سات حروف کا تذکرہ کر کے بتایا کہ دیکھو تمھاری سازش یہ تھی کہ تم لوگوں کو ہم سے علم حاصل کرنے سے روکو مگر آج وہ دن آ گیا کہ خود تمھیں آ کر مسائل حل کرانا پڑ رہے ہیں۔ علمی میدان میں تم نے جو روکنے کی کوشش کی اس میں تم ناکام ہو گئے۔

بہرحال!

اب انھوں نے امامؑ کے تقویٰ پر حملہ کرنا چاہا اور دو طرح سے یہ حملہ کیا۔

اب اتنا وقت نہیں ہے مگر ایک بات بتائے دیتا ہوں وہ یہ کہ بغداد والے امام رضاؑ کا نام بہت اچھی طرح جانتے تھے اس لیے نویں امامؑ بھی ابن الرضاؑ کہلاتے تھے اور دسویں امامؑ بھی ابن ابن الرضاؑ کہلاتے تھے اور آٹھویں امامؑ کی تمام اولاد کو تمام کے تمام عرب والے ابن الرضاؑ کہا کرتے تھے اور امام علی رضاؑ کی اولاد میں ایک موسیٰ تھے جو آٹھویں امامؑ کے پوتے ہیں اور یہ بڑے رنگین مزاج قسم کے انسان تھے۔

متوکل عباسی نے کہا: کسی طرح انھیں دربار خلافت میں بلایا جائے اور بلا کر سامرہ میں رکھا جائے اور ان کی شہرت پھیلا دی جائے کہ ابن الرضا آئے ہیں۔ جب اتنا شور مچائیں گے تو تمام سامرہ ان کو دیکھے گا اور جب ان کو دیکھ کر ان کے کردار کو دیکھے گا تو لوگ یہی کہیں گے کہ سارے ابن الرضا ایسے ہی ہوتے ہیں۔ چناں چہ خود بہ خود دسویں امامؑ بدنام ہو جائیں گے۔

جب دسویں امامؑ کو اطلاع ملی تو دسویں امامؑ نے جا کر منع کیا کہ دیکھو تم سامرہ میں داخل تو ہو رہے ہو لیکن خلیفۂ وقت کی باتوں میں نہ آنا بل کہ فوراً نکل جانا ورنہ تمھاری وجہ سے

پورا خاندانِ رسالتؑ بدنام ہو جائے گا۔ موسیٰ نے امامؑ کی کوئی بات نہ مانی۔ البتہ اللہ کے حکم سے متوکل اس سے پہلے ہی ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد دو یا تین سال امامؑ کو ملے۔

شہادت:

آخرکار تین رجب ۲۵۴ ہجری میں معتز باللہ نے' جو متوکل کا چچازاد بھائی تھا' دسویں امامؑ کو زہر دیا اور امامؑ اسی زہر کے اثر سے شہید ہو گئے اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے غسل و کفن دیا اور سامرہ ہی میں امامؑ کو دفن کیا گیا۔

.......✹.......

تیرھویں معصومؑ

حضرت امامِ حسن عسکری علیہ السلام

مشخصات

اسم مبارک	:	حسنؑ
لقب	:	ابن الرضاؑ، عسکری اور ہادی وغیرہم
کنیت	:	ابو محمدؐ
والد ماجد	:	حضرت امام علی نقی علیہ السلام
والدۂ ماجدہ	:	حضرت حدیثہ خاتون سلام اللہ علیہا
ولادت باسعادت	:	۱۰ ربیع الثانی ۲۳۲ ہجری بروز جمعہ مدینہ طیبہ
شہادت	:	۸ ربیع الاوّل ۲۶۰ ہجری
عمر مبارک	:	۲۸ سال
ازواج	:	حضرت ملیکہ (نرجس خاتونؑ) خاتون سلام اللہ علیہا
اولاد	:	حضرت امامِ زمانہ عج اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف
قبر مطہر	:	سامرہ

......✷......

سیرتِ امامِ حسن عسکری علیہ السلام

آج ہمارا سلسلۂ گفتگو اس مرحلے پر آ پہنچا ہے کہ جہاں سے اپنے زمانے کے امامؑ کی معرفت کا آغاز ہو رہا ہے۔ اگرچہ آئندہ کی دو تقاریر جو ہماری آخری تقاریر ہوں گی، اس سلسلے میں اور بھی امامِ زمانہؑ سے متعلق ہوں گی۔ لیکن آج درحقیقت سیرتِ معصومینؑ کے سلسلے کے پہلے حصّے کا اختتام ہے آج جس امامؑ کا تذکرہ ہے اس امامؑ ہی کے دور سے ہمیں غیبتِ امامؑ کا عادی بنایا جا رہا ہے اور اس اعتبار سے گیارھویں امامؑ کا دور اہم ترین دور ہے۔

ہمارے گیارھویں امامؑ کی ولادت دس ربیع الثانی ۲۳۲ ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی اور اس وقت سلسلۂ امامت میں سے صرف دسویں امامؑ حیات تھے۔

بعض علمانے جن میں علامہ محمد باقر مجلسی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں انھوں نے آٹھ ربیع الثانی کی تاریخ بھی تحریر فرمائی ہے۔ آٹھ ربیع الاول ۲۶۰ ہجری میں سامرہ میں امامؑ کی شہادت واقع ہوئی۔

ہمارے گیارھویں امامؑ کی عمر اٹھائیس (۲۸) سال تھی۔ جن میں بائیس سال وہ تھے جو دسویں امامؑ کی ولایت میں گزرے۔ ۲۳۲ ہجری میں ولادت ہوئی اور تین رجب ۲۵۴ ہجری تک دسویں امامؑ حیات رہے اور گیارھویں امامؑ اپنے والد کی امامت میں زندگی گزار رہے ہیں اور تین رجب ۲۵۴ ہجری سے آٹھ رجب ۲۶۰ ہجری تک قریب قریب چھے سال وہ عرصہ ہے جو ہمارے گیارھویں امامؑ کی امامت کا زمانہ قرار پاتا ہے۔ سب سے کم امامت کا عرصہ گیارھویں امامؑ کا ہے اور عمر مبارک نویں امامؑ کے بعد سب سے مختصر ہے۔

نام:

گیارھویں امامؑ کی ولادت کے بعد آپؑ کا نام حسنؑ رکھا گیا اور یہ سلسلۂ معصومینؑ میں دوسرے حسنؑ ہیں۔

ایک ہمارے دوسرے امام حسنؑ ابن علی علیہ السلام ہیں۔

دوسرے ہمارے گیارھویں امام حسنؑ ابن علیؑ ابن محمدؑ ہیں۔ روایت سے یہ ظاہر ہوتا

ہے کہ جب گیارھویں امامؑ کی ولادت ہوئی تو اس وقت دسویں امامؑ نے ارشاد فرمایا: مجھے پیغمبرؐ اسلام کی طرف سے یہ حکم پہنچا ہے کہ اس پیدا ہونے والے بچے کا نام حسنؑ رکھوں۔

یہ روایت بہت مشہور ہے کہ امام زمانہؑ کے والد کا نام حسنؑ ہوگا۔

گیارھویں امامؑ کا نام وہ نام ہے جو پیغمبرؐ اسلام کے حکم سے رکھا گیا۔

کنیت:

گیارھویں امامؑ کی کنیت ابو محمد ہے۔ ابو محمد بھی ہمارے دو اماموں کی کنیت ہے۔

گذشتہ تقریر میں یہ کنیت کی بات آ رہی تھی۔ آپ میں سے جن کو اکثر مسائل کی، حدیث کی، تاریخ کی، اخلاقیات کی کتابیں پڑھنے کا اتفاق ہوتا ہے، اس اعتبار سے ان مسائل کو بھی حل کرتے چلیں تاکہ یہ گفتگو ہر لحاظ سے مکمل و اکمل ہو جائے۔

ہمارے یہاں تین ایسے کنیت کے سلسلے ہیں جن سے اختلاف پیدا ہو سکتا ہے:

① ابو محمد ② ابوالحسن ③ ابو عبداللہ

ابو عبداللہ کے سلسلے میں تو علما نے بہت ہی آسان معیار بتایا کہ جب مقتل یا مصائب کی کسی کتاب میں ابو عبداللہ کا ذکر آئے تو اس سے ہمیشہ تیسرے امام، امام حسین علیہ السلام مراد ہوتے ہیں اور جب کسی فقہی مسئلے میں، کسی اخلاق کتب میں یا حدیث کی کتابوں میں ابو عبداللہ کا نام آئے تو اس سے ہمیشہ چھٹے امام، امام جعفر صادق علیہ السلام کی ذات مراد ہوتی ہے۔

اسی طرح ابوالحسن ہمارے چار ائمہؑ کی کنیت ہے:

① حضرت امام علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام

② حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

③ حضرت امام علی رضا علیہ السلام

④ حضرت امام علی نقی علیہ السلام

تمام علما نے اس چیز پر اتفاق کیا ہوا ہے کہ روایات میں ابوالحسن کی کنیت کبھی امیرالمومنین علیہ السلام کے لیے استعمال نہیں کی جائے گی۔ البتہ ساتویں، آٹھویں اور دسویں امامؑ کو

ابوالحسن کی کنیت سے مخاطب کیا جاتا ہے اور پہچان کے لیے ساتویں امامؑ کو ابوالحسن اوّل، آٹھویں امامؑ کو ابوالحسن ثانی اور دسویں امامؑ کو ابوالحسن ثالث سے مخاطب کیا جاتا ہے۔

اسی طریقے سے ابومحمد بھی ہمارے دو ائمہؑ کی کنیت ہے:

① حضرت امام حسنؑ ابن علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام

② حضرت امام حسنؑ ابن علیؑ ابن محمد تقی علیہ السلام

یہ عجیب اتفاق ہے کہ دوسرے امامؑ کا نام بھی حسنؑ ہے اور گیارھویں امامؑ کا نام بھی حسنؑ ہے۔ دوسرے امامؑ کی کنیت بھی ابومحمد ہے اور گیارھویں امامؑ کی کنیت بھی ابومحمد ہے۔ دوسرے امامؑ کے والد کا نام بھی علیؑ ہے اور گیارھویں امامؑ کے والد کا نام بھی علیؑ ہے۔

یہ ابومحمد امامؑ کی کنیت ہے۔

لقب:

آپ کا ایک لقب ابن الرضا ہے۔

یہ آٹھویں امامؑ کا تاریخ میں حصّہ تھا کہ آٹھویں امامؑ اس حد تک عام مسلمانوں میں معروف ہو گئے تھے یہی وجہ تھی کہ آٹھویں امامؑ نے ولی عہدی کو قبول کیا اور اگرچہ عام مسلمان ایک اعتراض کرتے ہیں۔ آٹھویں امامؑ کو ایک ظالم بادشاہ کی ولی عہدی کو قبول نہیں کرنا چاہیے تھا لیکن یہ بتا دیا جائے کہ اگر آٹھویں امامؑ ولی عہدی کو قبول نہ کرتے تو شاید امامِ زمانہؑ کے اس دنیا میں آنے کا سبب پیدا نہ ہو سکتا۔

آٹھویں امامؑ کی کنیت کا اتنا چرچا ہوا کہ نویں امامؑ بھی ابن الرضا کہلائے، دسویں امامؑ بھی ابن الرضا کہلائے اور گیارھویں امامؑ بھی ابن الرضا کہلائے یعنی رضا کا بیٹا اور اس ایک خطاب کی وجہ سے ہر حکومت، ہر امامؑ پر، نویں، دسویں اور گیارھویں امامؑ پر براہِ راست ہاتھ ڈال کر شہید کرتے ہوئے بہت زیادہ گھبراتی رہی اور یہی وجہ ہے کہ ایک ساتویں امامؑ کا جنازہ بھی ہم نے دیکھا کہ بغداد کے پل پر لا کر رکھ دیا گیا اور عوام کو مجبور کیا گیا کہ امامؑ کی لاش کی توہین کریں اور امامؑ کو برا بھلا کہیں اور ایک یہ بھی ہمیں مقام ملتا ہے کہ آٹھویں امامؑ کے بعد پھر کسی

حکومت کو جرأت نہ ہو سکی کہ کسی امامؑ وقت کے لاشے کی توہین کرے بل کہ گیارھویں امامؑ کا جنازہ تو اتنی شان کے ساتھ اُٹھا کہ شاید اتنی شان کے ساتھ کسی امامؑ کا جنازہ نہ اُٹھا ہو۔

یہ جملہ ابھی آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گا لیکن جب آپ پوری تقریر سن لیں گے تو پھر آپ کو یہ اندازہ ہوگا کہ حکومت کس حد تک گیارھویں امامؑ سے خائف تھی۔ جب گیارھویں امامؑ کا جنازہ اُٹھا تو یہ پہلی مثال ملتی ہے کہ پورے سامرہ کے اندر ہڑتال ہو گئی' تمام لوگوں نے اپنی دُکانیں بند کر دیں' لوگ روتے' پیٹتے اور ابن الرضا' ابن الرضا کہتے ہوئے سڑکوں پر نکل آئے۔ اس کی وجہ صرف اور صرف آٹھویں امامؑ کا ولی عہدی کو قبول کر کے خاندانِ اہل بیتؑ کے نام کو لوگوں تک پہنچانا تھا۔

گیارھویں امامؑ کا نام حسنؑ اور کنیت ابو محمد تھی۔

والد:

آپؑ کے والد ماجد کا نام علیؑ تھا۔

آپؑ کی ولادت دس ربیع الثانی ۲۳۲ ہجری کو ہوئی اور آٹھ ربیع الاول ۲۶۰ ہجری کو آپؑ کی شہادت ہوئی۔

مقامِ ولادت مدینہ طیبہ اور مقامِ شہادت سامرہ ہے۔

والدۂ ماجدہ:

حضرت سلیل خاتون سلام اللہ علیہا اور حدیثہ خاتون سلام اللہ علیہا لکھا گیا ہے۔

سلیل خاتونؑ پر علما کا زیادہ اتفاق ہے۔

حضرت سلیل خاتونؑ جو ہمارے گیارھویں امامؑ کی والدۂ ماجدہ ہیں اور دسویں امامؑ کی زوجہ مطہرہ ہیں' ایک کنیز تھیں' جنھیں دسویں امامؑ نے خرید کر آزاد کر دیا تھا اور اس کے بعد ان سے نکاح کیا اور حضرت سلیل خاتونؑ ہی سے دسویں امامؑ کی نسل چلی تھی۔

حضرت سلیل خاتونؑ کے بارے میں دسویں امامؑ نے ارشاد فرمایا: سلیلؑ ہر آفت' ہر معصیت سے محفوظ اور ہر نجاست اور رجس سے پاک ہے۔

حضرت سلیل خاتونؒ کی شان اور عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ گیارھویں امامؑ کی شہادت کے بعد حضرت سلیل خاتونؒ جو گیارھویں امامؑ کی والدۂ ماجدہ ہیں اور امامِ زمانہ علیہ السلام کی دادی زندہ تھیں اور گیارھویں امامؑ اپنی شہادت کے وقت تمام امورِ امامت اپنی والدۂ محترمہ حضرت سلیل خاتونؒ کے حوالے کر گئے تھے۔

بعد میں کچھ لوگوں نے اعتراض کیا کہ امامؑ نے امامت کے اُمور ایک عورت کو کیسے عطا کر دیے؟

بارھویں امامؑ نے جواب بھیجا کہ اس پر تعجب نہ کرو اس لیے کہ جس طرح حضرت امام حسین علیہ السلام نے کربلا میں اپنی شہادت کے وقت تمام اُمور اپنی بہن حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے حوالے کر دیے تھے اسی طرح میرے والد ماجد نے اپنی شہادت کے وقت تمام اُمور میری دادی سلیل خاتونؒ کے حوالے کر دیے۔

جس عورت کو امامِ زمانہؑ حضرت زینبؑ کے برابر قرار دیں اس کی مثال حضرت زینبؑ سے دیں اس خاتونؒ کا کیا مقام اور کیا مرتبہ ہوگا؟

بہر حال!

یہ تو امامؑ کی والدہ کا تھوڑا سا تعارف تھا۔

اب آیئے امامؑ کی ذات کی طرف!

امامؑ کا زمانہ وہ زمانہ تھا کہ جب تمام حکومتیں چوکنا ہو چکی تھیں۔ لوگ پوری طرح متوجہ اور ہوشیار تھے۔ لوگوں کو پتا چل چکا تھا کہ سلسلۂ امامت دس مراحل تک پہنچ گیا ہے اور یہی وہ مقام ہے جس سے پہلے آپ کو کبھی یہ نظر نہ آئے گا کہ کسی امامؑ نے اپنی اولاد کو چھپا کر رکھا ہو بلکہ ہمیں تو یہ واقعات نظر آتے ہیں کہ جب چھٹے امامؑ سے کسی نے سوال کیا کہ آپؑ کا نائب کون ہوگا؟

چھٹے امامؑ نے ساتویں امامؑ کی طرف اشارہ کیا' ساتویں امامؑ نے آٹھویں امامؑ کی نشان دہی کی لیکن دسویں امامؑ کے دور میں یہ حالات سامنے آئے کہ امامؑ اپنی اولاد کو چھپا چھپا

کر رکھو رہے ہیں اس لیے کہ حکومت وقت بڑی دیر سے بڑے عرصہ سے مضطرب تھی۔ اب تک حکومت نے پوری کوشش کی کہ کسی طریقے سے ائمہؑ کے نام لوگوں کے ذہنوں سے مٹ جائیں، کسی طریقے سے ائمہؑ کو سیدھے راستے سے ہٹا کر ہم اپنے راستے پر لگالیں لیکن جب ہر طرف سے ناکامی ہوگئی اور دس اماموںؑ کا دور آ گیا تو اب پیغمبرؐ اسلام کی وہ حدیث جو اس وقت بھی مشہور تھی اور آج بھی مشہور ہے:

"میرے بعد میرے بارہ خلیفے ہوں گے جو سب کے سب قریش سے ہوں گے اور ان میں سے بارھواںؑ دنیا سے ظلم و جور کا خاتمہ کر کے تمام دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔"

......اب تک کی حکومتیں اتنی فکرمند نہیں تھیں ان کی کوشش یہ تھی کہ کسی طریقے سے ہم آلِ محمدؐ کو اپنے راستے پر لگا دیں۔ اس کے بعد اگر کوئی امامؑ پیدا ہوتا بھی ہے تو ہمیں گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ دراصل وہ ہمارے ہی راستے پر چل رہا ہوگا لیکن جب دسویں امامؑ کا زمانہ آ گیا اور دیکھا گیا کہ ہم نے آلِ محمدؐ کو گم نام رکھنا چاہا، ہم نے آلِ محمدؐ کو تلوار سے قتل کرنا چاہا، ہم نے آلِ محمدؐ کے علوم کو دبانا چاہا، ہم نے آلِ محمدؐ کو قید خانے میں رکھنا چاہا، ہم نے آلِ محمدؐ کو حکومت کا لالچ دینا چاہا اور ہم نے آلِ محمدؐ کو اپنے ماحول میں رکھ کر پانچ سال کے نویں امامؑ کو اذیت دینا چاہی۔

ان میں سے کسی ایک چیز کا بھی اثر نہ ہوا اور چلتے چلتے امامت کا سلسلہ دسویں امامؑ تک آ گیا تو اب حکومتوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ وہ اب گھبرانے لگیں کہ اب دسویں امامؑ جب آ چکے ہیں تو ان کے بعد گیارھویں اور پھر بارھویں امامؑ اور جب بارھویں امامؑ آئیں گے تو ہماری تمام حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا کیوں کہ ارشادِ پیغمبرؐ سے یہ بات ثابت ہے۔

اب وہ دور شروع ہوا کہ جہاں پر ائمہؑ کو ضرورت پیش آئی کہ اپنی اولاد کو چھپا کر رکھیں تا کہ کوئی دشمن نقصان نہ پہنچا سکے۔ چناں چہ روایات میں ہے کہ ۱۰ ربیع الثانی ۲۳۲ ہجری کو گیارھویں امامؑ کی ولادت ہوئی اور ۳ رجب ۲۵۴ ہجری کو جب گیارھویں امامؑ کی عمر بائیس

سال کی تھی تو اس وقت آپؑ کے والد ماجد دسویں امامؑ کی شہادت ہوئی۔ اس بائیس سال کے عرصے میں گنتے چنے آدمیوں نے گیارھویں امامؑ کو دیکھا تھا۔ اکثریت تو گیارھویں امامؑ کو دیکھ ہی نہ سکی اور اکثریت نے پہلی مرتبہ گیارھویں امامؑ کو آپؑ کے والدؑ کی شہادت کے بعد دیکھا تھا' گیارھویں امامؑ کو حکومت وقت سے اور حکومت وقت کے ماننے والوں سے اتنا پوشیدہ رکھا جا رہا تھا۔

کچھ روایات کے مطابق ۲۳۶ ہجری میں اور کچھ روایات کے مطابق ۲۴۶ ہجری میں جب دسویں امامؑ کو سامرہ بلایا گیا تو گیارھویں امامؑ بھی ان کے ساتھ سامرہ پہنچے اور سامرہ پہنچ کر گیارھویں امامؑ جن کی امامت سے امام زمانہ علیہ السلام کی امامت کا آغاز ہوتا ہے۔ پہلی مرتبہ ہمارے سامنے سامرہ میں اس وقت آئے جب بہلول داناؒ سے آپؑ کی ملاقات ہوئی اور وہ مشہور واقعہ آپ میں سے ہر ایک نے سنا ہوگا لیکن ذرا دیکھیں کہ گیارھویں امامؑ کا تاریخ نے پہلی مرتبہ تعارف کرایا۔ ایک مرتبہ گھر کے اندر ایک واقعہ پیش آیا تھا کہ دسویں امامؑ نماز ادا کر رہے تھے اور گیارھویں کھیلتے کھیلتے کنویں کے پاس چلے گئے اور کنویں میں گر گئے' گھر والوں نے رونا اور پیٹنا شروع کر دیا لیکن دسویں امامؑ اسی طرح اپنی نماز میں مشغول رہے کہ جیسے آپ کو پتا ہی نہ تھا کہ کیا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ جب نماز ختم ہوئی' گھر والوں کے رونے اور پیٹنے کو دیکھا تو سوال کیا کہ اتنا غم کس بات کا؟

گھر والوں نے بتایا کہ کھیلتے کھیلتے بچہ کنویں میں گر گیا ہے۔

دسویں امامؑ مسکرائے اور ایک مرتبہ ہاتھ بڑھایا' اِدھر دسویں امامؑ کا ہاتھ بڑھا' اُدھر کنویں کا پانی بلند ہونا شروع ہوا۔ یہاں تک کہ کنویں کا پانی کنویں کے منہ تک آ گیا اور دسویں امامؑ نے اپنے صاحب زادے کو پانی سے اُٹھایا۔ اس حالت میں کہ گیارھویں امامؑ پانی کے اوپر بیٹھ کر اطمینان سے کھیل رہے تھے۔ یہ تو گھر کے اندر کی بات ہے لیکن گھر کے باہر سب سے پہلا تعارف امامؑ کا بہلول داناؒ سے ہوتا ہے۔ وہ مشہور واقعہ جو ہر عالم و ذاکر گیارھویں امامؑ کی محفل میں پڑھتا ہے۔

بہلول دانا اور زید یہ دو آدمی تھے جو اپنے آپ کو پاگل ظاہر کر کے آلِ محمدؐ کے مشن کو پھیلانے کے لیے سامرہ آئے ہوئے تھے۔

جب کہ گیارھویں امامؑ پہلی مرتبہ متعارف ہو رہے تھے تو وہ متوکل عباسی کا زمانہ تھا اور وہ متوکل عباسی جس کا تذکرہ ہم نے گذشتہ تقریر میں کیا تھا اور گیارھویں امامؑ نے اس کے ان تمام مظالم کو دیکھا تھا جو اس نے دسویں امامؑ پر ڈھائے تھے وہ مظالم جو دسویں امامؑ پر ڈھائے گئے ان میں سے ایک سب سے بڑا ظلم یہ تھا کہ متوکل امامؑ سے گانے کی فرمائش کر رہا ہے۔

روایت میں ہے: اس نے امامؑ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے کہا: یا بن رسولؐ اللہ! ہمارا روزانہ گانا گانے والا آج غیر حاضر ہے کیا ہی اچھا ہو کہ آپؑ ہمیں گانا گا کر سنائیں۔

آپ ذرا اندازہ لگائیں کہ امامؑ سے کہا جا رہا ہے کہ آپؑ ہمیں گانا گا کر سنائیں تو آپ سوچیں کہ اس وقت امامؑ کے دل پر کیا گزری ہو گی لیکن ان مومنوں پر انتہائی افسوس ہے جو یہ کہتے ہیں کہ گانا شریعت میں حرام نہیں ہے جب کہ ہمیں تواتر کے ساتھ واقعات نظر آتے ہیں کہ ائمہؑ نے کس طرح گانے کی مذمت فرمائی۔

امامؑ نے جواب دیا: اے متوکل! ہم اور ہمارا خاندان اس چیز کو حرام اور گناہ سمجھتے ہیں۔

متوکل نے کہا: اچھا! پھر کچھ اشعار ہی سنا دیجیے۔

امامؑ نے اس کا بھی انکار کیا لیکن متوکل نے اصرار کیا۔

بہرحال!

امامؑ نے اشعار سنائے۔

آج چوں کہ دسویں امامؑ کی سیرت ہمارا موضوع نہیں ہے' اس لیے ہم یہ اشعار بیان نہیں کریں گے سوائے دو شعروں کے جو تاریخ میں مذکور ہیں۔

آخر امامؑ نے کون سے اشعار سنائے؟

امامؑ نے وہ اشعار پڑھے جن میں موت کا تذکرہ تھا' جن میں قبر کا تذکرہ تھا۔

امامؑ نے آخری شعر یہ بیان کیا کہ وہ لوگ جو تمام زندگی خدا کی نعمتوں کو کھایا کرتے

تھے آج کیڑے اور بچھو ان کے نرم و نازک جسموں کو کھا رہے ہیں۔

امامؑ جانتے تھے کہ تمام چیزوں سے زیادہ اثر کرنے والی چیز موت کا تذکرہ ہے۔ گویا موت کا تذکرہ سنت امامؑ بھی قرار پاتا ہے۔

اب روایت میں ہے: اتنا اثر ہوا کہ متوکل نے اپنے شراب کے جام کو اُٹھا کر دیوار پر دے مارا' شراب کا جام ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور وہ چیخ چیخ کر رونے لگا۔ تمام دربار کی کیفیت بدل گئی۔

یہ دسویں امامؑ کی زندگی ہے اور وہ گیارھویں امامؑ کی زندگی کہ بہلول جب سامرہ کی گلی سے گزرے تو چھوٹے سے بچے کو روتے ہوئے دیکھا' ایک مرتبہ گھبرا گئے۔ خیال یہ کیا کہ تمام بچے کھیل رہے ہیں جن کے پاس کھلونے موجود ہیں لیکن اس کے پاس کوئی کھلونا نہیں ہے اس لیے یہ رو رہا ہے۔

کہا: اے بچے! اگر تُو اس لیے رو رہا ہے کہ تیرے پاس کھلونا نہیں تو میں تیرے لیے کھلونے کا انتظام کرتا ہوں۔

اس بچے نے جواب دیا: اے شخص! ہم کھیلنے کے لیے پیدا نہیں کیے گئے ہیں۔

بہلولؒ نے ایک مرتبہ گھبرا کر سوال کیا: اگر کھیلنے کے لیے پیدا نہیں کیے گئے تو پھر کس لیے پیدا کیے گئے ہو؟

بچے نے کہا: ہم تو عبادت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔

بہلولؒ نے کہا: اے بچے! تُو نے یہ بات کہاں سے حاصل کی؟

بچے نے جواب دیا: اے شخص! کیا تُو نے قرآن نہیں پڑھا؟

قرآن تو پکار پکار کر کہہ رہا ہے:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ

"کیا تم نے یہ غلط خیال کر رکھا ہے کہ تم بے کار پیدا کیے گئے اور تمھیں پلٹ کر ہماری طرف نہیں آنا ہے؟" (سورۂ مبارکہ مومنون' آیت ۱۱۵)

بہلولؒ نے جب یہ معرفت بھرا جواب سنا تو ایک مرتبہ کہا: اے بچے! ذرا جلدی سے مجھے کوئی نصیحت کر۔

اس بچے نے کچھ اشعار پڑھے۔

امامؑ نے کون سے اشعار پڑھے؟

وہی اشعار جو دسویں امامؑ نے پڑھے' متوکل کے سامنے موت کے بارے میں' قبر کے بارے میں اور قیامت کے بارے میں۔

بہلولؒ نے جب یہ اشعار سنے تو وہ رونے لگا۔ اتنا رویا اتنا رویا کہ غش کھا کر زمین پر گر پڑا' تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو بہلولؒ نے کہا: اے بچے! تم پر تو ابھی کوئی عبادت واجب ہی نہیں ہوئی (پھر عبادت کے لیے اتنا بے چین کیوں ہے؟)

جواب دیا: اے شخص! تجھے نہیں پتا کہ میں نے اپنی مادر گرامی کو دیکھا ہے جب وہ چولہے میں آگ جلاتی ہیں اور بڑی لکڑیاں نہیں جلتیں تو وہ چھوٹی چھوٹی لکڑیوں کو ساتھ ملا کر ان کی مدد سے آگ جلاتی ہیں' میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میں جہنم کی چھوٹی لکڑی نہ قرار پاؤں۔

یہ ایک امامؑ کی کیفیت ہے' یہ ایک معصومؑ کی کیفیت ہے۔

آخر کیوں؟

ایک عجیب بات آپ کے خیال میں آئے گی کہ گیارھویں امامؑ نے اتنی کثرت کے ساتھ اپنے مومنوں کے کردار کے صحیح کرنے کی تاکید کی۔

بہرحال!

گیارھویں امامؑ ۲۵۴ ہجری میں عہدۂ امامت پر فائز ہوئے اور آپؑ کا لقب عسکری قرار پایا تھا۔

شاید آپ کے علم میں یہ بات نہ ہو کہ ہمارے دسویں امامؑ کا لقب بھی عسکری ہے اور ہمارے گیارھویں امامؑ کا لقب بھی عسکری ہے اور اس لیے سامرہ کو عسکریین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے تو ہمارے دسویںؑ اور گیارھویں امامؑ دونوں کا لقب عسکری ہے اور اس کی ایک وجہ تو علما

نے یہ بیان کی ہے کہ سامرہ کے جس محلے میں دسویں امامؑ اُترے تھے اس محلے کا نام عسکر تھا اس وجہ سے یہ لوگ عسکری کہلائے۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ جب دسویں امامؑ کو متوکل عباسی نے اپنی فوج سے خوف دلانا چاہا کہ اس نے ایک مرتبہ اپنی ۹۰ ہزار فوجیوں پر مشتمل سرخ فوج کو بلایا اور بلا کر ایک میدان سے گزرنے کا حکم دیا اور ہر فوجی کو حکم دیا کہ وہ اپنے تھیلے کو خاک سے بھر کر لائے اور خاک میدان میں ڈال کر آگے نکل جائے۔

نوے ہزار فوجی اپنے اپنے تھیلے کو مٹی سے بھر بھر کر لائے اور میدان میں ڈال کر آگے نکل گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد مٹی کا ایک پہاڑ کھڑا ہو گیا۔

پھر متوکل عباسی نے امامؑ کو مخاطب کر کے اس طرف اشارہ کیا۔ بتانا یہ چاہتا تھا کہ دیکھئے میری فوج کتنی کثیر ہے اگر آپؑ بغاوت کا خیال دل میں لائیں گے تو پوری فوج آپؑ کے مقابلے میں آجائے گی۔

روایت میں ہے کہ اس وقت امامؑ نے کھڑے کھڑے اپنی دونوں اُنگلیوں سے اشارہ کیا تو متوکل نے دیکھا کہ زمین سے آسمان تک ملائکہؑ ہی ملائکہؑ ہیں جو سب کے سب اپنے ہتھیاروں کو سنبھالے ہوئے حکم امامؑ کے منتظر کھڑے ہیں۔

ایک مرتبہ امامؑ یہ کہتے ہوئے اُترے کہ اے متوکل! یہ ہماری فوج ہے لیکن ہم اپنی فوج کو استعمال نہیں کرنا چاہتے۔

فوج کو عربی میں عسکر کہتے ہیں۔

تو کہ کی یہ فوج دکھانے کی وجہ سے دسویں امامؑ کا لقب عسکری مشہور ہوا اور وہی لقب گیارھویں امامؑ کا بھی ہو گیا۔ اس لیے کہ دسویں امامؑ کے مشن کو گیارھویں امامؑ نے آگے بڑھایا۔

احمد ابن اسحٰق یہ نقل کرتا ہے کہ جب دسویں امامؑ کی شہادت ہو گئی اور گیارھویں امامؑ عہدۂ امامت پر فائز ہوئے تو عجیب کیفیت میں امامؑ بنے کہ آپؑ کے امامؑ بنتے ہی لوگوں نے اعتراض کر دیا۔

روایت میں ہے: جب دسویں امامؑ کی شہادت ہوئی اور دسویں امامؑ کا جنازہ تیار کیا گیا تو گیارھویں امامؑ کے آنے کا پہلی مرتبہ شور ہوا اور یہ اطلاع ہوئی کہ اب گیارھویں امامؑ آنے والے ہیں' یہ اطلاع پاتے ہی لوگ متوجہ ہو گئے۔ لوگ چونک اُٹھے کہ اکثریت پہلی بار گیارھویں امامؑ کو دیکھ رہی تھی' گیارھویں امامؑ آئے' باپ کے جنازے کے قریب پہنچے اور اپنا گریبان چاک کیا۔

لوگوں نے اعتراض کرنا شروع کر دیا کہ یابن رسولؐ اللہ! یہ بے صبری آپؑ کو اچھی نہیں لگتی کہ آپؑ اپنے باپ کے جنازے پر گریبان چاک کر رہے ہیں۔

روایت میں ہے کہ جب گیارھویں امامؑ نے یہ سنا تو ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا: اگر میں نے گریبان چاک کیا تو کوئی غلط کام نہیں کیا بلکہ حضرت موسیٰؑ جو اللہ کے بڑے جلیل القدر پیغمبر تھے' جب اُن کے بھائی ہارون علیہ السلام کا انتقال ہوا تو ان کے انتقال کے موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا گریبان چاک کیا تھا۔ جب بھائی کے انتقال پر گریبان چاک کیا جا سکتا ہے تو باپ کے جنازے پر بطریق اولیٰ گریبان چاک کرنا جائز ہے۔

اس مختصر سے واقعہ کو بیان کر کے آپ کو صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ اس زمانے میں بھی کثرت سے ایسے مومن تھے کہ امامؑ اُن کے سامنے آ جاتے تو اعتراض کرنے سے باز نہ آتے تھے اور آج وہی کیفیت ہے کہ آج نائب امامؑ ہے تو نائب امامؑ پر اعتراض کرتے ہیں۔ اگر نائب امامؑ نہیں ملتا تو مسجد کے پیش نماز پر اعتراض' اگر پیش نماز نظر نہیں آتا تو محلے کے علما پر اعتراض۔ غرض یہ کہ بعض لوگوں کی فطرت ہی علما پر اعتراض کرنا ہے۔

احمد ابن اسحٰق کہتے ہیں: جب مجھے دسویں امامؑ کی شہادت کی اطلاع ملی اور گیارھویں امامؑ کی امامت کی اطلاع ملی تو میں چلا تاکہ میں چل کر اپنے گیارھویں امامؑ کی زیارت کر لوں۔

احمد ابن اسحٰق کے جملے ہیں کہ جب میں گیارھویں امامؑ کی زیارت کے ارادے سے چلا اور سامرہ پہنچا تو میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ گیارھویں امامؑ کہاں ہیں؟

پتا چلا کہ گیارھویں امامؑ جیسے ہی امامت کے عہدے پر فائز ہوئے ویسے ہی خلیفہ

معتز باللہ نے انھیں قید کر لیا ہے۔

میں نے پتا کرایا کہ گیارھویں امامؑ کس قید خانے میں قید ہیں؟ تو لوگوں نے مجھے بتایا اور میں پتا پوچھتے پوچھتے رات کی تاریکی میں وہاں پہنچا۔

وہاں پہنچنے کے بعد میں نے قید خانے کے داروغہ کو کچھ پیسے دیے تاکہ وہ کسی طرح سے میری بات امامؑ سے کرا دے۔

روایت میں ہے کہ احمد بن اسحٰق کہتا ہے: بڑی مشکل سے وہ راضی ہوا اور کہا: آج نہیں بل کہ کل رات آنا جب آدھی رات ہو جائے اور شہر سنسان ہو جائے تو تم تاریکی میں چھپ کر میرے پاس آنا۔

احمد ابن اسحٰق کہتا ہے: اگلے دن میں پہنچا تو وہ مجھے لے کر چلا اور لے جا کر ایسے مقام پر کھڑا کر دیا جسے میں دیکھ کر حیران ہو گیا' پریشان ہو گیا' میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے وہ ایسا مقام تھا کہ جہاں ایک آدمی بہت مشکل سے کھڑا بھی نہیں ہو سکتا تھا' اس قید خانے میں' میں نے اپنے امامؑ کو موجود پایا تو یہ منظر دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے' میں گھبرا گیا۔

ایسے قید خانے میں ہمارے امامؑ نے متواتر چھے سال گزارے۔

قید خانے کے داروغے نے مجھے بتایا کہ یہ کوئی کمرہ نہیں ہے' کوئی مکان نہیں ہے بل کہ اس کے اوپر خلیفہ کا محل ہے۔ معتز باللہ نے براہِ راست امامؑ کو اپنے محل کے نیچے ٹھہرایا تھا۔ محل اوپر ہے اور یہ چھوٹا سا راستا بنایا گیا تھا تاکہ اگر کبھی دشمن حملہ کرے' بغاوت ہو جائے' محل خطرے میں پڑ جائے تو خلیفہ اس راستے سے فرار ہو جائے اور اس کا دوسرا راستا دریا کی طرف جا کر نکلتا ہے۔

کچھ ایسی کیفیت کہ جیسے کسی کو چھوٹے سے زینے پر کھڑا کر کے محصور کر دیا جائے' دو جانب دیواریں اُٹھا کر جہاں وہ (راست قد) کھڑا بھی نہ ہو سکے' نہ بیٹھ سکے' نہ لیٹ سکے بل کہ گردن کو جھکائے ہوئے تمام زندگی گزارنا پڑے۔ پورے چھے سال امامؑ کے اس قید خانے میں گزرے۔ بیچ میں صرف ایک یا ڈیڑھ مہینے کی رہائی ملی تھی' تنگ و تاریک خانے میں کہ

جہاں دن کو نہ سورج کی روشنی پہنچتی تھی اور رات کے وقت نہ چاند کی روشنی پہنچتی تھی' نہ سادہ ہوا' نہ کھڑا ہونے کا انتظام' نہ بیٹھنے کا انتظام' نہ لیٹنے کا انتظام' گردن کو جھکا کر چھ سال آپ کے امامؑ نے گزارے۔

گیارھویں امامؑ پر کیا گزری ہوگی؟

گیارھویں امامؑ نے کتنی مصیبتیں اور پریشانیاں اُٹھائیں۔

کیوں؟

صرف ہماری خاطر۔

اس لیے کہ دینِ اسلام میں تغیر نہ ہونے پائے۔

جیسا کہ ہم نے بتایا کہ چھٹے امامؑ کے دور میں شیعوں نے کافی ترقی کر لی تھی۔ ساتویں امامؑ کے دور میں بڑی سختیاں شروع ہونے والی تھیں۔ آخرکار ساتویں امامؑ نے اپنی قربانی پیش کی اور خود قید خانے میں چلے گئے۔ جیسا کہ اصول ہوتا ہے کہ جب کوئی حکومت کسی پارٹی کے لیڈر پر ہاتھ ڈال لے تو تھوڑی مطمئن ہوتی ہے لیکن ساتویں امامؑ کی گرفتاری نے شیعوں کو اتنا موقع دیا کہ تمام شیعہ مضبوط ہو گئے' جب آٹھویں امامؑ کا دور آیا تو حکومت کو جھکنا پڑا۔

کہاں وہ دور کہ جب قتل عام تھا اور کہاں یہ دور کہ پھر حکومت خود جھک رہی ہے۔

گیارھویں امامؑ کے زمانے میں یہی کیفیت ہوئی۔

آٹھویںؑ' نویںؑ اور دسویں امامؑ کے زمانے میں مومنین اتنی کثرت کے ساتھ پھیل گئے تھے کہ پوری دنیا میں چار مقامات پر شیعوں کی چھوٹی چھوٹی حکومتیں بھی قائم ہو چکی تھیں۔ یہ سب کا سب اعجاز ساتویں امامؑ کی گرفتاری کا ہے۔ ساتویں امامؑ نے چودہ سال قید خانے میں گزارے اور گیارھویں امامؑ کے دور میں مومن اتنے طاقتور ہو گئے کہ ستر (۷۰) سال کے اس وقفے میں چار چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم ہو گئیں۔

اب پھر وہ دور پلٹ کر آ رہا تھا کہ حکومت کی توجہ مومنوں کی طرف ہو چکی تھی' یعنی مومنوں کی چاروں حکومتوں پر۔ ان چاروں حکومتوں پر فوج بھیج کر ان کا خاتمہ کرا دیا گیا تھا اور

دوبارہ مظالم کا آغاز ہونے والا تھا۔ اس وقت گیارھویں امامؑ آگے بڑھے، قید خانے میں گیارھویں امامؑ نے چھے سال گزارے۔

گیارھویں امامؑ کی قید کا اثر کیا ہوا؟

۸ ربیع الاول ۲۶۰ ہجری میں گیارھویں امامؑ شہید ہوئے اور ۳۲۸ ہجری تک گیارھویں امامؑ کے نائبوں کا سلسلہ چلتا رہا اور ۳۳۲ ہجری صرف چند سالوں کے بعد مومنوں کا ایک خاندان جو ایران کا رہنے والا تھا ان کی حکومت اتنی مضبوط ہوئی کہ وہ حکومت ختم نہ ہونے پائی۔ یہ گیارھویں امامؑ کی قید کا معجزہ ہے کہ گیارھویں امامؑ نے قید ہو کر ان مومنوں کو زندگی بچانے کا موقع دیا، جب متوکل نے مظالم ڈھانا شروع کر دیے تھے۔ گیارھویں امامؑ نے اپنی قربانی کے ذریعے سے مومنوں کو قدم جمانے کا ایک موقع فراہم کیا۔ اس کے بعد بھی مظالم ہوتے رہے لیکن شیعہ اتنے مستحکم ہو گئے تھے کہ علمی خزانہ بچ گیا اور ایک ایسا سلسلہ ایمان کا شروع ہو گیا جسے کوئی حکومت بھی ختم نہ کر پائی۔

یہ پہلا فائدہ ہمیں گیارھویں امامؑ کی قید سے ملا۔ دوسرا سب سے بڑا فائدہ یہ تھا کہ عرب اور ایران، یہ دونوں قومیں تھیں جو پہلے اِسلام لائے۔ پہلے عرب اِسلام لائے پھر ایرانی اِسلام لائے۔ عربوں کو صحیح اِسلام ہمارے شروع کے چار پانچ ائمہؑ نے دیا اور ایرانیوں کو صحیح اِسلام آخر کے چار پانچ اماموںؑ نے سکھایا۔

اب وہ دور تھا کہ عباسی خلفا عربوں کو اپنے ساتھ نہیں ملا سکتے تھے اس لیے کہ وہ خاندانِ بنواُمیہ کو ختم کر کے آئے تھے اور عرب ان کے دشمن ہو گئے تھے۔ برمکی خاندان کی صورت میں ایرانیوں کو ملا چکے تھے۔ اس کے بعد جب انھوں نے دیکھا کہ یہ تو ہم سے بھی زیادہ طاقت ور ہو چکے ہیں تو انھوں نے ایرانیوں کو اتنا دبایا کہ اب ایرانی باقیوں کا ساتھ نہیں دے سکتے تھے۔ انھوں نے سوچا کہ اب کس قوم کو ساتھ ملائیں؟

اب ترک قوم ان کے ذہن میں آئی اور وہ اتنی طاقت ور تھی کہ عرب اور ایران کا مقابلہ کر سکتی تھی، اس لیے انھوں نے ترک غلاموں کو اپنی فوج میں بھرتی کیا۔ ان کو اتنی طاقت دے

دی کہ خلیفہ وقت ان کی طاقت کی وجہ سے مجبور ہو گیا تھا۔ ان ترکوں نے بغداد میں اتنے مظالم کیے کہ خلیفہ نے مجبوراً اپنا دارالخلافہ بغداد سے منتقل کر کے سامرہ کو بنایا اور یہاں پر ترکوں کو منتقل کر دیا۔

اب صورت حال یہ تھی کہ عرب اور ایران کے سامنے اسلام کی تصویر پہنچ چکی تھی لیکن ترکی کے لوگ بالکل وحشی' بالکل جاہل اور بالکل نادان تھے۔ وہ آئے اور آ کر دیکھا کہ عباسی خلیفہ ہے جو ظلم کے اندر' بے غیرتی کے اندر' شراب کے استعمال میں اور زنا کے اندر کسی چیز میں کم نہیں ہے اور یہ دیکھا کہ خلیفۃ المسلمین کہلاتا ہے تو اب ترکوں کے ذہن میں اسلام کے خلاف یا اسلام کے بارے میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جس طرح دنیا کی دوسری حکومتیں تھیں اسی طرح اسلام بھی ایسا ہی کوئی مذہب ہوگا کہ خلیفہ وقت کو تمام تر اختیارات ہیں اور جب خلیفہ ایسا ہے تو جس کا یہ نائب ہے وہ رسول بھی ایسا ہی ہوگا (معاذ اللہ)۔

چناں چہ ترکوں کے دل میں ایک نفرت پیدا ہوئی اور اتنی نفرت پیدا ہوئی کہ شروع کے جو چند عباسی خلیفہ تھے' وہ سارے کے سارے ترکوں کے ہاتھ میں کھلونا بن گئے۔

ایک ایسا دور بھی گزرا ہے۔

بدقسمتی یہ ہے کہ وقت بہت کم ہے!

بہر حال!

عرب اور ایران میں امامؑ کے وجود و برکات سے صحیح اسلام لوگوں کے سامنے آ چکا ہے۔

ترک اس وقت یہ سمجھ رہے ہیں کہ جب یہ اپنے آپ کو نائب رسولؐ کہلوا رہا ہے' اب وہ متوکل کو دیکھیں گے تو ان کے ذہنوں میں اسلام کے بارے میں کیا خیال آئے گا؟ معتصم باللہ کو دیکھیں گے تو ان کے ذہنوں میں کیا خیال آئے گا؟ اور ویسا ہی خیال ان کے ذہن میں پیدا ہو گیا تو اب ضرورت یہ تھی کہ کوئی ہستی آگے بڑھے اور ترکوں کو یہ بتائے کہ اسلام وہ نہیں ہے کہ جو خلیفہ وقت کے محل میں نظر آ رہا ہے بل کہ اسلام تو وہ ہے جو امامؑ کے ٹوٹے ہوئے مکان میں نظر آ رہا ہے۔ چناں چہ اسی مصلحت کے تحت قدرت نے دسویںؑ اور گیارھویں امامؑ

کو سامرہ میں بھیجا اور خاص طور پر گیارھویں امامؑ کی تمام زندگی ترکوں کے درمیان گزری۔

تاریخوں میں ہے کہ بنوعباس کے لوگ ایک مرتبہ گھبرا گئے اور گھبرا کر اپنے خلیفہ معتمد باللہ کے پاس پہنچے اور کہا کہ تم نے گیارھویں امامؑ کو اس طرح آرام سے رکھا ہوا ہے ان پر وہ ظلم وستم کیوں نہیں کرتے جو تم سے پہلے کے خلفا کر چکے ہیں۔

اب ذرا دیکھیں!

آپ نے گیارھویں امامؑ کا قید خانہ سنا اور عباسی یہ کہہ رہے تھے کہ ہم نے آرام کے ساتھ رکھا ہے۔ یہ ان کے نزدیک آرام ہے تو جو حقیقی ظلم انھوں نے کیے ہوں گے وہ کیا کیا ہوں گے اس سے آپ خود ہی اندازہ لگالیں۔

یہ سارے کا سارا کیا دھرا ان خلفا کا تھا جنھوں نے ترکوں کے ذہنوں میں آلِ محمدؐ کے خلاف دشمنی ڈالنے کی کوششیں کی تھیں لیکن ایک وقت وہ بھی آیا کہ ترکوں کا وہی سلسلہ جو ہندوستان میں در آیا۔ ہندوستان میں خاندانِ مغلیہ جو قریب قریب سارے کا سارا یا شیعہ تھا یا شیعیت کی طرف مائل تھا۔ یہ وہی ترکوں کا تمام تر سلسلہ ہے جس نے بعد میں شیعیت کو پھیلایا۔

ترکوں کا وہی سلسلہ جس نے بعد میں شیعیت کو پھیلایا بل کہ اگر صحیح معنوں میں غور کیا جائے تو ایران میں بھی شروع سے شیعیت نہیں تھی۔

یہ بالکل غلط تصور پیدا کیا جاتا ہے کہ ایرانیوں نے شیعیت کو پھیلایا بل کہ حقیقت یہ ہے کہ ایرانیوں کا شیعیت کو پھیلانے میں کوئی کردار نہیں۔

گذشتہ تقریر میں ہم بتا رہے تھے کہ ایران کے تمام کے تمام مسلمان پہلے سب کے سب غیر مومن تھے اس لیے صحاح ستہ جو مسلمانوں کی چھے عظیم ترین حدیث کی کتابیں ہیں یہ سب ایرانیوں نے لکھی ہیں۔ اس کے علاوہ عام مسلمانوں کی جتنی بھی کتابیں ہیں ان میں پچانوے فی صد ایرانیوں نے لکھی ہیں۔ جتنی بھی تاریخ کی کتابیں ہیں وہ سب کی سب ایرانیوں نے لکھی ہیں۔ درحقیقت ایران میں بھی شیعیت ترکوں کے ذریعے آئی۔

فقیہ اہل بیتؑ حضرت علامہ حلی رحمۃ اللہ علیہ نے ہلاکو خاں کے بیٹے خدا بندہ کو شیعہ کیا اور ہلاکو

خاں ترکی نسل سے تعلق رکھتا تھا۔

ایران کی شیعیت کی بنیاد بھی ترکوں نے رکھی تھی تو ترک آخر اتنے پکے شیعہ کیسے بن گئے؟

افغانستان میں' ایران میں' ہندوستان میں' ترکی میں اور روس کے وہ علاقے جو پہلے آزاد ترکستان کہلاتے تھے ان سب میں شیعیت پھیلی۔ یہ ترکوں نے پھیلائی اور ترکوں کو کس نے یہ چیز پیش کی؟

ان کے سامنے تو متوکل تھا' ان کے سامنے تو معتز باللہ تھا' ان کے سامنے تو معتمد تھا۔ یہ وہ خلیفہ ہیں جن کے بیٹوں نے اقرار کر لیا تھا۔

روایت میں ہے کہ گیارھویں امامؑ کی شہادت کے بعد قریب قریب چالیس پچاس سال یا سو سال کے بعد کا واقعہ ہے کہ ایک عباسی خلیفہ سامرہ کی طرف آ نکلا۔ دارالخلافہ دوبارہ بغداد بن گیا تھا' وہ جب یہاں آیا تو اس نے دیکھا کہ دسویںؑ اور گیارھویں امامؑ کا روضہ ہے۔ تمام دنیا کے مومنین آ رہے ہیں' آتے ہیں آ کر طواف کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ ایک انتہائی تقدس اور شان موجود ہے۔ وہ روضہ کی زیارت کر کے باہر نکلا تو ایک مرتبہ اس نے دریافت کیا کہ یہ تو بڑے عالی شان روضے ہیں لیکن میرے آبا و اجداد جو بادشاہ گزرے ہیں ان کے روضے کہاں ہیں؟

لوگوں نے کہا کہ ان کے پیچھے ایک قبرستان ہے وہاں پر جا کر دیکھیے۔

جب وہاں پہنچا تو لوگ بتاتے گئے کہ یہ متوکل کی قبر' یہ معتز کی قبر' یہ معتمد کی قبر۔ وہ سب کو دیکھتا چلا گیا' تھوڑی دیر تک کھڑا رہا۔

اس کے وزیر نے کہا: آپ تو خلیفہ وقت ہیں ان دونوں کے روضے آپ نے دیکھے کہ کتنے شان و شوکت والے ہیں لیکن آپ کے آبا و اجداد اس حالت میں پڑے ہیں' چند سادہ سی قبریں ہیں۔ آپ تو خلیفہ وقت ہیں آپ کے پاس اختیار ہے آپ بھی اپنے آبا و اجداد کی قبروں کو روضوں میں تبدیل کریں اور اعلان کیجیے کہ لوگ یہاں بھی زیارت کے لیے آئیں۔

اس کے منہ سے بے ساختہ یہ جملہ نکلا: اے شخص! مجھے یقین ہے کہ اگر میں دونوں

جہانوں کی دولت لا کر بھی متوکل اور اس جیسے دوسرے خلفا کی قبروں پر روضے بنادوں تو تب بھی یہاں پلٹ کر کوئی نہیں آئے گا اس لیے کہ (عزت اُن کی ہوتی ہے) جنھیں خدا عزت دیتا ہے جیسے آج یہ مزار میری آنکھوں کے سامنے ہیں اور جنھیں خدا ذلت دیتا ہے اگر میں اپنی پوری حکومت کو لا کر بھی ان کو عزت دینا چاہوں تو کوئی ان کی قبروں پر آنے کو تیار نہ ہوگا اس لیے کہ یہ معاملہ ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے بل کہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔

یہ وہ خلیفے ہیں کہ خود ان کی نسل کے لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم بھی اگر عزت دینا چاہیں تو نہ ہماری حکومت کام آئے گی' نہ دولت کام آئے گی اور نہ ہمارا اختیار کام آئے گا۔

کون تھا جس نے ترکوں کو شیعہ بنایا؟

ہمارے گیارھویں امامؑ کی یہ ہستی ہے جس نے چھے سال کی قید میں اس طرح ترکوں کی تربیت کی' اس طرح سے ترکوں کو بدلا کہ وہی (وحشی) ترک اِسلام کے سب سے پکے خادم بن کر رہ گئے۔

یہ گیارھویں امامؑ کا تمام مسلمانوں پر دوسرا احسان ہے کہ وہی ترک اگر آج مخالف ہو جاتے تو نہ لبنان میں اِسلام رہتا' نہ عراق میں اِسلام رہتا' نہ ایران میں اِسلام رہتا' نہ ہندوستان میں اور نہ افغانستان میں کم از کم ان پانچ ممالک کا اِسلام ترکوں کا مرہونِ منت ہے۔ ترکوں کو اِسلام ہمارے گیارھویں امامؑ نے بتایا تو یہ گیارھویں امامؑ کا آج تک فیض جاری ہے کہ ہندوستان سے لے کر لبنان کے ساحل تک جو اِسلام نظر آ رہا ہے یہ سارے کا سارا امامؑ ہی کی وجہ سے ہے۔

اس لیے جو ترک صحیح معنوں میں شیعہ نہ ہُوئے وہ بھی اِسلام سے نہ ہٹے کیوں کہ ان کو پتا چل گیا تھا کہ متوکل کا نظامِ حکومت اِسلام نہیں بل کہ اس امامؑ کا راستا اِسلام ہے جو قید خانے کی تاریکی میں اس طرح کھڑا ہے کہ سر جھکائے چھے سال اس نے گزار دیے' نہ لیٹ سکتا ہے' نہ پاؤں پھیلا سکتا ہے اور نہ بیٹھ سکتا ہے لیکن وہاں بھی اس کی یہ حالت ہے کہ ایک نماز بھی اس کی قضا نہیں ہونے پاتی۔ یہاں تک حاکمِ وقت امامؑ کی خدمت میں کیا پیش کرتے تھے؟

ایک چھوٹا سا پانی کا پیالہ اور ایک سوکھی روٹی' یہ صبح کو خلیفہ وقت اپنے ہاتھ سے قید خانے میں اُتارتا تھا۔

چھے سال میرے مولاؑ نے گزارے۔ سورج کی روشنی نہیں' تازہ ہوا نہیں' رات کی چاندنی نہیں' کھڑے ہونے کی جگہ نہیں' بیٹھنے کی جگہ نہیں اور لیٹنے کی جگہ نہیں اور چھے سال تک چوبیس گھنٹے میں ایک پیالہ پانی اور ایک سوکھی روٹی پر گیارھویں امامؑ زندگی گزار رہے ہیں لیکن اس کے باوجود بھی تیمم کر کے گیارھویں امامؑ نے چھے سال تک نمازیں پڑھیں اور ایک نماز بھی قضا نہ ہونے پائی۔

ترکوں کے سامنے اِسلام آیا' ترکوں کے سامنے حقیقت آئی۔ ترکوں کے ذہن میں خیال یہ پیدا ہوا کہ اگر اصل اِسلام ہے تو اس مظلوم قیدی کے پاس ہے۔

تیسرا احسان ہم پر گیارھویں امامؑ کا یہ کہ امامؑ کو پتا تھا کہ میرے بعد غیبت کا زمانہ شروع ہونے والا ہے اور حکومت وقت بھی بڑی ڈر رہی تھی۔

یہ چھے سال تک قید میں کیوں رکھا گیا؟

اس لیے رکھا گیا کہ ۲۵۴ ہجری تک تو انھیں معلوم ہو گیا تھا۔

کیسے معلوم ہوا تھا؟

یہ بھی تاریخ کے عجیب و غریب مظالم ہیں جو ہم نے کبھی پڑھے ہی نہیں۔

دسویں امامؑ کی شہادت کے بعد فوج کو حکم دیا گیا تھا کہ دسویں امامؑ کے گھر میں داخل ہو جاؤ اور دائیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اس گھر کی عورتوں کو جا کر دیکھیں کہ کہیں کسی عورت کے پیٹ میں بچہ تو نہیں یا کسی عورت میں حمل کے آثار تو نہیں۔

جب دائیوں نے دیکھا تو انھیں کوئی آثار نہ ملے۔

اب دائیوں نے آ کر اطلاع دی کہ نہیں کسی بھی عورت میں حمل کے آثار موجود نہیں ہیں انھیں چوں کہ پتا چل گیا تھا کہ ایک بیٹا گیارھویں امامؑ کے ہاں پیدا ہوگا اس لیے انھوں نے فوراً گیارھویں امامؑ کو گرفتار کر لیا۔ اس لیے کہ نہ امامؑ اپنے گھر میں رہیں گے' نہ ہی بارھویں

امامؑ کی ولادت کا انتظام ہوگا۔ اس خیال کے تحت ہی حکومت نے گیارھویں امامؑ کو گھر والوں سے جدا کر دیا تھا اور تمام زندگی قید خانے میں رکھا۔

اب ذرا دیکھیں!

ان لوگوں نے اپنی پوری کوشش کی کہ بارھویں امامؑ کی ولادت نہ ہونے پائے لیکن ان کی تمام کوششیں ناکام ہوگئیں اس لیے کہ خدا جب اسباب پیدا کرتا ہے تو فرعون خود اپنے گھر میں موسیٰؑ کی پرورش کرتا ہے۔

ایک بہت مشہور واقعہ ہے کہ ایک عیسائی راہب آیا۔ آنے کے بعد ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیا تو بارش ہونے لگی۔ دوسرے دن پھر یہی کیا' پھر بارش ہونے لگی۔ لوگوں کے عقیدے متزلزل ہونے لگے۔ ایک مرتبہ معتمد باللہ گھبرایا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اگر لوگوں کا عقیدہ ہم سے ہٹ کر عیسائیت کی طرف چلا گیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ بغاوت ہو جائے۔

اب وہ گھبرایا اور پریشان ہوا اور سوچنے لگا کہ اب کیا کیا جائے؟

اس کے وزیر نے مشورہ دیا کہ اس وقت ابن الرضاؑ سے رجوع کرو' وہی تمہارا مسئلہ حل کریں گے۔

امامؑ کو قید خانے سے نکالا گیا۔

کیا کہا گیا؟

کہا یہ گیا کہ یابن رسول اللہؐ! آپؑ کے جد کے دین پر بڑی مصیبت نازل ہو رہی ہے' آپؑ چل کر اپنے جدؐ کی اُمت کو اس گمراہی سے بچایئے۔

امامؑ تشریف لے گئے اور جا کر اس عیسائی راہب کے اس راز کا پردہ فاش کیا کہ وہ کسی نبی کی ہڈی کی مدد سے بارش برساتا ہے۔

روایت میں ہے کہ اس کے بعد ایک مرتبہ گیارھویں امامؑ نے کہا کہ یہ نبی کی ہڈی سے بارش برساتا ہے۔

ایک مرتبہ پھر آپ نے کہا: دیکھو! میں تو اس نبی کا فرزند ہوں۔ میرا گوشت اس کا

گوشت ہے' میری ہڈیاں اس کی ہڈیاں ہیں۔ میں ابھی دعا کرتا ہوں اور تم دیکھنا کہ خدا کس طرح سے ابھی ابرِ رحمت برساتا ہے۔

امامؑ کی دعا سے جب بارش ہوئی تو تمام سامرہ امامؑ کا حامی ہوگیا۔ سب کی نگاہ میں امامؑ کی عزت بڑھ گئی اور لوگ گھبرا کر کہنے لگے کہ آج تک ہم انھیں پہچانتے ہی نہ تھے۔

خیر!

اب لوگ امامؑ کے پاس ملاقات کے لیے آنے لگے۔ اگر خلیفہ امامؑ کو قید خانے میں پہنچا دیتا تو یہ تمام کے تمام لوگ جو اس وقت بیدار ہو چکے ہیں' یہ سب کے سب خلیفہ کے لیے دردِ سر بن جاتے۔ اس لیے خلیفہ مجبور ہوا کہ جب تک لوگوں کا جوش ٹھنڈا نہیں ہوتا اس وقت تک وہ امامؑ کو رہا کرتا ہے۔

امامؑ گھر میں تشریف لے آئے اور اسی دوران میں ۱۵ شعبان ۲۵۵ ہجری کی رات آئی۔ امامِ زمانہؑ کی ولادت کا انتظام ہوا۔ اس عرصے میں لوگوں کا جوش ٹھنڈا ہوا اور امامؑ کو قید کر کے دوبارہ قید خانے میں ڈال دیا گیا۔

ہمارے گیارھویں امامؑ کی ڈیڑھ مہینے کی رہائی تھی لیکن اس رہائی نے کتنا بڑا فائدہ پہنچایا کہ امامِ زمانہؑ کی ولادت کا انتظام ہوگیا تو یہ مصلحتِ الٰہی ہے۔

امامؑ قید خانے میں ہیں وہاں امامؑ نے ہم پر ایک احسان کیا اور وہ یہ کہ حکم دیا: جتنے بھی مسائل فقہ ہیں ان کو جمع کیا جائے اور جب جمع کیے گئے تو پتا چلا کہ چار مسائل نامکمل ہیں:

① باب الدیات ② باب الحدود ③ باب الرضاعۃ ④ باب المیراث

گیارھویں امامؑ نے اپنی نگاہ کے سامنے بذاتِ خود ان مسائل کو تحریر کروایا تاکہ میری عدم موجودگی میں میرے ماننے والوں کو کوئی بھی پریشانی نہ ہونے پائے اور تمام مسائل جمع ہو گئے تو اب اعلان کردیا:

فَاَمَّا مَنْ كَانَ مِنَ الْفُقَهَاءِ صَائِنًا لِنَفْسِهٖ حَافِظًا لِدِيْنِهٖ' مُخَالِفًا لِهَوَاهُ مُطِيْعًا لِاَمْرِ مَوْلَاهُ فَلِلْعَوَامِ اَنْ يُقَلِّدُوْهُ

"میں نے تمام مسائل علما کو بتا دیے۔ اب لوگوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ ہر اس عالم کی تقلید کریں کہ جو مسائل فقہ سے واقف ہے' عادل ہے' متقی ہے' پرہیزگار ہے۔"

امامؑ نے سلسلۂ تقلید قائم کیا اور گیارھویں امامؑ کی زندگی ہی میں صحیح معنوں میں تقلید کا سلسلہ جاری ہوا تھا۔

وہ کس طرح؟

وہ اس طرح سے کہ گیارھویں امامؑ کا زمانہ اتنا نازک زمانہ تھا' امامؑ قید خانے میں تھے' کوئی آتا تو رات کی تاریکی میں حکومت کے سپاہیوں کو کچھ کھلا پلا کر قید خانے میں پہنچتا۔ ایسے وقت میں خمس نکال کر امامؑ تک بھجواتا اور اپنے مسائل امامؑ سے دریافت کرنا کتنا مشکل تھا۔ لوگ بڑے پریشان تھے تو امامؑ نے پہلی مرتبہ یہ سلسلہ باضابطہ طور پر قائم کیا۔ اگرچہ چھٹے امامؑ بھی قائم کر چکے تھے اور ساتویں امامؑ بھی' لیکن باضابطہ طور پر گیارھویں امامؑ نے علما سے مشورے کا حکم دیا اور عالم کا مقام ہمیں بتا گئے۔

واقعہ یہ ہے کہ امامؑ تشریف فرما ہیں اور امامؑ کے گرد ان کے تمام گھر والے جمع ہیں' چچا بھی ہیں' رشتے کے بھائی بھی ہیں' رشتے کے بھتیجے بھی ہیں' اتنے میں لوگوں نے دیکھا کہ گھر کے دروازے پر ایک ہستی آئی۔ اس ہستی کا آنا تھا کہ امامؑ ایک مرتبہ اپنے مقام سے کھڑے ہوئے اور کھڑے ہو کر دروازے کی طرف بڑھے۔ دروازے کے قریب جا کر دروازے پر اس کا استقبال کیا۔ استقبال کر کے ایک مرتبہ سلام میں پہل کی۔ اس نے جواب دیا' امامؑ ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر اندر لے آئے اور اس شخص کو اپنی دائیں طرف بٹھایا' امامؑ کے سامنے بیٹھنے والے لوگ حیران ہو گئے۔

انھوں نے کہا: مولاؑ! یہاں سید زادے موجود ہیں' رسولؐ کے رشتہ دار موجود ہیں' رسولؐ کے خاندان سے تعلق رکھنے والے موجود ہیں آپؑ نے نہ کسی کا استقبال کیا' نہ کسی کے ساتھ ایسا سلوک کیا لیکن اس شخص میں کیا خصوصیت تھی جو آپؑ اس کو اتنی عزت اور احترام کے ساتھ

لے کر آئے؟

فرمایا: تم نہیں جانتے کہ یہ قم کا رہنے والا ایک عالم دین ہے اور چوں کہ یہ ایک عالم ہے اس لیے میں نے اس کی اتنی عزت کی ہے۔

سادات نے عرض کیا: یا بن رسولؐ اللہ! یہ ایک عالم ہے لیکن ایک عالم کو آپؑ ہم پر فضیلت دے رہے ہیں۔

امامؑ نے فرمایا: ہاں! یقیناً عالم تم میں سے ہر ایک سے کئی گنا بلند ہے' تمھیں نہیں معلوم کہ میری غیر موجودگی میں یہی عالم تو ہوں گے جو میرے ماننے والوں کو گم راہ ہونے سے بچائیں گے' یہی عالم تو ہوں گے کہ جو لوگوں کے دلوں میں ہماری محبت پیدا کر کے انھیں امامِ زمانہؑ سے منسلک رکھیں گے۔

امامؑ علمائے دین کی اتنی عزت بڑھا رہے تھے اور اتنا اعتماد کر رہے تھے کہ امامؑ نے اپنا نائب حضرت ابوجعفر عثمان ابن سعید رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا اور تمام دنیا کے مومنوں کو حکم دیا کہ جتنا خمس لانا ہے لا کر ان کے حوالے کرو' جتنے مسئلے پوچھنا ہیں ان سے پوچھو' کوئی بھی مجھ سے براہِ راست آ کر مسئلہ نہ پوچھے۔ بعض مسائل لوگوں نے امامؑ سے بھی دریافت کیے لیکن ننانوے فی صد مسائل ابوجعفر عثمان ابن سعید رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بتائے۔ ابوجعفر عثمان ابن سعید رضی اللہ عنہ کیا کرتے تھے؟

خمس ان کے پاس جمع ہوتا تھا اور وہ یہ سارے کا سارا امامؑ کی خدمت میں پہنچایا کرتے تھے اور مسائل بھی حل کیا کرتے تھے۔

ایک دفعہ ابوجعفر عثمان ابن سعید رضی اللہ عنہ کی زندگی خطرے میں پڑ گئی۔ وہ اس طرح کہ حکومتِ وقت چوکنا ہو گئی۔ حکومت نے سوچا کہ ان کے پاس اتنے لوگوں کی آمد و رفت کیوں ہے کہیں یہ ہمارے خلاف کوئی سازش تو تیار نہیں کر رہے؟

ابوجعفر عثمان ابن سعید رضی اللہ عنہ کو اپنی جان بچانے کے لیے مجبوراً ایک عجیب کام کرنا پڑا۔ انھوں نے بغداد کے بازار میں روغنیات کی دُکان کھول لی اور وہ تمام دن روغن فروخت کرتے

تھے اور روغن کیوں فروخت کرتے تھے؟

اس لیے کہ حکومت کی نگاہوں سے پوشیدہ رہ کر خدمت دین و مذہب انجام دی جا سکے۔

اب ان کو بہانہ مل گیا' اب تمام دنیا سے لوگ آتے کہ ہمیں اس کی دکان سے روغن خریدنا ہے اور ان آنے والوں میں پچاس فی صد وہ لوگ ہوتے جو روغن خریدنے نہیں آتے بل کہ خمس دینے اور مسائل پوچھنے کے لیے آتے تھے۔ اس عجیب طریقے سے امامؑ اس دور کے مومنوں کو تربیت دے رہے تھے کہ امامؑ موجود ہیں لیکن عالم کی طرف رجوع کریں۔

اسی لیے ہمارے علمانے چوتھی چیز گیارھویں امامؑ کے سلسلے میں یہ لکھی ہے کہ ہمارے گیارھویں امامؑ کی قید کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ مومنین غیبت کے عادی ہو جائیں۔

گیارھویں امامؑ کی قید نے ایک طرف تو ترکوں کو مومن بنایا' دوسری طرف شیعوں کو اتنی طاقت دی کہ اب حکومت گیارھویں امامؑ کو گرفتار کر کے شیعوں کی طرف سے لاپروا ہو گئی۔

یہ گیارھویں امامؑ کی حالت ہے کہ کھڑے ہونے کا موقع نہیں' بیٹھنے کا موقع نہیں اور لیٹنے کا موقع نہیں۔ ایک پانی کے پیالے اور سوکھی روٹی سے گزارا کر رہے ہیں۔

احمد ابن اسحٰق جب اس قید خانے میں پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ امامؑ کے چہرے کا رنگ انتہائی زرد ہے۔

گھبرا کر کہا: یا بن رسولؐ اللہ! یہ آپؑ کی کیا کیفیت ہے؟

امامؑ نے نہایت کم زور آواز میں جواب دیا۔

وہ کہتے ہیں' میں نے گھبرا کر عرض کیا: یا بن رسولؐ اللہ! آپؑ پر زہر کا اثر معلوم ہو رہا ہے۔

فرمایا: اے احمد ابن اسحٰق! یہ پہلا موقع نہیں ہے بل کہ کئی مرتبہ مجھے اسی طرح زہر دیا گیا ہے۔

غرض یہ کہ چھے سال کی قید میں زہر تو بے شمار دفعہ دیا گیا' اس کے بعد علی الاعلان امامؑ کو قتل کرنے کی کوشش بھی کی گئی۔

پہلی مرتبہ مستعین باللہ جو معتز باللہ کا ولی عہد تھا اس کے پاس ایک خچر لایا گیا جو انتہائی

سرکش خچر تھا' انتہائی وحشی خچر جو کسی سوار کو بیٹھنے نہیں دیتا تھا اور اگر کوئی بیٹھ جاتا تو اسے زندہ نہیں چھوڑتا تھا۔

مستعین باللہ نے گیارھویں امامؑ کو قید خانے سے بلایا اور بلا کر بڑے عزت و احترام کے ساتھ یہ تحفہ پیش کیا۔

یا بن رسولؐ اللہ! بڑا خوب صورت خچر آیا ہے۔ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اتنے قیمتی تحفے کے حق دار سوائے آپؑ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے میں انتہائی احترام کے ساتھ یہ تحفہ آپؑ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

امامؑ نے اس خچر کو دیکھا اور اس پر سوار ہوئے تو وہ ایسا شائستہ ہوا کہ لوگ دیکھ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ہم تو سمجھ رہے تھے کہ امامؑ کا چراغ حیات گل ہو جائے گا مگر امامؑ نے تو اس خچر کو بھی اپنی طرف مائل کر لیا۔

بہرحال!

جانوروں تک امامؑ کی اتباع کر رہے ہیں لیکن یہ ظالم بادشاہ اپنے حال پر باقی رہے کیوں کہ نہ ان کو سیدھے راستے پر آنا تھا اور نہ یہ آئے۔ وہ تو تھے ہی غلط لیکن ہم مومنوں کو کیا ہو گیا ہے' ہم اپنے امامؑ کے حکم کی پابندی کیوں نہیں کرتے؟!

کسی نے سوال کیا تھا: مولاؑ! مومن کی علامات کون کون سی ہیں؟

گیارھویں امامؑ نے فرمایا: دس علامتیں ہیں۔

سوال کرنے والے نے پوچھا: مولاؑ! کون کون سی ہیں؟

فرمایا:

① پہلی علامت یہ کہ وہ روزانہ دن اور رات میں اکیاون (۵۱) رکعت نماز پڑھتا ہو۔

② دوسری علامت یہ کہ کربلا کی خاک پر سجدہ کرتا ہو۔ ہر خاک پر سجدہ کیا جا سکتا ہے لیکن مومن کی علامت یہ ہے کہ وہ کربلا کی خاک پر سجدہ کرے۔

لوگ بہت پوچھتے ہیں کہ ہم سجدہ گاہ پر سجدہ کیوں کرتے ہیں؟

وہ چوتھے امامؑ کا واقعہ کہ چوتھے امامؑ ہر مقام پر ایک تھیلی لے کر جاتے تھے۔

لوگوں نے پوچھا: مولاؑ ! اس میں کیا ہے؟

فرمایا: اس میں میرے مظلوم بابا حسین علیہ السلام کی قبر کی مٹی ہے اور میں اس پر سجدہ کرتا ہوں۔

③ تیسری علامت مومن کی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنے گا۔

④ چوتھی علامت یہ کہ اذان اور اقامت کے ہر جملے کو دو دو مرتبہ کہے گا۔

⑤ پانچویں علامت یہ ہے وہ اذان اور اقامت میں "حَیَّ عَلٰی خَیرِ العَمَلِ" ضرور کہے گا۔

⑥ چھٹی علامت یہ ہے کہ وہ نماز میں "بِسمِ اللّٰہ" الخ کو ہمیشہ بلند آواز سے پڑھے گا۔

⑦ ساتویں علامت یہ ہے کہ ظہرین کی نماز زردی چھانے سے پہلے پہلے اور صبح کی نماز تاروں کے ڈوبنے سے پہلے پہلے پڑھ لے گا۔

⑧ آٹھویں علامت یہ ہے کہ وہ ہر نماز کی دوسری رکعت میں قنوت پڑھے گا۔

⑨ نویں علامت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے بالوں اور داڑھی کو خضاب کرے گا۔

⑩ دسویں علامت یہ ہے کہ وہ نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں پڑھے گا۔

یہ گیارھویں امامؑ مومن کی علامات بتا رہے ہیں اور دوسری طرف امامؑ قم کے ایک مومن کے نام اپنے صحابی کو خط لکھ رہے ہیں۔

امامؑ نے خط میں لکھا:

اُصِیكَ

"میں تمھیں وصیت کرتا ہوں، میرا یہ پیغام ہر مومن تک پہنچا دو۔"

بِتَقوَی اللّٰهِ

"میں تمھیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں۔"

وَ اِقَامِ الصَّلٰوۃِ

"اور نماز کے قائم کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔"

وَ اِيتَاءِ الزَّكوٰةِ

"اور زکوۃ کے ادا کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔"

وَ اُوصِيكَ بِمَغْفِرَةٍ مِن ذَنْبٍ

"میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ گناہ اگر ہو جائے تو فوراً توبہ کرلو۔"

بیان کرتے کرتے آخر میں امامؑ نے فرمایا:

وَ عَلَيكَ بِالصَّبرِ وَ اِنتِظَارِ الفَرَجِ

"اور تمھاری ذمہ داری ہے کہ صبر کرتے رہو اور آنے والے امامؑ کا انتظار کرتے رہو۔"

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"میری اُمت کا افضل ترین عمل امامِ زمانہؑ کا انتظار کرنا ہے۔"

گیارھویں امامؑ نے آخر میں بارھویں امامؑ کی صفت یہ بتائی کہ وہ آنے والا زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دے گا جس طرح زمین ظلم و ناانصافی سے بھر چکی ہو گی۔

شہادت:

یہ امامؑ نے پیغام دیا اور اس پیغام دینے کے کچھ ہی عرصے بعد یکم ربیع الاول کو ۲۶۰ ہجری خلیفہ معتمد باللہ نے امامؑ کی خدمت میں زہر بھجوایا۔

روایت میں ہے: معتمد عباسی خلیفہ اپنی ہر ممکن کوشش کر کے تھک گیا تو یکم ربیع الاول ۲۶۰ ہجری کو امامؑ کو زہر دلوایا گیا اور قید خانے سے امامؑ کو ان کے گھر میں منتقل کر دیا گیا۔ پہلی ربیع الاول سے آٹھ ربیع الاول تک آٹھ دن ہمارے گیارھویں امامؑ نے بستر پر تڑپتے ہوئے گزارے۔

روایت میں ہے: ان آٹھ دنوں میں ہر ہر لمحے کے بعد امامؑ کا جسم کانپنے لگتا تھا لیکن جیسے نماز کا وقت آتا تو فوراً اُٹھ کر نماز ادا کرتے اور جب آخری نماز پڑھی تو اس وقت آپؑ کے پاس ایک بارھویں امامؑ تھے اور ایک کنیز تھی۔ ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ یہاں تک

کہ آٹھ ربیع الاول آئی اور ایک مرتبہ گیارھویں امامؑ نے تڑپتے تڑپتے اپنے بیٹے سے کہا: بیٹا! مجھے شدید پیاس لگی ہے تھوڑا سا پانی لے آؤ۔

پس!

بارھویں امامؑ نے اپنے والد ماجدؑ کی آخری خدمت انجام دی۔ امامؑ کو پانی پلایا' امامؑ نے پانی پیا۔

یہ بارھویں امامؑ تھے جنھوں نے کم از کم اپنے بابا کو آخری وقت پانی تو پلا دیا لیکن ایک وہ بیٹا تھا جو چالیس سال اپنے بابا کے غم میں رو رو کر کہتا رہا: ہائے میرے بابا! پیاسے شہید کر دیے گئے۔

بس!

آخری وقت میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے بیٹے امامِ زمانہؑ سے فرمایا:

میرے بیٹے! اب یہاں سے چلا جا۔

اب امامِ زمانہؑ چلے گئے۔

جب چند لمحوں کے بعد گیارھویں امامؑ شہید ہو گئے' جنازہ تیار ہوا۔ حسبِ روایت حاکم وقت آیا' امامؑ کے چہرے سے کفن ہٹایا اور کہا: سب دیکھ لو ہم نے امامؑ کو زہر دے کر شہید نہیں کیا اور ایک ایک آدمی سے جھوٹی گواہی لی۔ پھر امامؑ کا جنازہ اُٹھا اور سامرہ میں اس مقام پر پہنچا جہاں دسویں امامؑ مدفون تھے۔ تمام لوگ چیختے اور چلاتے ہوئے گھروں سے نکل آئے۔ اس شان سے گیارھویں امامؑ کا جنازہ اُٹھا کہ اس طرح کسی امامؑ کا جنازہ نہ اُٹھا تھا۔

چودھویں معصومؑ

حضرت امام مہدی امام العصر والزمان علیہ السلام وعجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف

مشخصات

اسم مبارک	:	محمدؐ
لقب	:	مہدیؑ، حجۃ اللہؑ، خلف الصالحؑ، صاحب العصر اور المنتظر علیہ السلام وغیرہ
کنیت	:	ابوالقاسمؑ اور ابو عبداللہؑ
والد ماجد	:	حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام
والدۂ ماجدہ	:	حضرت نرجس خاتون سلام اللہ علیہا
ولادت باسعادت	:	۱۵ شعبان المعظم ۲۵۵ ہجری بروز جمعۃ المبارک بوقت صبح
عمر مبارک	:	بحکم خدا زندہ اور غیب ہیں، جب اذن خدا ہوگا ظہور فرمائیں گے

......✱......

سیرتِ حضرت امامِ مہدی علیہ السلام

آج ہماری گفتگو اس امامؑ کے بارے میں ہو رہی ہے جس کے بارے میں ہمیں سب سے زیادہ معلوم ہونا چاہیے' جب کہ بدقسمتی سے ہمیں ان کے بارے میں سب سے کم معلوم ہے۔

یہ انتہائی تعجب کی بات ہے کہ اگر بالفرضِ محال ہم اس وقت مدینے میں ہوتے جب چھٹے امامؑ کا دورِ امامت تھا یا اس وقت ہوتے جب ساتویں امامؑ کا دورِ امامت تھا تو کیا ہماری لاپروائی کی یہی حالت ہوتی جو آج کل ہے؟

اگر ہم اس دور میں ہوتے جو تیسرے امامؑ کا دور تھا اور جب کربلا جیسا عظیم واقعہ پیش آ رہا تھا تو کیا اتنی لاپروائی اور بے توجہی کے ساتھ ہم بیٹھے رہتے اور اپنے امامؑ سے تغافل اور بے نیازی برتتے؟

بعض اوقات جب سوچا جاتا ہے تو ذہن میں یہی آتا ہے کہ یقیناً یہی سبب تھا کہ ماننے والے تو ہزاروں تھے لیکن میدانِ کربلا میں زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سو کی تعداد پہنچ سکی۔

ایسا نہیں ہے کہ لوگوں کے دلوں میں جذبہ نہ ہو' جذبہ تو ہوگا لیکن اتنا کسی کو ہوش نہ ہو کہ امامؑ کے بارے میں اطلاع حاصل کی جائے اور جب اطلاع آئی ہوگی تو اس وقت سارا معاملہ طے ہو چکا ہوگا۔

دیکھیے!

ہمارے اوپر ہمارے حاضر امامؑ کی جانب سے کئی ذمہ داریاں ہیں اور ہمیں مطلق پتا نہیں کہ ہمیں کرنا کیا ہے اور ہماری ذمہ داریاں کیا ہیں۔

بہر حال!

یہ گفتگو ابھی آتی ہے۔

پورا سلسلۂ امامت ایک تواتر کے ساتھ' ایک تسلسل کے ساتھ اپنے اپنے کام کو اپنے

اپنے وقت میں انجام دے رہا ہے۔

پیغمبرؐ اسلام کی زندگی میں منافقین جب اپنی ہر کوشش کر کے تھک گئے تو اس کے بعد ایک معاہدے پر دستخط کرائے گئے کہ جیسے ہی پیغمبرؐ اسلام کا انتقال ہوگا تو ویسے ہی ہم آگے بڑھ کر پیغمبرؐ اسلام کے مشن کو خراب کریں گے اور خانہ کعبہ کے قریب اس معاہدے کو دفن کیا گیا۔ چناں چہ پیغمبرؐ اسلام کی آنکھ بند ہوتے ہی بالکل اس طریقے سے کہ جیسے دشمن کو یقین ہے کہ کیا ہونے والا ہے' تو فوراً ہی پیغمبرؐ اسلام کی آنکھ بند ہوتے ہی سب سے پہلا جو نعرہ لگا وہ یہ تھا کہ خدا کی قسم! اگر کسی نے محمدؐ کی موت کے بارے میں کچھ کہا تو میں اس کی گردن کو جدا کر دوں گا۔

یہ درحقیقت پیغمبر اسلام ﷺ کی موت کی خبر کو چھپا کر اپنے مقصد کو حاصل کرنے کی ایک سازش تھی اور تاریخِ اسلام نے بتایا کہ اس سازش کا پردہ اس وقت چاک ہوا کہ جب مولائے کائنات علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی مقدس سرزمین کے قریب زمین میں موجود اس کاغذ کو نکالا۔ لیکن اس وقت مصلحت یہی تھی کہ خاموشی اختیار کی جائے۔ چناں چہ امیرالمومنین علیہ السلام گوشۂ گم نامی میں چلے گئے اور وہ کام انجام دینے لگے جو امیرالمومنین علیہ السلام امامِ زمانہؑ کے لیے کر رہے تھے۔ سلسلہ وہاں سے امامِ زمانہؑ کا مل رہا ہے کہ معلوم تھا کہ اب جو خلافت کو صحیح راستے سے ہٹایا گیا ہے تو اب یہ خلافت قیامت تک صحیح راستے پر نہیں آسکتی جب تک کہ قیامت سے پہلے وہ آخری امامؑ ظاہر نہ ہو جائے اور اسی لیے ہمارے یہاں ایک روایت ہے کہ جتنے بھی مسلمان گناہ کرتے ہیں بل کہ دنیا کا جو شخص بھی گناہ کرتا ہے ان کی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے' اس کا عذاب انھیں ملتا ہے' جنھوں نے امیرالمومنین علیہ السلام پر ظلم کر کے ان کے حق کو چھینا تھا۔

مولائے کائنات علیہ السلام کی ایک پالیسی تھی اور وہ پالیسی یہ تھی کہ عربوں کو پہلے مکمل مسلمان بنایا جائے۔ پیغمبرؐ اسلام کو تبلیغ کرنے کے لیے کتنا عرصہ ملا؟

صرف دو سال۔

۹ ہجری میں مکہ فتح ہوا ورنہ ۹ ہجری تک پیغمبرؐ اسلام کو چین سے کہاں بیٹھنے دیا گیا۔

۹ ہجری میں مکہ فتح ہوا اور ۱۱ ہجری میں پیغمبرؐ اسلام کا وصال ہو گیا تو دو سال کا عرصہ پیغمبرؐ اسلام کو

ملا۔ اتنے عرصے میں عربوں کی زبان پر تو اسلام آیا تھا مگر دلوں کے اندر اسلام نہ پہنچا تھا۔

مولائے کائنات علیہ السلام کی پوری پالیسی یہ تھی کہ عربوں کو مکمل طور پر پہلے مسلمان بنالیا جائے اس کے بعد ان عربوں کو باہر کی طرف بھیج کر دنیا کے دوسرے ممالک کے لوگوں کو مسلمان بنایا جائے اور اس کا ثبوت مولاؑ نے اپنی پانچ سال کی مختصری خلافت کے دور میں دیا تھا کہ جب اس زمانے میں ایران میں بغاوت ہوئی۔ پیغمبرؐ اسلام کی آنکھ بند ہوتے ہی یمن میں اور عرب کے کچھ قبیلوں میں بغاوت ہوئی کہ ہم اس خلافت کو زکوۃ نہیں دیں گے۔ اس لیے کہ زکوۃ پیغمبرؐ اسلام کے حقیقی جانشین کو دی جاتی ہے۔ مولائے کائنات علیہ السلام خلیفہ بنے تو ایران میں بغاوت ہوئی۔ جیسا کہ گذشتہ تقریر میں بھی ہم نے کہا کہ یہ خیال ذہن میں نہ آنے پائے کہ ایران ہمیشہ سے مومنوں کا ملک تھا بلکہ ایران میں ایک زمانے میں کٹر دشمنانِ اہل بیتؑ موجود تھے تو اِدھر مولائے کائنات علیہ السلام خلیفہ بنے اُدھر فوراً ایران میں بغاوت ہوگئی تو دو خلیفاؤں کو تخت پر بیٹھتے ہی بغاوت کا سامنا کرنا پڑا:

① پہلے خلیفہ ② دوسرے ظاہری طور پر چوتھے خلیفہ

لیکن اب دونوں کے طرزِ عمل میں وہی اختلاف ہے جو ایک اللہ کے بنائے ہوئے خلیفہ اور ایک طاقت کے زور پر بنے ہوئے خلیفہ کے طرزِ عمل میں ہوتا ہے۔

پہلے خلیفہ کو بغاوت کی اطلاع ملی تو فوجوں کو بھیجا گیا اور فوجوں کو بھیجنے کے بعد حکم دیا گیا کہ ہر ایک کی گردن اُڑا دو جب کہ حکم پیغمبرؐ یہ تھا کہ خبردار جس بستی سے اذان کی آواز آئے کبھی اس بستی پر حملہ نہ کرنا اور جو شخص اپنے آپ کو زبان سے مسلمان کہہ دے چاہے دل میں اس کے اسلام نہ بھی ہو تب بھی اس کی زبان کا بھروسا کر لینا اور اسے کبھی قتل نہ کرنا سوائے اس کے کہ وہ خود کسی کا قاتل ہو۔

ان واضح احکامات کے باوجود حکم دیا گیا کہ تلوار کے زور سے اس بغاوت کو دبا دیا جائے اور اس کثرت کے ساتھ قتل عام کیا گیا کہ دوسرے خلیفہ جیسی ہستی بھی ناراض ہوئی اور اتنی ناراض ہوئی کہ تمام زندگی انھوں نے خالد بن ولید کو جو اس قتل عام کے ذمہ دار تھے، اپنے خلیفہ

بنتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ خالد کی معزولی کے پروانے پر دستخط کیے اور تمام زندگی چھوٹی سے چھوٹی فوج کی قیادت بھی اس کے حوالے نہ کی گئی۔

جب مولائے کائنات علیہ السلام کے دور میں ایران نے بغاوت کی تو فوجیں نہیں بھیجی گئیں، تلواریں نہیں بھیجی گئیں بل کہ مبلغین بھیجے گئے جو وہاں گئے، جانے کے بعد انھوں نے شکایات سنیں، مطمئن کیا اور انھیں بتایا کہ مولاؑ کا کیا مقام ہے، جس کے نتیجے میں وہ بغاوت چند ہی مہینوں میں فرو ہو کر رہ گئی۔

بہرحال!

مولائے کائنات علیہ السلام گھر میں بیٹھ گئے اس لیے کہ قرآن کی تفسیر تیار کی جائے۔ یہ وہ تفسیر ہے جو امامِ زمانہؑ کے ظہور کے وقت ہماری آنکھوں کے سامنے آئے گی۔

اسی وقت سے تیاری شروع ہوئی کہ جب پہلی خلافت نے ہمارے حق کو غصب کیا تو اب ہم اپنے آنے والے قائمؑ کا انتظار کریں گے اور وہی آ کر ہمارا اور تمام مومنوں کا انتقام لے گا۔ اب اگر امیرالمومنین علیہ السلام کی پالیسی کام یاب ہو جاتی تو دنیا میں کوئی کافر کوئی غیر مسلم نہ بچتا اور کوئی گناہ گار گناہ نہ کرتا اور وہ روایات جو ہم پڑھتے ہیں کہ جب امامؑ ظہور فرمائیں گے تو اس وقت حالت یہ ہو گی کہ اگر کوئی عورت عرب کے ایک کونے سے شام کے آخری کونے تک سونے اور چاندی سے لدی ہوئی چلے تو کوئی اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے والا نہ ہو گا جب کہ وہ تنہا عورت ہو گی۔

وہ روایات جو ہم پڑھتے ہیں کہ لوگ بیس بیس مہینے سفر کریں گے لیکن ان کا قدم کبھی زمین پر نہیں پڑے گا۔ اس لیے کہ اتنی سبزی، اتنی ہریالی ہو گی کہ گھاس، پودے، پھل، پھول اور اس کے علاوہ زمین پر کچھ نظر نہ آئے گا۔

وہ روایات جو ہم پڑھتے ہیں کہ وہ ماحول اور زمانہ آ جائے گا کہ گھر میں بیٹھنے والی عورتیں تک قرآن اور حدیث کی مدد سے اجتہاد کر کے اپنے ہر مسئلے کو حل کیا کریں گی۔

وہ جو روایات ہماری آنکھوں کے سامنے آتی ہیں کہ امامؑ کی حکومت کے بعد زمین اپنے

سونے چاندی اور ہر قسم کے ذخیرے کو باہر نکال دے گی اور دنیا کے تمام زہریلے جانور اپنے زہر کو فراموش کر دیں گے۔

یہ روایات کا تفصیلی سلسلہ ہے کہ ظہورِ امامؑ کے بعد کیا تبدلات اور کیا تغیرات رونما ہوں گے۔

اگر مولاؑ کو اسی وقت حکومت کا زمانہ مل جاتا تو مولاؑ کے دور میں یا زیادہ سے زیادہ دوسرے امامؑ کے دور میں یہ تمام تبدیلیاں واقع ہو جاتیں لیکن ہم سمجھوں کہ امیر المومنین علیہ السلام سے خلافت کو اور حکومت کو چھین لیا گیا۔ چناں چہ اس کے بعد مسلمان غلط راستے پر چلے اور اتنے غلط راستے پر چلے کہ آخر وہ دور آ گیا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جیسے صحابیِ رسولؐ کو احتجاج کرنا پڑا اور (دوسری طرف سے) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو جلاوطن کر کے انتہائی بے دردی کی موت مارا گیا۔

بہر حال!

انتہائی بدترین زمانہ آ گیا۔

اگر خلافت پہلے ہی دن سے صحیح مقام پر پہنچ جاتی تو اتنے نقصانات نہ ہوتے۔

اب جتنے گناہ ہیں ان سب کی ذمہ داری ان پر ہے کہ جنھوں نے پہلے ہی دن سے خلافت کو اپنے مقام سے ہٹا دیا۔ اب پوری کوشش حکومت کی یہ تھی کہ آلِ محمدؐ کے نام کو دبا دیا جائے جب کہ آلِ محمدؐ کو اپنا نام بچانے کے بجائے اپنا مقصد بچانا تھا۔ چناں چہ پہلا مرحلہ تو یہ تھا کہ آلِ محمدؐ کا تحفظ کیا جائے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے گھر میں بیٹھ کر تحفظ کیا۔ حضرت امام حسن علیہ السلام نے گھر کی تبلیغات کے ذریعے تحفظ کیا، پھر حضرت امام حسین علیہ السلام اور چوتھے امامؑ نے کربلا، کوفہ اور شام میں خطبات کے ذریعے پوری کائنات اور پوری دنیا کو ایک طرح سے بدل کر رکھ دیا۔

وہ شام جہاں پر خاندانِ بنواُمیہ نے اپنے کئی سالوں کے پروپیگنڈے کے بعد لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ ہم آلِ محمدؐ ہیں اور ہم اہلِ بیتِ رسالتؐ ہیں، ہمارا رسولؐ

سے چچا کا رشتہ ہے' ہم سے زیادہ رسولؐ کا کوئی قریبی رشتہ دار نہیں ہے۔ لیکن جب قافلہ آلِ محمدؐ کوفہ سے شام گیا اور ہر مقام پر ایک منادی یہ آواز دیتا ہوا چلا کہ دیکھو! یہ رسولؐ کی بیٹیاں ہیں جنھیں ہم اس حالت میں بازاروں میں لے کر جارہے ہیں تو اہلِ کوفہ وشام کے کان کھڑے ہوئے کہ آج تک تو ہم یہ سنتے آرہے تھے کہ رسولؐ کے سب سے قریبی رشتہ دار یہ خاندانِ بنوامیہ والے ہیں لیکن آج یہ بیٹیاں' یہ بیٹے' یہ لفظ جو کان میں پڑے تو ایک مرتبہ وہ چوکنا ہوئے اور جب چوکنا ہوئے تو اس وقت حضرت سیدہ زینب سلام اللہ علیہا' حضرت اُمّ کلثوم سلام اللہ علیہا اور حضرت فاطمہؑ بنتِ حسینؑ کے خطبات ان کے کانوں تک پہنچے۔

یزیدی حکومت پہلے ہی اعلان کررہی تھی کہ یہ لوگ رسولؐ اکرم کے بیٹے اور بیٹیاں ہیں اور پہلے ہی شام والوں کا اعتقاد متزلزل ہونے لگا تھا کہ یہ کتنی عجیب بات ہے ہم سن رہے ہیں ہم تو سمجھ رہے تھے کہ یزید سے بڑھ کر پیغمبرؐ اسلام کا اور کوئی قریبی رشتہ دار نہیں مگر یہ پیغمبرؐ اسلام کی بیٹیاں کہاں سے آگئیں؟ یہ پیغمبرؐ اسلام کے بیٹے کہاں سے آگئے اور یہ پیغمبرؐ اسلام کے نواسوں کا تذکرہ کہاں سے آیا؟

کوئی اور نہیں کررہا بلکہ حکومتِ وقت کا آدمی یہ اعلان کرتے ہوئے چل رہا ہے تو اب اہلِ شام کے کان کھڑے ہوئے اور انھیں ایک ذہنی دھچکا لگا اور یہی سبب تھا کہ میرے مولاؑ اپنے گھر والوں کو میدانِ کربلا میں لے آئے تھے اور اب جو کسر باقی رہتی تھی' وہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا' حضرت اُمّ کلثوم سلام اللہ علیہا اور حضرت فاطمہؑ بنتِ الحسینؑ نے نکال دی اور دربارِ خلافت میں آخری کمی چوتھے امامؑ کے خطبہ نے پوری کردی اور یہاں صاف صاف اپنا تعارف کرادیا۔ چناں چہ اب یزید کے خلاف بغاوت ہوئی۔

آج یہ بڑی شدومد سے کہا جاتا ہے کہ یزید نے توبہ کرلی تھی اس لیے تو اس نے آلِ محمدؐ کو رہا کردیا تھا۔

آپ یاد رکھیے!

یہ بالکل جھوٹ بولا جاتا ہے۔ یزید نے کوئی توبہ نہیں کی تھی بلکہ جس دن یزید کے محل

کو شام والوں نے گھیرا تھا اور وہ کہہ رہے تھے کہ آلِ محمدؐ کو رہا کرو ورنہ ہم محل کو آگ لگا دیں گے تو اس دن یزید نے آلِ محمدؐ کو (مجبوراً) رہا کیا تھا تو اب پانچویں امامؑ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے مشن کو آگے بڑھایا۔ اب لوگ آلِ محمدؐ کو پہچان گئے۔ اب کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہم آلِ محمدؐ کو نہیں جانتے ہیں چناں چہ اب انھیں آلِ محمدؐ کا پیغام بتایا گیا۔

پانچویں امامؑ اور چھٹے امامؑ نے یہ کام کیا اور ساتویں امامؑ نے قید خانے میں زندگی گزار کر سادات اور مومنین کو قتل ہونے سے بچایا اور ایک مرتبہ پھر مومنوں کو اکٹھا کر دیا۔

ہمارے جتنے بھی امامؑ ہیں ان میں سب سے زیادہ اولاد ساتویں امامؑ کی ہوئی۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ قید خانے میں سب سے زیادہ عمر بھی ساتویں امامؑ کی گزری، سب سے زیادہ مشکلات کا سامنا بھی ساتویں امامؑ کو کرنا پڑا کہ بہ یک وقت تین امامت کا دعویٰ کرنے والے کھڑے ہو گئے۔ ساتویں امامؑ تو خیر تھے ہی امام برحقؑ ایک طرف سے عبداللہ آ گئے کہ میں امام ہوں، ایک طرف سے اسماعیل کے بیٹے محمد بن اسماعیل آ گئے کہ میں امام ہوں تو امامؑ کی ابتدا میں بھی اتنی پریشانیاں، امامؑ کی آخری زندگی قید خانے میں گزری لیکن کثرت سے اولاد بھی ہمارے ساتویں امامؑ کی ہوئی۔

کس لیے؟

یہ اس لیے کہ اب وہ وقت آنا تھا کہ سادات کو مظالم سے بچا کر اتنا مضبوط کرنا ہے کہ آنے والی حکومتیں شیعوں کو ایک پارٹی سمجھیں، ایک طاقت سمجھیں اور شیعوں میں اتنی طاقت آ جائے کہ آنے والی حکومت جھکنے پر مجبور ہو جائے اور یہی ہوا کہ آٹھویں امامؑ کا دورِ امامت آیا تو مامون جیسے ظالم بادشاہ کو آٹھویں امامؑ کے آگے جھکنا پڑا۔

آٹھویں امامؑ کا دورِ حکومت آیا، دو سال آٹھویں امامؑ نے دارالخلافہ میں گزارے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نویںؑ، دسویںؑ اور گیارھویں امامؑ تک سارے امامؑ ابن الرضاؑ کے نام سے یاد کیے جاتے تھے۔ یہ آٹھویں امامؑ کے دو سال تھے۔ اس کے بعد نویں امامؑ پر بڑی مصیبت ڈالی گئی کہ ہم تربیت کریں گے۔

اب نویں امامؑ کو ثابت کرنا تھا کہ امام اپنے گھر کی تربیت سے امام نہیں بنتا ہے بل کہ خدا کی طرف سے امامت لے کر آتا ہے۔ اگر گھر کی تربیت سے امام بنا ہوتا تو مامون نے گھر میں رکھ کر تربیت کی تھی لیکن امامؑ نے اپنے اس مشن کو پورا کیا اور اب دسویں امامؑ پر ایک اور ذمہ داری آئی۔ وہ ذمہ داری یہ تھی کہ اب مدینے کو اسلامی مرکزیت سے ہلنا ہے' آج تک مدینہ اسلام کا مرکز تھا' دسویں امامؑ آخری امام ہیں جو مدینے میں تعلیم دیں گے ان کے بعد کوئی امامؑ بھی مدینے میں آ کر تعلیم نہیں دے گا۔ یہاں تک کہ امامِ زمانہؑ بھی مکہ میں ظہور فرمائیں گے اور اپنا دارالخلافہ کوفہ اور مکہ کو بنائیں گے تو مدینے میں آخری مرتبہ دسویں امامؑ نے تعلیم دینا ہے اور اس کے بعد مدینہ علمی اعتبار سے اُجڑ جائے گا۔

چناں چہ دسویں امامؑ نے مدینے کے مدرسے کو اس طرح تبدیل کیا کہ مدینے کے مومنین کو مدینے سے نکال کر بغداد منتقل کیا اور ہندوستان کی طرف منتقل کرایا جس کے نتیجے میں ہندوستان میں بھی شیعیت پہنچ گئی اور اب بغداد میں مومنین آ گئے تاکہ امامؑ سے رابطہ قائم رکھنے میں آسانی رہے اور پھر امامؑ کو قید میں جانا پڑا اور دسویںؑ اور گیارھویں امامؑ کی قید نے ترکوں کو مومن بنایا اور اس کے ساتھ ساتھ شیعوں کو اتنا مضبوط بنایا کہ ۳۲۸ ہجری میں غیبت کا زمانہ ختم ہوا اور ۳۳۷ ہجری میں وہ شیعہ کہ جنھیں قریب قریب ساڑھے تین سو سال سے تلوار کے ذریعے سے قتل کیا جا رہا تھا وہ اتنے طاقت ور بن گئے کہ آج خلافتِ بنوعباس شیعوں کے ہاتھ میں آ گئی۔

یہ بڑا اہم موضوع ہے!

۳۳۷ ہجری میں وہ حالت ہو گئی تھی کہ وہ خلافت جس کو آلِ محمدؐ سے چھینا گیا تھا' وہ ایک مرتبہ پلٹ کر شیعوں کے ہاتھ میں آئی۔ شیعوں کا ایک آلِ بویا خاندان تھا۔ یہ دسویںؑ اور گیارھویں امامؑ کی قربانی تھی اور اب یہی وہ مقام ہے جہاں سے بارھویں امامؑ کی امامت کا دور شروع ہونے والا تھا۔

حکومتوں نے اعلان کر دیا کہ بارھویں امامؑ دنیا میں نہ آنے پائیں۔ ایک طرف حکومتیں

انتظام کر رہی تھیں اور ایک طرف خدا نے انتظام کیا کہ ایک دن یہی حکومتیں بارھویں امامؑ کی ولادت کا سبب بنیں گی۔ چناں چہ حکومت نے تمام زندگی گیارھویں امامؑ کو قید میں رکھا لیکن بعد میں ایک واقعہ پیش آیا۔ جس کی وجہ سے چند مہینوں کے لیے گیارھویں امامؑ کو رہا کیا گیا۔ انھی چند مہینوں میں ۱۵ شعبان ۲۵۵ ہجری کی شب آ گئی کہ جب امامِ زمانہؑ کی ولادت کی تاریخ تھی (صلواۃ)۔

اب اس سے پہلے کہ امامِ زمانہؑ پر گفتگو کا سلسلہ چلے دو تین اہم باتیں بتا دی جائیں اس لیے کہ سلسلۂ امامت پر گفتگو کا اختتام ہو رہا ہے تو دو تین چیزوں کا روایات میں بڑا تذکرہ ہے۔ اگرچہ ہر امامؑ ہماری ہر حاجت کو پورا کر سکتا ہے اور حاجت کو پورا کرنے کا طریقہ بھی کیا ہے؟

اب اس چیز کو ذہن میں رکھتے ہوئے مختصری بات سنیں اس لیے کہ اب سلسلۂ امامت پر گفتگو ختم ہو رہی ہے۔

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ پورے سلسلۂ معصومینؑ میں چار اماموں کا نام علیؑ ہے، چار اماموں کا نام محمدؑ ہے، دو اماموں کا نام حسنؑ ہے اور باقی چار جو نام بچے وہ یہ ہیں:

① حسینؑ ② جعفرؑ ③ موسیٰؑ ④ سیدہ فاطمہؑ

پورے سلسلۂ معصومینؑ میں چار اماموںؑ کی کنیت ابوالحسن ہے:

① حضرت علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام ② حضرت امامِ موسیٰ کاظم علیہ السلام

③ حضرت امامِ علی رضا علیہ السلام ④ حضرت امامِ علی نقی علیہ السلام

پہلے امامؑ کو عام طور پر ابوالحسن کے نام سے یاد نہیں کیا جاتا لیکن روایات میں ہمیشہ ساتویںؑ، آٹھویںؑ اور دسویں امامؑ کو ابوالحسن اول، ابوالحسن ثانی اور ابوالحسن ثالث کی کنیت سے یاد کیا جاتا ہے۔

ہمارے دو ائمہؑ کی کنیت ابو محمد ہے:

① حضرت امامِ حسین علیہ السلام ② حضرت امامِ جعفر صادق علیہ السلام

البتہ یہاں فرق یہ ہے کہ جہاں مصائب کی روایات آئیں یا زیارات پڑھنے کا موقع

آئے وہاں ابا عبداللہ سے مراد حضرت امام حسین علیہ السلام ہوتے ہیں اور جہاں کوئی فقہی اور اخلاقی روایت آئے تو وہاں ابا عبداللہ سے مراد ہمیشہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہوتے ہیں۔

ہمارے ائمہؑ میں سب سے کم عمر یعنی صرف پچیس سال ہمارے نویں امامؑ کی ہوئی اور سب سے کم مدت امامت صرف چھے سال ہمارے گیارھویں امامؑ کی ہوئی اور سب سے زیادہ عمر مبارک تریسٹھ سال ہمارے چھٹے امامؑ کی تھی اور سب سے زیادہ مدت امامت قریب چھتیس سال ہمارے ساتویں امامؑ کی تھی۔

ہماری گفتگو یہ ہو رہی تھی کہ اگرچہ ہر امامؑ ہماری حاجت کو پورا کر سکتا ہے لیکن کثرت کے ساتھ کچھ احکامات ہیں مثلاً ایک حکم تو یہ ہے کہ مہینے کی کوئی ایک تاریخ کسی ایک امامؑ کی طرف منسوب ہے آپ اس دن اگر دعا مانگو تو بہتر یہی ہے اس دن کے امامؑ کے حوالے سے دعا مانگو۔

پہلی تاریخ پیغمبرؐ اسلام کی تاریخ ہے اور ان کی تسبیح کتابوں میں موجود ہے۔

دوسری تاریخ امیر المومنین علیہ السلام کی تاریخ ہے اور ان کی تسبیح بھی کتابوں میں ہے۔

تیسری تاریخ حضرت سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی تاریخ ہے۔

چوتھی تاریخ دوسرے امامؑ کی۔

پانچویں تاریخ تیسرے امامؑ کی۔

چھٹی تاریخ چوتھے امامؑ کی۔

ساتویں تاریخ پانچویں امامؑ کی۔

آٹھویں تاریخ چھٹے امامؑ کی۔

نویں تاریخ ساتویں امامؑ کی۔

پہلی تاریخ سے نویں تاریخ تک پہلے تو (۹) معصومینؑ کی تاریخیں ہیں۔ اس کے بعد سے دو دو تاریخیں ایک ایک معصومؑ کی شروع ہوتی ہیں۔

دسویں اور گیارھویں تاریخ آٹھویں امامؑ کی۔

بارھویں اور تیرھویں تاریخ نویں امامؑ کی۔

چودھویں اور سترھویں تاریخ گیارھویں امامؑ کی۔

اٹھارھویں تاریخ سے لے کر اُنتیس تاریخ تک جب دعا مانگیں تو امامِ زمانہؑ کے حوالے سے مانگیں (صلواۃ)۔

اسی طرح سے دنوں کا خیال رکھنا بھی سنت ہے۔

ہفتہ: ہفتے کا دن پیغمبرؐ اسلام کا دن ہے۔

اتوار: اتوار کا دن امیر المومنین علیہ السلام کا دن ہے۔

پیر: پیر کا دن دوسرے اور تیسرے امامؑ کا دن ہے۔

منگل: منگل کا دن چوتھے، پانچویں اور چھٹے امامؑ کا دن ہے۔

بدھ: بدھ کا دن ساتویںؑ، آٹھویںؑ، نویںؑ اور دسویں امامؑ کا دن ہے۔

جمعرات: جمعرات کا دن گیارھویں امامؑ کا دن ہے۔

جمعہ: جمعہ کا دن امامِ زمانہؑ کا دن ہے۔ (صلواۃ)

اب روایات میں ایک سخت ترین حکم دیا گیا ہے۔ ایک حکم تو یہ دیا گیا ہے کہ زیارت جامعہ پڑھی جائے۔

یہ ایک ایسی زیارت ہے جو ہر امامؑ کے لیے پڑھی جا سکتی ہے اور اس میں ہمارے پورے عقائد تفصیل کے ساتھ آ گئے ہیں۔

حاجی علی بغدادیؒ کا ایک واقعہ کتاب مفاتیح الجنان میں موجود ہے۔

ایک تیسری روایت میں ہے کہ اگرچہ ہمارا ہر امامؑ ہماری ہر ضرورت کو پورا کر سکتا ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ خدا کو جب دنیا میں کوئی حکم نازل کرنا ہوتا ہے تو طریقہ یہ ہوتا ہے کہ خدا کی طرف سے وہ حکم پیغمبرؐ اسلام کے پاس آتا ہے، پیغمبرؐ اسلام امیر المومنین علیہ السلام کو دیتے ہیں، وہ دوسرے امامؑ کو، وہ تیسرے امامؑ کو، وہ چوتھے امامؑ کو اسی طرح سلسلہ چلتا ہوا گیارھویں امامؑ تک اور گیارھویں امامؑ، بارھویں امامؑ کو دیتے ہیں اور وہاں سے اس فرشتے کے پاس پہنچتا

ہے جس فرشتے کو یہ حکم لے کر اس دنیا میں آنا ہوتا ہے۔

اسی طرح سے جب کسی مومن کی دعا آسمان کی طرف جاتی ہے یا جب کسی مومن کی حاجت آسمان کی طرف جاتی ہے یا جب کسی مومن کا عمل آسمان کی طرف جاتا ہے تو فرشتہ اسے لے کر پہلے امام زمانہؑ کے پاس جاتا ہے پھر وہ گیارھویں امامؑ کو دیتے ہیں' پھر وہ دسویں امامؑ کو پھر سلسلہ چلتے ہوئے امیر المومنین علیہ السلام تک پہنچتا ہے وہاں سے پیغمبرؐ اسلام اور وہاں سے بارگاہِ خداوندی میں پہنچتا ہے۔

ہمارے لیے حکم ہے کہ ہم امامؑ کے آٹھ حقوق ادا کریں۔

ان میں سے ایک حق یہ ہے کہ ہمیشہ مصیبت کی دعا امام زمانہؑ کے حوالے سے طلب کریں تاکہ فی الفور وہ آسمانوں میں پہنچ جائے۔

کتاب بحار الانوار کی ایک روایت ہے!

ابوالوفائے شیرازی نقل کرتے ہیں کہ مجھے ایک مرتبہ اپنے علاقے کے حاکم ابوالعباس نے قید کرلیا اور قید کرنے کے بعد جب مجھے قید خانے میں ڈال دیا گیا تو میں روزانہ پیغمبر اسلامؐ کے واسطے سے دعا مانگا کرتا تھا۔ کئی دن گزر گئے لیکن میری دعا قبول نہ ہوئی یہاں تک کہ وہ دن آ گیا کہ جس دن مجھے یہ حکم سنایا گیا کہ کل تمھیں قتل کیا جانے والا ہے تو اب میں بڑا پریشان ہوا۔ میں بڑا گھبرایا اور میں اس فکر میں تھا کہ اب میں کروں تو کیا کروں۔ بہت دیر تک رویا' پیغمبرؐ اسلام کے حوالے سے دعا مانگتا رہا' رات کو سویا تو خواب میں پیغمبرؐ اسلام تشریف لائے اور آنے کے بعد مجھ سے ارشاد فرمایا: اے شخص! تیری کیا حاجت ہے؟

میں نے اپنی حاجت بیان کر کے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! آپؐ اتنی تاخیر کے بعد میری حاجت کو پورا کرنے آئے۔

پیغمبرؐ اسلام نے ارشاد فرمایا: سنو! تم اگر اس طریقے سے اپنی حاجت کو طلب کرتا کہ جو خدا نے مقرر کیا ہے تو تیری حاجت جلدی پوری ہو جاتی۔

میں نے گھبرا کر عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! وہ کیا طریقہ ہے؟

پیغمبرؐ اسلام نے ارشاد فرمایا: یاد رکھو! اگر تمھیں کبھی آخرت کے بارے میں کوئی دعا مانگنا ہے تو میری بیٹی فاطمہؑ اور میرے دونوں بیٹوں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے حوالے سے دعا مانگ تو خدا فی الفور تیری اس دعا کو قبول کرے گا اور اگر کسی ظالم سے انتقام لینا ہے تو اس وقت میرے چچا کے بیٹے امیر المومنین علیہ السلام کے حوالے سے دعا مانگ تو خدا فوراً ظالم سے انتقام لے گا۔

ابوالوفائے شیرازی کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: امیر المومنین علیہ السلام پر تو خود اتنے مظالم ہوئے' ان کے گلے میں رسّی ڈالی گئی' انھیں گلی میں گھمایا گیا' ان کے گھر کو آگ لگائی گئی' ان کی بیویؑ پر مظالم کیے گئے انھوں نے اپنے اوپر ظلم کرنے والوں سے انتقام نہ لیا تو میرے مظالم کا کیسے انتقام لیں گے؟

پیغمبرؐ اسلام نے جواب دیا: تم نہیں جانتے یہ تو میرا اپنے بھائی سے ایک عہد تھا' جسے میرے بھائی نے پورا کیا اور اس عہد کی وجہ سے کسی ظالم سے انتقام نہ لیا ورنہ تم دیکھتے کہ کس طریقے سے وہ اپنے ظالم سے بھی انتقام لیتا ہے۔ بہرحال جب کبھی ظالم تم پر ظلم کرے اور تو نے اس سے انتقام لینا ہو تو ہمیشہ میرے چچا کے بیٹے کے حوالے سے دعا مانگ اور کبھی کسی بادشاہ یا شیطان کی برائی سے دور رہنا مقصود ہو تو ہمیشہ چوتھے امامؑ کے حوالے سے دعا مانگ اور اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تم قبر کے عذاب سے بچے رہو تو ہمیشہ پانچویںؑ اور چھٹے امامؑ کے حوالے سے دعا مانگنا۔ اسی طرح اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تمھارے علم میں اضافہ ہو تو تب بھی پانچویںؑ اور چھٹے امامؑ کے حوالے سے دعا مانگنا اور اگر تم گھر میں خیر و عافیت سے رہنا چاہتا ہے تو ساتویں امامؑ کے حوالے سے دعا مانگنا اور اگر سفر میں خیر و عافیت سے رہنا چاہتے ہو تو آٹھویں امامؑ کے حوالے سے دعا مانگو اور اگر رزق میں وسعت و کشائش چاہتے ہو تو نویں امامؑ کے حوالے سے دعا مانگو اور اگر تو یہ چاہتا ہے کہ خدا تجھے عبادت کی توفیق دے تو دسویںؑ اور گیارھویں امامؑ کے حوالے سے دعا مانگو اور اگر کبھی تلوار تمھاری گردن پر پہنچ جائے اور اتنی بڑی کوئی اور مصیبت نازل ہو جائے تو اس وقت میری نسل میں سے جو قائمؑ ہے' اس کے حوالے سے دعا مانگا کرو خدا

فوراً تمھاری دعا کو قبول کرے گا۔

یہ ایک طریقۂ دعا ہمیں بتایا گیا ہے اگرچہ میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ کسی بھی امامؑ کے حوالے سے اگر دعا مانگی جائے تو یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ دعا قبول نہ ہو۔ لیکن ایک فطری بات ہے کہ اگر آپ چھٹے امامؑ کے زمانے میں ہوتے اور چھٹے امامؑ موجود ہوتے تو آپ بجائے اس کے کہ کسی اور امامؑ سے دعا مانگتے' فطری بات یہ تھی کہ آپ چھٹے امامؑ کے پاس جاتے اور ان کے سامنے اپنی حاجت کو پیش کرتے تو اس وقت جو بڑی بڑی مصیبتیں نازل ہو رہی ہیں ان میں ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے امامِ زمانہؑ کے حوالے سے دعا مانگیں۔

اب گفتگو کا سلسلہ شروع ہوتا ہے!

بشر ابن سلیمان ایک بُردہ فروش ہے' وہ نقل کرتے ہیں: ایک دن مجھے کافور غلام بلانے آیا۔ ان کا کام یہ تھا کہ یہ غلاموں اور کنیزوں کو خریدا کرتے تھے اور دوسروں کے ہاتھ بیچا کرتے تھے' یہ محبانِ اہلِ بیتؑ میں سے تھے۔ سامرہ میں امامؑ کے پڑوس میں رہتے تھے۔

وہ کہتے ہیں: ایک دن مجھے امامؑ نے بلایا اور بلانے کے بعد کہا: اے بشر ابن سلیمان! تم انصار سے تعلق رکھتے ہو اور انصار ہمیشہ سے ہمارے محبّ رہے ہیں۔ آج ہم تمھیں ایسی فضیلت دینا چاہتے ہیں جو آج تک تمھارے دور کے کسی اور مومن کو نہ ملی ہو گی۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس فضیلت سے تمھارا مرتبہ بڑھ جائیں۔ یہ کہہ کر امامؑ نے دو سو بیس (۲۲۰) اشرفیاں ایک تھیلی میں رکھیں اور اس تھیلی پر مہر لگا کر میرے حوالے کی۔

امامؑ نے فرمایا: یہاں سے سیدھا بغداد کے پل پر جا' جس وقت کنیزوں اور غلاموں کی کشتیاں صبح سویرے آنے لگیں' اس وقت تک تم انتظار کرنا' جب عمر ابن یزید کی کشتی آئے تو اس کشتی میں دیکھنا کہ اس میں ایک مستور ہو گی جو دو ریشم کے لباسوں میں ملبوس ہو گی' اس کے چہرے پر نقاب پڑا ہوا ہو گا اور وہ خود اپنے آپ سے گفتگو کرتی جا رہی ہو گی جس وقت لوگ اس کو دیکھنے کے لیے قریب آئیں گے اور خرید و فروخت کا جو پہلے زمانے میں طریقہ تھا' کے مطابق پہلے وہ چھو کر دیکھتے تھے تو لوگ جب اس کے قریب آئیں اور اس کے جسم کو چھونا چاہتے ہوں

گے وہ ایک مرتبہ گھبرا کر پیچھے ہٹ جائے گی اور یہ کہتی ہوئی نظر آئے گی کہ آج زمانے نے مجھے کس حالت میں پہنچا دیا اور کس طرح سے میری توہین اور بے عزتی کی جا رہی ہے' کاش! میرا والی اور میرا وارث آ جائے اور مجھے اس بے عزتی سے بچائے۔ جب تو یہ جملہ سن لے تو اس وقت تو عمر ابن یزید سے کہنا کہ یہ کنیز میرے حوالے کر دے' میں اس کی قیمت دینے کو تیار ہوں۔

بشر ابن سلیمان کہتے ہیں: میں سامرہ سے چلا اور بغداد میں جا کر مکان کرائے پر لیا اور کرائے پر مکان لے کر صبح سویرے بغداد کے پل پر پہنچا۔ اب میں کشتیوں کا انتظار کرنے لگا ایک دم میں نے دیکھا کہ کشتیاں آنا شروع ہوئیں۔ جب عمر ابن یزید کی کشتی آئی تو میں نے دیکھا کہ اس کی دوسری کنیزیں کثرت کے ساتھ فروخت ہو رہی تھیں البتہ ایک کنیز تھی جو ریشمی لباس پہنے اور اپنے چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے تھی' وہ کسی کو اپنے قریب نہیں آنے دیتی تھی اور وہ ایک کونے میں خاموش کھڑی تھی' یہاں تک کہ جب کوئی اس کے قریب آتا تو وہ وہی جملہ کہتی تھی جو امامؑ نے مجھے بتایا تھا۔ بس یہ جملہ سنتے ہی مجھے یقین ہو گیا کہ یہی میرا مطلوب ہے۔ میں آگے بڑھا' عمر ابن یزید کے پاس پہنچا اور کہا: میں اس کنیز سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔

عمر ابن یزید نے کہا: میں تو اس کنیز کے ہاتھوں تنگ آ گیا ہوں اس لیے کہ یہ ابھی تک کسی کے ہاتھ فروخت ہونے پر تیار نہیں ہوئی۔ جاؤ تم بھی اس سے بات کر کے دیکھ لو۔

میں آگے بڑھا اس کنیز کے پاس گیا' وہ گھبرا کر پیچھے ہٹنا چاہتی تھی مگر میں نے اپنے دسویں امامؑ کا لکھا ہوا خط اسے پیش کیا جیسے ہی خط کی عبارت پر اس کی نگاہ پڑی' ایک مرتبہ اس نے خط کو پڑھ کر چوما اور چومنے کے بعد اپنے مالک سے کہا: مجھے اس کے ہاتھ فروخت کر دے' ورنہ میں زہر کھا کر اپنے آپ کو ہلاک کر دوں گی۔ مالک نے خوشی خوشی میرے ہاتھ اس کنیز کو فروخت کر دیا اور میں اس کنیز کو لے کر اپنے گھر میں آیا۔

اب کنیز جب اس کے گھر میں آ گئی تو بشر ابن سلیمان کہتا ہے کہ میں بڑا حیران و پریشان ہوا کہ یہ کنیز صرف اس خط کو دیکھ کر میرے ساتھ چلنے پر کیسے راضی ہو گئی؟

میں نے ایک مرتبہ اس کنیز سے کہا: اے کنیز! میں تجھ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا وجہ

ہے کہ تو صرف اس خط کو پڑھ کر میرے ساتھ چلنے پر تیار ہو گئی؟

اس کنیز نے کہا: اے آلِ محمدؐ کی معرفت نہ رکھنے والے! میری گفتگو توجہ سے سن! میرا نام ملیکہؑ ہے اور میں قیصر روم کی پوتی ہوں۔ جب میری عمر تیرہ (۱۳) سال ہوئی تو میرا رشتہ میرے چچازاد بھائی سے طے پایا۔ چناں چہ جشن کا اہتمام کیا گیا' تین سو کے قریب وہ حواری بلائے گئے جن کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قریبی تعلق تھا' سات سو شہر کے معزز امیر بلائے گئے' چار ہزار فوج کے سپاہی بلائے گئے اور بڑے عالی شان ماحول میں دربار کی تقریبات کا آغاز ہوا۔

تخت رکھا گیا' اس تخت کو چالیس پائے لگائے گئے اور جس وقت دولھا کو تخت پر بٹھا کر ہاتھ اُٹھا کر انجیل پڑھنے کا موقع آیا تو ایک مرتبہ تمام بت اور تمام صلیبیں زمین پر گرنے لگیں اور اس تخت کے پائے ٹوٹ گئے اور وہ تخت اوپر سے نیچے آ گرا۔ یہاں تک کہ دولھا بھی زخمی ہو گیا۔ اس وقت کے پادریوں نے جب یہ منظر دیکھا تو گھبرا کر کہا: اے بادشاہِ وقت! ہم یہ نکاح نہیں پڑھا سکتے۔ اس لیے کہ اس نکاح میں ایسی علامت ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے دین کے زوال کی علامت ہے' اس لیے ہمیں اس کام سے معذور سمجھا جائے۔

بادشاہ نے کہا: ہاں! یہ لڑکا ہی منحوس لگتا ہے' اس کے دوسرے بھائی کو بلایا جائے۔ اس کے دوسرے بھائی کے ساتھ میری پوتی کی شادی کی جائے گی۔

بہرحال!

دوسرے بھائی کو بلایا گیا' تخت کو ایک مرتبہ پھر سجایا گیا لیکن پھر جس وقت موقع آیا اور انجیل کو کھول کر پڑھنے کی باری آئی' تخت پھر ہلا' صلیبیں پھر گریں' بت پھر زمین پر آ رہے اور تخت ایک مرتبہ لڑکھڑا کر زمین پر آیا اور دوسرا دولھا بھی زخمی ہو کر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ یہ منظر دیکھ کر تمام کے تمام پادری نکل گئے اور کہنے لگے کہ یہ شادی اس حالت میں ہونا ناممکن ہے۔

اب بادشاہ نہایت رنجیدہ اور مایوس حالت میں گھر میں آ گیا اور میں بھی بڑی پریشان تھی کہ آخر اس کا سبب کیا ہے؟ یہاں تک کہ رات آ گئی اور میں سو گئی۔ جب میں سو گئی تو خواب میں دیکھا کہ ایک میدان ہے اور اس میدان میں نور کا ایک منبر لگایا جا رہا ہے اور جب

نور کا منبر لگا تو میں نے دیکھا کہ میرے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے آ رہے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کے گیارہ حواری اور ان کے تمام ماننے والے ہیں اور آنے کے بعد وہ اس طرح کھڑے ہو گئے جیسے وہ کسی اور کا انتظار کر رہے ہیں۔

اب میں حیران تھی کہ میرے پیغمبر کس آنے والے کا انتظار کر رہے ہیں' ان سے بڑا تو کوئی نہیں ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ آسمان سے کسی اور کی سواری اُتری اور جو آنے والا آیا وہ تنہا نہیں آیا تھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس کے گیارہ بیٹے" بھی آئے تھے۔ میں نے یہ منظر دیکھا کہ میرے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آگے بڑھے اور انھوں نے ان کو سلام کیا اور سلام کر کے ایک مرتبہ ہاتھوں کو بوسہ دیا۔

میں نے گھبرا کر کسی سے سوال کیا: یہ کون ہیں؟

کسی نے کہا: یہ مسلمانوں کے پیغمبرؐ اسلام ہیں' جن کا استقبال حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیا۔

اب میں حیران ہو کر دیکھنے لگی کہ میرے خیال میں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بڑا کوئی پیغمبر نہیں تھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس آنے والے پیغمبرؐ اسلام نے اپنے پیچھے کھڑے ہوئے لڑکوں میں سے ایک کو آگے کیا اور کہا: اے حضرت عیسیٰؑ! یہ میرا بیٹا حسنؑ (یعنی گیارھویں امامؑ) ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ اس کا نکاح آپؑ کے وصی شمعون کی نسل سے تعلق رکھنے والی اس لڑکی ملیکہؑ سے کروں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک مرتبہ شمعون کی طرف مڑے کہ اے شمعون! اس سے بڑھ کر تیری کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے کہ آلِ محمدؐ کا رشتہ تجھ سے جڑ جائے۔

میرے نانا شمعون نے ایک مرتبہ ہاں کر دی۔

اسی وقت نور کے منبر پر بیٹھ کر میرے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اور مسلمانوں کے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا نکاح پڑھا اور میرا نکاح ہو گیا۔

اب روایت میں ہے: میری آنکھ کھل گئی۔ اب میں بہت پریشان تھی کہ اس خواب کا مطلب کیا ہے؟ تمام دن پریشانی کی حالت میں رہی یہاں تک کہ اگلی رات آ گئی اور میں سو

گئی۔ اس رات بھی میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت مریمؑ تشریف لائیں۔ میں نے حضرت مریمؑ کو دیکھا تو ایک مرتبہ کسی کے استقبال کو آگے بڑھیں لیکن آج بھی مجھے ایسا لگا کہ حضرت مریمؑ بھی کسی کا انتظار کر رہی ہیں۔ میں حیران تھی کہ حضرت مریمؑ کو کیا ضرورت ہے کہ وہ کسی کا انتظار کریں ان سے زیادہ افضل اور کون ہو سکتا ہے لیکن تھوڑی دیر گزری تھی کہ میں نے دیکھا کہ آسمان سے نور کی ایک سواری اُتری اور جب وہ قریب پہنچی تو اس کے پردے کو ہٹا کر کوئی بی بیؑ باہر آئیں۔ اس آنے والی بی بیؑ میں اتنا جلال تھا کہ بی بی مریمؑ ان کے استقبال کے لیے آگے بڑھیں۔

میں نے کسی سے پوچھا: یہ کون سی بی بیؑ ہیں؟

جواب ملا کہ یہ مسلمانوں کے پیغمبرؐ اسلام کی بیٹی حضرت سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ہیں (صلواۃ)۔

ایک مرتبہ حضرت مریمؑ نے مجھے بازو سے تھاما اور کہا: اے میری بیٹی ملیکہؑ! انھیں پہچان یہ تیرے شوہر کی ماں ہیں اور ان سے ملاقات کر۔

میں نے جب دیکھا تو میں نے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا سے شکایت کی کہ آپؑ کے بیٹے شادی کے بعد ایک مرتبہ بھی میرے پاس نہیں آئے ایک مرتبہ بھی مجھ سے ملاقات نہیں کی۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے جواب دیا: اے میری بیٹی! تم ابھی تک اپنے دین پر ہو جب تک کہ تم اس دین پر نہ آؤ گی جو میرے بابا کا دین ہے اس وقت تک میرا بیٹا تمھاری ملاقات کو نہیں آسکتا۔

میں نے ایک مرتبہ حضرت مریمؑ کی طرف دیکھا تو حضرت مریمؑ نے بتایا کہ میں تو ابتدا ہی سے اس دین کی قائل ہوں۔ جب میں نے حضرت مریمؑ کو دیکھا کہ وہ اس دین کو مانتی ہیں تو میں نے بھی کلمہ پڑھا۔ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے میری پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا: کل رات انتظار کرنا تمھارا شوہر تمھارے پاس آئے گا۔

اگلی رات آئی اور میں نے دیکھا کہ امامؑ میرے پاس آئے اور اس کے بعد مسلسل میرے پاس آتے رہے۔ چناں چہ میں اچھی طرح سے امامؑ کو پہچانتی ہوں۔

بشرابن سلیمان یہ کہتا ہے: اے ملیکہؑ! پھر آپؑ قیصر روم کے ملک سے بغداد کے پل پر کیسے پہنچیں؟

جواب دیا: ایک رات میرے شوہر جب میرے خواب میں آئے تو انھوں نے کہا: کل تمھارا دادا مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے ایک فوج بھیج رہا ہے تم کسی طرح اپنا لباس بدل کر اس فوج میں شامل ہو جاؤ اس لیے کہ تمھارا دادا بھی ساتھ جا رہا ہے۔ کوئی تمھاری نگرانی کرنے والا نہ ہوگا۔ تم موقع پا کر مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو جانا اس کے بعد تمھیں اپنے گھر تک بلانا یہ میری ذمہ داری ہے۔ چناں چہ اگلے دن میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر دو کنیزوں کے ہم راہ اپنے گھر سے نکلی' حالتِ جنگ میں 'میں مسلمان لشکر میں داخل ہوئی' انھوں نے مجھے گرفتار کر لیا لیکن کوئی مجھے چھو نہ سکا۔ یہاں تک کہ عاجز آ کر مجھے ایک بُردہ فروش کے ہاتھ میں فروخت کر دیا اور یہاں جس طرح سے میں پہنچی وہ منظر بھی تم نے دیکھا۔ اب میں اپنے آقاؑ اور مولاؑ کے پاس جانے کے لیے تیار ہوں۔

بشرابن سلیمان حضرت ملیکہؑ کو لیے ہوئے دسویں امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دسویں امامؑ نے حضرت ملیکہؑ کو دیکھ کر کہا: اے ملیکہ خاتونؑ! میں تمھیں دو اختیارات دیتا ہوں تم راہِ خدا میں بالکل آزاد ہو جتنی دولت چاہیے تمھارے حوالے کر دیتا ہوں' جہاں دل چاہتا ہے چلی جاؤ یا پھر میرے گھر میں رہو۔ میں تجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کام یابی کی خوش خبری سناتا ہوں۔

حضرت ملیکہؑ نے فرمایا: یا بن رسول اللہؐ! میں دولت لے کر کیا کروں گی مجھے تو وہ ابدی خوش خبری سنائیے۔

ارشاد فرمایا: تیرے بطن سے خدا وہ بیٹا پیدا کرے گا جو تمام دنیا کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی ہو گی۔

حضرت ملیکہؑ نے کہا: مولاؑ! پھر میں آپؑ کے گھر میں رہنے کے لیے راضی ہوں۔

اس وقت امامؑ نے دوبارہ حضرت ملیکہؑ کا نکاح پڑھایا۔

حضرت حکیمہ خاتونؑ فرماتی ہیں: میں مسلسل اپنے بھائی دسویں امامؑ کے پاس آیا کرتی تھی اور ان کی شہادت کے بعد اسی طرح اپنے بھتیجے کے گھر آیا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ جب میں اپنے بھتیجے کے گھر پہنچی تو میں نے وہاں پر نرجس خاتونؑ کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔

میں نے اپنے بھتیجے سے سوال کیا: یہ خاتون کون ہے؟

میرے بھتیجے نے اس کا تعارف کرایا اور اس سے میرا تعارف کرایا تو اب نرجس خاتونؑ میرے قدموں کو بوسہ دینے کے لیے آگے بڑھیں' یہ کہتے ہوئے کہ آپؑ امامؑ کی بہن ہیں اور امامؑ کی پھوپھی ہیں۔

حضرت حکیمہ خاتونؑ فرماتی ہیں: میں نے نرجس خاتونؑ کو بٹھایا اور کہا کہ اب میری ذمہ داری ہے کہ میں تمھارے پاؤں کو بوسہ دوں اس لیے کہ تمھارے بطن مبارک سے وہ امامؑ پیدا ہونے والا ہے جو تمام عالمین کا امامؑ ہوگا۔

حضرت حکیمہ خاتونؑ بیان کرتی ہیں: میں اپنے بھتیجے کے ہاں مسلسل آتی جاتی تھی یہاں تک کہ ۱۵ شعبان کی شب کو میں پہنچی۔ تمام دن میں روزے کی حالت میں تھی شام کے قریب جب میں پہنچی اور ملاقات کر کے واپس جانا چاہا تو میرے بھتیجے نے کہا: پھوپھی اماں! آج آپ میرے یہاں روزہ افطار کریں۔

میں نے کہا: میرے بھتیجے! اس کا سبب کیا ہے؟

میرے بھتیجے نے فرمایا: پھوپھی اماں! آج نرجس خاتونؑ کے بطن سے خدا مجھے ایک بیٹا عطا کرے گا جس کا انتظار صدیوں سے ہو رہا تھا۔

یہ سنتے ہی میں نے کہا: اے میرے بھتیجے! میں تو کسی قسم کے آثار نرجس خاتونؑ میں نہیں دیکھ رہی ہوں' یہ تم کیسے کہہ رہے ہو کہ آج بیٹے کی ولادت ہوگی؟

امامؑ نے فرمایا: پھوپھی اماں! آپ تو اتنے عرصے سے دیکھ رہی ہیں کہ ہم گروہ ائمہؑ کی

ولادت کا طریقہ ہی بالکل جدا ہے۔

بہر حال!

میں وہاں ٹھہری، روزہ افطار کیا، آدھی رات تک کا وقت گزر گیا لیکن میں نے نرجس خاتونؑ میں کسی قسم کے آثار ولادت نہ پائے۔ البتہ جب صبح کا وقت قریب آ رہا تھا اور ایک مرتبہ میں اپنے بھتیجے کی طرف گئی اور عرض کیا: اے میرے بھتیجے! اب تو رات ختم ہونے کے قریب ہے اور اب تک کوئی آثار حمل نظر نہیں آتے۔

میرے بھتیجے نے مسکرا کر فرمایا: پھوپھی اماں! بس اب وہ وقت آیا ہی چاہتا ہے، جس کا آپ سے وعدہ کیا گیا ہے۔

حضرت حکیمہ خاتونؑ بیان کرتی ہیں: ایک مرتبہ مجھے ایسے لگا کہ جیسے میری آنکھوں کے سامنے نور ہی نور پھیل گیا ہے۔ مجھے نرجس خاتونؑ نظر آنا بند ہو گئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد نور ہٹا تو میں نے دیکھا کہ ایک بچہ زمین پر پیشانی رکھے ہوئے پہلے شکر کا کلمہ زبان سے نکال رہا ہے اور پھر کہہ رہا ہے:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

وَ اَشْهَدُ اَنَّ جَدِّیْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

وَ اَشْهَدُ اَنَّ اَبِیْ عَلِیًّا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ حُجَّةُ اللّٰهِ

اس کے بعد ایک ایک کر کے تیسرے، چوتھے...... گیارھویں امامؑ پر درود بھیجتا جا رہا تھا اور ان کی امامت کی تصدیق بھی کرتا جا رہا تھا (صلواۃ)۔

حضرت حکیمہ خاتونؑ بیان کرتی ہیں: میں نے اس بچے کو اُٹھایا اور اُٹھا کر اپنے بھتیجے کی گود میں دیا۔ میرے بھتیجے نے پہلے تو اس کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اس حالت میں اُٹھایا کہ اس بچے کے پاؤں میرے بھتیجے کے سینے پر تھے اور لب اپنے باپ سے منسلک تھے اور میرے بھتیجے کی زبان اس بچے کے منہ میں تھی۔ تھوڑی دیر تک یہ منظر گزرا اور اس کے بعد میں نے کمرے میں کچھ پرندوں کے پھڑ پھڑانے کی آواز سنی۔ میں نے نگاہ اُٹھائی تو چاروں طرف سفید

پرندے دیکھے اور یہ دیکھ کر میں اور حیران ہوگئی کہ میرے بھتیجے نے اُٹھا کر اس بچے کو ان پرندوں کے حوالے کر دیا اور یہ سفید پرندے اس بچے کو لے کر آسمانوں کی طرف اُڑ گئے۔

میں نے گھبرا کر کہا: اے میرے بھتیجے! یہ تُو نے کیا کیا؟

میرے بھتیجے نے کہا: پھوپھی اماں! یہ پرندے نہیں ہیں بل کہ آسمان کے قدسی فرشتے ہیں اس لیے کہ اس بچے کا جتنا انتظار زمین پر ہو رہا ہے اس سے زیادہ انتظار آسمان پر کیا جا رہا ہے۔ اب یہ آسمان کی طرف جائے گا اور تین دن کے بعد پلٹ کر آئے گا اور پھوپھی اماں! میں نے وہی کیا جو موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا۔

اس کے بعد روایت میں ہے: تین دن کے بعد جب یہ بچہ پلٹ کر آیا اور حضرت حکیمہ خاتونؒ ایک ہفتے کے بعد اپنے بھتیجے کے گھر میں گئیں تو ایک مرتبہ یہ دیکھ کر حیران ہو گئیں کہ اڑھائی سال کا ایک لڑکا گھر کے اندر گھوم پھر رہا ہے۔

میں نے گھبرا کر کہا: اے میرے بھتیجے! یہ بچہ کون ہے؟

فرمایا: پھوپھی اماں! یہ وہی میرا بیٹا ہے جو ایک ہفتہ پہلے پیدا ہوا تھا۔

حضرت حکیمہؒ نے فرمایا: ایک ہفتے میں اتنی پرورش؟

فرمایا: پھوپھی اماں! یاد کیجیے کہ جب آپ نرجس خاتونؒ کو ٹٹول رہی تھیں اس وقت پیٹ کے اندر سے کسی نے آپ کو سلام کہا تھا اور "اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ" ...... کی تلاوت کی تھی۔

بہر حال!

اب وقت چوں کہ بہت مختصر ہے اس لیے!

خیر!

اب ولادتِ امامؑ ہوگئی لیکن ولادتِ امامؑ کو اتنا پوشیدہ رکھا گیا کہ صرف ان چار ہستیوں کو پتا تھا کہ امامؑ کی ولادت ہو چکی ہے:

① گیارھویں امامؑ ② حضرت نرجس خاتونؒ

③ حضرت حکیمہ خاتونؑ ④ ایک کنیز یا غلام

روایات میں ہے کہ امامؑ کے ایک صحابی ابودیان ۲۶۰ ہجری میں صفر کی آخری تاریخوں میں امامؑ کی خدمت میں تشریف لائے اور آ کر عرض کیا: مولاؑ! آپؑ نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ آپؑ کے بعد امامِ وقتؑ کون ہوگا؟

گیارھویں امامؑ نے ارشاد فرمایا: اب سے پندرہ دنوں کے بعد تم پھر اس گھر میں آنا تو تمھیں یہاں سے رونے کی آوازیں سنائی دیں گی اور میرا جنازہ اس گھر سے اُٹھا کر باہر لایا جا رہا ہوگا۔ اس وقت جو بچہ یا جو شخص آگے بڑھ کر لوگوں سے خطوط طلب کرے، جو میری نماز جنازہ پڑھائے اور جو ان تھیلیوں میں موجود چیزوں کے بارے میں بتا دے تو وہی میرے بعد میرا جانشین ہے اور تمھارا امامؑ ہے۔

اگرچہ بہت سے لوگوں کی گواہی ہے لیکن ایک روایت ہم وقت کی کمی کی وجہ سے بیان کر رہے ہیں کیوں کہ گیارھویں امامؑ نے آخر میں یہ کہا تھا: اے ابودیان! بعد میں بہت سے لوگ یہ کہیں گے کہ یہ بچہ پیدا ہی نہیں ہوا' بہت سے لوگ یہ کہیں گے کہ یہ ماں کے پیٹ میں مر گیا' بہت سے لوگ کہیں گے کہ دنیا میں آ کر مر گیا' بہت سے لوگ یہ کہیں گے کہ وہ بچپنے میں کھو گیا اور آج بھی یہ کہنے والے دنیا کے اندر موجود ہیں۔

بہرحال!

ابودیان کہتے ہیں: میں ۱۵ دنوں کے بعد آیا' ۸ ربیع الاول کی تاریخ تھی' گیارھویں امامؑ کا جنازہ گھر سے باہر نکل رہا تھا میں نے دیکھا کہ امامؑ کا جنازہ گھر سے نکال کر گھر کے صحن میں رکھا گیا اور خاص خاص مومنین قطار بنا کر نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔

گیارھویں امامؑ کے بھائی جعفر جنھوں نے امامت کا دعویٰ کیا' لہٰذا جعفر کذاب ان کا لقب پڑ گیا لیکن بعد میں توبہ کر لی تو جعفر تواب یعنی توبہ کرنے والے جعفر کہلائے۔ ابودیان کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ جب ایک مرتبہ صفیں کھڑی ہو گئیں تو وہ بچہ آگے بڑھا اور آگے بڑھ کر اس نے اپنے چچا کو جو نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہو گئے تھے ایک مرتبہ دامن سے پکڑ کر کھینچا

اور کہا: چچا! آپ جانتے ہیں کہ یہ میرا حق ہے۔

وہ جعفر جو اپنے آپ کو اس وقت امام کہہ رہے تھے' اتنے گھبرا گئے کہ خود یہ خود پیچھے ہٹ گئے اور اس بچے نے آگے کھڑے ہو کر نماز پڑھائی۔ اس کے بعد گھوم کر کچھ لوگوں کو دیکھا۔

پھر ارشاد فرمایا: وہ خط لاؤ جو تم میرے بابا کے پاس لے کر آئے تھے۔

ابودیان کہتے ہیں: میں نے دو علامتیں تو دیکھ لیں' تھوڑی دیر گزری اب میں تیسری علامت کا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ قم سے کچھ مومنین آئے' آنے کے بعد انھوں نے پوچھا کہ امامؑ کون ہیں؟

لوگوں نے جعفر کو آگے بڑھا دیا کہ یہ اپنے آپ کو امام کہتے ہیں۔

انھوں نے کہا: یہ بتاؤ کہ ہم اپنی تھیلیوں میں کیا لے کر آئے ہیں؟

اب جعفر کے ہوش وحواس جاتے رہے اور پریشانی کی حالت میں خاموش کھڑے رہے۔

ابودیان کہتے ہیں: اب میرے پاس موقع تھا امامؑ کی پہچان کا' اتنے میں' میں نے دیکھا کہ گھر سے ایک غلام نکل کر آیا۔

اس نے کہا: اے اہل قم! یہ تھیلیاں امامؑ کے حوالے کرو۔ امامؑ یہ فرما رہے ہیں کہ ان میں ہر ایک تھیلی میں دو سو اشرفیاں ہیں اور ہر تھیلی میں دس اشرفیاں جعلی اور کھوٹی ہیں۔

قم والوں نے ایک مرتبہ سر تسلیم خم کیا' اشرفیاں آگے بڑھائیں اور کہا: اے غلام! تجھے کیسے پتا چلا کہ ان تھیلیوں میں اتنی اشرفیاں ہیں اور اتنی کھوٹی اشرفیاں ہیں؟

غلام نے کہا: مجھے میرے امامؑ نے بتایا ہے۔

ابودیان کہتے ہیں: اب مجھے یقین ہو گیا کہ یہی امامِ برحقؑ ہیں۔

اب کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے بارھویں امامؑ کبھی ظاہری طور آئے ہی نہیں بلکہ یہ صرف پہلا اور آخری موقع ہے جب سامنے آئے تھے۔

پس!

پیدائش سے لے کر آج تک امامِ زمانہؑ لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں۔

گیارھویں امامؑ کی شہادت کے بعد بارھویں امامؑ نے آ کر جنازہ پڑھایا اور اس کے بعد غَیبت اختیار کر لی۔ اس کا نام غَیبتِ صغریٰ ہے اور ۸ ربیع الاوّل ۲۶۰ ہجری سے ۱۵ شعبان ۳۲۸ ہجری تک یہ سلسلہ چلتا ہے ان اڑسٹھ (۶۸) سالوں کو امامؑ کی غَیبت کو غَیبتِ صغریٰ کہا جاتا ہے اور ۱۵ شعبان ۳۲۸ ہجری سے محرم کی دس تاریخ تک اور جب امامؑ ظہور فرمائیں گے اس تاریخ تک یہ سارا زمانہ غَیبتِ کبریٰ کا زمانہ کہلاتا ہے۔

بہرحال!

۸ ربیع الاوّل ۲۶۰ ہجری کو امامؑ غَیبتِ صغریٰ میں چلے گئے۔ اب امامؑ نے مومنوں سے تعلق قائم رکھنے کے لیے اپنا ایک نائب مقرر کر دیا۔ اس کو نائبِ خاص کہا جاتا ہے یعنی تمام مومنین اس کے پاس جائیں اور وہ مومنین کی تمام حاجات لے کر مہینے میں ایک دفعہ یا دو دفعہ سردابِ مقدس میں جاتا اور وہاں اس کی ملاقات زمانے کے امامؑ سے ہوتی اور وہ آپؑ کی خدمتِ اقدس میں یہ تمام باتیں پیش کرتا۔

سرداب عربی زبان کا لفظ ہے اور تہ خانے کو سرداب کہا جاتا ہے۔

روایات یہ بتاتی ہیں کہ ہمارے بارھویں امامؑ کچھ عرصے تک اسی سردابِ مقدس میں مقیم رہے اور یہ اطلاع عباسی خلیفہ کو ملی کیوں کہ اس کا جاسوسی کا نظام بڑا تیز تھا۔ امامؑ کے ایک ایک شیعہ کو بڑی نگرانی میں رکھا جاتا تھا اور حکومت اس انتظار میں تھی کہ ان کا اپنے امامؑ سے رابطہ کس طریقے سے ہے؟

اب پتا نہیں کس شخص نے عباسی خلیفہ کو یہ اطلاع دے دی کہ امامؑ کا جو نائب ہے وہ اس سرداب میں جا کر امامؑ سے گفتگو کرتا ہے۔ چناں چہ عباسی خلیفے نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو بلایا اور کہا: تم گھوڑوں پر سوار ہو کر فوراً جاؤ اور جا کر اس سرداب میں اُتر جانا اور وہاں جو بھی نظر آئے اسے گرفتار کر کے لے آنا۔

روایت میں ہے: یہ سب کے سب چلے یہاں تک کہ سردابِ مقدس میں پہنچ گئے۔ جب داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک سرسبز باغ ہے (جس میں ایک نہر ہے) اور نہر کے دوسری

جانب کوئی نوجوان مصلے پر بیٹھے ہوئے نماز میں مشغول ہیں۔ ایک مرتبہ ان لوگوں نے وہ منظر دیکھا' باقی سارے کے سارے تو گھبرا کر کھڑے ہو گئے مگر ایک نے جرأت کی اور آگے بڑھا۔ اس نے پانی میں قدم رکھا تو ایسا لگا کہ اس کے سر سے اوپر تک پانی ہی پانی ہے جب اس نے محسوس کیا کہ اب میں ڈوب جاؤں گا تو اس نے "بچاؤ، بچاؤ" کی آوازیں دینا شروع کر دیں۔ اس کے ساتھیوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر نکالا اور دوسرا آگے بڑھا لیکن اس کا بھی یہی حشر ہوا یہاں تک کہ پانچ آدمی ڈوبتے ڈوبتے بچے تو جلدی سے دوڑتے ہوئے باہر نکلے۔ گھوڑے پر سوار ہوئے اور اس مقام سے فرار ہو کر سیدھے اس عباسی خلیفے کے پاس پہنچے اور کہا: ہم نے یہ یہ منظر دیکھا ہے' وہ خلیفہ اور گھبرایا کہ یہ اطلاع اگر لوگوں تک پہنچی تو لوگ تو بالکل گھبرا جائیں گے اور اس امامؑ کی امامت کو مان لیں گے۔ چناں چہ اس نے ان لوگوں کو مجبور کیا کہ اپنی زبان سے کوئی جملہ نہ نکالیں اور تھوڑے عرصے کے لیے خود بھی خاموش ہو گیا۔ کچھ دن گزرے تو دوبارہ اطلاع آئی کہ وہی سرداب شیعوں کا مرکز بنتا جا رہا ہے تو اب اس نے ایک بڑی فوج کو روانہ کیا اور فوج کا سپہ سالار ایک انتہائی متعصب شخص کو مقرر کیا۔ جب یہ وہاں پہنچے تو پورے مکان کو گھیرے میں لے لیا اور سرداب میں اُتر گئے۔ جب سرداب کے قریب پہنچے تو تلاوت قرآن کی آواز آنے لگی۔ اکثر کو یقین ہو گیا کہ وہ امامؑ یہیں موجود ہیں۔ اس نے پوری فوج کو بلا لیا کہ گھر کے محاصرے کا فائدہ نہیں اس لیے سرداب کے دروازے کو بند کر دو اور سرداب کے دروازے پر فوج کا پہرہ کھڑا کر دیا گیا۔ اس نے حکم دیا کہ جیسے ہی میں اشارہ کروں تم فوراً حرکت میں آ جانا۔

اب وہ دروازہ کھول کر اندر چلا' جب اندر پہنچا تو وہی منظر دیکھا کہ ایک سرسبز باغ ہے' بہتا ہوا پانی ہے' پانی کے قریب مصلیٰ بچھائے ہوئے ایک جوان کھڑا ہوا عبادت الٰہی میں مشغول ہے۔ ایک مرتبہ اس جوان کے قریب پہنچنا چاہا کہ اس نے نگاہ اُٹھا کر اِدھر دیکھا اور اُدھر اس کے بدن پر لرزہ طاری ہوا اور وہ جوان بڑے اطمینان کے ساتھ مصلّے کو لپیٹ کر پانی کو پار کر کے دروازے سے باہر نکلا۔ تمام فوج یہ منظر دیکھ رہی تھی لیکن کسی کی مجال نہیں تھی کہ اسے کچھ کہہ

سکے۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ جب اس شخص کو ہوش آیا تو ایک مرتبہ گھبرا کر دیکھنے لگا کہ وہ نوجوان نظر نہیں آ رہا' گھبرا کر باہر آیا۔

سوال کیا: کیا تم نے اس جوان کو گزرتے ہوئے تو نہیں دیکھا؟

تمام سپاہیوں نے کہا: ہماری آنکھوں کے سامنے سے ایک جوان گزر کر تو گیا ہے۔

وہ افسر گھبرا کر کہتا ہے: پھر وہ مجھے نظر کیوں نہیں آیا؟ جب تم نے اسے دیکھا تو میری آنکھوں کو کیا ہو گیا تھا' میری آنکھوں پر کس نے پردہ ڈال دیا تھا؟

اس نے گھبرا کر کہا: پھر تم نے روکا کیوں نہیں؟

انھوں نے جواب دیا: آپ ہی کا تو حکم تھا کہ جب تک میں نہ کہوں اس وقت تک تم حرکت میں نہ آنا' اس لیے دیکھنے کے باوجود ہم حرکت نہیں کر سکے۔

خیر!

یہ تو مصلحت الٰہی تھی۔ اس کے بعد امامؑ منتقل ہو گئے۔

کہاں چلے گئے؟

یہ ہمیں نہیں معلوم' لیکن اپنے چار نائب مقرر کیے:

پہلے نائب حضرت عثمان ابن سعید رضی اللہ عنہ' یہ وہ ہستی ہیں جنھوں نے گیارھویں امامؑ کے زمانے میں بغداد میں روغنیات کی دُکان کھولی تھی۔ اب بارھویں امامؑ کے زمانے میں مرکز سمٹ کر آپؑ کے پاس آ گیا۔ پینتیس (۳۵) سال کی نیابت کے بعد ۲۹۵ ہجری میں ان کا انتقال ہوا۔

ان کے بعد ان کے بیٹے محمد ابن عثمان رضی اللہ عنہ نائب بنے اور دس سال تک وہ نائب رہے اور ان کو ان کی موت سے دو مہینے پہلے امامؑ نے حکم دیا تھا کہ اپنی قبر کھدوا کر رکھو۔ وہ روزانہ اپنی قبر میں اُترتے' ایک قرآن کی تلاوت کر کے نکلتے اور مسلسل قبر کے تذکرے کو لوگوں کے ذہن میں بٹھاتے تھے۔ جب ان کا آخری وقت آیا تو ایک بڑا عجیب واقعہ پیش آیا۔ وہ یہ کہ حضرت محمد ابن عثمان رضی اللہ عنہ یہ دوسرے نائب تھے انھیں اپنے زمانے کے ایک مومن جعفر ابن علی پر انتہائی

اعتماد تھا۔

جب دوسرے نائب کا آخری وقت قریب آیا تو یہ جعفر ابن علی ان کے سرہانے بیٹھے تھے اور حضرت حسین ابن روح رضی اللہ عنہ اسی زمانے کی ایک اور شخصیت تھی' وہ پائنتی کی طرف بیٹھے تھے۔ ایک مرتبہ وقتِ آخر دوسرے نائب نے آنکھیں کھولیں اور کہا: ابھی ابھی امامؑ نے مجھے اطلاع دی ہے کہ میں اپنا نائب حضرت حسین ابن روح رضی اللہ عنہ کو بناؤں۔

بس!

یہ سننا تھا کہ جعفر ابن علی اپنے مقام سے کھڑے ہوئے پائنتی کی طرف آئے۔ حسین ابن روح رضی اللہ عنہ کے بازو کو تھاما اور انھیں لے جا کر سرہانے کی طرف بٹھا دیا۔

اسی دور میں اسی معیار کے ایک اور مومن ابوالحسن شلغمانی تھے۔ یہ ہمارے بہت بڑے عالم گزرے ہیں۔ انھوں نے بہت ساری کتابیں شیعوں کی حمایت میں لکھی ہیں ان کو یہ یقین تھا کہ امامؑ اپنا تیسرا نائب مجھے بنائیں گے لیکن جب انھیں اطلاع ملی کہ تیسرا نائب حسین ابن روح رضی اللہ عنہ قرار پائے ہیں تو ان کے دل میں حسد پیدا ہوا اور انھوں نے مذہب شیعہ کی حمایت میں کتابیں لکھتے لکھتے امامؑ کے خلاف کتابیں لکھنا شروع کر دیں۔

اب لوگ بڑے پریشان ہوئے کہ ہم کیا کریں؟ آج سے چند سال پہلے تو یہ بڑے مومن اور متقی تھے لیکن آج اس قسم کی باتیں لکھ رہے ہیں پتا نہیں' ہوسکتا ہے کہ شاید یہی صحیح دین ہو۔ امامؑ بھی ایک مرتبہ ان کی تعریف کر چکے تھے۔

لوگ اس کشمکش کی حالت میں تھے کہ امامؑ نے ایک خط بھجوایا جس میں امامؑ نے فرمایا: ابوالحسن شلغمانی گم راہ ہو گیا ہے اس کی کسی بات پر بھی بھروسا نہ کرنا۔

اب تیسرے حسین ابن روح رضی اللہ عنہ نائب بنے۔

یہ اتنے مقدس بزرگ تھے کہ آج تک لوگ یہ بھی طے نہیں کر پائے کہ یہ شیعہ تھے' سنی تھے' حنفی تھے' حنبلی تھے' جعفری تھے یا پھر کیا تھے؟

ہر ایک یہ کہتا ہے کہ یہ تو ہمارے تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت حسین ابن روح رضی اللہ عنہ

تقیہ کی حالت میں زندگی گزار رہے تھے۔ ۳۲۶ ہجری میں ان کا انتقال ہوا اور دو سال بعد چوتھے نائب حضرت محمد ابن علی سمری رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا۔

۱۵ شعبان کی تاریخ دو اعتبار سے اہم ہے!

ہمارے بارھویں امامؑ کی ولادت بھی اسی تاریخ کو ہے اور نائبوں کا سلسلہ بھی اسی تاریخ کو ختم ہوا۔ اب غیبتِ کبریٰ شروع ہوئی' اب امامؑ براہ راست کسی سے بھی تعلق قائم نہیں رکھتے اور زندگی گزار رہے ہیں۔

کس طرح زندگی گزار رہے ہیں؟

یہ کسی کو معلوم نہیں ہے لیکن اتنا ضرور معلوم ہے کہ امامؑ کی ایک حکومت ہے اور اس حکومت میں امامؑ کے پانچ بیٹے ہیں اور امامؑ کے پانچ بیٹوں کے نام تاریخ میں ملتے ہیں اور وہ اپنی اپنی جگہ حکومت کر رہے ہیں لیکن امامؑ تمام دنیا میں ہر وقت گردش کرتے رہتے ہیں۔

صحیح روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک مومن سے زندگی میں تین مرتبہ امامؑ کی ملاقات ہوتی ہے۔ ایک تو کسی بھی موقع پر' کسی بھی مقام پر' ایک مرتبہ تو ضرور ملیں گے۔ دوسرا حج کے موقع پر' جتنے صحیح مومن ہیں یقینی طور پر ان سے امامؑ کی ملاقات ہوگی اور تیسرے یہ کہ جب کسی مومن کا جنازہ اٹھتا ہے' امام زمانہؑ مومن کے جنازے میں ضرور آتے ہیں اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں۔

امامؑ کی ایک حکومت جزیرۂ خضرا میں ہے اور آئندہ گفتگو میں تھوڑی اس کی تفصیل آئے گی اور اس حکومت کو امامؑ نے اپنے پانچ بیٹوں میں تقسیم بھی کیا ہوا ہے لیکن خود امامؑ ہر وقت دنیا کا دورہ کرتے رہتے ہیں۔

کسی نے چھٹے امامؑ سے پوچھا تھا: مولاؑ! جب امامؑ ہر وقت لوگوں کے سامنے آتے رہتے ہیں تو پھر غیبت کیسی؟

امامؑ نے فرمایا: غیبت اس چیز کا نام نہیں ہے کہ انسان ایک گوشے میں بیٹھ جائے بلکہ غیبت اس چیز کا نام ہے کہ تم سامنے والے کو دیکھو اور پہچان نہ سکو کہ یہ کون ہے۔ اسی کا

نام غیبت ہے۔ جس طریقے سے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ان کو دیکھ رہے تھے مگر یہ نہ پہچان سکے تھے کہ ہمارا بھائی یہی وزیر اعظم ہے جو ہمیں گندم دے رہا ہے۔ اسی طرح امامؑ تم سے ملاقات کرتے ہیں اور پتا نہیں کیا کیا تمھیں تحفے اور عطیے دے جاتے ہیں؛ لیکن تمھیں پتا نہیں چلتا کہ ملنے والا امامؑ ہے۔

ہمارے چھٹے امامؑ سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا: تیس(۳۰) مومنین کی ایک جماعت ہر وقت امامؑ کے ساتھ رہتی ہے اور کسی کو پتا نہیں کہ وہ تیس مومن کون ہیں۔

روایات میں ہے کہ ان تیس میں سے جب کسی کا انتقال ہو جاتا ہے تو پھر دنیا سے کسی مومن کا انتخاب کر کے امامؑ اسے ان مومنین میں شامل کر لیتے ہیں اور تیس کی تعداد برقرار رہتی ہے۔

......✱......

سیرتِ حضرت امام مہدی علیہ السلام

آج ہماری گفتگو سیرتِ معصومین علیہم السلام کے سلسلے کی آخری تقریر ہے۔

ہماری گفتگو اس مقام تک پہنچی تھی ۸ ربیع الاوّل ۲۶۰ ہجری کی تاریخ وہ تاریخ ہے جب بارھویں امامؑ کی امامت کا آغاز ہوا' جو ہمارے زمانے کے امامؑ ہیں اور اختتامِ امامت کب ہوگا؟

اس کے بارے میں کوئی بھی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ہے اس لیے کہ معصومؑ کی روایت میں ہے کہ جو امامِ زمانہؑ کے ظہور کی تاریخ معین کرے یا کوئی سن بتائے تو اسے فوراً جھٹلاؤ اس لیے کہ وہ یقیناً جھوٹا ہے۔

ہمیں تو صرف یہ دیکھنا ہے کہ اس وقت امامؑ کی امامت کا جو دور چل رہا ہے' اس میں ہماری کیا ذمہ داری ہے؟ امامؑ کس طریقے سے زندگی گزار رہے ہیں اور امامؑ جب آئیں گے تو کس شان کے ساتھ آئیں گے اور امامؑ کے آنے کے بعد دنیا کی کیا کیفیت اور حالت ہوگی؟

گذشتہ تقریر میں بات اس مقام تک پہنچی تھی کہ ۸ ربیع الاوّل ۲۶۰ ہجری سے امامؑ کی امامت شروع ہوئی اور اسی وقت سے امامؑ پردۂ غَیبت میں تشریف لے گئے ہیں۔ البتہ وہ غَیبت 'غیبتِ صغریٰ' کہلاتی ہے۔ اس اعتبار سے کہ امامؑ نے اپنا ایک نائب مقرر کر دیا تھا کہ تمام دنیا کے لوگ اس ایک نائب سے رجوع کریں اور پھر وہ نائب تمام مسائل اور تمام پریشانیوں کو لے کر امامؑ کی خدمت میں جاتے تھے' جہاں پر اس دور میں امامؑ کا قیام تھا۔ یہ سلسلہ ۱۵ شعبان ۳۲۸ ہجری تک چلتا رہا اور قریب قریب اڑسٹھ (۶۸) سال کے بعد امامؑ کے جب چوتھے نائب کا وقتِ وفات قریب آیا تو انھوں نے اعلان کیا کہ اب امامؑ نے اس سلسلے کو بھی ختم کر دیا ہے اور اب امامؑ کسی کو بھی اس دنیا میں اپنا نائبِ خاص مقرر نہیں کریں گے۔ اس وقت سے جو دور شروع ہوا وہ غَیبتِ کبریٰ کا دور کہلاتا ہے۔

یوں تو ہر فقیہ' ہر مجتہد' ہر حاکمِ شرع نائبِ امامؑ ہے لیکن نیابت کی دو قسمیں ہیں:

① عام نائب ② خاص نائب

عام نائب وہ ہے کہ جس میں ہر ایک کو امامؑ نے اجازت دے رکھی ہے کہ جو علم کے اس مقام تک پہنچ جائے وہ خود بہ خود میرا نائب بن جائے گا لیکن اس کا امامِ زمانہؑ سے براہِ راست گفتگو کرنا یا براہِ راست ملاقات کرنا یہ ممکن نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ امامؑ اس سے زندگی کے کسی دور میں ملیں اور یقیناً ملیں گے جب ہر عام مومن سے ملتے ہیں تو نائبِ امامؑ سے کیسے نہیں ملیں گے؟ لیکن مسلسل اس کا امامؑ سے رابطہ نہیں ہوتا۔

خاص نائب وہ ہوتا ہے جس کا نام لے کر امامؑ مقرر کریں اور اس سے امامؑ کی مسلسل ملاقاتیں ہوتی رہتی ہوں۔

آج کی گفتگو میں ایک واقعہ آئے گا جس سے آپ کو پتا چلے گا کہ امامؑ نے اس دنیا میں اپنے خاص نائب بھی مقرر کر رکھے ہیں لیکن ہمارے اس ماحول میں نہیں بل کہ چند خاص شہر ہیں دنیا کے ایسے کچھ خاص علاقے ہیں جہاں پر اس وقت بھی کاملتاً امامِ زمانہؑ کی حکومت ہے اور وہی نظامِ شریعت ہے جس کو امام ظہورؑ کے بعد ساری دنیا میں نافذ کریں گے۔ وہاں پر امامؑ کے خاص نائب موجود ہیں لیکن ہماری اس دنیا کے اندر امامؑ کا کوئی خاص نائب موجود نہیں ہے۔ البتہ امامؑ اس غیبتِ کبریٰ کے دور میں کسی گوشے میں بیٹھے ہوئے تنہا انتظار نہیں کر رہے بل کہ امامؑ مسلسل اپنے کاموں میں مصروف ہیں اور امامؑ نے اپنے ساتھ تیس (۳۰) مومنین کی ایک جماعت کو مقرر کیا ہوا ہے جو مسلسل امامِ زمانہؑ سے تعلق قائم رکھتی ہے اور امامِ زمانہؑ کے احکامات کے مطابق جس معاشرے میں رہتی ہے وہاں پر امامؑ کے احکامات کے مطابق زندگی گزارتی ہے۔

اس کے علاوہ ایک بات اور بھی ہے کہ ایک امامِ زمانہؑ اور چار آپؑ کے خاص نائب۔

امامِ زمانہؑ اس وقت اس دنیا میں اس طریقے سے زندگی گزار رہے ہیں کہ جو آپ نے سنا لیکن اب اس غیبتِ کبریٰ میں ہماری ذمہ داریاں کیا ہیں؟

ہماری ذمہ داری یہ نہیں ہے کہ وقتِ ولادت جشن منا لیں اور اس کے بعد سارا سال

امامؑ کو نظر انداز کیے رہیں بل کہ روایات میں کثرت کے ساتھ آیا ہے کہ ہر مومن کی کم از کم آٹھ ذمہ داریاں ہیں۔ ہر مومن کے کم از کم آٹھ فرائض ہیں جنھیں انجام دیے بغیر وہ امامؑ کا صحیح معنی میں ماننے والا نہیں ہو سکتا:

① سب سے پہلا فرض مومن کا آج کے دور میں یہ ہے کہ وہ ہر وقت غم گین رہے، ہر وقت مغموم رہے اور ہر وقت اسی غم میں زندگی گزارے کہ خدا کی (کس) مصلحت کے تحت امامؑ غائب ہیں۔ ہمارے گناہ اور دشمنوں کی کثرت کی وجہ سے امامؑ غائب ہیں اور کتنے بڑے غم کی بات ہے ایک مومن کے لیے کہ امامؑ موجود ہوں اور وہ امامؑ کی زیارت سے محروم رہے۔

عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ اگر کسی امامؑ کے روضے کی زیارت کرنے پر پابندی لگ جاتی ہے تو مومنین غم گین ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس چیز پر کوئی غم گین نہیں ہوتا کہ خود امامؑ موجود ہوں اور ہم اپنے گناہوں اور دشمنوں کی کثرت کی وجہ سے ان سے ملاقات نہیں کر پا رہے تو پہلی بات یہ بتائی گئی ہے کہ مومن ہر وقت غم گین حالت میں رہے۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ ہو سکتی ہے لیکن دل میں ہر وقت یہی غم ہو کہ کتنا بدقسمت ہوں میں کہ میرے امامؑ موجود ہیں اور میں اپنے امامؑ سے شرف ملاقات حاصل نہیں کر سکتا۔

② دوسری چیز جو ایک مومن کے لیے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ خدا کی بارگاہ میں اپنے امامِ زمانہؑ کی سلامتی کی مسلسل دعا کرے۔

ہو سکتا ہے کہ یہ بات ہمیں کچھ عجیب سی محسوس ہو کہ ہم اور امامؑ کی سلامتی کی دعا کریں؟ مگر جب حکم قرآن پیغمبرؐ اسلام تک کے لیے ہے کہ تم پیغمبرؐ اسلام کے لیے خدا سے رحمت کی دعا طلب کرو تو پھر امامِ زمانہؑ کے بارے میں تو بطریق اولیٰ یہ جائز ہو سکتا ہے۔

بہرحال!

مومن کی ذمہ داری یہ ہے کہ روزانہ ورنہ ہفتے میں ایک مرتبہ امامِ زمانہؑ کی حفاظت اور

سلامتی کے لیے خدا سے دعا مانگتا رہے۔

آپ کو دعاؤں کی ہر کتاب سے وہ خاص دعائیں ملیں گی جو ہمارے ائمہؑ ہمیں بتا کر گئے ہیں' ان کو پڑھتے رہنا چاہیے۔

③ تیسری جو ایک مومن کی امامِ زمانہؑ کے حوالے سے ذمہ داری ہے وہ یہ کہ اگر خدا نے حیثیت دی ہے اور وہ حج کر کے آیا ہے اور اس کے بعد بھی اس کی حیثیت ہے تو یہ ذمہ داری ہے کہ وہ امامؑ کی طرف سے مسلسل حج کراتا رہے اور ایک دور میں تو کثرت کے ساتھ مومنین کی عادت یہ تھی کہ امامِ زمانہؑ کی جانب سے حج پر کسی آدمی کو بھیجا جائے یا اگر خود جا رہا ہے اور اپنا واجب حج کر چکا ہے تو امامِ زمانہؑ کی نیابت میں امامؑ کی جانب سے حج کو انجام دے۔

امامؑ کی جانب سے اس فعل کی تائید ہو چکی ہے اور مومن کی ذمہ داری قرار دی گئی ہے کہ اگر خدا نے اسے اتنی دولت دی ہے کہ وہ اپنا واجب حج انجام دے چکا ہے اور اس کے بعد بھی اس کے پاس پیسہ ہے تو اپنے زمانے کے امامؑ کی جانب سے (مومنین کو) حج کرائے۔

④ چوتھی ذمہ داری جو آج کے مومن کی ہے وہ یہ ہے کہ امامِ زمانہؑ کے لیے مسلسل صدقہ دیتا رہے' اپنے لیے' اپنے گھر والوں کے لیے' اپنے رشتہ داروں کے لیے' اپنی عزیز ہستیوں کے لیے تو ہر ایک کے لیے صدقہ دیتا رہے مگر جیسا کہ روایت پیغمبرؐ اسلام ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن بن ہی نہیں سکتا جب تک وہ مجھے اور میری اہل بیتؑ کو اپنی جان اور اپنے مال سے زیادہ عزیز نہ رکھتا ہو۔

اگر ہم اپنے لیے صدقہ دے رہے ہیں تو ہم سے زیادہ ہمارے نزدیک قابلِ احترام امامِ زمانہؑ ہیں ان کے لیے صدقہ دینا اور زیادہ ضروری ہو جاتا ہے۔

اس چیز کو ذہن سے نکال دیں کہ امامِ زمانہؑ کو ہمارے صدقہ کی کیا ضرورت ہے؟

یہ صرف اور صرف اس لیے ہے کہ کسی نہ کسی بہانے سے ہمارا تعلق اپنے امامؑ سے قائم

رہے امامؑ کی یاد تو ہمارے ذہن میں رہے امامؑ کا تصور تو ہمارے ذہن میں رہے۔
حکم یہ ہے کہ روزانہ ورنہ ہفتے میں ایک مرتبہ ورنہ مہینے میں ایک مرتبہ جب کسی کو صدقہ دیا جائے جتنا بھی صدقہ دیا جائے اس وقت نیت یہ کر لی جائے کہ میں صدقہ دے رہا ہوں حفاظت امام زمانہؑ کے لیے۔

۵ پانچویں ذمہ داری یہ ہے کہ ہم امامؑ کی غیر موجودگی میں مسلسل امامؑ کا انتظار کرتے رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ امامؑ کو نظر انداز کر کے بیٹھ جائیں۔

نہیں!

مسلسل انتظار امامؑ رہے انتظار امامؑ کی دعائیں لبوں پر ہوں۔

پیغمبرؐ اسلام ایک مرتبہ اپنے صحابیوں سے سوال کرتے ہیں: اے میرے صحابیو! کیا تم بتا سکتے ہو کہ سب سے زیادہ قابل تعجب ایمان کس کا ہے؟ وہ کون ہے کہ جس کے ایمان کو دیکھ کر انسان کو تعجب ہونا چاہیے؟

اصحاب نے جواب دیا: یا رسولؐ اللہ! اللہ کے انبیاءؑ اور مرسلینؑ کا ایمان یقیناً ان کا ایمان اتنا مستحکم ہوگا کہ ہمیں اس پر تعجب ہوگا۔

پیغمبرؐ اسلام نے ارشاد فرمایا: نہیں! ان کا ایمان جتنا زیادہ بھی ہو جائے پھر بھی تعجب کے قابل نہیں ہے اس لیے کہ وہ تو اللہ کے پیغمبرؐ ہیں جتنا بھی ایمان ان کے پاس موجود ہو وہ تو ان کے پاس ہونا چاہیے وہ قابل تعجب نہیں ہے۔

کسی نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! ملائکہ کا ایمان قابل تعجب ہوگا کہ کتنا ایمان کا جذبہ ملائکہ کے پاس موجود ہے۔

پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا: نہیں! ملائکہ کا ایمان بھی قابل تعجب نہیں ہے اس لیے کہ وہ تو اللہ کی معصوم مخلوق ہیں وہ اگر ایمان نہ رکھیں تو کیا کریں ان کے لیے تو ایمان ضروری ہے۔

کسی نے کہا: یا رسولؐ اللہ! پھر ہمارا ایمان سب سے زیادہ قابل تعجب ہوگا کہ ہم نے آپؐ کے ساتھ کتنی جنگوں میں اور جہادوں میں حصہ لیا۔

پیغمبرؐ اسلام نے ارشاد فرمایا: نہیں! تمھارا ایمان قابل توجہ نہیں ہے' تم تو مجھے دیکھ رہے ہو' میں تمھاری آنکھوں کے سامنے ہوں پھر تمھارے ایمان میں تعجب کی کیا بات ہے؟

اصحاب نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! پھر آپؐ ہی بتائیے کہ کس کا ایمان سب سے زیادہ قابل توجہ ہے؟

پیغمبرؐ اسلام نے ارشاد فرمایا: سب سے زیادہ قابل تعجب ایمان آخری زمانے میں آنے والے ان مومنین کا ہے' جنھوں نے نہ مجھے دیکھا ہے نہ میری آلؑ کو دیکھا ہے لیکن ان کا اعتقاد میری نسل سے تعلق رکھنے والے میرے اس فرزندؑ پر جو آخری امامؑ ہوگا' اتنا مضبوط اور مستحکم ہوگا کہ پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ سکتے ہیں لیکن ان کے ایمان میں کہیں تزلزل نہیں آسکتا جب کہ انھوں نے نہ مجھے دیکھا' نہ اس امامؑ کو دیکھا' نہ بیچ کے کسی امامؑ کو دیکھا بلکہ وہ سفیدی پر سیاہی کو دیکھ کر ایمان لائیں گے۔

علما نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ سفید کاغذ پر کالی سیاہی (روشنائی) سے لکھی ہوئی کتابیں اور قرآن وغیرہ پڑھ کر وہ ایمان لائیں گے۔

پیغمبرؐ اسلام تک یہ فرما رہے ہیں کہ آخری زمانے کا وہ مومن کہ جو ہر وقت ظہورِ امامؑ کی تمنا دل میں لے کر زندگی گزار رہا ہے اس سے زیادہ قابل تعجب کسی کا ایمان نہیں ہوسکتا۔

ایک مرتبہ پیغمبرؐ اسلام دعا مانگ رہے تھے اور پیغمبرؐ اسلام کی دعا یہ تھی کہ خداوندا! مجھے میرے بھائیوں سے ملحق کردے' مجھے میرے بھائیوں سے ملا دے۔

اصحابِ رسولؐ نے سنا تو سن کر تعجب میں آگئے۔

انھوں نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! یہ آپؐ نے اپنے کن بھائیوں کا تذکرہ کیا ہے؟ کیا ہم آپؐ کے بھائی نہیں ہیں؟

پیغمبرؐ اسلام نے ارشاد فرمایا: نہیں! تم ہمارے دوست ہو ہمارے بھائی تو تم سے عظیم ہیں اور تم سے عظیم مخلوق کا نام ہے۔

اصحابِ رسولؐ حیران ہو کر عرض کرنے لگے: یا رسولؐ اللہ! وہ آپؐ کے بھائی کون سے مومن ہیں؟ وہ کون سے کامل الایمان ہیں؟

پیغمبرِ اسلام نے جواب دیا: وہ آخری زمانے کے وہ مومن ہیں کہ جن کا اجر، جن کا ثواب، جن کا مرتبہ تم میں سے ہر ایک سے بلند اور عظیم ہے۔

اصحاب نے ایک مرتبہ گھبرا کر عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! ہم تو آپؐ کے ساتھ بدر میں لڑے، اُحد میں لڑے، خندق میں لڑے، خیبر میں لڑے، ہر مشکل میں آپؐ کے ساتھ اور آپؐ یہ فرما رہے ہیں کہ وہ آخری زمانے والے ہم سے بھی بہتر ہوں گے؟

فرمایا: ہاں! تمھارا تمام جنگوں میں حصّہ لینا ایک طرف اور ان کا آخری زمانے میں زندگی گزارنا ایک طرف۔ اس لیے کہ آخری زمانہ اتنا نازک زمانہ ہوگا کہ انسان ہاتھ پر دہکتا ہوا انگارہ لے کر کھڑا ہو سکتا ہے مگر ایک دن کے لیے بھی اپنے ایمان کو باقی نہیں بچا سکتا ہے۔ ایک دن کے لیے بھی اپنے ایمان کا تحفظ نہیں کر سکتا۔ اس دور میں جو ایمان کے ساتھ زندگی گزار رہا ہوگا وہ میرا دوست نہیں ہے بل کہ وہ میرا بھائی ہے اور میں ان کے ساتھ ملنے کی دعا کر رہا ہوں۔

آخری زمانے کے مومنین کا کتنا بڑا مقام و مرتبہ ہے کہ پیغمبرِ اسلام دعا کر رہے ہیں کہ مجھے آخری زمانے کے مومنین سے ملایا جائے۔

آخری زمانہ ہے ہی اتنا خطرناک زمانہ تو اس وقت مومن کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ظہورِ امامؑ کی دعا مانگتا رہے کیوں کہ روایت میں ہے کہ اگر کوئی روزانہ امامؑ کے ظہور کی دعا مانگتا رہے گا اور یہ دعا کرے گا کہ خداوندا! مجھے امامؑ کے ساتھیوں میں شامل کر تو جب امامؑ کا ظہور ہوگا تو خدا یقیناً اس آدمی کو امامؑ کے سپاہیوں میں شمار فرمائے گا اگر مر گیا ہے تو قبر سے اُٹھائے گا اور امامؑ کے ساتھیوں میں شامل کرے گا۔

یاد رکھو!

ایک دن اس تمنا کے ساتھ گزارنا کہ امامؑ ظاہر ہو جائیں تو اس کا اتنا ثواب ہے کہ جتنا

جنگِ بدر میں حصہ لینے کا ثواب ہے۔

یاد رکھو!

جس کے دل میں یہ تمنا ہے کہ کاش میں اپنی آنکھ سے امامِ زمانہؑ کے دور کو دیکھ لوں' امامؑ کے ظہور کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں تو اسے اتنا ثواب ملتا ہے' جتنا امامؑ کے خیمے کے اندر اپنے خون میں لوٹنے والے شہید کا ثواب ہے۔

مومن کے ذہن میں ہر وقت یہ تمنا ہو کہ میں کسی نہ کسی طرح امامؑ کے ظہور کے زمانے کو پا لوں۔

⑥ چھٹی چیز جو ہماری ذمہ داری ہے' وہ یہ ہے کہ جب کوئی مصیبت نازل ہو' جب کوئی آفت نازل ہو تو ہمیشہ استغاثہ امامِ زمانہؑ سے کیا جائے۔

روایات میں ہے کہ جو صحیح معنوں میں امامؑ کا ماننے والا ہوگا' وہ کبھی اپنے امامِ زمانہؑ کو دعا میں نظر انداز نہیں کرے گا۔

خاص طور پر عریضہ جسے ۱۵ شعبان کی رسم نہ بنایا جائے کہ ۱۵ شعبان کو سب جا کر عریضہ ڈالتے ہیں لہٰذا ہم بھی عریضہ ڈالیں۔

عریضہ ۱۵ شعبان کے لیے نہیں ہے بل کہ ہر وقت اور ہر مصیبت کے لیے عریضہ ہے' ہر آفت کے لیے اور ہر پریشانی کے لیے کہ جب بھی کوئی آفت' جب بھی کوئی مصیبت نازل ہو تو پاک مٹی میں یا آٹے کے اندر رکھ کر کسی کنویں میں' ندی میں یا کسی گڑھے میں یا کسی دریا میں ڈالا جائے۔

۱۵ شعبان کو تو ہم امامؑ کی یاد کی وجہ سے عریضہ بھیجتے ہیں ورنہ ہر اس وقت جب ہم پر کوئی آفت اور مصیبت نازل ہو۔

⑦ ساتویں ذمہ داری ہماری یہ ہے کہ جب امامؑ کا نام سنا جائے تو بہتر یہی ہے کہ انسان کھڑے ہو کر امامؑ کو سلام کرے۔

یہ آٹھویں امامؑ کا بتایا ہوا طریقہ ہے کہ جب دعبل خزاعی نے آٹھویں امامؑ کے

سامنے قصیدہ پڑھا تھا جس میں تمام معصومین علیہم السلام کا تذکرہ تھا تو جب بارھویں امامؑ کا تذکرہ آیا تو امامؑ نے اسی طرح کھڑے ہو کر اور سر پر ہاتھ رکھ کر امام زمانہؑ کی تعظیم کی تھی۔

یہ ذمہ داریاں ہیں جو ہم میں سے ہر مومن کو آج کے دور میں انجام دینا ہیں لیکن آپ پلٹ کر دیکھیں تو آپ کسی ایک مومن کو بھی ان میں سے کوئی ایک ذمہ داری انجام دیتے ہوئے نہ پائیں گے۔ یہ احکامات خدا نے صرف اس لیے رکھے تاکہ ہمارے ذہنوں میں امام زمانہؑ کا تصور رہے اور ہم وقتِ ظہور کی دعا مانگتے رہیں اس لیے کہ وہ وقت بڑا عجیب وقت ہوگا اور بہت کم مومن ایسے ہوں گے جو اپنے ایمان کو سلامت رکھ پائیں گے۔ مومنوں کی اکثریت اس وقت گم راہ ہو جائے گی اور مومنوں کی اکثریت اس وقت اپنے زمانے کے امامؑ کی تکذیب کر بیٹھے گی' اگرچہ یہ بھی حقیقت ہے کہ امامؑ کو کسی بھی شیعہ کی ضرورت نہیں ہے۔

حقیقی اعتبار سے بھی امامؑ ہمارے محتاج نہیں بل کہ ہم امامؑ کے محتاج ہیں اور ظاہری اعتبار سے بھی یاد رکھیے کہ جب ایک مرتبہ کسی نے چھٹے امامؑ کے سامنے فخر ظاہر کیا تھا کہ یا بن رسولؐ اللہ! ہم آپؑ کے ماننے والے ہیں' ہم آپؑ سے محبت کرنے والے ہیں اور اندازِ گفتگو ایسا تھا کہ جیسے ہم شیعوں ہی کی وجہ سے آپؑ کی امامت اتنی پھیل رہی ہے اور آپؑ اتنے مشہور ہو رہے ہیں۔

امامؑ نے فرمایا: تم نے کیا بات کہی ہے؟

کیا تمھیں پتا نہیں کہ مشرق اور مغرب میں خدا نے دو شہر بنائے ہیں ان شہروں کے اندر اتنی آبادی ہے جتنی آبادی تمھاری دنیا کے اندر بھی نہ ہوگی اور وہ سب کے سب ہمارے محب ہیں' وہ سب کے سب ہمارے ماننے والے ہیں۔ ہم تمھارے کسی لحاظ سے بھی محتاج نہیں۔ عباسی خلیفہ کے وزیراعظم کا واقعہ تو آپ نے سنا ہوگا۔

۱۰ رمضان ۵۳۴ ہجری کا واقعہ ہے کہ عباسی خلیفہ کے گھر کے اندر نشست تھی۔ روزے کے افطار کا وقت آیا۔ سب نے روزہ افطار کیا اور روزہ افطار کرنے کے بعد ایک ایک کر کے

لوگ جانے لگے آخر میں چند خاص آدمی بیٹھے رہے تو عباسی خلیفہ سے وزیراعظم فخر کرتے ہوئے کہنے لگا: دیکھو! خدانے رافضیوں کو کتنا ذلیل کیا ہوا ہے' اتنی مختصر سی ان کی تعداد ہے اور اگر خدانے چاہا تو آنے والے زمانے میں یہ بھی مٹ کر رہ جائے گی۔

یہ سنتے ہی وہاں پر بیٹھے ہوئے ایک شخص نے جو بہت ہی صاحب کرامت اور صاحب علم تھا عباسی خلیفہ کے وزیراعظم سے کہا: اگر اجازت ہو تو میں آپ کے سامنے اپنا ایک واقعہ پیش کروں؟

وزیراعظم نے کہا: کہو! کیا کہنا چاہتے ہو؟

اس نے پہلے تو یہ ثابت کیا کہ کسی مذہب کے ماننے والوں کی کمی یا زیادتی اس مذہب کو صحیح اور غلط نہیں بناتی۔

اس نے یہ کہا: میں جس علاقے میں رہتا ہوں وہاں پر سارے عیسائی ہیں اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہاں پر مذہب عیسائیت سچا ہے تو کمی یا زیادتی کسی مذہب کو سچا یا جھوٹا نہیں بناتی اور اگر آپ کا یہ خیال بھی ہے کہ لوگوں کی زیادہ تعداد ہی کسی مذہب کو سچا یا جھوٹا بناتی ہے تو میں آپ کو بتاتا ہوں کہ آپ کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ رافضیوں کی تعداد بہت کم ہے۔ میں ایک نصرانی ہوں۔ میں ایک عیسائی ہوں۔ میرے والد کا کام تجارت ہے اور میں اپنے والد کے ساتھ اکثر و بیشتر تجارت کے ارادے سے سفر پر جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ہم کچھ آدمی کشتی پر سوار ہو کر چلے جن میں پانچ عیسائی تھے' نو (9) یہودی تھے اور باقی مسلمان تھے۔ جب ہم چلے تو راستے میں ایک جگہ سمندر میں طوفان آ گیا اور طوفان کے نتیجے میں ہماری کشتی اپنی راہ سے ہٹ گئی اور چلتے چلتے ایسے ساحل کے قریب جا کر رُکی' جسے آج تک ہم میں سے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔

ہم نے اپنی کشتی کے ملاح سے سوال کیا: کیا تم اس سے پہلے بھی اس مقام کی طرف آئے ہو؟

اس نے کہا: نہیں! آج تک میرے دماغ میں اس قسم کا کوئی مقام نہیں۔

اب ہم حیران ہو کر کشتی پر سے اُترے کہ پتا نہیں یہ کون سی جگہ ہے' جہاں ہم آ چکے ہیں اور جب ہم شہر میں داخل ہوئے تو ہم نے ایک عجیب بارونق شہر دیکھا اور ایک عجیب کیفیت اس شہر کی دیکھی کہ ہم حیران ہو گئے۔ ایسا شہر کہ جس میں اتنا سبزہ' اتنے پھل' اتنی اچھی فضا' اتنا ٹھنڈا پانی' آج تک ہم نے ایسی جگہ نہ دیکھی تھی اور ہم حیران حیران چل رہے تھے کہ حکومت کے سپاہیوں نے آ کر ہمیں گرفتار کیا اور حاکم وقت کے پاس لے گئے۔ جب ہم اس کے پاس پہنچے تو ایک مرتبہ اس نے سوال کیا: کیا تم سارے کے سارے مسلمان ہو؟

ہم نے جواب دیا: نہیں! ہم عیسائی ہیں' ہم یہودی ہیں اور ہم مسلمان ہیں۔

اس نے کہا: اس حکومت کا قانون یہ ہے کہ یہودی اور عیسائی تو جزیہ ادا کریں۔

چناں چہ میرے والد نے تمام عیسائیوں کی طرف سے اور ایک یہودی نے تمام یہودیوں کی جانب سے جزیہ ادا کر دیا۔

اس کے بعد وہ شخص مسلمانوں کی جانب مڑا اور کہا: تمھارا عقیدہ کیا ہے؟

مسلمانوں نے بتایا: ہمارا عقیدہ یہ ہے:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

یہ سنتے ہی ایک مرتبہ حاکم وقت کہنے لگا: تمھارے اس عقیدے میں ایک کمی موجود ہے۔ تم نے دو شہادتوں کا اقرار تو کیا ہے لیکن تیسری شہادت کا اقرار نہیں کیا۔

یہ سنتے ہی وہ مسلمان گھبرا گئے۔

کہنے لگے: ہم نے تو آج تک تیسری شہادت کے بارے میں نہیں سنا۔

انھوں نے کہا: نہیں! اگر تم حقیقتاً مسلمان ہو تو تمھیں تیسری شہادت کا اقرار کرنا پڑے گا۔

اب وہ لوگ حیران ہو کر کھڑے ہیں۔

ہم میں سے کسی نے سوال کیا: کیا آپ یہاں کے حاکم ہیں؟

اس نے کہا: نہیں! اصل میں یہاں کا حاکم' یہاں کا گورنر ایک اور شخص ہے جو اپنے

دارالخلافہ میں رہتا ہے اور دارالخلافہ کا نام ظاہرہ ہے۔

مسلمان کہنے لگے: ہمیں اس دارالخلافہ میں بھیج دیا جائے' ہم براہِ راست حاکمِ وقت سے گفتگو کریں گے۔

اس نے کہا: یہاں سے ظاہرہ چلے جاؤ وہاں جا کر تم حاکمِ وقت سے ملاقات کر سکتے ہو۔

یہ سنتے ہی ہم سب کے سب باہر نکلے اور باہر نکل کر اپنے ملاح سے کہا کہ ہمیں ظاہرہ لے جاؤ۔

ملاح نے کہا: تم نے یہ کس شہر کا نام لیا ہے آج تک میں نے اس شہر کا نام نہیں سنا۔

ایک مرتبہ ہم حیران کھڑے تھے کہ اس ساحل کے ملاح آگے آئے۔

انھوں نے کہا: آپ کہاں جانا چاہتے ہیں؟

ہم نے انھیں شہر کا نام بتایا تو وہ ہمیں کشتی میں بٹھا کر لے چلے۔ اب جب ہم ظاہرہ میں داخل ہوئے تو ہم نے ایک عجیب بات کا مشاہدہ کیا' ہمیں ایسا لگا کہ جیسے ہم جنت کے اندر آ گئے ہیں۔ عجیب مناظر ہماری آنکھوں کے سامنے آئے' اِدھر اذان کی آواز بلند ہوئی تو سب اپنی اپنی دُکانیں چھوڑ چھاڑ کر مسجد کی طرف جانے لگے۔ یہاں کی دُکانوں کا یہ حال تھا کہ جب کوئی گاہک آتا تھا تو دُکان دار بجائے خود تولنے کے گاہک کو کہتا تھا کہ جتنا آپ کو مال چاہیے آپ خود ہی تول کر لے جائیں۔ غرض یہ کہ بڑے عجیب مناظر دیکھتے ہوئے ہم چلے۔ ہم نے یہ منظر بھی دیکھا کہ ایک ہی چشمے پر شیر اور بکری اکٹھے کھڑے ہوئے پانی پی رہے ہیں۔ نہ شیر بکری کی طرف متوجہ ہو رہا ہے اور نہ بکری شیر کو دیکھ کر ڈر کے مارے بھاگ رہی ہے۔ اب ہم حیران تھے کہ ہم کس مقام پر آ چکے ہیں چلتے چلتے ہم نے ملاحوں سے کہا: حاکمِ وقت کہاں ملے گا؟

انھوں نے جواب دیا: نماز کا وقت قریب آ رہا ہے' وہ اس وقت نماز پڑھانے آئیں گے۔

ہم اس مقام پر آئے جہاں مسجد تھی' ہم مسجد میں داخل ہوئے' ہم نے نماز پڑھی۔ جب نماز پڑھی تو ہم نے دیکھا کہ لوگ حاکمِ وقت کی طرف بڑھے اور اسے سلام کرنے لگے اور ہر ایک یا ابن صاحب الامر کہہ کر سلام کر رہا تھا۔ ہم نے یہ لفظ سنا تو ہماری سمجھ میں نہ آیا لیکن جو

ہمارے ساتھ چند مسلمان تھے وہ ایک مرتبہ چونک اُٹھے۔ وہ جلدی سے آگے بڑھے اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔

اس نے ہماری نئی شکلیں دیکھ کر سوال کیا: تم کہاں سے آئے ہو؟

ہم نے اس کو تفصیل بتائی۔

روایت میں ہے: جب ہم نے سب کو یابن صاحب الامر کہہ کر سلام کرتے دیکھا تو ہم نے سوال کیا: ان کا نام کیا ہے؟

انھوں نے بتایا: ان کا نام حضرت قاسم علیہ السلام ہے اور یہ مسلمانوں کے آخری امامؑ کے صاحب زادے ہیں۔ یہ سنتے ہی ہم گھبرا گئے اور مسلمان جو ہمارے ساتھی تھے وہ تو پہلے ہی آگے بڑھ چکے تھے۔ پھر ان میں اور امامِ زمانہؑ کے صاحب زادے میں مناظرہ شروع ہوا۔

بہرحال!

خلاصہ یہ کہ آخر میں انھوں نے ان تمام کے تمام مسلمانوں سے جو شافعی اور مالکی تھے، سے یہ اقرار کرالیا اور ان مسلمانوں نے بھی تسلیم کرلیا کہ آپ کی گفتگو پر ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ آپ حق پر ہیں اور ہم اسی وقت آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔

اب یہ عیسائی شخص کہتا ہے: میں چند دنوں تک یہاں رہا اور دیکھا کہ ظاہرہ اتنا بڑا شہر ہے کہ اگر میں گھوڑے پر سوار ہو کر مسلسل دو مہینے چلتا رہوں تب بھی اس شہر کی حدود ختم نہیں ہوں گی۔ یہاں ہر ایک شخص کی زبان پر امامِ زمانہؑ کا نام ہے۔ جب مزید تحقیق کی تو پتا چلا کہ اس کے قریب چار شہر اور ہیں اور ان چاروں شہروں میں امامِ زمانہؑ کے صاحب زادوںؑ کی حکومت ہے۔ ایک شہر میں امامِ زمانہؑ کے اور صاحب زادے حضرت ہاشم علیہ السلام کی حکومت ہے۔ ایک میں حضرت عبدالرحمٰن علیہ السلام کی حکومت ہے اور ایک میں امامِ زمانہؑ کے صاحب زادے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حکومت ہے۔

ان چار صاحب زادوں کے نام روایات میں ملتے ہیں:

① حضرت ہاشم علیہ السلام ② حضرت عبدالرحمٰن علیہ السلام

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام (۴) حضرت قاسم علیہ السلام

اب یہ عیسائی کہتا ہے: ہمیں اطلاع ملی کہ پندرہ دنوں کے بعد یہاں امامِ زمانہؑ آنے والے ہیں اور تمام شہر والے ان کی زیارت کریں گے لیکن بدقسمتی یہ کہ دس دن کے بعد کچھ اس طرح کے حالات پیش آئے کہ ہم میں سے ہر ایک کو وہ شہر چھوڑ کر آنا پڑا۔ ہم وہاں سے واپس آئے اور چاروں شہروں کو دیکھتے ہوئے آئے تو آج میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آپ کی تمام خلافت کے تمام غیر شیعہ ایک طرف اور ان چاروں شہروں کا ایک محلّہ ایک طرف۔ وہاں پر اتنی کثرت کے ساتھ مومنین جمع تھے کہ ایک محلّے کی تعداد آپ کی خلافت کے تمام لوگوں سے زیادہ ہے۔

امامِ زمانہؑ کے پاس ماننے والوں کی کمی نہیں ہے لیکن امامِ زمانہؑ ہمارا امتحان لے رہے ہیں اسی لیے غیبتِ امامؑ کا مقصد مومنین کا امتحان بتایا گیا ہے کہ جس طرح اگر گھر میں باپ موجود ہو تو ہر بیٹا عزت اور احترام کے ساتھ بیٹھتا ہے لیکن اصل بیٹا وہ ہے جو باپ کی غیر موجودگی میں بھی باپ کا وہی احترام کرے اور باپ کے احکامات کی اسی طرح تعمیل کرے۔ یہی خدا کو ہمارا امتحان مقصود ہے کہ ہم غیبت امامؑ میں گمراہ تو نہیں ہو جاتے۔ غیبتِ امامؑ میں سیدھے راستے سے ہٹ تو نہیں جاتے۔

امامِ زمانہؑ کو ہماری ضرورت نہیں ہے بلکہ ہم کو امامِ زمانہؑ کی ضرورت ہے۔ امامِ زمانہؑ کے چار شہر آباد ہیں اور ان چار شہروں کے علاوہ ایک جزیرہ ہے جس کا نام جزیرۂ خضرا ہے جو بحرابیض میں واقع ہے یعنی سفید سمندر میں واقع ہے۔

علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''بحارالانوار'' میں اس واقعہ کی تفصیل نقل کی ہے۔

جزیرۂ خضرا میں براہِ راست امامِ زمانہؑ کی حکومت ہے جو بحرابیض میں واقع ہے اور ان چاروں شہر کے اندر امامؑ کے بیٹوں کی حکومت ہے اور ایک اور شہر ہے جس میں امامِ زمانہؑ کے پوتے کی حکومت ہے۔

امامِ زمانہؑ آج کل بھی کسی گوشے میں خالی نہیں بیٹھے ہوئے بلکہ ان کی حکومت کا

ایک نظام ہے' ان کی ازواج ہیں' ان کے یہاں توالد و تناسل کا سلسلہ ہے بیٹے' پوتے۔ بل کہ روایات میں ہے کہ امامِ زمانہؑ کی پانچ پشتوں تک سے لوگ ملاقات کر کے آئے اور ملاقات کرنے والے سارے کے سارے عادل مجتہدین ہیں تو امامِ زمانہؑ کی حکومت بھی قائم ہے اور امامِ زمانہؑ کی ذریت اور تمام خاندان بھی موجود ہے صرف ہم پر یہ رحمتِ الٰہی نازل ہوتی ہے جس کی وجہ سے امامِ زمانہؑ اپنے ظہور کے واقع ہونے کا انتظار کر رہے ہیں اور یہ دیکھ رہے ہیں کہ ہم میں سے کتنے وقتِ ظہور امامؑ کا ساتھ دیں گے اور وہ وقتِ ظہور کون سا وقت ہوگا؟ وہ ایک عجیب وقت ہوگا' اس زمانے کی عجیب کیفیت ہوگی اور اس زمانے کے عجیب مناظر ہوں گے۔

روایات میں ہے کہ امامِ زمانہؑ اس وقت تو اپنی حکومت میں بھی موجود ہیں اور تمام دنیا کا دورہ کرتے رہتے ہیں' مومنوں سے ملاقات کرتے ہیں۔

کوئی مومن غلطی کر رہا ہو تو امامِ زمانہؑ اس کی اصلاح کرتے ہیں' کوئی مومن اگر مصیبت میں گرفتار ہو تو امامِ زمانہؑ اس کی مصیبت کو دور کرتے ہیں' کسی مومن کو کوئی بشارت دینا ہو تو امامِ زمانہؑ اس کو بشارت دیتے ہیں۔ جزیرۂ خضرا میں جانے والے ایک مومن نے امامِ زمانہؑ کے پوتے سے سوال کیا تھا: کیا امامِ زمانہؑ حج کرتے ہیں؟

جواب یہ ملا تھا: امامِ زمانہؑ ہر سال حج بھی کرتے ہیں اور حج کے بعد معصومین علیہم السلام کی زیارت کر کے اس کے بعد اپنے دارالخلافہ میں آتے ہیں۔

امامِ زمانہؑ حج بھی ادا کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ دنیا میں جس مومن کا انتقال ہو اس کی نمازِ جنازہ میں بھی شرکت کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا انتظار بھی کر رہے ہیں اس آنے والے وقت کا جب آپؑ کو ظہور کا حکم دیا جائے گا۔ اسی لیے روایات میں ہے کہ ظہور کا وقت کسی کے علم میں نہیں ہے لیکن اس زمانے کی کچھ علامتیں اور کچھ واقعات ہمیں بتائے گئے ہیں جن کی مدد سے ہم تیار ہو کر بیٹھ سکتے ہیں کیوں کہ روایت میں ہے کہ ظہور کے وقت کے لیے بالکل تیار ہو کر بیٹھو۔ وقتِ ظہور مومنوں کی دو قسمیں ہو جائیں گی:

ایک وہ مومن جو امامؑ کے پاس جانا چاہیں گے اور اپنی تیاری کی وجہ سے فوراً پہنچ جائیں گے۔

ایک وہ مومن جو امامؑ کے پاس جانا چاہیں گے مگر اپنی سستی کی وجہ سے اس قیمتی موقع کو اپنے ہاتھ سے کھودیں گے۔

ایسے جیسے کہ اِدھر حکم امامؑ آئے اور اُدھر آپ امامؑ کی قیام گاہ تک پہنچ جائیں۔

وہ کس طرح سے؟

اس کی تفصیل!

اب روایات یہ بتاتی ہیں کہ امامِ زمانہؑ خود بھی انتظار کی حالت میں ہیں۔ امامؑ کا ایک لقب منتظَر ہے یعنی جس کا انتظار کیا جا رہا ہے اور ایک لقب منتظِر ہے یعنی جو انتظار کر رہا ہے کہ کب میرے ظہور کا وقت ہوگا اور کب خدا کی طرف سے مجھے اجازت ملے گی کہ میں ظہور کروں اور اس کے بعد اپنے مقصد کو پورا کروں۔

روایات میں بتایا گیا ہے کہ جس سال امامؑ ظہور فرمائیں گے وہ سال طاق سال ہوگا یعنی ایسا سال ہوگا کہ اگر دو پر تقسیم کریں تو وہ دو پر تقسیم نہ ہو سکے۔ تو طاق سال میں ظہور امامؑ ہوگا اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جب ظہور امامؑ ہوگا تو دس محرم کی تاریخ ہوگی' عاشورہ کا دن اور جمعتہ المبارک ہوگا اور امامؑ کے ظہور کے پہلے کے آٹھ مہینے بڑے عجیب و غریب ہوں گے:

① جمادی الثانی	② رجب	③ شعبان	④ رمضان
⑤ شوال	⑥ ذوالقعدہ	⑦ ذوالحجہ	⑧ محرم

یہ ظہور امامؑ کے آٹھ مہینے بڑے عجیب و غریب ہوں گے۔ اس دور میں اتنی تیزی سے تبدیلیاں واقع ہوں گی کہ انسان خود بھی حیران اور پریشان ہو جائے گا' تمام دنیا کے لوگ پریشانی کا شکار ہو جائیں گے تب ظہور امامؑ ہوگا۔

اس دور کی ایک عام حالت تو ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ روایات میں بھی

ہے کہ نمازیں کثرت سے ضائع کی جائیں گی' لوگ مالِ زکوٰۃ سے تجارت کیا کریں گے' مرد اپنی عورتوں کے کہنے میں آ جائیں گے' امانت دنیا سے ختم ہو کر رہ جائے گی' حکمِ خدا کی کھلم کھلا مخالفت ہوگی اور ایک خاص علامت جس کا تذکرہ ہے کہ اس سے پہلے تو ظہورِ امامؑ ہو ہی نہیں سکتا وہ یہ کہ اُمتِ رسولؐ کے مرد مردوں پر اکتفا کریں گے اور عورتیں عورتوں پر اکتفا کریں گی۔

حضرت کمیلؓ ابن زیاد نے ایک مرتبہ امیرالمومنین علیہ السلام سے سوال کیا: یا امیرالمومنینؑ! وقتِ ظہورِ امامؑ کب ہوگا؟

امیرالمومنین علیہ السلام نے کمیل رضی اللہ عنہ کے بازو کو تھاما اور ارشاد فرمایا: کمیلؓ! میرے ساتھ چلو۔

یہ کمیل رضی اللہ عنہ وہی عظیم ہستی ہیں کہ جن سے منسوب دعائے کمیل یا دعائے حضرت خضرؑ ہمارے پاس موجود ہے اور جسے پڑھنے کی انتہائی تاکید کی گئی ہے اس لیے کہ اس میں امامِ زمانہؑ کا کثرت کے ساتھ تذکرہ ہے اور مومن کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ بھی قرار دی گئی ہے کہ وہ ہر شبِ جمعہ دعائے کمیلؓ پڑھتا ہو۔

بہرحال!

امیرالمومنین علیہ السلام کمیل رضی اللہ عنہ کے بازو کو تھام کر لے چلے' کوفہ کے باہر اس مقام پر پہنچے جہاں آج کمیل رضی اللہ عنہ کا روضہ ہے۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اے کمیلؓ! میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک شقی ترین شخص تجھے صرف محبتِ اہلِ بیتؑ کے جرم میں اسی مقام پر ہاتھ پاؤں کاٹ کر قتل کرے گا اور تو اسی مقام پر دفن کیا جائے گا۔

اے کمیلؓ! اس وقت تجھ سے کہا جائے گا کہ مجھ سے دُوری اختیار کر۔

کمیل رضی اللہ عنہ نے کہا: مولاؑ! میں کسی صورت میں بھی آپؑ سے دوری اختیار کرنے کا ارادہ نہیں کروں گا۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا: بہرحال! تجھے اس مقام پر دفن کیا جائے گا پھر اس مقام کے چاروں طرف عمارتیں کھڑی ہو جائیں گی اور ان عالی شان عمارتوں میں تھوڑے عرصے کے بعد

ہر کمرے میں ایک ایک شیطان آ کر رہے گا اور اس وقت کے لوگ اس شیطان کی علامت کو اپنی اپنی عمارت کی چھت پر لگائیں گے اور اس شیطان کی علامت کا نام انٹینا(antena) رکھیں گے جو ہر عمارت کی چھت پر موجود ہوگی۔

کتاب ''الملاحم والفتن'' کی روایت ہے کہ جب وقت ظہور امامؑ ہوگا تو اس وقت تم یہ دیکھو گے کہ لوگ غنا کے' موسیقی کے اور گانے کے آلات اپنی جیبوں میں لیے ہوئے پھر رہے ہوں گے۔

یہ روایت اتنی عجیب روایت تھی کہ جس کتاب میں یہ روایت چھاپی گئی اس کے نیچے پبلشر نے ایک نوٹ لکھا اور وہ نوٹ یہ لکھا کہ غالباً یہ روایت کسی نے امامؑ کی جانب منسوب کر دی ہے۔ یہ روایت بالکل غلط لگتی ہے اس لیے کہ اتنا چھوٹا کوئی گانے کا آلہ ہو ہی نہیں سکتا جس کو جیب میں رکھا جائے اور رکھنے کے بعد اسے بجایا جائے تو آواز بھی اس میں سے نکلے تو اس لیے یہ روایت خلاف عقل ہے شاید یہ روایت کسی نے امامؑ کی طرف منسوب کر دی ہے لیکن آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ یہ روایت کتنی سچی روایت ہے اور کس طرح سے لوگوں کی جیبوں میں پڑے ہوئے موبائلز سے نکلنے والی گانوں کی آوازیں ہمارے کانوں تک پہنچ رہی ہیں۔

بہر حال!

روایات میں اتنا پتا چلتا ہے کہ اخلاق اور ایمان کے اعتبار سے بدترین دنیا کا زمانہ ہوگا' انسان ہر واجب کو نظر انداز کر رہا ہوگا' ہر حرام کا ارتکاب کر رہا ہوگا' نیکی' ایمان اور تقویٰ دنیا سے اُٹھ چکا ہوگا اور کوئی شخص بھی ایسا نہ ہوگا جو سیدھے راستے کا حکم دے اور غلط راستے سے انسان کو روکے یہاں تک کہ گمراہی کی وجہ سے لوگوں کی وہ حالت ہو جائے گی کہ علمائے دین ناپید ہو جائیں گے۔ لوگ علما کی اتنی بے قدری کریں گے کہ کوئی عالم بننے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔

علما کی اتنی کمی ہو جائے گی کہ میری اُمت ایک ایک گھنٹہ مسجد میں کھڑے ہو کر انتظار کرے گی کہ کوئی جماعت کی شرائط پر پورا اُترنے والا عالم مل جائے لیکن ایک ایک گھنٹہ کھڑے

رہنے کے بعد بھی انھیں ڈھونڈنے سے بھی ایسا عالم نہ ملے گا جو انھیں نماز پڑھا سکے۔

یہ ایسی روایت ہے کہ ہمارا مشاہدہ یہ بتا رہا ہے کہ بہت جلد ہی یہ وقت آنے والا ہے اور اس کی تمام تر ذمہ داری ان لوگوں پر ڈالی گئی ہے جو ہر مقام پر بیٹھ کر علما کی توہین کرتے ہیں' علما کو برا کہتے ہیں تو کون شخص ایسا ہو گا جو اس شعبے میں آنا چاہے گا جس میں اسے ہر وقت گالیاں سننے کے لیے ملیں۔

لیکن روایت میں ہے کہ علما کی اتنی کمی ہو جائے گی کہ ایک ایک گھنٹے تک لوگ مسجد میں کھڑے ہو کر انتظار کریں گے اور کوئی بھی ان کو نماز کی جماعت پڑھانے والا نہ ہو گا' جب علما کی اتنی کمی ہو گی تو کوئی حق کی بات بتانے والا نہ ہو گا۔ ذلیل ترین لوگ اس زمانے میں حکومت کریں گے اور حالت یہ ہو جائے گی کہ ایک جمعہ سے لے کر اگلے جمعہ تک ایک فقیر مسلسل میرا نام لے کر اور خدا کا نام لے کر سوال کرے گا لیکن ایک ایک ہفتہ گزر جائے گا اور کوئی بھی اس فقیر کی حاجت پورا کرنے کے لیے تیار نہ ہو گا۔

تم کثرت کے ساتھ یہ منظر دیکھو گے کہ دوست دوسرے دوست سے بڑا مسکرا کر اور خوشی کے ساتھ ملتا ہے کہ جب کوئی دوست اپنے دوست کے پاس کوئی حاجت لے کر آتا ہے تو بجائے اس کے کہ اگر انکار کرنا ہے تو صحیح طور پر انکار کرے اس سے گفتگو کا طریقہ بدل لیتا ہے اور بعض روایات میں ہے کہ ملنے تک سے انکار کر دیتا ہے۔

یہ وہ وقت ہو گا جب ظہور امامؑ بالکل قریب آ جائے گا۔

اس وقت تم دیکھو گے کہ لوگ تو ذخیرہ اندوزی کرتے ہی تھے' خود حاکم وقت ذخیرہ اندوزی کرے گا' کھانے پینے کی چیزوں کو جمع کرے گا اور جمع کرنے کے بعد اپنی مرضی سے فروخت کرے گا اور تم یہ منظر دیکھو کہ شراب سے ہر بیماری کا علاج کیا جانے والا ہے۔ جب شراب سے ہر بیماری کا علاج کیا جانے لگے تو تب تیار رہنا' اب کسی وقت بھی ظہور امامؑ ہو سکتا ہے اور اسی دور کے اندر دنیا میں جنگِ عظیم چھڑے گی۔

روایت میں ہے کہ اس وقت تک قیامت نہیں آ سکتی جب تک مسلمان دو قوموں سے

جنگ نہیں کر لیتے:

ایک قوم کا نام چپٹے چہرے والی قوم ہے۔

جب تک میرے ماننے والے چپٹے چہرے والی قوم سے جنگ نہ کریں گے اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی۔

علما نے لکھا کہ خود امامؑ نے بتایا کہ چپٹے چہرے والی قوم سے مراد اہل ترک ہے یعنی روس والے ہیں۔

جب مومنوں کی حکومت دنیا میں کہیں قائم ہوگی اور وہ مومنوں کی حکومت جب تک اہل ترک یعنی روس والوں سے مقابلہ نہیں کرے گی اس وقت تک ظہور امامؑ نہیں ہو سکتا ہے۔

اب ذہن میں فرق رکھتے ہوئے گفتگو سنیں!

ایک مسلمان ہیں اور ایک مومن ہیں۔

مسلمانوں کا مقابلہ روس والوں سے بھی ہوگا' چین والوں سے بھی ہوگا اور امریکہ والوں سے بھی ہوگا لیکن مومنوں کی ایک حکومت قائم ہوگی اور مومنوں کا مقابلہ دو قوموں سے ضرور ہوگا: ایک چپٹے چہرے والے یعنی روس والے' دوسرے بالوں کے بنے ہوئے جوتے پہننے والے۔

پوچھا گیا: مولاؑ! یہ کون ہیں جو بالوں کے بنے ہوئے جوتے پہنتے ہیں؟

امامؑ نے فرمایا: یہ کرد قوم ہے جب تک ان سے مومنوں کی حکومت کا مقابلہ نہیں ہوتا اس وقت تک قیامت نہیں آ سکتی ہے۔

بہرحال!

مومنوں کی حکومت اس مقام پر بنے گی جو اہل تقویٰ کے لیے جہنم بن جائے گا باقی ہر ایک کے لیے جنت۔ وہاں کے بازاروں کی یہ حالت ہوگی کہ کوئی مومن اس وقت تک بازار سے نہیں گزر سکتا جب تک اس کے بازو کسی نامحرم عورت کے جسم سے نہ ٹکرائیں۔ دنیا بھر کے ذلیل ترین لوگ وہاں پر جمع کیے جائیں گے اور اس وقت ایک بادشاہ ہوگا جو اپنے مقصد کی

خاطر لوگوں کو عیاشی کی طرف لے جائے گا اس کے بعد قزوین سے ایک مردِ مومن اُٹھے گا۔

یہاں پر حضرت آیت اللہ العظمیٰ السید روح اللہ الموسوی الخمینی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اظہار خیال کیا جاتا ہے کہ ان کا تعلق قزوین سے تھا۔

بہرحال!

قزوین سے ایک مومن اُٹھے گا' وہ تہران کے شاہ کا خاتمہ کرے گا اور حکومت ختم ہو کر رہ جائے گی۔ اس کے بعد جب یہ ایمان کی حکومت قائم ہو جائے گی تو ان کو ترکوں سے یعنی روس والوں سے مقابلہ کرنا پڑے گا اور کردوں سے مقابلہ کرنا پڑے گا اس کے بغیر قیامت نہیں آ سکتی۔

مومنوں کی حکومت فی الحال تو دنیا میں ایک ہی ہے لیکن ہم یہ نہیں کہتے کہ روایت اسی کے بارے میں ہے اس لیے کہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ البتہ واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے روایت کو سن کر نتیجہ اگر آپ نکال سکتے ہیں تو نکالیں۔ صاحبانِ ایمان کی ایک حکومت قائم ہو گی جسے کردوں سے بھی مقابلہ کرنا پڑے گا اور روس والوں سے بھی مقابلہ کرنا پڑے گا۔

اب اس سے پہلے یا اس کے بعد یہ کہیں نہیں ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ مشرق وسطیٰ میں جنگِ عظیم کا آغاز ہو جائے گا اور جنگِ عظیم کا آغاز اس وقت ہو گا جب اہل روم فلسطین کے معاملات میں اتنی مداخلت کریں گے کہ وہ اپنی فوج کو فلسطین میں اُتاریں گے اور دوسری طرف سے ترک یعنی روس والے عراق کے اندر داخل ہوں گے۔

عراق کی تباہی روس کے ہاتھوں سے ہونا قریب قریب یقینی ہے اگرچہ سوائے ظہورِ امامؑ کے کوئی علامت یقینی نہیں ہے اس لیے کہ خدا اپنی مصلحت سے حکم کو بدل سکتا ہے لیکن قریب قریب یہ یقینی ہے کہ عراق کی تباہی ہو گی اور وہ تباہی بھی روس والوں کے ہاتھ سے ہو گی۔

بہرحال!

روس والے عراق کے اندر داخل ہوں گے اور امریکہ یا برطانیہ والے فلسطین میں داخل ہوں گے اور آخری تباہی اس وقت ہو گی جب بنی قنطورہ۔

یہ بنی قنطورہ کون ہیں؟

امامؑ سے پوچھا گیا: مولاؑ ! یہ بنی قنطورہ کون لوگ ہیں؟

فرمایا: میں ایک قوم کو دیکھ رہا ہوں جن کے چہرے کا رنگ زرد ہے' جن کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی ہیں جن کی ناک چپٹی ہے اور وہ صحرائی علاقے کے قریب رہتے ہیں۔

چین سے متصل صحرائے منگولیا اور صحرائے گوبی ہے جو دنیا کے بڑے بڑے صحراؤں میں شامل ہے۔

بہر حال!

یہ بنی قنطورہ کون ہیں؟

اس کا نتیجہ بھی اگر آپ نکال سکتے ہیں تو نکال لیجیے۔

حالات اور شواہد یہ بتاتے ہیں کہ یہ بنی قنطورہ اسی قوم کا نام ہے جن کو آج کل اہل چین کہا جاتا ہے۔

جب ان کی فوجیں عرب میں قدم رکھیں گی تو اس وقت سمجھ لینا کہ اب تباہی کا وقت آخر ہے اور اس وقت اتنی تباہی ہوگی کہ ایک تہائی آبادی جنگ کی وجہ سے ختم ہو جائے گی۔

یہ حتمی علامت بتائی گئی ہے کہ دنیا کی ایک تہائی آبادی کا خاتمہ ہوگا اور یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ یہ جو آبادی ختم ہوگی یہ زیادہ تر یورپ اور امریکہ کے حصوں میں ختم ہوگی۔

دنیا کی ایک تہائی آبادی ماری جائے گی اور ایک تہائی آبادی کے ختم ہونے کے بعد جنگ کے نتیجے میں ایسی تباہی ہوگی کہ دو وبائیں پھیلیں گی:

ایک قحط کی بیماری اور ایک طاعون کی بیماری۔

قحط کی بیماری تو اتنی پھیلے گی کہ باپ اپنی جوان کنواری لڑکی کو لے کر آئے گا اور کہے گا کہ ایک وقت کی روٹی دے دو اور میری جوان لڑکی کو مجھ سے لے جاؤ۔ قحط کی وجہ سے اس زمانے میں یہ حالت ہو جائے گی۔

جب جنگِ عظیم کا خاتمہ ہو چکا ہوگا تو ایک تہائی آبادی ختم ہو چکی ہوگی' اس کے بعد کا یہ

تذکرہ ہے۔

اب جنگِ عظیم میں کیا کچھ ہوگا؟

روایات میں ہے: اس وقت تک ظہورِ امامؑ نہیں ہو سکتا جب تک کہ انسانوں پر آسمانوں سے موت نازل نہ ہو اور سمندر کے قریب آگ بھڑکتی ہوئی نظر نہ آئے۔

آسمانوں سے موت کس طرح نازل ہوتی ہے؟

آج اس چیز سے ہم بھی واقف ہو چکے ہیں اور آپ بھی واقف ہو چکے ہیں۔

بہرحال!

یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاید یہ ہوائی حملے کی طرف اشارہ ہو۔

جب آسمانوں سے موت نازل ہوگی تو ایک تہائی آبادی کا خاتمہ ہو جائے گا اور باقی بچی دو تہائی آبادی۔ پھر اس دو تہائی آبادی میں سے پھر ایک تہائی آبادی طاعون کی وجہ سے ختم ہو جائے گی اور اب تہائی بچ جائے گی اور اب ظہورِ امامِ زمانہؑ ہوگا تو امامؑ کے ظہور سے پہلے دو تہائی آبادی کا خاتمہ بالکل یقینی ہے اور ایک تہائی آبادی اس وقت بچ جائے گی اور اب یہ ایک تہائی آبادی امامِ زمانہؑ کی منتظر ہوگی اور لوگ اس طرح گڑگڑا کر خدا سے دعائیں مانگ رہے ہوں گے کہ خداوندا! جلد از جلد ظہورِ امامؑ ہو جائے۔

بہرحال!

اب دو تہائی آبادی کے ختم ہونے کے بعد ایک بہت بڑی مصیبت کا سامنا مسلمانوں کو کرنا پڑے گا اور یہ مصیبت سُفیانی کا لشکر ہے۔

جنگِ عظیم، قحط اور طاعون کے نتیجے میں دو تہائی آبادی ختم ہو گئی۔ یہ ایک تہائی چین سے لے کر ترکی کے درمیان علاقے میں ایک تہائی آبادی باقی بچے گی۔

روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یورپ کا براعظم قریب قریب ختم ہو چکا ہوگا، امریکہ میں تباہی ہی تباہی ہوگی، چین کے آگے کا علاقہ بھی قریب قریب خاتمے پر ہوگا۔ دنیا سمٹ کر چین سے ترکی کے درمیانی علاقے میں جمع ہو جائے گی اور اب جتنے واقعات پیش آئیں گے وہ اسی

علاقے کے اندر پیش آئیں گے اس کے آگے کے جو علاقے ہیں ان میں اگر انسان ہوگا بھی تو اتنی قلیل مقدار میں ہوگا اور وہ انسان ایسی زندگی گزار رہے ہوں گے کہ ان کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہوگا۔ اب جتنے بھی انسان رہ جائیں گے وہ ترکی اور چین کے درمیانی علاقوں میں ہوں گے اور ظہورِ امامؑ کی تیاری ہو رہی ہوگی۔ اس سے کچھ پہلے ہمارے پاکستان کا علاقہ ہندوستان تباہ کرے گا اور ہندوستان کے علاقے کو چین تباہ کرے گا اور اسؑ کے بعد چین میں کچھ ایسے طوفان اور کچھ گیسیں استعمال کی جائیں گی، جس سے چین بھی تباہ ہو جائے گا۔

اب دو تہائی آبادی ختم ہو گئی۔ ایک تہائی آبادی بچی، اس وقت رحمت کی علامت بھی اور شیطان کی علامت بھی نازل ہوگی۔ رحمت کی علامت کا نام سید حسنی ہے اور شیطان کی علامت کا نام عثمان سُفیانی ہے۔

ان دو افراد کا ظہورِ امامؑ سے پہلے ہونا بالکل یقینی ہے۔

سُفیانی کا نام عثمان ہوگا۔ یہ ابوسفیان کی نسل سے تعلق رکھنے والا ہے۔

روایات میں ہے: اس کے چہرے پر چیچک کے داغ ہوں گے اور اس کی آنکھیں نیلی ہوں گی اور یہ سُفیانی ہی وہی شخص ہے جس کو امامؑ اپنے ہاتھ سے قتل کریں گے تو یہ ایک نیلی آنکھوں والا ایک شخص ہے جو فلسطین کے کسی علاقے سے خروج کرے گا اور اس کے بعد شام پر قبضہ کرے گا۔

روایات میں یہ بھی ہے کہ عراق اور شام یہ دونوں روس کی وجہ سے تباہ ہوں گے اور روس ان دونوں کا خاتمہ کر چکا ہوگا اس کے بعد سُفیانی فلسطین کے علاقے سے نکلے گا اور شام کے علاقے پر قبضہ کر کے دمشق کو اپنا دارالخلافہ بنائے گا اور اس کا ساتھ دینے کے لیے ستر ہزار زنا زادوں کی فوج اس کے ساتھ پہنچے گی۔

یہ اتنی فوج کہاں سے آئے گی؟

مراکش، لیبیا، تیونس ان تین چار ممالک سے بہت بڑی تعداد میں لوگوں کے قافلے اکٹھے ہوں گے اور وہ مصر سے ہوتے ہوئے، فلسطین سے ہوتے ہوئے شام میں اس کے پاس پہنچیں

گے، آٹھ مہینے اس کی حکومت رہے گی اور اس کا حکم یہ ہوگا کہ ہر وہ شخص جس کا نام محمدؐ، علیؑ حسنؑ، حسینؑ، جعفرؑ، فاطمہؑ یا زینبؑ ہو اسے فوراً قتل کر دیا جائے اور اس کے علاوہ بھی اگر کوئی محبِّ اہل بیتؑ پایا جائے تو ہمیں اس کا پتا بتایا جائے، ہم اسے انعام بھی دیں گے اور اس محبِّ اہل بیتؑ کو قتل کریں گے۔

ہمسائے، ہمسائے کی چغلی کھائیں گے۔ رشتہ دار، رشتہ دار کی شکایت لگائیں گے کہ یہ محبِّ آلِ محمدؐ ہے۔ کثرت کے ساتھ دولت کی خاطر لوگ اپنے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو قتل کروائیں گے صرف اس لیے کہ سُفیانی سے انعام ملے۔

جب سُفیانی آئے گا تو اس وقت روایت میں ہے کہ کسی عورت کو مطمئن نہیں بیٹھنا چاہیے اس لیے کہ بہت کم عورتیں ایسی ہوں گی جو اس کے لشکر سے اپنی عزت کو بچا سکیں گی۔ کسی مرد کو مطمئن نہیں بیٹھنا چاہیے، بہت کم مرد ایسے ہوں گے جو اس کے لشکر سے اپنی گردنوں کو بچا سکیں گے۔

وہ مصر، لیبیا، تیونس، جزائر، مراکش، فلسطین اور شام ان تمام علاقوں کا خاتمہ کرے گا اور اس کے بعد کوفہ میں آ کر کوفہ کو بھی تباہ کرنے کی کوشش کرے گا لیکن کچھ حالات ایسے پیش آئیں گے کہ وہ کوفہ پر قبضہ نہ کر سکے گا اور اسے پلٹ کر دمشق پہنچنا پڑے گا۔

دمشق میں پہنچ کر وہ اپنی فوج کے ایک دستے کو مدینے کی طرف بھیجے گا تاکہ مدینہ اور مکہ کو تباہ کیا جا سکے۔ چناں چہ اس کی فوج مدینے میں آئے گی اور مدینے کے رہنے والوں کا قتل عام کرے گی۔ منبرِ رسولؐ کو گرز مار مار کر توڑا جائے گا اور روضۂ رسولؐ کے اندر گھوڑے باندھے جائیں گے۔

غرض یہ کہ جتنا وہ مدینے کو تباہ کر سکتا ہے اتنا وہ مدینے کو تباہ کرے گا۔ مدینے کی تباہی کے بعد اب یہ مکہ کی جانب چلے گا۔

اب اس مقام پر گفتگو کا ایک حصہ ختم ہوا کہ سُفیانی آٹھ مہینے حکومت کرے گا اور آٹھویں مہینے یہ مدینے کو تباہ کر کے اپنا لشکر مکہ کی جانب بھیجے گا۔ یہ شیطان کی علامت ہے جو اُن علاقوں

میں ظاہر ہو گی۔

دوسری طرف یہ ایران کا علاقہ جس کے بارے میں روایات میں ہے کہ آخری زمانے میں یہ کئی حصوں میں شاید تقسیم ہو جائے تو خراسان کے علاقے سے دوسرے امامؑ کی نسل سے تعلق رکھنے والے ایک مرد مومن اٹھیں گے اور ان کا نعرہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہو گا یعنی ہم نیکی کا پیغام پہنچائیں گے اور برائی سے لوگوں کو روکیں گے اور وہ اپنا ایک بہت بڑا لشکر جمع کریں گے۔ شاید ان کا تعلق طالقان کے قبضے سے ہو گا۔ یہ اپنا پورا لشکر جمع کریں گے اور لشکر جمع کر کے طالقان سے نکلیں گے اور نکل کر پاکستان کے علاقے میں داخل ہو کر ملتان تک پہنچیں گے۔

امیر المومنین علیہ السلام کے خطبہ میں تذکرہ ہے کہ سید حسنی ملتان تک پہنچیں گے اور مکران سے گزریں گے تو بلوچستان سے گزرتے ہوئے ملتان تک پہنچیں گے اور ملتان تک پہنچنے کے بعد اس تمام راستے میں وہ مومنوں کو صحیح مومن بناتے ہوئے جائیں گے۔ ہر ایک کے عمل میں تبدیلی کریں گے اور ہر علاقے کے لوگ ان کی فوج میں شامل ہوتے جائیں گے۔

اب روایت میں ہے کہ ملتان پہنچ کر وہ واپس آئیں گے اور واپس جب آئیں گے تو ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ ہوتے ہوئے بصرہ تک پہنچیں گے۔

اب جو اُن کے لشکر کا نقشہ بنایا گیا ہے کہ خراسان سے ملتان جانا اور ملتان سے گھوم کر ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ بصرہ جانا۔ اس نقشے سے پتا چلتا ہے کہ کوئی تعجب نہیں کہ ہمارے شہر کے قریب سے بھی ان کا گزر ہو کیوں کہ ساحلی علاقے میں ہمارا شہر بھی آتا ہے اور سید حسنی کا گزر جب ہو گا تو اس وقت بڑی تعداد میں مومنین ان کی فوج میں شامل ہو جائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو امامؑ کے ساتھ پہلی آواز میں نہیں ملیں گے لیکن سید حسنی کے لشکر میں شامل ہو جائیں گے۔

اب کیفیت کیا ہوئی؟

اب کیفیت یہ ہو گی کہ ایک طرف سے سُفیانی کا لشکر مدینے کو تباہ کر کے مکہ کی جانب آ

رہا ہے اور دوسری طرف سید حسنی ملتان سے گھوم پھر کر بصرہ کی جانب جا رہے ہیں۔ سید حسنی کا ملتان سے گھوم کر واپس آنا یہ بتا رہا ہے کہ شاید ملتان سے آگے کوئی آبادی نہ ہو یا اگر آبادی ہو تو اتنی معمولی یا اتنی وحشی آبادی کہ وہاں جانا ان کے نزدیک بے کار ہے تو ملتان تک کا علاقہ تو آباد رہے گا یعنی ایران تک سے ملتان تک کا علاقہ۔ وہاں سے پلٹ کر یہ چلیں گے۔ اب جب یہ کیفیت ہوگی کہ سفیانی مدینے کو تباہ کر کے مکہ کی جانب آ رہا ہے۔ سید حسنی ملتان کو فتح کر کے بصرہ کی جانب جا رہے ہوں گے۔ اس وقت ایک مرتبہ امامؑ کے ظہور کا وقت آ جائے گا اور ظہور امامؑ سے پہلے کے کچھ واقعات اس سے پہلے بتائے جا چکے ہیں۔

یہ دو بڑی علامات ہیں۔

سفیانی مدینہ تباہ کر کے مکہ کی جانب آ رہا ہوگا اور سید حسنی ملتان تک کے لوگوں کو مومن بنا کر ہر شہر سے اپنی فوج میں لوگوں کو شامل کرتے ہوئے بصرے کی جانب آ رہے ہوں گے اور کوئی تعجب نہیں کہ ہمارے علاقے سے گزریں اور یہاں سے بھی کچھ مومنین ان کے لشکر میں شامل ہو جائیں۔

بس!

یہی وقت ظہور امامؑ ہے اور اس سے آٹھ مہینے پہلے عجیب و غریب واقعات شروع ہو جائیں گے۔

جمادی الثانی اور رجب کے مہینے میں کثرت کے ساتھ بارشیں ہوں گی۔ یہاں تک کہ روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ تو چوبیس دن تک لگاتار بارش ہوتی رہے گی اور ایک لمحے کے لیے بھی بارش کا سلسلہ نہ رُکے گا۔

شعبان کے مہینے میں چاند گرہن اور سورج گرہن لگے گا مگر تمام حساب و کتاب کے برعکس۔

ماہِ رمضان میں شبِ قدر کے بارے میں انتہائی تاکیدی حکم ہے اور یہ روایت جو ابھی آپ کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے یہ شیعہ سنی تمام کتابوں میں موجود ہے۔ یہاں تک کہ صحیح بخاری میں بھی موجود ہے کہ پیغمبرؐ اسلام نے ارشاد فرمایا: جب تیسویں رمضان آئے تو

تیئس (۲۳) کا دن جمعہ کا دن ہوگا۔ خبردار! تمام رات عبادت بجالانا مگر اگلے دن گھر سے باہر نہ نکلنا اور دوپہر کے وقت تیار ہو کر بیٹھ جانا' گھر کے دروازے بند کر لینا' گھر کے دروازوں اور کھڑکیوں کو اس طرح سے بند کر لینا کہ چھوٹی سے چھوٹی چیز گھر میں داخل نہ ہونے پائے۔ اپنے کانوں کو بند کر کے بیٹھنا اور اپنے آپ کو زمین کے قریب کر لینا کیوں کہ عین دوپہر کے وقت ایک دھماکے کی آواز آئے گی۔ ایسا دھماکہ ہوگا کہ جس کے کان میں آواز پہنچے گی وہ بہرہ ہو جائے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ خبردار! کسی شیشے کی چیز کے قریب نہ رہنا' شیشے کی چیزوں کے قریب سے دور رہنا۔ یہ ساری علامات بتارہی ہیں کہ کوئی تعجب نہیں کہ کسی بم وغیرہ کے دھماکے کا تذکرہ ہو۔

بہرحال!

روایت میں ہے کہ تیئس (۲۳) رمضان کو یہ دھماکے کی آواز آئے گی۔ شوال اور ذوالقعدہ کے مہینے میں چھوٹے چھوٹے گروہ آپس میں لڑیں گے۔ ذوالحجہ کی تیئس (۲۳) تاریخ کو خانہ کعبہ کی سرزمین پر ایک آلِ محمدؐ کی نسل سے تعلق رکھنے والے مومن کو شہید کیا جائے گا۔

اب اس کے بعد محرم کا مہینہ آچکا ہوگا۔

سُفیانی کا لشکر مدینے اور مکے کے درمیان ہے اور سید حسنی کا لشکر ملتان سے پلٹ کر بصرہ کی جانب آرہا ہوگا۔ ایک روایت میں ہے کہ رات کے وقت امامِ زمانہؑ ظہور فرمائیں گے' آدھی رات اور صبح کے وقت کے درمیان لیکن مومنوں کو یہ اطلاع صبح سویرے پہنچے گی۔ امامِ زمانہؑ اپنے گھر میں ہوں گے۔

کون سا گھر؟

مکہ میں امامِ زمانہؑ آخری زمانے میں تشریف لے آئیں گے اور ہر وقت انتظار کریں گے کہ کب حکمِ الٰہی آتا ہے۔

روایت میں ہے: جب حکمِ الٰہی آئے گا تو ایک مرتبہ وہ لپٹا ہوا پرچم' وہ پرچم جو صرف دو

موقعوں پر استعمال ہوا' ایک جنگِ بدر میں اور دوسرا جنگِ جمل میں تو اب وہ لپٹا ہوا پرچم امامؑ کے ہاتھ میں ہوگا وہ خود بہ خود کھل جائے گا اور اس میں سے آواز آئے گی: یا ولی اللہ! مجھے ہاتھ میں لینے کا وقت آ گیا ہے اور کمر کے اندر جو ذوالفقار موجود ہے ایک مرتبہ ذوالفقار نیچے سے بلند ہوگی' امامؑ کے چہرے کے مقابل آئے گی اور کہے گی: یا ولی اللہ! مجھے ہاتھ میں لینے کا وقت آ گیا ہے۔

ان دو علامتوں سے امامؑ سمجھ جائیں گے کہ بس اب وقتِ ظہور ہے چناں چہ اپنے گھر سے نکلیں گے' مقامِ ابراہیمؑ اور رکن یمانی کے درمیان بیٹھیں گے اس طرح سے کہ امامؑ کی پیٹھ خانہ کعبہ کی دیوار سے لگی ہوگی اور ایک مرتبہ کہیں گے:

اَنَا حُجَّةُ اللّٰهِ عَلَى الْاَرْضِ

"میں اس زمین پر اللہ کی حجت ہوں۔"

امامؑ کی یہ آواز سن کر سب سے پہلے حضرت جبرئیل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام تشریف لائیں گے اور امامؑ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ اس کے بعد چار ہزار فرشتے منصور نامی فرشتے کی سربراہی میں آئیں گے۔

یہ وہی چار ہزار فرشتے ہیں جن کے سردار کا نام منصور ہے جو کربلا میں پہنچے تھے اور کربلا پہنچ کر حضرت امام حسین علیہ السلام سے نصرت کی اور مدد کی خواہش ظاہر کی تھی مگر حضرت امام حسین علیہ السلام نے منع کر دیا تھا کہ اس وقت مصلحت نہیں ہے کہ ہم کسی کی مدد طلب کریں۔ بعد از شہادت یہ چار ہزار فرشتے امامؑ کے روضہ پر بیٹھ کر تمام عرصہ ماتم کرتے ہوئے گزار رہے ہیں۔ لیکن جب وقتِ ظہورِ امامؑ ہوگا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام کے فوراً بعد یہ چار ہزار فرشتے اپنے سردار منصور کی قیادت میں امامؑ کے پاس آ کر امامؑ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ اس کے بعد چار مومنوں کی ایک جماعت آئے گی جن میں چاروں پیغمبر ہوں گے:

① حضرت خضر علیہ السلام ② حضرت الیاس علیہ السلام

③ حضرت ادریس علیہ السلام ④ حضرت عیسٰی علیہ السلام

البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور باقی یہ تین پیغمبر بعد میں تشریف لائیں گے لیکن ان کی طرف سے بیعت پہلے کر لی جائے گی۔

اب اس کے بعد ستائیس (۲۷) مومنین کی ایک جماعت مکہ میں داخل ہو گی جن میں سات تو وہ ہیں جن کو اصحاب کہف کہا جاتا ہے جو اپنے غار میں سو رہے ہیں اور وقتِ ظہور انھیں اُٹھایا جائے گا اور وہ سات کے سات مکہ میں آ کر امامؑ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔

پندرہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مومن ہیں جو ایک لمحے کے لیے بھی سیدھے راستے سے نہ ہٹے۔

پانچ آدمی اور منتخب ہیں:

① حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصی حضرت یوشع ابن نون۔

② حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

③ حضرت مقداد ابن اسود رضی اللہ عنہ

④ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ

⑤ حضرت مالک اشتر رضی اللہ عنہ

یہ پانچ وہ ہیں جن کا نام خاص طور پر بتایا گیا ہے۔

یہ ستائیس (۲۷) آدمی آ کر امامِ زمانہؑ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور اتنی دیر میں صبح کی روشنی نمودار ہو جائے گی اور صبح سویرے تمام دنیا میں ایک آواز گونجے گی اور ہر مومن اپنے کانوں سے اس آواز کو محسوس کرے گا کہ اے دنیا والو! ظہورِ امامؑ ہو گیا ہے۔

وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

(سورۂ مبارکہ بنی اسرائیل آیت ۸۱)

"اور (اے رسولؐ) کہہ دو (دین) حق آ گیا اور (دین) باطل نیست و نابود ہوا۔ اس میں شک ہی نہیں کہ باطل مٹنے والا ہی تھا۔"

امامؑ تشریف لے آئے ہیں اور امامؑ کا ساتھ دینے کے لیے چلو۔

اس وقت دنیا کے انسانوں کے تین گروہ ہو جائیں گے ایک وہ جو یہ آواز سنے گا اور

بمذاق اُڑا کر ٹال دے گا کہ یہ کیا آواز ہے۔

دوسرے دو گروہ صحیح گروہ ہوں گے ان میں سے ایک گروہ تو امامؑ کی مدد کرنے کے لیے فوراً تیار ہو گا لیکن اپنی ملازمت کو دیکھنا' سواری کا بندوبست کرنا' بیوی بچوں کا خیال کرنا' اس کے دل میں یہ ارادہ ہو گا کہ میں امامؑ کے پاس جاؤں گا لیکن انتظار کرتے کرتے اور انتظام کرتے کرتے شام کا وقت ہو جائے گا اور شام کے وقت ایک مرتبہ شیطان کی آواز آئے گی کہ اے انسانو! یہاں سے چلو اور فلسطین میں جو سُفیانی ہے وہ تمھارا امام ہے چل کر اس کے ہاتھ پر بیعت کرو۔

اب یہ لوگ جو تیار تو ہو گئے تھے لیکن اب چکرا جائیں گے کہ وہ آواز صحیح ہے یا یہ آواز صحیح ہے۔ گھبرا کر سوچیں گے کہ اس چکر میں پڑنے سے بہتر ہے کہ انتظار کرو۔ جب امامؑ آئیں گے تو دیکھا جائے گا۔ چناں چہ یہ اس سعادت سے محروم رہ جائیں گے۔

تیسرا گروہ وہ ہو گا کہ اِدھر کان میں آواز آئی' اُدھر نہ گھر کا خیال' نہ بیوی کا خیال' نہ بچوں کا خیال نہ آنے جانے کا خیال' بس ایک مرتبہ نام خدا لے کر قدم باہر رکھیں گے اور روایت میں ہے کہ پہلا قدم اگر گلی میں ہو گا تو دوسرا قدم جب اُٹھائیں گے تو رکن یمانی اور مقامِ ابراہیمؑ کے درمیان اس حالت میں پہنچیں گے کہ سامنے امامِ زمانہؑ موجود ہوں گے اور ان کی بیعت کریں گے (صلوات)۔

جب امامؑ کے پاس یہ تین سو تیرہ (۳۱۳) جو پہلی آواز سن کر پہنچیں گے امامؑ کے پاس جمع ہو جائیں گے۔ اس کے بعد پھر بھی لوگ آتے رہیں گے اور دس ہزار تک کا لشکر مکہ میں ہو جائے گا تو امامؑ سب سے پہلے مکہ کی تطہیر کریں گے' مکہ کے اندر جتنے بھی دشمنانِ اہل بیتؑ ہوں گے ان سب کو ایک مرتبہ تبلیغ کی جائے گی اور تمام کے تمام امامؑ کی بات مان لیں گے' امامؑ اپنے نائب کو مقرر کریں گے اور اس کے بعد مکہ سے چلنے والے ہوں گے کہ ایک آدمی دوڑتا ہوا آئے گا اس طرح سے آئے گا کہ اس کا منھ اُلٹا ہو گا یعنی اس کا پورا منھ پیٹھ کی جانب ہو گا اور اسی حالت میں وہ دوڑتا ہوا آئے گا اور امامؑ کے سامنے آ کر کہے گا: یا بن رسولؐ اللہ!

میں آپؑ کو ایک خوش خبری سنانے آیا ہوں۔

اصحاب امامؑ دریافت کریں گے: کیا خوش خبری ہے؟

وہ کہے گا: ہم دو بھائی تھے' ہم دونوں سُفیانی کے لشکر میں شامل تھے اور ہم نے مدینے کی تباہی میں حصّہ لیا تھا۔ جب ہمارا لشکر مدینہ اور مکہ کے درمیان پہنچا تو ایک مرتبہ ایک خوف ناک آواز آئی اور ہمارا پورا لشکر زمین کے اندر غرق ہو گیا۔ صرف ہم دو بھائی بچے تھے۔ اس وقت ایک فرشتہ نکلا اس نے اتنا زور سے تھپڑ ہمارے منھ پر مارا کہ ہمارا منھ پھر گیا اور منھ اُلٹا ہو گیا اور اس کے بعد اس نے میرے بھائی سے کہا: تو سُفیانی کے پاس جا کر اطلاع دے کہ امامؑ کا ظہور ہو چکا ہے اور تیری موت یقینی ہے اور مجھ سے کہا: تو امامؑ کے ساتھیوں کو جا کر اطلاع دے دے کہ سُفیانی کا لشکر ختم ہو چکا ہے اور مکہ تباہی سے بچ گیا ہے تو میں آپؑ کے پاس آیا ہوں۔

امامِ زمانہؑ لشکر کو تیار کر چکے ہوں گے' لشکر نکلے گا مگر ابھی چند قدم جائے گا کہ مکہ والے بغاوت کریں گے۔ امامؑ کے نائب کو قتل کر ڈالیں گے' امامؑ واپس آئیں گے اور جیسے ہی مکہ والے امامؑ کو واپس آتا دیکھیں گے تو ایک مرتبہ ہاتھ جوڑتے ہوئے امامؑ کے قدموں پر گریں گے۔ امامؑ دوبارہ معاف کر دیں گے۔

دوسرا نائب مقرر کر کے پھر روانہ ہوں گے۔ چند قدم چلے ہوں گے کہ مکہ والے دوسرے نائب کو بھی شہید کر دیں گے۔ امامؑ پلٹ کر واپس آئیں گے۔ اب توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا اور سب سے پہلے امامؑ کی تلوار مکہ کی سرزمین پر حرکت میں آئے گی اور خانۂ خدا کے چاروں طرف جتنے بھی دشمنانِ اہل بیتؑ ہوں گے ان سب کا خون بہا کر مکہ کی سرزمین کو پاک کیا جائے گا۔ اس کے بعد یہ لشکر مدینے کی جانب چلے گا اور مدینے میں یہ لشکر پہنچے گا۔

اب مدینے میں داخل ہو کر پہلا کام کیا کیا جائے گا؟

پہلا کام یہ کیا جائے گا کہ روضۂ رسولؐ میں پہنچیں گے اور دو مُردوں کو نکالیں گے اور سزا دیں گے۔

بہر حال!

اس کے بعد مدینے میں جتنے گم راہ لوگ موجود ہوں گے ان کو قتل کیا جائے گا اور مدینے کے جو صحیح مومنین ہوں گے وہ امامؑ کے لشکر میں شامل ہوں گے۔ امامؑ مدینے کو صحیح کر کے کوفہ کی جانب چلیں گے۔

سید حسنی بصرہ میں پہنچ چکے ہوں گے۔ ان کو اطلاع ملے گی کہ امامؑ کوفہ میں تشریف لائے ہیں۔ چناں چہ سید حسنی کوفہ میں آئیں گے اور آنے کے بعد ایک مرتبہ سوال کریں گے کہ میں نے سنا ہے آپؑ نے دعوائے امامت کیا ہے اس لیے آپؑ اپنی امامت کا ثبوت پیش کیجیے؟

سب سے پہلے تو وہ علم جو جنگِ بدر اور جنگِ جمل میں لہرایا گیا' وہ علم اپنی زبان میں کہے گا: میں اس وقت امامؑ کے ہاتھ میں ہوں۔ پھر ذوالفقارِ حیدری ایک مرتبہ بولے گی: اے سید حسنی! میں حقیقت میں زمانے کے امامؑ کے ہاتھ میں ہوں۔

امامؑ کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہوگا' امامؑ اس عصا سے کوفہ کے ایک پتھر پر ضرب لگائیں گے تو اس پتھر سے بارہ چشمے پانی جاری ہو جائیں گے۔ اس کے بعد امامؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ کُرتا دکھائیں گے' جسے پہن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نارِ نمرود میں گئے تھے اور اس کُرتے کی برکت سے ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ کُرتا گواہی دے گا کہ میں اسی کے جسم پر ہوں جو ابراہیم علیہ السلام کا بھی آقا ہے۔

اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی دکھائیں گے جس کی وجہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام ہوا اور جنوں پر حکومت کیا کرتے تھے۔

اس کے بعد امامؑ پیغمبرِ اسلام کے وہ موزے دکھائیں گے جو پیغمبرِ اسلام پہنا کرتے تھے۔

اس کے بعد امامِ زمانہؑ حضرت امام حسین علیہ السلام کا عمامہ دکھائیں گے۔

ایک ایک کر کے تمام تبرکات دکھائیں گے اور آخر میں ایک زرہ نکالیں گے۔ یہ زرہ وہ زرہ ہے جو پیغمبرِ اسلام سے لے کر گیارھویں امامؑ تک مسلسل ہر امام کو ملتی رہی اور اس کی خصوصیت یہ ہے کہ سوائے امامؑ کے اس کو کوئی پہن ہی نہیں سکتا۔ تو امامِ زمانہؑ یہ زرہ سید حسنی کو دکھائیں گے۔ اس کے بعد سید حسنی فوراً امامؑ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور تمام لشکر بھی امامؑ

کے ہاتھ پر بیعت کرے گا۔ صرف چار ہزار مومن امامؑ کو ماننے سے انکار کریں گے۔ تین دن تک انھیں توبہ کا موقع دیا جائے گا اور انھیں تبلیغ کی جائے گی' پھر انھیں قتل کر دیا جائے گا۔

اب امامِ زمانہؑ یہاں سے دمشق کی طرف چلیں گے اور جب دمشق پہنچیں گے تو سُفیانی کا لشکر تیار کھڑا ہو گا۔

جمعہ کا دن ہو گا' صبح کی نماز کا وقت ہو گا' دونوں لشکر صفیں باندھ کر تیار کھڑے ہوں گے۔ امامؑ کا لشکر نماز پڑھنے کے لیے تیار ہو گا کہ نماز ہو تو ہم میدانِ جہاد میں نکلیں لیکن لوگ دیکھیں گے امامؑ نماز نہیں پڑھا رہے بل کہ بار بار آسمان کی جانب دیکھ رہے ہیں۔

لوگ کہیں گے: یا بن رسولؐ اللہ! نماز پڑھائیے۔

امامؑ فرمائیں گے: ابھی مجھے ایک آنے والے کا انتظار ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد آسمانِ چہارم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر تشریف لائیں گے اور زمین پر آنے کے بعد پہلے امامؑ کو سلام کریں گے۔ امامؑ سلام کا جواب دے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کریں گے کہ آپؑ نماز پڑھائیے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے: اے اللہ کی حجتؑ! آپؑ کی موجودگی میں مَیں کیسے نماز کی امامت کے فرائض سرانجام دے سکتا ہوں؟

اب امامِ زمانہؑ نماز پڑھائیں گے اور اس کے بعد سُفیانی کے لشکر سے امامؑ کے لشکر کا مقابلہ ہو گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ سُفیانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے دمشق میں مارا جائے گا اور اس خطرے کا خاتمہ ہو جائے گا۔

جب یہ خطرہ ختم ہو جائے گا اور امامؑ کو آئے ہوئے اٹھارہ دن ہوں گے تو اب دجال خروج کرے گا اور لوگوں کو گم راہ کرنا شروع کر دے گا۔

بہرحال!

امامؑ کوفہ سے کسی کام سے نکلیں گے اور دجال کوفہ پر حملہ کرے گا کیوں کہ کوفہ امامؑ کا

دارالخلافہ ہوگا۔

کون سا کوفہ؟

یہ والا کوفہ نہیں بل کہ روایت میں ہے کہ اس زمانے میں آبادی اتنی زیادہ پھیل جائے گی کہ کوفہ سے کربلا تک پورا ایک شہر بن چکا ہوگا اور یہ پورے کا پورا امامؑ کا دارالخلافہ ہوگا۔

دجال امامؑ کی غیر موجودگی میں کوفہ پر حملہ کرے گا لیکن امامؑ کا لشکر واپس آئے گا۔ دجال امامؑ کو دیکھ کر بھاگے گا۔ فلسطین میں ایک مقام پر دجال امامِ زمانہؑ کی تلوار سے قتل ہو جائے گا اور پورا لشکر امامؑ کے ہاتھوں قتل ہوگا اور اتنا خون بہے گا کہ دس میل تک خون ہی خون دکھائی دے گا۔

اب امامؑ کی حکومت مکمل طور پر قائم ہوگی۔

یہ کون سی حکومت ہوگی؟

یہ حکومت شرعیہ ہوگی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ

وَ عَجِّلَ اللّٰهُ تَعالٰی فَرَجَهُ الشَّرِیفُ

.......✷.......



ادارہ منہاج الصالحین لاہور